رجسٹرڈ نمبر ۱۸۷ جولائی ۱۹۳۲ء

معارف

مجلس دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر
دفتر دار المصنّفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

سیر الصحابہ

مسلمانوں کو از سر نو اپنی زندگی کے انقلاب اور پھر ترقی و عروج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس طرز زندگی اور مقصد حیات سے واقف ہوں، جو ان کے سب سے مقدس اور پاک عہد میں نمایاں تھا، نہ صرف مذہبی، روحانی، اور اخلاقی حیثیت سے بلکہ دنیاوی فیوض کمالات اور دولت و ثروت اور فتوحات کے لحاظ سے بھی وہ دور مسلمانوں کے تمام عہد میں ممتاز ہے، اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لیکر مسلمان کیونکر ترقی کر سکتے ہیں،

اسی غرض سے دار المصنفین کے رفقا نے پندرہ ۱۵ برس کے مسلسل مطالعہ، محنت، تلاش اور تحقیق سے اس عہد کے حالات اور سوانح کو متعدد جلدوں میں قلم بند کرکے مسلمانوں کی نگاہوں کے سامنے اس عہد کی زندگی کی پوری تصویر کھینچ دی ہے جس کو رسول اللہ صلعم نے دنیا میں پیش کیا تھا، اور اس طرح یہ مبارک سلسلۂ سیر الصحابہ وہ آئینہ ہے، جسمیں اس عہد کا مقدس چہرہ تیرہ سو برس کے بعد بھی بعینہ مسلمانوں کو نظر آسکتا ہے،

اب تک اس کے حسب ذیل حصے شائع ہوکر نظر افروز ہوچکے ہیں،

۱- خلفائے راشدین، چاروں خلفائے راشدین کے مذہبی، سیاسی، علمی، اخلاقی حالات، خصوصیات حکومت، فتوحات وغیرہ ... سے ۳ ۸ر

۲- مہاجرین جلد اول، بڑے بڑے مہاجر صحابہ کے حالات و کمالات بہ ترتیب نام ...... للعہ ۲ ر

۳- ″ ″ جلد دوم۔ عام مہاجر صحابہ کے حالات و سوانح ...... سے ۳ ۸ر

۴- انصار جلد اول، انصار کرام کے ایمان پرور حالات ...... سے ۸ر

۵- انصار جلد دوم، انصار کرام کے ایمان پرور حالات ...... عہ ۸ر

۶- صحابیات:- صحابی خواتین کے حالات بہ ترتیب نام ...... عہ ۴ر

۷- اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابۂ کرام کے عقائد، عبادات، اخلاق، طرز معاشرت کی مقدس مجموعی تصویر ...... سے ۳ ۸ر

۸- ″ ″ جلد دوم، صحابۂ کرام کے سیاسی، حکومتی، مذہبی اور علمی خدمات کی تفصیل ...... للعہ ۴ ر

۹- اسوۂ صحابیات، صحابی خواتین کے مذہبی، علمی، اور اخلاقی خدمات و کمالات ...... صہ ر

لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ، ایک تقطیع پر،

پورے سٹ کی قیمت عـــہ ۲۸ روپیہ ہوتی ہے، لیکن پورے سٹ کے عام خریدار کو عـــہ ۲۴ روپیہ میں ملے گی، اور تاجروں کے ساتھ عـــہ ۲۵ فیصدی کی رعایت ہوگی،

منیجر

عدد ۱	ماہ صفر المظفر ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۲ء	جلد سی ام

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

پچھلے سال پنجاب یونیورسٹی کی اسلامی تاریخ کی بعض نصابی کتابوں پر اعتراضات کئے گئے تھے، اور آخر کار اُن میں سے بعض کتابیں خارج کردی گئی تھیں، امسال شاید اسی ڈر سے کہ انگریزی میں اسلامی تاریخ کی قابل قبول کتابیں نہیں ملسکتیں، سرے سے اسلامی تاریخ ہی کے مضمون کو یونیورسٹی سے خارج کردیا گیا ہے، اور اس پر پنجاب کے مسلمانوں میں بجا شورش برپا ہے، ہر قوم کی تاریخ اس قوم کی روح ہوتی ہے، کسی قوم کے تعلیمی جسم سے اسکی روح کو سلب کرلینا کہاں کا انصاف کرنا ہے، مگر ضرورت اسکی ہے کہ خود مسلمان فضلاء اپنی تاریخ کی طرف آپ متوجہ ہوں اور اپنا سرمایہ خود اپنے ہاتھ سے جمع کریں، بغیر اس کے یہ مسئلہ "بلاے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ" کی مثال ہوگا، تاریخ اسلام رکھی جائے، مگر کتابیں وہ ہوں جو ہمدردی کے بجاے عداوت کے رنگ میں لکھی گئی ہیں، تو اونکا قبول کرنا بھی مشکل، اور اگر اس ڈر سے سرے سے تاریخ اسلام ہی حذف کردیجائے تو بھی ناقابل قبول، اس بنا پر مسلمانوں پر دو کام فرض ہیں، اول یہ کہ یونیورسٹی اس ضروری مضمون کو داخل نصاب کرے، اور دوسرے یہ کہ مسلمان اس کے لیے مناسب کتابیں بہم پہنچائیں، یا ایسے لائق اساتذہ رکھوائیں، جو تعلیم و تدریس کیساتھ فرض تالیف بھی انجام دیں،

پچھلے پرچہ میں مصر کے تعلیمی فتنہ کی نسبت ہم نے جو کچھ لکھا تھا، اسکو گرچہ قوم کے اکثر "بزرگوں" نے پسند کیا، مگر ہمارے ایک "عزیز دوست"، جو مصر سے تعلیم پاکر آئے ہیں، اور ایک روزنامہ کے اڈیٹر ہیں سخت برہم ہوئے ہیں، یہانتک کہ ہم کو جہالت اور نادانی، اور رجعت پسندی کا ملزم قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ ہمارے خیالات جہلاء اور عوام کو خوش کرینگے، مگر اہل علم کی نظر میں انکی وقعت نہ ہوگی، ہم ان اعتراضات کے ترکی بہ ترکی جواب دیسکتے تھے، مگر اسلئے

نہین دیتے کہ ہماری جہالت اور رجعت پسندی ہمکو یہ سبق نہین بھولنے دیتی کہ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا

عزیز موصوف سے ہمکو اب بھی اسی طرح محبت ہے، اور ان کے حق مین ہم اب بھی اسی طرح دعائے خیر کرتے ہین، اور ان کی اینٹ کے جواب مین ہم پتھر نہین مارنا چاہتے کہ

وَاِذَا رُمِيْتُ يُصِيْبُنِيْ سَهْمِيْ،

جہالت ونادانی تو خیر ایسی چیز ہے کہ اسکی نسبت خود خدا کا فیصلہ ہے کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ، البتہ رجعت پسندی سے مقصود اگر مذہبی قدامت پسندی ہے تو ہم اس الزام کو فخر قبول کرتے ہین، اور اگر سیاسی رجعت پسندی کی طرف اشارہ ہے تو یہ قطعًا بے بنیاد ہے وَاِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ،

کلکتہ سے ماڈرن ریویو کے مالک بابو راماننداچٹرجی کی ملکیت مین ہندی کا ایک رسالہ وشال بھارت نکلتا ہے، اور وہ ہندی کے اول درجہ کے رسالون مین شمار ہوتا ہے، اسکے اپریل ۳۲ء کے نمبر مین ایک صاحب گیانندرصوفی مولوی فاضل کا ایک مضمون شائع ہوا ہے کہ "کیا پراچین عرب نواسی ہندو تھے"؟ اور اسکا جواب مختلف دلیلون سے اثبات مین دیا ہے، مگر افسوس کہ یہ تمام دلیلین بادر ہوا ہین، اگر ممکن ہوا تو اس مضمون کا مفصل جواب ہندی ہی مین شائع کرایا جائیگا، لیکن اچھا ہوتا کہ مولوی فاضل کسی مولوی فاضل والی زبان مین اپنی تحقیقات پیش کرتے کہ اسکو ہندی جاننے والون سے نہین بلکہ عربی وفارسی جاننے والون سے منوانا ہے،

پچھلے نمبر مین ہمنے اپنی سیرۃ النبی کے ترجمہ کی نسبت غلطی سے یہ لکھا تھا کہ وہ مدراس کی ملیالم زبان مین ہے، حالانکہ وہ درحقیقت ٹامل مین ہے، چونکہ ہم اس زبان کو نہین جانتے اسلئے کتاب کی اصلی حیثیت کی نسبت کچھ نہین کہہ سکتے، مگر جہانتک فصول وابواب اور فہرست کا تعلق ہے یہ کہہ سکتے ہین کہ شاید اردو کے علاوہ ہندوستان کی کسی صوبہ دار زبان مین اسکی مثال نہ ملسکی، حافظ محمد یوسف صاحب باقوی اور ان کے رفیق کار کو انکی اس کامیاب کوشش پر مبارکباد دیں، امید ہے کہ وہ سیرت کے اس ترجمہ کو مکمل کرینگے، یہ سنکر بھی خوشی ہوئی کہ موصوفین ہمارے رسالہ اہلسنت کا ترجمہ بھی ٹامل مین چھاپنا چاہتے ہین،

عربی رسالہ الضیاء لکھنؤ ہمارے عزیز مولوی مسعود عالم صاحب ندوی کے زیر ادارت نکل گیا، مضامین اگرچہ بہت بلند نہین ہین تاہم عربیت کے لحاظ سے خاصہ بلند ہے، حسن ترتیب ومعنوی بلندی کی بھی بہت کچھ توقعات ہین اگر ضرورت

سلی ہو کر حدیث کے حامی، ورنہ یوں انکی طرف توجہ کریں، کہ ملک میں پانچ سو بھی اس کے خریدار ہم نہ پہنچ سکینگے، یہ بھی ارادہ ہے کہ عربی کے مختصر رسائل اور متوسط حجم کتابیں، تصحیح و تحشیہ کے بعد اس کے ساتھ شایع کیجائیں، چنانچہ ہمارے دوست [illegible] ایک نادر رسالہ اسکے لیے تیار کر رہے ہیں، امید ہے کہ اسکے ذریعہ عربی کی قدیم تصنیفوں کی اشاعت کا ایک نیا سلسلہ بھی پیدا ہو جائیگا، اور اس پر بھی رسالہ کی سالانہ قیمت ہی ۴ روپیے رہیگی،

غازیپور میں حضرت شاہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ایک مدت سے آباد ہے، اللہ تعالیٰ نے شرافت حسب و نسب کے ساتھ علم و دولت کو بھی اس خاندان میں جمع کر دیا ہے، اس خاندان کے ایک مشہور ممبر شاہ منیر عالم صاحب ہیں جنکو بزرگوں کے اندوختہ کی حفاظت کا بڑا شوق ہے، لوگوں کو یاد ہوگا کہ الہ آباد میں بزرگوں کی یادگار منشی غلام غوث صاحب بیخبر میر منشی لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ، ایک بزرگ تھے، جنکے نام غالب مرحوم کے خطوط چھپے ہوئے ہیں، ان کے پاس فارسی دواوین کا بڑا ذخیرہ تھا، یہ ذخیرہ جناب شاہ منیر عالم صاحب نے خرید لیا تھا، اور اس وقت ان کے پاس ہے، مجھے بھی شاہ صاحب کی عنایت سے اس ذخیرہ کی کچھ کتابیں دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی، جنمیں حسب ذیل چیزیں قابل ذکر معلوم ہوئیں، دیوان ملا سعید اشرف مازندرانی، استاد زیب النساء بیگم، رسائل نعمت خان عالی، دیوان نوعی، رقعات حزین، دیوان کمال، دیوان کامل عرفی، کلیات خواجہ میر اثر، مثنوی خواب و خیال، دیوان محتشم کاشی، دیوان ظہیر فاریابی، دیوان صائب، دیوان فاخر مکین، مثنوی نادری، شہزادہ بلند اختر، قصۂ مرت معشوق و خوش، سب سے بہتر چیز حافظ کا ایک دیوان ہے جسکو ملا مقصود ولد آقا ملا اسرائی نے اکبر کے عہد میں ایران میں دس برس کی مدت میں مختلف قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے صحیح کیا ہے، اس میں حافظ کے نام کی یہ غزل موجود نہیں، ع "آنچہ شوریست کہ در دور قمر می بینم" اس سے اس غزل کے الحاقی ہونے کا گمان ہوتا ہے،

مقالات

ہندوؤن کا ایک عجیب فرقہ

چند مہینون کا ذکر ہے کہ جونپور یا اعظم گڈھ کے کسی مقام سے چند ہندو جو زناری کا پیشہ کرتے تھے تانبے کا ایک پتر لیکر اس غرض سے میرے پاس آئے تھے کہ مین اس پتر کی تحریر کو جو فارسی مین تھی پڑھکر اوس کا مطلب اون کو سمجھا دون، شاید یہ ضرورت کسی مقدمہ کے سبب اون کو پیش آئی تھی، اس زمانہ مین مین مصروف زیادہ تھا، اون کے اس پتر کا فوٹو نہ لے سکا، البتہ اوسکی ایک نقل کراکر اپنے پاس رکھ لی،

یہ تحریر ۸۱۹ھ مین دار القضا دہلی مین رجسٹرڈ کرائی گئی، اور ۸۲۲ھ مین اسی مسی تختہ پر نقش کی گئی ہے،

۸۱۹ اور ۸۲۲ھ سید بادشاہون کے خاندان کے بانی سید خضر خان بن ملک سلیمان کا زمانہ ہے جس نے ۸۱۷ھ سے ۸۲۴ھ تک دلی مین فرمانروائی کی، اس وقت کے دار القضاء کے قاضی کا نام اسکی مہر پر لطیف اللہ علوی اور مفتی کا نام بطور گواہ کے رحیم اللہ ہے، اسی طرح وسط تحریر مین سرکار شاہی کے خزانچی کا نام منی رام سیٹھ ہے اور بطور گواہ کے دوسرا نام دینیال دیوان سرکار شاہی کا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا خزانہ اس عہد قدیم مین بھی ہندو بھائیون ہی کے ہاتھون مین تھا،

اس تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ متعدد ہندو جو شاہی جوہار تھے کسی سرکاری الزام مین ماخوذ ہوئے، اور اون کو توپ سے اوڑا دینے کا حکم ہوا، مگر شاہی خزانچی سیٹھ منی رام نے اپنے گرو نند جی رام چوبے ساکن جونپور کے اشارہ سے بادشاہ کے حضور مین ان کی سفارش کی، جو منظور ہوئی، لیکن یہ حکم ہوا کہ یہ ہتھیار نہ باندھین زنار

پہنین اور اپنا پیشہ اور قومیت بدل لین، اور سوناری کا پیشہ اختیار کرین، لیکن چونکہ انکی معافی گروجی کے ذریعہ سے ہوئی تھی اس لئے یہ شرط ٹھہری کہ یہ لوگ گروجی کے مرید بن جائین، اور سنسکار (مراسم) ادا کرکے کشب گوت بن جائین، اور درگاہی کا زنار باندھین، اور نترو کنٹھی پہنین، اور ہر شادی مین زنار بندی کے وقت نیز ادہ پیشہ شروع کرتے اور دوکان کھولتے وقت نیز اور ہر سال ساون سودی ایکادشی مین گروجی کے نذر کیا کرین گے، اور یہ معاہدہ گروجی اور ان کے ان مریدون مین نسلاً بعد نسل قائم رہے گا، چنانچہ وہ آج تک قائم ہے،

اس تمہید کے بعد اوس منقوش تحریر کی نقل ذیل مین درج کیجاتی ہے:-

ھو

اطلعت علی مضمون السرد (المسود؟) المسطور لہ (؟)

۱۰۱۹ھ

یعطوا الجزیۃ عن

ختیم اللہ العلوی

ید وہم صاغرون

اقرار صحیح شرعی نمودند مردون مکلفون مجرون باسمائہم (؟) دتا سم سینون نول سنگہ رام تولی رگھو منبی ساکن تولارام پور و پرتاب سنگہ ٹھاکر سورج بنسی ساکن ٹھاکر پورہ و بہادر سنگہ نوگریا گوتم ساکن نوگھٹیا ڈیہہ و انوپ سنگہ سنگہ ترورا درگنبس ساکن سنگہ پور تانڑا و تہال سنگہ الری موجھگوتی ساکن الدی موہیا دہاو گلاب سنگہ نوہ دھیا گرگ بنسی ساکت بنو دہا گہاٹ و درشن سنگہ انگوریا چندیل ساکن انگوری گانون و جگت سنگہ رگھبنسیا پوا ساکن راج گھاٹی و نظام سنگہ نوٹنکی بیس ساکن نوسنگ پور او نجاد فتح سنگہ نول رجوار ساکن پھولمان پور پوادھا و مادھو سنگہ تانتا بیس ساکن تانتی مود نواز سنگہ بہاکا کوسک ساکن ساکی پور کہالی چوہدار ان بدین معنی کہ مایان بوقوع تصور از خدمت خود ہا کہ بہر کار حضرت شاہی خلد اللہ ملکہ داشتیم بر طرف شدہ بانتزاع سند بندو زنار بندی و تبدیل قومیت و پیشہ دگشاد کرمینی کہ حالا ماذون پیشہ زرگری شدہ

آوارہ و سرگردانیم چون شفاعت و جان بخشی مایان از دم توبہ محض بمین انفاس متبرکہ نیات گروجی نندرام
چوبی ساکن جونپور ذریعہ ایمائے جناب شان بمنی رام سیٹھ خزانچی سرکار شاہی کہ او ہم یکے از معتقدان
گروجی صاحب است گردید لاجرم بصدق نیت از روی حلف بحلقۂ ارادت گروجی صاحب در آمدیم و پس از
سنسکارہا ہمہ را بہ کشتب گوت نامیدہ زنار در گاجی و منتر کنٹی بمایان ارزانی فرمودند کہ ہنگام عروسی بر بندیم پس بمایان
واجب است کہ چنین زنار بندی در گاجی وقت شادی عروسی بہر دو ہنگام تجدید و شروع پیشہ معیشت
دوکانداری خود ہا عہ نقد و ۲۱ شیرینی و نیز در ہر سالی بروز ساون سودی ایکادشی عہ بطریق نذرانہ
پیشکش آستان گروجی نمودہ مطیع و منقادیہ حلقہ ارادت کیشان ایشان باشیم نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن
ہر کسیکہ در اولاد و احفاد مایان و اولاد گروجی باشد نوعی تخلف نورزیم و الا عاصی شویم و این توثیق
عہود بہ نقش تختہ مسی سوگند ارادت در ۱۲۲۳ھ مقام دار السلطنت دہلی تکمیل گردیدہ کہ عند الحاجت مستند
باشد، بقلم کاشی ناتھ،،

عبادت

از

مولوی ابو الاعلیٰ صاحب مودودی مصنف الجہاد فی الاسلام

انسان کے مذہبی تصورات مین عبادت کا تصور سب سے پہلا اور اہم تصور ہے، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مذہب کا بنیادی تصور عبادت ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ آجتک نوع انسانی کے جتنے مذاہب کا پتہ چلا ہے، عام اس سے کہ وہ انتہا درجہ کی وحشی اقوام کے اوہام ہون یا اعلیٰ درجہ کی متمدن اقوام کے پاکیزہ معتقدات ان مین سے ایک بھی عبادت کے تخیل و تصور سے خالی نہین ہے۔ آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو کے سلسلہ مین پرانی سے پرانی قومون کے جو نشانات ملے ہین وہ اس امر کی شہادت دے رہے ہین کہ گو وہ قومین عقل و شعور کے بالکل ابتدائی درجہ مین تھین، لیکن اس حالت مین بھی انھون نے اپنی بساط کے مطابق کسی نہ کسی معبود کو ڈھونڈ ہی لیا ہے اور کوئی نہ کوئی طریق عبادت ضرور اختیار کیا ہے، قدیم قومون کو جانے دیجئے آج بھی بہت سی انسانی جماعتین زمین کے مختلف گوشون مین موجود ہین جو عقلی و ذہنی اعتبار سے اپنی نوع کے ابتدائی ادوار کی نمایندگی کرتی ہین، ان کے حالات کا مطالعہ کرنے والون نے گواہی دی ہے کہ ان مین مشکل ہی سے کوئی ایسی جماعت دیکھی گئی ہے جو عبادت کے تصور سے کلیۃً خالی ہو، پس یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان قدیم ترین وحشت و بداوت سے لیکر جدید ترین تہذیب و حضریت تک جتنے مدارج سے گذرا ہے، ان مین سے ہر درجہ مین عبادت کا تصور اس کے ساتھ ساتھ رہا ہے، گو اس کے مظاہر اور اشکال مین بیشمار تغیرات و اختلافات رونما ہوئے ہین۔

غور کرنا چاہئے کہ ایسا کیون ہے؟ کیا وجہ ہے کہ یہ خیال سارے بنی آدم پر حاوی ہے اور تمام زمانون مین

باوجود اختلافِ احوال یکسان حاوی رہا ہے؟ کیا یہ بالارادہ اختیار کیا گیا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ساری نوع کا اس کا اس طرح حاوی ہو جانا غیر ممکن تھا، کیونکہ بالارادہ اختیار کی ہوئی چیزون مین کبھی کامل اتفاق نہین ہوتا اور نہین ہو سکتا، انسان کی اپنی اختیار کردہ چیزون مین ایک بھی ایسی نہ ملے گی جس کے اندر ہر مرتبہ اور ہر دور کی تمام انسانی جماعتین یکسان مشترک ہون، اور یہ کسی طرح متصور نہین ہے کہ ہر زمانہ کے آدمیون نے ایک عالمگیر انسانی کانفرنس کرکے باہم یہ ٹھہرا لیا ہو کہ وہ کسی نہ کسی کی عبادت ضرور کرین گے، خواہ معبود مختلف اور طریقہائے عبادت بے شمار ہون، پھر جب یہ چیز اختیاری نہین ہو سکتی تو لا محالہ یہ ماننا پڑیگا، کہ عبادت کا جذبہ انسان کے اندر ایک فطری جذبہ ہے[۱]، جس طرح انسان کو بھوک فطری طور پر لگتی ہے اور اس کو فرو کرنے کے لیے وہ غذا کو تلاش کرتا ہے، جس طرح اُسے سردی اور گرمی فطری طور پر محسوس ہوتی ہے، اور اس سے بچنے کے لیے وہ سایہ اور لباس کو ڈھونڈتا ہے، جس طرح اداے مافی الضمیر کی خواہش اسمین فطری طور پر پیدا ہوتی ہے اور اسے پورا کرنے کے لیے وہ الفاظ و اشارات بہم پہنچاتا ہے، بالکل اسیطرح عبادت کا جذبہ بھی انسان مین فطری طور پر پیدا ہوتا ہے اور اسکی تسکین کے لیے وہ کسی معبود کو تلاش کرتا اور اس کی بندگی کرتا ہے، مگر جیسا کہ ہم بھوک، اور احساس سردی وگرمی، اور خواہش اداے مافی الضمیر کے معاملہ مین دیکھتے ہین، فطرت کا اثر زیادہ تر اس مجرد داعیہ کی حد تک رہتا ہے

[۱] معترض کہہ سکتا ہے کہ ایسے افراد بکثرت پائے جاتے ہین، اور ایسی جماعتین بھی موجود ہین اور تقریبًا ہر زمانہ مین موجود رہی ہین جن کا کوئی مذہب نہین ہے اور جو عملًا و اعتقادًا کسی کی عبادت نہین کرتین، اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مخنثون کی ایک کثیر جماعت کا موجود ہونا اس بات کے ثبوت مین نہین پیش کیا جاسکتا کہ جذبۂ شہوت ایک فطری جذبہ نہین ہے، یا جس طرح مجردون اور راہبون کے ایک بڑے گروہ کا وجود اس دعوے کا ثبوت نہین بن سکتا کہ ازدواج کی خواہش ایک فطری خواہش نہین ہے، اسی طرح ایسے افراد یا جماعتون کا موجود ہونا، جن کے اندر مخصوص اسباب کے تحت عبادت کا فطری جذبہ مردہ یا بے حس ہو چکا ہے، اس ادعا کی دلیل نہین بن سکتا کہ انسان مین عبادت کا جذبہ ایک فطری جذبہ نہین ہے،

جو انسان کو غذا، سایہ، لباس اور رہنے کی جگہ کی تلاش پر مجبور کرتا اور جسم کے ان اعضا کو جو ان کامون سے متعلق ہین حرکت دینے پر ابھارتا ہے، اور اسی حد تک تمام انسانون مین اشتراک بھی پایا جاتا ہے، اس کے آگے فطرت کا تحکم دور اور خود انسان کا اپنا اختیار غالب ہوجاتا ہے، اور یہین سے وہ بیشمار اختلافات شروع ہوتے ہین جو غذا، مکان، لباس، زبان، اور اشارات و علامات کی مختلف صورتون اور ہیئتون کے اعتبار سے ہر زمانہ کی مختلف قومون اور جماعتون مین پائے گئے ہین، قریب قریب یہی حال جذبۂ عبادت کا بھی ہے کہ وہ فطری طور پر انسان کو بندگی و پرستش پر مجبور کرکے چھوڑ دیتا ہے، اور پھر یہ خود انسان کا اپنا کام ہوتا ہے کہ اس جذبہ کی تسکین کے لیے کوئی معبود تلاش کرے اور اس کی عبادت کا کوئی طریقہ نکالے، اور اس اختیار کی حد پر پہنچکر معبودون اور عبادت کے طریقون مین وہ اختلافات شروع ہوتا ہے، جو انسان کی اختیار کی ہوئی تمام چیزون مین پھیلا ہوا ہے، گو اس معاملہ مین بھی فطرت کی رہنمائی انسان کا ساتھ بالکل نہین چھوڑتی، جس طرح غذا اور لباس وغیرہ فطری مطلوبات کے انتخاب مین نہین چھوڑتی ہے، لیکن یہ رہنمائی اتنی دھندلی اور خفی ہوتی ہے کہ اس کا ادراک کرنے کے لیے نہایت لطیف و نازک شعور کی ضرورت ہوتی ہے، جو بہت کم لوگون کو حاصل ہوتا ہے،

آئیے اب ہم یہ سراغ لگائین کہ اس فطری داعیہ کا سررشتہ کہان سے ملتا ہے؟ اس کشش کا مرکز کہان ہے، جو انسان کو عبادت کے لیے کھینچتی ہے؟ وہ کونسی قوتین ہین جو اسے معبود کی تلاش اور اس کی عبادت پر ابھارتی ہین؟ اور وہ کیا رہنمائی ہے جو اس تلاش معبود مین ہم کو خود فطرت سے حاصل ہوتی ہے؟ اس کیلئے ہم کو سب سے پہلے خود عبادت کی حقیقت پر غور کرنا چاہئے، کہ اس کے بغیر ان سوالات کا حل مشکل ہے،

عبادت کا تصور دراصل ایک جامع تصور ہے جو دو ذیلی تصورات کے امتزاج سے مکمل ہوتا ہے، ایک بندگی، دوسرے پرستش، بندگی کے معنی ہین کسی بالاتر قوت کی بڑائی تسلیم کرکے اسکی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا، اور پرستش کے معنی ہین کسی بالاتر ہستی کو پاک، مقدس اور بزرگ سمجھکر اس کے آگے سر نیاز جھکا دینا

اور اسے پوچھا، ان مین سے پہلا تصور عبادت کا ابتدائی اور بنیادی تصور ہے، اور دوسرا تصور انتہائی اور تکمیلی، پہلا زمین کی حیثیت رکھتا ہے، اور دوسرا عمارت کی، اسلیے ہمین اپنی تحقیق کی ابتدا پہلے تصور سے کرنی چاہئے،

بندگی یا فرمانبرداری و اطاعت ہمیشہ اس قوت کے مقابلہ مین کیجاتی ہے جو بندگی کرنے والے پر قہر و غلبہ اور قدرت و استیلا رکھتی ہو، اور بندے یا مطیع مین اس کے حکم سے سرتابی کا یارا نہ ہو، اسکی ایک محدود شکل تو وہ ہے جو آقا اور نوکر کے درمیان ہم عموماً دیکھتے ہین، لیکن اس سے زیادہ وسیع تصور کے لیے سب سے واضح تر مثال وہ بندگی ہے جو رعایا اپنی حکومت کی کرتی ہے، حکومت کوئی مادی شے نہین، نہ محسوس و مشاہد چیز ہے، ایک نظام و ضابطہ کی بندش ہے، جس کا غلبہ و استیلا لاکھون کرورون آدمیون پر حاوی ہوتا ہے، رعایا اس کے قانون پر طوعاً و کرہاً چلتی ہے، لوگ اپنے گھرون مین، کسان اپنے کھیتون مین، اور مسافر دور دراز جنگلون مین، جہان بظاہر حکومت کا زور جتانے والی کوئی چیز موجود نہین ہوتی، اس کے قوانین کی اطاعت کرتے ہین، اور اس کے حدود اختیار مین رہ کر جو شخص اس کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے، وہ سزا پاتا ہے اور زیادہ شدید نافرمانی کی صورت مین اس کے تمام وہ حقوق سلب ہو جاتے ہین، جو رعیت ہونے کی حیثیت سے اسکو حاصل تھے، اس لحاظ سے جس قدر لوگ کسی حکومت کے حدود مین رہتے ہین اور اس کے قوانین کی پابندی کرتے ہین ان کے متعلق ہم کہا کرتے ہین کہ فلان حکومت کی فرمانبرداری و اطاعت کر رہے ہین، اور اگر ہم ان الفاظ کی جگہ مذہبی اصطلاح رکھدین تو کہہ سکتے ہین کہ وہ اسکی بندگی و عبادت کر رہے ہین،

اب اس تصور کو اور زیادہ وسیع کیجئے، اور کائنات پر نظر ڈالیے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارا عالم اور اس کا ایک ایک ذرہ ایک زبردست نظام مین جکڑا ہوا ہے، اور ایک قانون ہے جس پر خاک کے ایک ذرہ سے لیکر آفتاب عالمتاب تک ساری کائنات طوعاً و کرہاً عمل کر رہی ہے، کسی شے کی یہ مجال نہین ہے کہ اس قانون کے خلاف چل سکے، اور جو چیز اس سے ذرہ برابر سرتابی کرتی ہے، وہ فساد اور فنا کی شکار ہو جاتی ہے،

یہ زبردست قانون جو انسان، حیوان، درخت، پتھر، ہوا، پانی، اجسام ارضی، اور اجرام فلکی سب پر یکسان حاوی ہے، ہماری زبان مین قانونِ فطرت یا قانونِ قدرت کہلاتا ہے، اس کے ماتحت جو کام جس چیز کے سپرد کر دیا گیا ہے وہ اس کے کرنے مین مشغول ہے، ہوائین اس کے اشارے پر چلتی ہین، بارش اس کے حکم سے ہوتی ہے، پانی اس کے فرمان سے بہتا ہے، سیارے اس کے ارشاد سے حرکت کرتے ہین، غرض اس تمام کائنات مین جو کچھ ہو رہا ہے، اسی قانون کے ماتحت ہو رہا ہے، اور ہر ہر ذرہ اسی کام مین لگا ہوا ہے جس پر اس قانون نے اسے لگایا ہے، جس چیز کو ہم زندگی، بقا اور کون کہتے ہین وہ دراصل نتیجہ ہے اسی قانون کی اطاعت کا اور جس چیز کو ہم موت، فنا اور فساد کہتے ہین، وہ حقیقۃً وبال ہے، اسی قانون کی خلاف ورزی کا، دوسرے الفاظ مین ہم کہہ سکتے ہین کہ ہر شے جو زندہ اور باقی ہے وہ اس قانون کی اطاعت کر رہی ہے، اور کائناتِ عالم مین کوئی شے زندہ اور باقی رہ ہی نہین سکتی جبتک کہ وہ اس کی اطاعت نہ کرے۔

لیکن جسطرح حکومت کی مثال مین ہم دیکھتے ہین کہ قانون کی اطاعت دراصل قانون کی اطاعت نہین ہے، بلکہ اس حکومت کی اطاعت ہے جس نے اپنے قہر و غلبہ سے وہ قانون نافذ کیا ہے، اور حکومت کا نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے لامحالہ ایک حاکم، ایک مرکزی فرمانروا، ایک مقتدر اعلیٰ ہستی کا وجود ضروری ہوتا ہے، بالکل اسی طرح قانونِ فطرت کی اطاعت بھی دراصل اس قاہر و غالب حکومت کی اطاعت ہے جو اس قانون کو بنانے اور اس کو زور و قوت سے چلانے والی ہے، اور یہ حکومت ایک فرمانروا کے دستِ قدرت مین ہے جس کے بغیر اتنا بڑا عالم گیر نظام ایک لمحہ کے لیے بھی نہین چل سکتا، یہان اگر ہم پھر قانونی لفظ اطاعت کو مذہبی اصطلاح عبادت سے بدل دین اور لفظ حاکم کی جگہ اللہ یا خدا کا لفظ رکھدین تو یہ کہہ سکتے ہین کہ ساری کائنات اور اس کی ہر ہر چیز اللہ کی عبادت کر رہی ہے، اور یہ ایسی عبادت ہے جس پر ہر شے کے وجود و بقا کا انحصار ہے، کائنات کی کوئی شے اور مجموعی طور پر تمام کائنات اللہ کی عبادت سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہین ہوسکتی، اور اگر غافل ہو جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی باقی نہین رہ سکتی،

قرآن مجید مین اس بندگی کو کہین عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، کہین تسبیح و تقدیس سے، کہین سجود سے اور کہین قنوت سے، چنانچہ جگہ جگہ اس مضمون کی آیات آتی ہین،

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۵۱-۳)

مین نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہو کہ میری عبادت کرین،

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ. (۳۰-۳)

آسمان اور زمین مین جتنی چیزین ہین سب خدا ہی کی ہین اور اسی کے حکم کے آگے جھکی ہوئی ہین

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (۲۱-۲)

آسمان اور زمین مین جسقدر مخلوقات ہین اور جو اس کے پاس ہین سب اسی کے ہین، وہ اسکی عبادت سے سرتابی نہین کرتے اور نہ تھکتے ہین، رات دن اس کی تسبیح مین لگے ہوے ہین اور کبھی اس سے کاہلی نہین کرتے،

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۶۲-۱)

آسمان اور زمین مین جتنی چیزین ہین سب اس کی تسبیح کرتی ہین، وہ بادشاہ ہو، پاک، غالب، اور صاحب حکمت،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ. كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ. وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ،

کیا تو نہین دیکھتا کہ جس قدر مخلوق آسمان اور زمین مین ہے اور جو پرندے پر پھیلائے اڑ رہے ہین، سب اللہ کی تسبیح کر رہے ہین سب اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ جانتے ہین اور زمین و آسمان کی حکومت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ	ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ چیزیں انمین
وَمَنْ فِيهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا	ہین اسکی تسبیح کر رہی ہین، اور کوئی چیز
يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ	نہین ہے جو اس کی حمد کے گیت نہ گاتی
تَسْبِيحَهُمْ (۱۷-۵)	ہو، مگر تم انکی تسبیح کو سمجھتے نہین ہو،
اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ	سورج اور چاند ایک حساب سے چکر لگا
وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (۵۵-۱)	رہے ہین اور تارے اور درخت سجدے مین ہین

"کیا ان لوگون نے خدا کی مخلوق مین سے کسی چیز کی طرف نظر نہین کی، جنکے سایے داہنی اور بائین جھکتے ہین گویا اللہ کے آگے سر بسجود ہین اور اظہار عجز کر رہے ہین، اور جتنے جاندار اور ملائکہ آسمانون اور زمین مین ہین سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہین اور اس کے حکم سے سرتابی نہین کرتے اور اپنے رب سے جو بالاتر ہے ڈرتے ہین اور جو ان کو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہین" (۱۶-۵)

"کیا تو نہین دیکھتا کہ جو مخلوق آسمانون مین ہے اور جو زمین مین ہے اور چاند اور سورج اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے نیک آدمی اور بہت سے وہ بھی جو اپنی نافرمانی کی وجہ سے مستحق عذاب ہو چکے ہین، سب کے سب اللہ کے آگے سر بسجود ہین" (۲۲-۲)

"زمین اور آسمان مین جس قدر چیزین ہین سب طوعاً و کرہاً اللہ ہی کو سجدہ کر رہی ہین" (۱۳-۲)

یہ عبادت، یہ سجود، یہ تسبیح، یہ قنوت تمام جاندار اور بے جان، ذی شعور اور بے شعور چیزون پر یکسان حاوی ہے، اور انسان بھی اس پر اسی طرح مجبور و مجبول ہے جس طرح مٹی کا ایک ذرہ، پانی کا ایک قطرہ اور گھانس کا ایک تنکہ۔ انسان خواہ وہ خدا کا قائل ہو یا منکر، خدا کو سجدہ کرتا ہو یا کسی پتھر کو، خدا کی پرستش کرتا ہو یا غیر خدا کی، جب تک وہ قانون فطرت پر چل رہا ہے اور اس قانون کے ماتحت زندہ ہے، بغیر جانے بوجھے

ـــــــــــــــ

سلہ ان آیات کے اصل الفاظ مین نے اسلیے نقل نہین کیے کہ انکے پڑھنے اور سننے اور لکھنے اور دیکھنے والون پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

بلا عمد و اختیار طوعاً و کرہاً خدا کی عبادت کر رہا ہے، اسی کے سامنے سربسجود ہے، اور اسی کی تسبیح مین لگا ہوا ہے اس کا چلنا پھرنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سب اسی کی عبادت ہے، اور چاہے وہ اپنے اختیار سے کسی اور کی عبادت کر رہا ہو، اور اپنی زبان سے کسی اور کی بندگی و اطاعت کا اقرار کر رہا ہو، مگر اس کا رونگٹا رونگٹا اُس خدا کی عبادت مین مشغول ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے، اس کا خون اسی کی عبادت مین چکر لگا رہا ہے اُسکا قلب اسی کی عبادت مین حرکت کر رہا ہے، اس کے اعضا اسی کی عبادت مین کام کر رہے ہین، اور خود اسکی وہ زبان جس سے وہ خدا کو جھٹلاتا ہے، اسی کی عبادت مین چل رہی ہے،

اس عبادت کا صلہ یا اجر خدا کی طرف سے اُسے کیا ملتا ہے؟ فیضانِ وجود، رزق، اور قوت بقا، جتنی چیزین خدا کے قانون پر چل رہی ہین، اور اس کے مطابق حرکت کرتی ہین، وہ زندہ اور باقی رہتی ہین اور انھین وسیلۂ بقا عطا کیا جاتا ہے جسے ہم اپنی بولی مین "رزق" کہتے ہین، اور جو چیزین اس کے قانون کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیتی ہین ان پر فساد مسلط ہو جاتا ہے، ان کا رزق بند ہو جاتا ہے، اور وہ فیضانِ وجود سے محروم ہو جاتی ہین، یہ معاملہ کائنات کی ہر چیز کے ساتھ ہو رہا ہے، اور اس مین شجر و حجر، حیوان و انسان اور کافر و شاکر کے درمیان کوئی امتیاز نہین ہے،

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا (۱۱-۱)	کوئی چیز زمین مین چلنے والی ایسی نہین ہے جسکا رزق اللہ کے ذمہ نہو اور اللہ اسکے ٹھکانے اور اسکے سونپے جانے کی جگہ جانتا ہے،
يٰاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ، هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (۳۵-۱)	لوگو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تمھین آسمان اور زمین سے رزق عطا کرتا ہو؟ وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہین ہے، پھر تم

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ (۶۷-۲)

وہی ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے مطیع و مسخر بنا دیا پس تم اس کے اوپر چلو اور اسکا رزق کھاؤ،

أَمَّن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۲۷ ۵)

کون ہے جو مخلوقات کو اول پیدا کرتا ہے اور پھر ویسی ہی مخلوق بار بار لاتا ہے؟ اور کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا شامل ہے؟ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ (۶۷-۲)

کیا یہ لوگ پرندوں کو اپنے اوپر نہیں دیکھتے کہ پر پھیلائے اور سکڑتے ہوئے اڑ رہے ہیں؟ رحمن کے سوا کوئی نہیں ہے جو ان کو سنبھالتا ہو، وہ ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے والا ہے، اور یہ اگر رحمن نہیں تو اور کون ہے جو تمھارا لشکر بنکر تمھاری مدد کرتا ہے؟ مگر ناشکرے لوگ دھوکے مین پڑے ہوئے ہین، اور اگر وہ اپنا رزق بند کردے تو وہ کون ہے جو تمھیں دے سکتا ہے؟ مگر کافر سرکشی و سرتابی پر جمے ہوئے ہین،

اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جسطرح انسان اپنی اس بندگی مین دوسری اشیاء کے ساتھ مساوی ہے، اسی طرح اس کے اجر و معاوضہ مین بھی وہ مساوی رکھا گیا ہے، انعام کی صورتون کا فرق جو کچھ بھی ہے وہ دراصل استعداد اور حاجتون کی نوعیت کے فرق پر مبنی ہے لیکن صورتون سے قطع نظر کرکے

اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے، کہ جسطرح ایک درخت، ایک جانور، ایک چڑیا، ایک گھانس کی پتی کی احتیاج واستعداد کے مطابق اللہ اسکی دیکھ بھال، اس کی خبرگیری، اسکی مدد کرتا ہے، اور اسے رزق پہنچاتا ہے اسی طرح انسان کی بھی احتیاج واستعداد کے مطابق اس پر انعام فرماتا ہے، اس بارے مین انسان کو ادنیٰ ترین مخلوقات کے مقابلہ مین اگر کوئی فضیلت ہے تو وہ محض صورتِ انعام کے اعتبار سے ہے، نہ کہ حقیقتِ انعام کے اعتبار سے، ایک بڑے سے بڑا منعم انسان جو آرام اپنی پھولون کی سیج پر محسوس کرتا ہے، وہی آرام ایک چھوٹا سا پرندہ اپنے گھاس پھونس کے گھونسلے مین محسوس کرتا ہے، پھولون کی سیج، تنکون کے گھونسلے پر لاکھ فخر کرے، مگر حقیقت مین گھونسلے والے کی استعداد کے مطابق اس کی احتیاج اس طرح پوری کیگئی ہے جس طرح پھولون کی سیج پر سونے والے کی استعداد کے مطابق اس کی احتیاج پوری کیگئی ہے، اس حیثیت سے دونون پر خدا کا انعام یکسان ہے، پھر یہی معاملہ کافر و شاکر، اور مومن و مشرک کیساتھ بھی یکسان ہے، جو لوگ خدا کے منکر ہین اور اس کی پرستش نہین کرتے، جو اس کے ساتھ اسکی مخلوق کو شریک کرتے ہین، جو شجر و حجر کو اس کا مدمقابل بناتے ہین، ان پر بھی رزق اور فیضانِ وجود، اور حفاظت و خبرگیری کا انعام اسی طرح ہوتا ہے جس طرح پکے موحدون اور خدا پرستون پر ہو رہا ہے، بلکہ اگر قانون فطرت کی پیروی یا بالفاظ دیگر فطری عبادت مین ایک کافر مومن سے بڑھا ہوا ہے، تو اس عبادت کا صلہ بھی کافر کو مومن سے بہتر صورت مین عطا ہوتا ہے، خواہ وہ حقیقت مین نگاہ مین متاع غرور ہی کیون نہ ہو،

اب یہ سوال بآسانی حل ہو جاتا ہے کہ انسان مین عبادت کا جذبہ فطری طور پر کیون پیدا ہوتا ہے؟ اور وہ کیون اپنے معبود کو تلاش کرتا ہے؟ جب کہ ساری کائنات، اور اسکی ہر چیز ایک غالب و قاہر فرمانروا کی بندگی کر رہی ہے، اور خود انسان کا ایک ایک رونگٹا اسکی عبادت مین لگا ہوا ہے، اور وہ تمام عناصر جن سے انسان مرکب ہے اس کے آگے سربسجود ہین، اور ان عناصر کی ترکیب اسی کے فرمان سے ہوئی ہے، اور انسان کا وجود ہر آن اسی کی بندگی پر منحصر ہے، تو آپ سے آپ بندگی و عبودیت انسان کی سرشت مین داخل ہوگئی ہے، گو وہ اس طاقت کو

نہین دیکھتا جس کا وہ بندہ ہے، نہ دنیوی حکومتون کیطرح اس طاقت کے عامل اور نمایندے اس کے سامنے آتے ہین، مگر چونکہ وہ بندہ پیدا ہوا ہے، اور بلا ارادہ ہر وقت بندگی کر رہا ہے، اور اس کے مالک کی حکومت نے ہر طرف سے اس کو اور اس کے گردوپیش تمام چیزون کو جکڑ رکھا ہے، اس لیے فطری طور پر اس کے اندر ایک نیازمندی، ایک نیایش و ستایش، ایک پرستش و عبودیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور اس کا دل بے اختیار کسی معبود کو تلاش کرتا ہے، کہ اس کی حمد و ثنا کرے، اس کی بڑائی بیان کرے، اس کے آگے اپنی بندگی و عقیدت پیش کرے، اور اس سے اپنی حاجتون مین مدد مانگے، یہی سرشت ہے جس نے ابتدائے آفرینش سے انسان کو تلاش معبود پر مجبور کیا ہے، اس کی تحریک پر اس نے ہمیشہ پرستش کی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کی ہے۔ اور یہی وہ عنصر ہے جس سے مذہب کی پیدایش ہوئی ہے،

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، فطرت نے ہر معاملہ مین انسان کے اندر ایک مجرد طلب، ایک خواہش، ایک کشش پیدا کر کے اس کو چھوڑ دیا ہے کہ اپنے مطلوب کو خود تلاش کرے، اور اس مقام پر پہنچکر انسان کو مشکلات پیش آئی ہین، اور اس نے اپنی عقل و استعداد، اپنی قوت تمیز کی رسائی، اور اپنے ذوق و وجدان کی صلاحیت کے مطابق اپنے لیے مختلف راستے نکال لیے ہین، جو آج نوع انسانی کے تمدن اور معاشرت کی گوناگونی مین ہم دیکھ رہے ہین، اس مین شک نہین کہ اس تلاش و جستجو اور اختیار و انتخاب مین فطرت نے کبھی اس کا ساتھ بالکل نہین چھوڑا ہے، مگر اس کی رہنمائی اتنی دھندلی اور خفی ہے کہ معمولی عقل و ادراک کا انسان اس کے اشارون اور اس کی ہدایتون کو سمجھنے سے قاصر رہا ہے، اور اسی وجہ سے اکثر اس کا اختیار تمیز صحیح راستے کی تلاش مین ناکام ہوا، اور ہوائے نفس اسکو غلط راستون پر لے گئی ہے، مثال کے طور پر غذا کی خواہش پیدا کرنے سے فطرت کا منشا یہ تھا کہ انسان ایسا مواد اپنے جسم کو مہیا کرے جس سے وہ زندہ رہ سکے اور اسے تحلیل شدہ اجزاء کا بدل حاصل ہو، مگر انسان اس خوردن برائے زیستن کی حقیقت کو نہ سمجھا، کھانے سے اسکو جو لذت حاصل ہوئی، سی کو وہ اصل مقصود سمجھ بیٹھا، اور ہوائے نفس اسکو زیستن برائے خوردن کی غلط فہمی مین مبتلا کر کے فطرت کے

منشاسے دور ہٹالے گئی، اسی طرح لباس پہننے اور مکان بنانے کی خواہش دراصل موسمی اثرات سے جسم کو محفوظ رکھنے کے لیے پیدا کیگئی تھی، مگر ہوائے نفس نے اسکو زینت وآرایش اور اظہار شان و ترفع کا ذریعہ بنا لیا، اور انسان فطرت کے منشاسے تجاوز کرکے انواع واقسام کے نفیس لباس اور عالی شان محل بنانے لگا، یہی حال ان تمام داعیات فطرت کا ہوا ہے جنھوں نے انسان مین مختلف چیزون کی طلب پیدا کی، اور اس نے فطرت کے منشا کو نہ سمجھ کر، یا بسا اوقات سمجھنے کے باوجود نظرانداز کرکے اپنے اختیار سے اس طلب کو پورا کرنے کے لیے وہ مختلف ڈھنگ اور طریقے نکال لیے جو فطرت کے اصل مقصود سے زائد اور بہت سے معاملات مین اس کے خلاف تھے، پھر یہی چیزین اگلون سے پچھلون تک تمدن وتہذیب، رسم ورواج، اورآداب واطوار بنکر پہنچین، جنکی گرفت نے بعد کی انسانی نسلون کو ایسا جکڑا کہ فطرت کی رہنمائی کو سمجھنا تو درکنار ان کے لیے اپنے اختیارِ تمیزی کو استعمال کرنے کے مواقع بھی کم رہگئے، اور اسلاف کے طریقون نے مقدس قوانین بنکر ان کو تقلید وپیروی کے راستے پر ڈال دیا، حالانکہ فطرت جسطرح پہلے انسان کو لطیف اشارے اور ہدایتین دے رہی تھی اسی طرح آج بھی دے رہی ہے، اور ہمیشہ دیتی رہیگی، جنھین عقل سلیم تھوڑے یا بہت اجتہاد سے ہر وقت سمجھ سکتی ہے،

تلاش معبود کی فطری خواہش کے ساتھ بھی کچھ اسی قسم کا معاملہ پیش آیا ہے، جب انسان نے عبادت کے جذبہ سے بے چین ہوکر اپنے لیے کسی معبود کو ڈھونڈنا شروع کیا، تو فطرت نے اُسے لطیف اشارات دیئے کہ تیرا معبود وہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے، جو تجھ سے بالاتر ہے، جس کی قوت کے سامنے تو عاجز ہے، جو ہر چیز پر غالب ہے جو تجھے اور ہر جاندار کو روزی دیتا ہے، جو اپنے حسن وجمال اور خوبی ورعنائی کی بنا پر ہر طرح تیری مدح وستایش کا مستحق ہے جس کا نور تجھے اور ہر چیز کو روشنی دیتا ہے جس کا جلال تجھے اور ہر شے کو غارت کر دیتا ہے، اور جسکی محبت وشفقت تجھے اور ہر چیز کو پالتی اور آفتون سے بچاتی ہے، یہ لطیف اشارے ہر زمانے مین مختلف استعداد اور مختلف سمجھ بوجھ کے لوگون کو دیئے گئے، اور انھون نے اپنی بساط کے مطابق ان اَنون پتون سے اس پہیلی کو بوجھنے کی کوشش کی، کچھ لوگون نے ان صفات کے معبود کو زمین پر تلاش کیا اور پہاڑ، دریا، درخت، طاقتور

اور نفع وضرر پہنچانے والے جانور، حورت جنسی، عناصر، آگ، ہوا، زمین اور اسی قسم کی چیزون کو ان صفات کا حامل سمجھ کر اپنا معبود بنالیا، کچھ لوگ جنکی نظرین اُن سے زیادہ بلند تھین ان ارضی معبودون سے مطمئن نہ ہوئے، کیونکہ انھون نے دیکھا کہ یہ سب چیزین تو ہمی کی طرح کسی اور کی بندگی مین مبتلا ہین، اور خود اپنے وجود وبقا کے لیے بھی غیر کی محتاج ہین، اس لیے انھون نے اپنے معبود کو آسمان پر تلاش کیا، اور سورج چاند اور دوسرے اجرام فلکیہ کو عبادت کے لائق قرار دیا، مگر جو لوگ اُن سے بھی زیادہ باریک نظر رکھتے تھے، انھون نے محسوس کیا کہ آسمان والون کا حال بھی زمین والون سے کچھ زیادہ مختلف نہین ہے، وہ لاکھ بلند و برتر اور درخشان سہی، مگر اپنے اختیار سے کچھ بھی نہین کرسکتے، بلکہ ایک مقرر قانون اور بندھے ہوے نظام کے ماتحت گردش کئے جارہے ہین، سورج کو کبھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ مشرق کے بجائے مغرب سے نکل آتا، یا اپنے مقام سے ہٹ کر کسی اور مقام سے نمودار ہوتا، چاند آجتک اس قابل نہ ہوا کہ بدر کے بجائے ہلال یا ہلال کی جگہ بدر بن کر نکلتا، اسی طرح کوئی اور سیارہ بھی اپنی مقرر گردش سے کبھی یک سرمو تجاوز نہ کرسکا، اس غلامی، اس بندگی، اس بیچارگی کو دیکھ کر انھون نے تمام مادی وجسمانی چیزون کو ناقابل پرستش قرار دیدیا، اور اپنے معبود کی تلاش مین معانی مجردہ اور روحانیات کی طرف بڑھے، کسی نے نور کو اپنا معبود بنایا، کوئی دولت کی دیوی پر فریفتہ ہوا، کسی نے قوت کے دیوتا کی پرستش کی، کوئی محبت کے خیالی دیوتا کے آگے جھکا، کسی نے حسن کی دیوی کے آگے سرنیاز خم کردیا، کسی نے روح کو سجدہ کیا، اور کسی نے مدبرات عالم کے ہیکل تجویز کئے، اور اُن کی عبادت اختیار کی، اسطرح کائنات کی ہر وہ چیز جس کے اندر مختلف قابلیتون کے لوگون کو اپنی فکر کی رسائی، اور نظر کی استعداد کے مطابق برتری، ربوبیت، قدرت، حسن، جلال، اور خالقیت کی جھلک نظر آئی اس کے آگے جھک گئے، اور فطرت کے دیئے ہوے سراغ پر جو شخص جتنی دور جا سکا، گیا، اور ٹھہر گیا، مگر جو لوگ زیادہ صحیح وجدان، لطیف ادراک، اور سلیم عقل رکھتے تھے، اور فطرت کے بتائے ہوئے نشانات پر ٹھیک ٹھیک سفر کر رہے تھے وہ ان ارضی وسماوی معبودون اور روحانی وخیالی دیوتاؤن مین سے ایک سے بھی مطمئن نہ ہوئے، نتیج

کی منازل مین سے ایک پر بھی نہ ٹھہرے، اور بڑھتے بڑھتے اس منزل تک پہنچ گئے جہان انھین کائنات کی تمام مادّی، روحانی، ذہنی، علوی اور سفلی قوتین کسی اور کی گرفت مین جکڑی ہوئی، کسی اور کی بندگی مین مشغول، کسی اور کے آگے جھکی ہوئی، کسی اور کی تسبیح پڑھتی ہوئی نظر آئین اور ان کے قلب سلیم نے گواہی دیدی کہ ان مین سے تو ایک بھی انسان کی پرستش کے قابل نہین ہے، اب انھون نے فطرت سے اپنے معبود کا صاف، قطعی اور واضح پتہ پوچھا، اور فطرت نے اپنے سب سے زیادہ لطیف اشارہ سے جس کو ارباب نظر ہی سمجھ سکتے ہین، یہ پتہ دیا کہ "تو اسی کی پرستش کر جسکی تو اور تیرے ساتھ سارا عالم بندگی کر رہا ہے"۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا،	تو ایک خدا کا ہو کر اُسکی طرف اپنا رخ کیے رہ،
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ	یہ اللہ کی فطرت ہے، جسپر اس نے لوگون کو بنایا
عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ	ہے، اور اللہ کی اس بناوٹ مین کوئی رد و بدل
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ، (۳۰-۴)	نہین ہے، یہی دین کا سیدھا راستہ ہے،
يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ (۲-۳)	لوگو اپنے اس پالنے والے کو پوجو جس نے تمکو پیدا کیا،
وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ	لوگون کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ ایک خدا کی پرستش کرین جسکے
اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۹-۵)	سوا کوئی معبود نہین ہے، اور جو شرک وہ کرتے ہین اس سے پاک ہے
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ	اور اے محمد! تم سے پہلے ہم نے جو رسول بھی
رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ	بھیجا ہے اُسے یہی وحی کرتے رہے ہین کہ میرے سوا
اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ، (۲۱-۲)	کوئی معبود نہین ہے، لہذا تم میری پرستش کرو،

یہ آخری مقام تھا جہان پہنچکر تلاشِ معبود کا سفر ختم ہو گیا، ڈھونڈنے والے مطمئن ہو گئے، اور اس واقعہ سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ فطرت کی اس آخری ہدایت کو پانے کے بعد پھر کوئی مزید تلاش و جستجو کے لیے بیچین نہوا اور اگر کسی مسلک نے کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی بھی تو اس سے آگے وہ کچھ نہ پا سکا، (باقی)

اُبوالعلاء المعری

اور

عمر خیّام

از

جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڑھی

فارسی کی مثل مشہور ہو کہ "آدم از آدم رنگ می گیرد" دنیا مین انسانی خیالات کا ارتقا اسی طرح ہوتا رہا ہو، کہ انسان ایک دوسرے کے افکار و آرار سے استفادہ کرے، اور اپنی قوتِ اختراع سے، ان کو ترقی دے کر ان پر اضافہ کرتا رہے،

انسانی خیالات کی نیرنگیان بھی عجیب ہین، کہنے کو یون سب انسان ہین، مگر بمضمون فَضَّلْنَا بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ مبدء فیاض سے کسی کو دماغی اور ذہنی قابلیت کم عطا ہوئی ہے اور کسی کو زیادہ؛ اس لئے ضروری ہو کہ کم استعداد والے اپنے بڑھی ہوئی استعداد والون سے استفادہ کرین، یہ ممکن ہے کہ ایک خیال کسی وقت کئی آدمیون کے دماغ مین پیدا ہو، لیکن اسکے اظہار کے طریقے مختلف ہوا کرتے ہین، ہر شخص ایک خیال کو اس طرح کامل طور پر خوبصورتی کے ساتھ ادا نہین کر سکتا، جیسا کہ ایک غیر معمولی استعداد کا آدمی ظاہر کر سکتا ہو، اور اگر کوئی شخص بعینہ اسی طرح یا کم و بیش اسی ترکیب اور طرزِ ادا کے ساتھ اس خیال کو ظاہر کرے تو اس پر سرقہ کا الزام عائد ہوگا، بشرطیکہ یہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ خیال بعینہ کسی متقدم شخص سے ماخوذ ہے، لیکن اگر ایسے قرائن موجود نہین ہین، تو اس پر توارد یا موارد کا اطلاق ہوگا، کیونکہ سرقہ کا الزام لگانے کے لئے حتمی اور بین ثبوت کا موجود ہونا ضروری ہو، جیسا کہ علامہ تفتازانی فرماتے ہین،،

"سرقہ کا حکم اسی وقت لگایا جا سکتا ہی، کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ دوسرے نے پہلے سے اخذ کیا ہو، اور یہ کہ نظم کرتے وقت اوسکو پہلے کا قول یاد تھا، یا وہ خود کہے کہ اوس نے ایسا کیا ہی، ورنہ ایک کے سابق ہونے اور دوسرے کے اتباع کرنے کا حکم لگایا جائے گا، کیونکہ دو سخنوروں کا توارد خاطر یعنے بلا قصد محض اتفاقیہ طور پر جائز ہے مگر جب یہ معلوم نہ ہو کہ دوسرے نے پہلے سے اخذ کیا ہی، تو کہا جائے گا کہ فلان نے ایسا کہا ہی، اور دوسرا اسی بات کو اس سے پہلے اسطرح کہہ چکا ہی، اس طرح صداقت کی فضیلت کو غنیمت جانے اور خود کو علم غیب اور دوسرے کی تنقیص کے دعوے سے محفوظ رکھے"[۱]

اس طرح خیالات کا تصادم ہونے سے انسانی خیالات کی یکرنگی معلوم ہوتی ہی، اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی سخنور کا توارد سے بچنا ناممکن ہے، چنانچہ علامہ آزاد بلگرامی فرماتے ہین :-

"اگر کسے بنظر تفتیش ملاحظہ کند کم شاعرے را از توارد خالی یابد چہ احاطۂ جمیع معلومات خاصۂ حضرت علم الٰہی است تعالیٰ شانہٗ، خامۂ معنی نگار تیرے بتاریکی می افگند چہ داند کہ صید ارستہ است یا بال و پر بستہ"[۲]

ادب اور شاعری کی دنیا مین خیالات کا التقاط یا انتحال بہ نسبت نثر کے نظم مین زیادہ معیوب سمجھا جاتا ہی، البتہ احیاناً اگر کوئی مضمون یا خیال بندھ جائے، خواہ وہ کسی خیال یا مضمون کے ساتھ ٹکر کھاتا ہو، یا کسی ماقبل ادیب یا شاعر کے کسی خیال خاص کو قصداً لیکر اوس کو ترقی دینے اور اسمین بلندی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ اعلیٰ دماغی قابلیت کی ایک دلیل ہو گی، کسی متقدم ادیب یا شاعر کے خیال کا کسی متاخر سے مقابلہ کرنا دنیائے ادب کے فرائض مین داخل ہے، تاکہ تحسین کلام کے لئے اس کے ترکیبی عناصر کا تجزیہ کرتے وقت اس پر صحیح طور سے تنقید کی جا سکے،

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہی، کہ آج کل مغربی تعلیم کی وجہ سے "مقابلہ" اور "تنقید" کا فن پیدا ہو گیا ہے، لیکن عربی ادبیات مین یہ فن بہت ترقی کر چکا تھا، ادب اور خصوصاً شاعری مین "ادبی تنقید" کا یہ شعبہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، چنانچہ نقادان سخن نے خاص اس موضوع پر متعدد کتابین لکھی ہین، علاوہ ازین فنون معانی و بیان، بلاغت اور بدیع

---

[۱] مطول صفحہ ۴۳۳، ۴۳۴ مطبوعہ شاہجہانی [۲] سرو آزاد صفحہ ۶۹،

کی اکثر کتابون مین جابجا اس قسم کی ادبی تشبیہات کی مثالین پائی جاتی ہین،

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا، سردست ہمکو اسلامی دنیا کے دو نامور فلسفی شاعرون کا مقابلہ کرنا ہے جو ابوالعلا المعری اور عمر خیام کے نام سے جریدۂ عالم پر اپنی شہرت دوام ثبت کر چکے ہین،

معری نے ۴۴۹ھ مین وفات پائی ہے[1] اور خیام کا سال ولادت ۴۱۰ھ اور سنۂ وفات ۵۱۷ھ ہے[2] اس لحاظ سے دونون ہمعصر تھے، کیونکہ معری کی وفات کے وقت خیام کی عمر ۳۹ سال کی ہوتی ہے، اول الذکر ملک شام مین گذرا ہے اور دوسرا خراسان مین اور یہ تو ہمین معلوم ہے، کہ اس زمانہ مین ابوالعلاء کی شہرت عراق اور شام مین پھیل چکی تھی، جیسا کہ معری کے ایک سوانح نگار کا بیان ہے کہ

"معرہ سے لیکر ٹھیٹھ اندلس کے اندرونی حصون اور خراسان کی انتہائی حدود تک اوسکی شہرت پھیل گئی"[3]

اس لئے قرین قیاس ہے کہ خیام کو ابوالعلاء کے حین حیات مین یا اس کی وفات کے بعد اس کا کلام پہنچا ہو، اور اس طرح سقط الزند اور لزومیات معری کا اثر رباعیات خیام پر بلاواسطہ پڑا ہو،

معری اور خیام کے مقابلہ کا خیال مستشرقین مین سب سے پہلے فرانسیسی مستشرق سالمون کو ہوا جس نے ابوالعلا پر ایک کتاب فرنچ مین لکھی ہے، اس کتاب کا نام "نابینا شاعر" (LE POETE AVEUGLE) ہے، اور ۱۹۰۴ء مین پیرس مین شائع ہوئی ہے، اس مین مصنف نے معری کو خیام کا "پیشرو" (PRECURSOR) بتایا ہے، سالمون کا خیال ہے کہ معری نے "شراب ارغوانی" کی جو تعریف کی ہے، اس مین عمر خیام اس کا ہمزبان ہے[4] لیکن یہ صریحاً غلط ہے، اور اسی لئے پروفیسر نکلسن اس بنا پر اسکو نہین تسلیم کرتا، کہ معری نے جہان کہین شراب کا

---

[1] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۳۴۔ [2] خیام کی تاریخ ولادت و وفات مین مورخین کا اختلاف ہے، لیکن معتبر ماخذ کی بنا پر اس کا سن ولادت ۴۱۰ اور تاریخ وفات ۵۱۷ھ سے ۵۲۰ھ کے مابین مقرر کی گئی ہے، (دیکھو مجمع الفصحا اور چہار مقالہ)

[3] ابوالعلا، وما الیہ صفحہ ۲۰۲ طبع سلفیہ مصر،

[4] سالمون کی کتاب صفحہ ۴۰؛

ذکر کیا ہے وہاں نفرت کے ساتھ کیا ہے تاہم وہ لکھتا ہے کہ

"اگر وہ مان لیا جائے کہ خیام اپنے خیالات میں معری سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ خیام کی رباعیات کے انگریزی تراجم میں دونوں شاعروں کا مقابلہ کرنے کے لئے معتبر شہادت بہت ناکافی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں کی فلسفیانہ زندگی کے بعض خط و خال مشترک ہیں، اور لزومیات معری میں کئی مقامات ایسے ہیں، جو خیام کی بعض رباعیات کو یاد دلاتے ہیں"[۱]

سالمون کے بعد دوسرا نمبر امین ریحانی کا ہے، جو شام کا ایک مشہور عیسائی مصنف اور ادیب ہے جس نے معری کے بعض اشعار کا انگریزی ترجمہ کر کے رباعیات ابوالعلا (QUATRAINS OF ABUL ALA) نام سے شائع کیا ہے، اس نے معری کے اشعار کے مقابلہ میں خیام کی چند رباعیاں بھی (انگریزی ترجمہ) نقل کی ہیں، جن میں خیالات کا اتحاد ہے اور مطابقت پائی جاتی ہے، اس بنا پر اوس نے خیام کو معری کا پیرو بتایا ہے، چنانچہ دیباچہ میں رقمطراز ہے:۔

"میں اس مشابہت کی طرف اشارہ کرتا ہوں، جو عمر خیام اور ابوالعلا المعری کے خیالات میں پائی جاتی ہے، میں بدلائل اس بات کو مانتا ہوں، کہ خیام معری کا مقلد یا شاگرد تھا، خیام کی ولادت اور معری کی وفات میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، کیونکہ دونوں گیارہویں صدی کے وسط میں گذرے ہیں"[۲]

لیکن اس مشابہت اور مماثلت کے باوجود امین ریحانی یہ تسلیم نہیں کرتا کہ یہ خیالات خیام نے معری سے سرقہ کئے ہیں، چنانچہ لکھتا ہے:۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ خیام نے سرقہ کیا ہے، میرا مطلب صرف یہی ہو کہ اوس نے اپنے کئی ملحدانہ اور آزادانہ خیالات ابوالعلا سے حاصل کئے ہیں"[۳]

مصر کا عیسائی ادیب ودیع البستانی جس نے رباعیات خیام کا عربی میں ترجمہ کیا ہے، وہ بھی ریحانی کی

[۱] اسٹڈیز ان اسلامک پوئٹری صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶، [۲] رباعیات ابوالعلا، صفحہ ۱۹، [۳] دیباچہ ایضاً صفحہ ۱۹

راتب پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم نہیں کرتا، کہ خیام نے معری کے خیالات سے سرقہ کیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:۔

"اور ایسا کہنے والے لوگ بھی موجود ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ خیام کی رباعیات معری کے لزومیات کے طرز پر گڑھی ہوئی ہیں، نیز یہ کہ خیام اپنے خیالات کے لحاظ سے معری کا شاگرد ہے، اور اوس کی آراء میں اس کا پیرو ہے، اس میں شک نہیں ہے کہ ان دونوں کے اقوال میں بہت قریبی مشابہت بکثرت اور واضح طور پر پائی جاتی ہے، اور اس لئے اس کا احتمال صاف ظاہر ہے، کیونکہ خیام عربی زبان، اس کے علوم و آداب میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، بلکہ اس زبان میں کتابیں لکھتا، اور شعر کہتا تھا، لیکن اس بنا پر ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے، کہ ہم اس فارسی شاعر پر، عربی شاعر کے خیالات سے سرقہ کرنے کا الزام لگائیں، کیونکہ ان دونوں میں جو بات مشترک ہے، وہ حقائق کی تصویر اور عقلی دلائل و براہین ہیں، جو شعری قالب میں رنگے ہوئے ہیں، اور استعارات و کنایات اور خیال آرائی کے اقسام میں سے نہیں ہیں کہ جس کا فخر اس کے موجد اور متقدم کو ہو سکتا ہے، اور جب ہم نے تقدم اور تاخر زمانی کے اعتبار سے حکم لگانے پر اکتفا کیا ہے، تو اس کے ساتھ ہی ہمیں اس کے بغیر بھی چارہ نہ ہوگا کہ ہم معری کو اس کی فضیلت سے معرّیٰ کر دیں، اور اوس پر بھی اس سے پہلے کے فلاسفۂ یونان و روم سے اخذ کرنے کا اتہام لگائیں"[1]

لزومیات معری اور رباعیات خیام کے مابین جو امور مشترک ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) دونوں کا موضوعِ سخن حکمت و اخلاق کی تعلیم دینا ہے۔

(۲) دونوں دنیا کی آرائشوں اور زیبائشوں سے بیزار ہیں، اور زہد و ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہیں،

(۳) دونوں حکمائے یونان کے افکار و آراء سے متاثر ہیں:۔

[1] مقدمۂ رباعیات عربی ص ۱۲ و ۱۳،

(۴) دونوں مذہب کو عقل کے معیار پر پرکھنا چاہتے ہیں،

(۵) بعض مذہبی اعتقادات کی نسبت ملحدانہ اور آزادانہ خیالات کے اظہار میں دونوں ہم آہنگ ہیں،

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رباعیات خیام میں جابجا وہی روح دائر و سائر نظر آتی ہے، جو لزومیات معری کے قریب قریب ہر صفحہ پر نمایاں ہے، لیکن کوئی حتمی ثبوت ایسا موجود نہیں ہے جسکی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ خیام نے معری کے کلام سے براہ راست اخذ کیا ہے، تذکرۂ خیام کے معتبر ماخذ میں سے قاضی اکرم بن القفطی کی تاریخ الحکما ہے جس میں خیام کی نسبت لکھا ہے:-

"خراسان کا امام اور اپنے زمانے کا علامہ ہے، یونانیوں کا علم جانتا ہے، اور جسمانی حرکات کی پاکیزگی سے نفس انسانی کی صفائی کے ذریعہ خدائے واحد (وجزا دہندہ) کو طلب کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اور یونانیوں کے قواعد کے مطابق سیاست مدن کے التزام کا حکم دیتا ہے"[۱]

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے، کہ خیام علوم یونان کا عالم اور فلسفہ و حکمت کا بہت بڑا ماہر تھا، اور غالباً یہی وجہ تھی جس نے اس کو دوسرے فلاسفہ کی طرح مذہب کی نسبت آزاد خیال بنایا تھا، اس لئے بقول بستانی بجائے اسکے کہ ہم خیام کے فلسفیانہ خیالات و آراء کو لزومیات معری سے ماخوذ ثابت کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جمہوریت افلاطون سے منسوب کر دیں[۲]"،

ایک بات یہاں خاص طور پر قابل ذکر ہے، کہ اگر خیام نے اپنے افکار و آراء کی بنیاد معری کے کلام پر رکھی ہوتی، تو کم از کم تذکرہ نویس اور مورخین ضرور اسکی طرف اشارہ کرتے خصوصاً قفطی ایسا متجسس اور فلسفی مزاج مورخ جو دونوں کے حالات سے باخبر تھا، اس کا ذکر کئے بغیر نہ رہتا،

بہرحال خیام اور معری کے بعض کلام میں جو مماثلت قریبہ پائی جاتی ہے، اس سے انکار نہیں کیا

---

[۱] تاریخ الحکما ص ۲۴۳ طبع جرمنی، یہاں قواعد یونانیہ سے کون وحیاۃ اور معاشرت و اخلاق کی نسبت فلاسفہ یونان کے نظریات مراد ہیں، [۲] مقدمۂ رباعیات عربی ص ۱۶۱،

جا سکتا، یہاں ہم دونوں شاعروں کے وہ اشعار نقل کرتے ہیں جنمیں مشترک خیالات پائے جاتے ہیں،:-

(۱) معری:-

غیر مجد فی ملتی و اعتقادی	میرے مذہب اور عقیدہ میں رونے والے کا نوحہ
نوح باک و لا ترنم شاد	اور گانے والے کا ترنم دونوں میں کوئی برتری نہیں ہے
أبکت تلکم الحمامة ام غنت	خواہ وہ کبوتر روتے ہوں یا اس (درخت) کی
ت علی فرع غصنها المیاد	ٹوٹی ہوئی ڈالی پر بیٹھ کر گا رہے ہوں،

خیام:-

آنرا کہ وقوفست بر احوال جہان	شادی و غم و رنج بر وشد یکسان
چون نیک و بد جہان بسر خواہد شد	خواہی تو بدرد باش خواہی درمان

ایک فلسفی کی نظر میں "نوحۂ غم" اور "نغمۂ شادی" یکساں ہوتے ہیں، جیسا کہ مرزا غالب اسی خیال میں ایک خاص نتیجہ پیدا کرتے ہوئے فرماتے ہیں،:-

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق	نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی، !

(۲) معری:-

خفف الوطء ما اظن ادیم الـ	قدم آہستہ رکھ کیونکہ میرے خیال میں
ارض الا من هذه الاجساد	زمین کی جلد (سطح) انھی اجسام کی بنی ہے
وقبیح بنا وان قدم العهـ	اور ہمارے لئے بہت بری بات ہے، خواہ ہمارے
د هوان الآباء والاجداد [1]	آبا و اجداد کو گئے ہوئے ایک زمانہ گذر چکا ہو،

ایک اور جگہ کہتا ہے:-

[1] سقط الزند صفحہ ۱۸ مطبع ہندیہ مصر سنہ سقط الزند ۱۸؎

عجبًا لنا و لمن مضیٰ اقد امنا یمشین فوق جسومهم و لا نحس[۱]

ہمین تعجب ہوتا ہے اپنے لئے اور ان لوگون کے لئے جو گذر چکے ہین، کہ ہمارے قدم ان کے جسمون اور سرون پر چلتے ہین،

و سوف یفعلهُ بنا من بعد نا ان المنون سهامها فی الاقوس[۱]

اور قریب ہے کہ وہ ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک کرے کیونکہ اجل کے تیر اسکی کمانون مین رکھے ہوے ہین،

خیام:-

ہر سبزہ کہ بر کنارِ جوئے رستست گوئی زلب فرشتہ خوئے رستست

پا بر سرِ سبزہ تا بخواری ننہی کان سبزہ بخاکِ لالہ روئے رستست

قریب قریب اسی خیال کی ایک جھلک مرزا غالب کے اس شعر مین پائی جاتی ہے:-

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہوگئین

(۳) معری:-

یا روح کم تحملین الجسم لاهیة اے روح کب تک ہنسی خوشی سے اس جسم کو

ابلیته فاطرحیه طالما لبسا اوٹھائے رہیگی، تونے اسکی آزمایش کرلی ہو اب

ان کنت آثرت سکناه فمخطئة اسے اتار پھینک کہ اس کو پہنے ہوے زمانہ گذر گیا،

فیما فعلت و کم من ضاحکٍ عبسا[۲] اگر تونے اسی مین رہنا پسند کیا ہو، تو تونے بڑی

خطا کی ہے اور کئی ہنسنے والے ہین جو (آخر کو) خشک [illegible]

خیام:-

اے دل ز غبارِ جسم اگر پاک شوی تو روح مجردی بر افلاک شوی

عرش است نشیمنِ تو شرمت بادا کائی و مقیم خطۂ خاک شوی

[۱] لزومیات جلد ۲ صفحہ ۳۲ [۲] لزومیات ج ۲ صفحہ ۲۷

(۴) معری:-

عیوبی ان سألت بها کثیر	اگر تم پوچھتے ہو تو مجھ میں بکثرت عیوب موجود ہیں
وای الناس لیس له عیوب	اور کون ایسا ہے جس میں عیوب نہیں ہیں
وللانسان ظاهر ما یراه	انسان کا ایک ظاہر ہے جسے وہ دکھا سکتا ہے،
ولیس علیه ما تخفی الغیوب[1]	لیکن جو باتیں کہ اس میں پوشیدہ ہیں انکو وہ نہیں[2]

خیام:-

ناکردہ گناہ در جہان کیست بگو	آنکس کہ گنہ نکرد چون زیست بگو

(۵) معری:-

خذ الآن فیما نحن فیه وخلیا	موجودہ وقت کہ جس میں ہم ہیں، لے لے، اور فردا
غدا آخر لم یدن قبل مر امس فقد مرا	کو جو ابھی نہیں آیا، اور دیروز کو جو گذر گیا چھوڑ دے

خیام:-

روزیکہ گذشت ازو گر یاد مکن	فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
برنامدہ و گذشتہ بنیاد منہ	حالے خوش باش و عمر برباد مکن

(۶) معری:-

هفت الحنیفة والنصاری ما اهتدت	دین حنیفی والے بھٹک گئے اور نصاری نے ہدایت
ویهود حارت والمجوس مضللة	پایا نہیں، یہودی حیران رہ گئے اور مجوس گمراہ ہوگئے
اثنان اهل الارض ذو عقل بلا	اہل دنیا دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو عقل رکھتے
دین وآخر دین لا عقل له[3]	ہیں مگر دین نہیں رکھتے اور دوسرے وہ جو دین رکھتے ہیں

[1] لزومیات جلد اول صفحہ ۴۳، [2] ایضاً صفحہ ۲۸۹، [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۷۵،

خیام:-

جمعے متفکر اند در مذہب و دین ٭ جمعے متحیر اند در شک و یقین ،

ناگاہ منادئی بر آید ز کمین ٭٭ کاے بے خبران راہ نہ آن است نہ این

ہمارے فارسی اور عربی شعراء کی قدیم محبوبہ "بنت العنب" ہر وقت ان کے لباس شعری مین جلوہ گر ہوتی رہتی ہے، اور خیام کی بادہ پرستی کی شہرت تو ایشیا اور یورپ کے ہر ایک گوشہ مین پہنچ چکی ہے، لیکن جہان معری اور خیام کی فلسفیانہ زندگیان اپنی مشابہت کی وجہ سے متعدد امور مین مشترک ہین، وہان شراب کے متعلق ان دونون کے خیالات مین پورا تضاد پایا جاتا ہی، شراب کا ذکر ابوالعلاء نے بھی کیا ہے اور بار بار کیا ہے، مگر اسی طرح جیسا کہ عہد حاضر کے مشہور امریکن "مانع المسکرات" (PROHIBITIONIST) جان پسی فوٹ (JOHNPUSSYFOOT) نے کیا ہی، معری کا بکرات و مرات مختلف عقلی اور اخلاقی خرابیون کی بنا پر "دختر رز" سے محترز رہنے کی ہدایت کرنا اس قدر اہم ہے کہ وہ ایک علحدہ مضمون کا محتاج ہے، بہر حال معری سا "انگور کی بیٹی"، کا عدوے ازرق" بھی آلام و مصائب دنیوی کو فراموش کر دینے کے لئے آرزو کرتا ہو کہ کاش شراب صرف مدہوشی کے لئے جائز ہوتی! چنانچہ کہتا ہے:-

(۱) تمنّیتُ انّ الخمر حلّت لنشوۃٍ ٭ میری آرزو تھی کہ شراب صرف نشہ لانے کیلئے جائز

تجھلنی کیف اطمأنّت بی الحالُ[۱] ٭ ہوتی تاکہ وہ مجھے اس بات کو بھلا دیتی کہ مجھ پر کیا گذری

ایک اور جگہ کہتا ہی:

أیأتی نبیٌّ یجعل الخمر طلقۃً ٭ کیا اب کوئی نبی آنے والا ہی، جو شراب کو حلال کر دے

فتحمل شیئًا من ہمومی وأحزانی[۲] ٭ تاکہ وہ میرے رنج و غم کا کچھ حصہ دور کر دے

اسی معنی مین خیام کہتا ہے:-

---

[۱] سقط الزند صفحہ ۱۲۲، [۲] لزومیات جلد ۲ صفحہ ۳۰۶،

اے ربّ بکشائے بر من از رزق درے   بے منتِ مخلوق رسان ماحضرے

از بادہ چنان مست نگہ دار مرا   کز بے خبری نباشدم دردسرے

اسی خیال کو مرزا غالب نے اس طرح باندھا ہے، ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو   اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے

(۸) اربح احتا معنا ولیس لنا بھا   ہماری روحین ہمارے ساتھ ہین پھر بھی ہمین انکا علم نہین ہے

علم فکیف اذا حوتہا الاقبر[۱]   تو جبکہ ارواح کو قبرین گھیرلین گی اسوقت کیا معلوم ہوگا؟

خیام :-

دل سرّ حیات اگر کماہی دانست   در موت ہم اسرار الٰہی دانست

امروز کہ باخودی ندانستی ہیچ   فردا کہ زخود روی چہ خواہی دانست

ان چند مثالون سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ معری کے فلسفیانہ خیالات کا اثر خیام کی رباعیات مین کس قدر پایا جاتا ہے، حتی کہ خیالات کے توارد اور تخیل کی یکرنگی کی بنا پر بعض جگہ سرقہ کا دھوکا ہوتا ہے،

ان اشعار کے علاوہ بھی معری اور خیام کے موضوعاتِ کلام مین بکثرت اشتراک پایا جاتا ہی، مثلاً - دنیا کی بے ثباتی، جبریت، اخلاقی تعلیم، فقہا، اور واعظین کی مذمت، حشر و نشر کا انکار، مذہبی آزاد خیالی وغیرہ، فرق صرف اس قدر ہے کہ معری صاف صاف ملحدانہ بولی بولتا ہے، اور خیام دبی زبان سے لیکن لیکن زیر لب تبسم کے ساتھ اشارات و کنایات مین گفتگو کرتا ہے،

انشاء اللہ آیندہ ہم دونون کے مشترک خیالات کا مقابلہ کرین گے اور دکھائین گے کہ دونون فلسفی شاعرون کے کلام مین کس قدر مشابہت پائی جاتی ہے،

---

[۱] لزومیات جلد اول ص ۲۶۴،

تاریخ گجرات کا ایک ورق

ولبھی راج

از

مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی سابق مدرس عربی و فارسی ہائی اسکول احمد آباد،

ولبھی خاندان کی اصل

خاندان گپت نے یونانیون کے بعد اس ملک گجرات پر قبضہ جمایا، اور تاریخ سے ثابت ہو کہ سکندر گپت سنہ ۴۷۰ء تک اس پر قابض رہا، پھر اس کے بعد کی کڑی بظاہر غیر مربوط ہو جاتی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہین کہ اسی عہد سے گوجرون کی آمد ہند مین شروع ہو جاتی ہے۔ گوجر قوم گرجستان سے آئی اور سیستان سے ہوتے ہوئے ہند پر حملہ آور ہوئی، اس کے حملے سنہ ۴۶۵ء سے سنہ ۵۲۰ء تک ہوتے رہے[1] مگر ان کے مقبوضات ہند کا اصلی زمانہ سنہ ۴۷۰ء ہے، اسی عہد سے اپنی فتوحات کو وسیع کرتے رہے، ملتان اور سندھ کے بعد مارواڑ ہوتے ہوئے گجرات، مالوہ اور دکن کو نکل گئے، شمالی ہند پر قبضہ اس کے بعد ہوا، اور غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ گپت اور دوسرے طاقتور خاندان ابھی وہان موجود تھے ان گوجرون کا پہلا مرکز بھلمان تھا، جہان سے منتقل ہو کر اجین (مالوہ) گئے، یہان کا دوسرا مرکز ہوا، اس جگہ سے ان کے سپہ سالار دو طرف گئے، ایک نے گجرات فتح کرکے بھروچ مین قیام کیا اور دوسرے نے دکن پہنچ کر کلیان کو پایہ تخت بنایا، کچھ دنون کے بعد اس قوم مین سب سے پہلے جو شخصیت نمایان ہوئی وہ شری بھٹارک ہے، جس کو بھٹ رک اور بھٹا کر بھی کہتے ہین، اس نے گجرات پر سنہ ۵۰۹ء سے سنہ ۵۲۰ء تک حکومت کی، اس شخص کو ولبھی پور کا

[1] نندی پور (نادوت) والے راجہ نے سنہ ۵۹۴ء مین اپنے آپ کو گوجر کہا ہے (گجرات کی پراچین اتہاس فصل ولبھی)

بانی[۳] جاتا ہے، جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں جسقدر فرمانروا گذرے ہین، ان مین سے پہلے کے نام کے ساتھ "شری بھٹ مارک" کا لفظ ہے، اور ان کے بعد دو کے ساتھ "سیناپت" (سپہ سالار) کا لفظ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونون راجگان اجین (مالوہ) کے ماتحت تھے، اس کے بعد سے تمام راجون کے نام کے ساتھ مہاراجا کا لفظ ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسوقت سے وہ گجرات کے آزاد اور مستقل حاکم ہوئے، اس وقت تک کتابون اور مختلف سکون اور کتبون سے اس قدر معلوم ہوا ہے کہ تقریباً ۱۹ - ۲۰ راجے ہوئے[۵]، ان مین سے آخری بہلا[۴] راجہ عموماً "شیلادت" کہے جاتے تھے، ان کی حکومت عام طور پر تین سو برس[۳] تک بیان کیجاتی ہے، یہ مدت مرکزی حکومت کی ہے، اور اس کے بعد بھی عرصہ تک اس قوم کی شاخ حکمران رہی، جیسا کہ آگے مین اسی پر مفصل بحث کرونگا۔

شہر کا بانی اور نام

اس شہر کا اصل بانی "بھٹ مارک" ہے، جینی کتابون سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس شہر کا اصلی نام "ولبھی پور" ہوگا، پھر سنسکرت تلفظ مین آکر "وَلبھی پور" ہوگیا، "ولبھ" اصل مین چھپر کے اُس حصہ کو کہتے ہین، جو برآمدے سے آگے بڑھ کر بنایا جاتا ہے، تاکہ بارش کی بوچھار سے مکان کے رہنے والے محفوظ رہین، قیاس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک مین اس قسم کے چھپرون کا عام رواج نہ تھا، ولبھی پور مین جب اس قسم کے مکانات بکثرت بنائے گئے تو لوگون نے اس کا نام ہی ولبھی پور رکھ دیا، اور یہی عوام مین مشہور ہوگیا، مگر میرے خیال مین اس کی دوسری وجہ شاید یہ ہوگی، کہ "ولبھی" کے معنی محمود کے آتے ہین، اور نیک شگون کے خیال سے اس کا نام (ولبھی پور) "محمود پور" رکھا ہو،

ولبھی پور کا موقع

ایک سوال یہ بھی ہے کہ ولبھی پور کہان واقع ہے، عرب سیاحون نے اس کے متعلق کچھ نہین

---

[۱] تاریخ گجرات ڈاکٹر بھگوان لال [۲] تاریخ ہند متعلقہ گجرات ذکاء اللہ صاحب، ولبھی پور کے متعلق کرنل ٹاڈ صاحب نے یا بعض جینیون نے جو تحریر کئے ہین، جدید تحقیقات سے ناقابل اعتبار سمجھے گئے ہین، اس لئے مین نے ترک کردیا، گجرات پراچین اتہاس مین "بھٹ مارک" کی مدت حکومت ۵۰۹ء سے ۵۲۰ء دیا ہے،

لکھا ہی لیکن جسقدر بڑے بڑے شہر اس زمانہ مین تھے، انکا علحدہ نام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کوئی عظیم الشان مستقل شہر تھا، ورنہ معمولی بڑے شہر کو لوگ عموماً "پٹن" کہتے تھے، قدیم سے قدیم سیاحون مین چینی سیاح "ہونگ تسیانگ چین" کا بیان ملتا ہے، جو لکھتا ہی کہ لاریکا (لاریعنی بھروچ) دیش کے اتر مین واقع ہے، بیرونی کہتا ہے کہ "انہل واڑا سے دکن طرف ۳۰ جوجن (غالباً اس سے مراد منزل ہے) کے قریب ہی" الیٹ صاحب کے بیان کے مواق موجودہ ریاست بھاونگر سے ۲۰ میل اور بندر گھوگھہ کے درمیان میں آباد تھا، موجودہ تحقیقات بھی قریب قریب یہی ہے، کہ "گھیلار ندی" کے کنارے "وڑا" نامی گاؤن کے پاس "ولبہ" یا "ولبھی" نام کا ایک چھوٹا سا گاؤن موجود ہے جسکو اس شہر کی یادگار سمجھو، اور وہ آج کل ایک گوہیل رئیس کا مقبوضہ ہے، اوسکے شمال اور مغرب مین ببولکے درختون کا ایک جنگل ہے، اس مین سب طرف سڑکین بنی ہوئی ہین، اسی کے اندر ولبھی پور کے کھنڈر موجود ہین، موسم برسات مین اکثر قدیم اشیاء، سکے وغیرہ دستیاب ہوتی ہین، اکثر لوگ کھود کھود کر ملبہ اور عمارتون کے مصالحہ نکالتے ہین[1]،

ولبھی سلطنت کے حدود اربعہ	اس سلطنت کے حدود اربعہ صحیح اور یقینی طور پر تو نہین متعین کئے جاسکتے لیکن چینی سیاح کے عہد (۶۴۰ء) مین چھ ہزار "لی" تھا، اس لئے اگر تین "لی" کا ایک میل مان لیا جائے،

تو اس حساب سے دو ہزار میل ہوتا ہے، یہ ایک مجمل بیان ہے، جس کی تفصیل بعض کتبون سے ہم معلوم کرسکتے ہین، بعض کتبے جو موربی اور ویراول سے دستیاب ہوئے ہین ان سے ہم قیاس کرتے ہین، کہ کاٹھیاواڑ کا مشرقی اور شمالی حصہ بھی اُن کا مقبوضہ تھا، چونکہ ابتداءً ان گوجردن کا مرکز بھڑوچ مال تھا، اور پھر مالوہ اس لئے یقیناً خود مختاری کے بعد سارا گجرات اُن کے ماتحت ہوگا، اس حساب سے مشرق مین اجین بھن مال، مغرب مین بحر عرب، شمال مین موربی، سومناتھ وغیرہ جنوب مین کوکن (تھانہ) وغیرہ ان کے حدود اربعہ ہون گے،

آب ہوا اور باشندے	چینی سیاح کا بیان ہے کہ اس ملک کی آب و ہوا ملک مالدہ کے مانند ہے اور یہان آفتاب ڈھکا

[1] گجرات پراچین اتہاس فصل ولبھی پور،

چیزین اور ویسی ہی گرمی سردی پیدا کرتا ہے، جیسا ملک مالوہ مین اور یہان کے باشندون کے اوضاع واطوار صورت وشکل، اخلاق وعادات بھی اہل مالوہ کے مماثل ہین،

ولبھی پور شہر خاص شہر ولبھی پور کا احاطہ چینی سیاح ایک میل بتلاتا ہے لیکن جدید تحقیقات سے اس وسیع شہر کا رقبہ تقریباً پانچ میل تک پایا جاتا ہی، کیونکہ اس گاؤن سے پانچ میل تک زمین کھودنے سے دیوارون کی بنیادین ملتی ہین، یہ بنیادین عموماً مٹی اور اینٹون کی ہین، چونکہ اس وقت تک کوئی عمارت یا کسی دیوار کی بنیاد پتھر کی نہین ملی، اس لئے قیاس کیا جاتا ہے، کہ اس عہد مین کاٹھیاواڑ مین پتھر کی دیوارون کا رواج نہ تھا،

فصیل شہر اس شہر کی فصیل جیسا کہ اوپر بیان ہوا بقول چینی سیاح ایک میل کی تھی جس کی بنیادی دیوارین ۴½ فٹ چوڑی تھین، یہ دیوارین مٹی اور پکی اینٹون سے تیار کی گئی تھین اینٹ کا طول سولہ ۱۶ انچ اور عرض دس انچ اور موٹائی تین انچ کی تھی فصیل کے چارون طرف خندق تھی، جو اس قدر گہری تھی کہ پانی نکل آیا تھا اس خندق کی صورت جو گردا گرد تھی، بالکل انسان کے کان جیسی تھی،[۱]

ولبھی سن ویراول مین "ہرسد ماتا" کے دیول مین جو کتبہ پایا گیا ہے، اس مین مندرجۂ ذیل سنین دئے گئے ہین، ۶۶۲ھ، سنہ ۱۳۲۰ بکرمی، سنہ ۹۴۵ ولبھی، سنہ ۱۵۱ سین اس سے معلوم ہوا کہ ولبھی سنہ ۳۱۹ء سے شروع ہوتا ہی، اور یہی سنہ گپت کا بھی ہے، جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ ولبھی سنہ کے بانیون نے گپت سنہ کو اختیار کر لیا، اور اسی کے آخر مین فقط "ولبھی" بڑھا دیا، ابو ریحان بیرونی کی بھی یہی رائے ہے، کہ ولبھی اور گپت دونون کا سنہ ایک ہی ہے، اور جسطرح موجودہ حکومت ہند فقط اپنا عیسوی سنہ استعمال کرتی ہے، مگر مختلف باشندگان ہند اپنا اپنا مختلف سنہ بکرمی، فصلی، اور ہجری وغیرہ استعمال کرتے ہین، اسی طرح اُس عہد مین بھی رعایا فقط گپت کا سنہ ہی بعض دفعہ استعمال مین لاتی تھی، جیسا کہ موربی کے کتبہ (جیک دیکا تامرپت) سے معلوم

---

[۱] تاریخ ہند ج ۴ ص ۱۲۳ م علی گڑھ۔

ہوتا ہے اس پرشدہ گپت درج ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اس سرزمین ولبھی تھے گپت فرمانروا نہ تھے،

آبادی و اقتصادی حالت

اس شہر کی آبادی کے متعلق یقینی طور پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے بجز اس کے کہ ایک بڑے شہر ہونے کے سبب سے آبادی بھی بہت بڑی ہوگی، اور شہر کے جو آثار چار پانچ میل تک ملتے ہیں، اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ جو شہر چار میل تک آباد تھا، اس کی آبادی کی تعداد کیا ہوگی، اس کی تائید ہونگ شیانگ کے سفرنامہ سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ باشندوں کی کثرت ہے، پھر امرا کی تعداد سیکڑوں بتلاتا ہے، مدرسوں خانقاہوں اور معابد کا بھی یہی حال ہے، واعظین کا شمار ہزاروں تک تھا ظاہر ہے کہ ہزاروں واعظین کسی شہر میں اُسی وقت ہو سکتے ہیں جب کہ ان کے وعظ سننے والے لاکھوں ہونگے اس لئے مندرجۂ بالا امور کو مدنظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس شہر میں لاکھوں کی آبادی ہوگی، اس شہر کی اقتصادی حالت بہت اچھی تھی، ہونگ شیانگ سے لیکر آخری عرب سیاح تک اسکی دولت مندی کے مداح ہیں، تجارت کی بھی بڑی گرم بازاری تھی، تمام بندرگاہیں تجارتی مالوں سے بھرپور، دیوپٹن، کھمبائت، بھروچ، چمیور، سوپارہ، سندان، تھانہ، بڑے بڑے بندرگاہ تھے، چینی سیاح لکھتا ہے کہ دور دور کی دولت یہاں جمع ہونے کے لئے آتی ہے، چینی سیاح کا یہ بھی بیان ہے، کہ اس شہر میں مالدار خاندان بہت ہیں، ایک سو سے زیادہ کروڑپتی رہتے ہیں،

حکمران کے حالات

افسوس ہے کہ ہمارے ہندوستانی بھائیوں کی بدمذاقی سے اس عظیم الشان قوم کے حالات کسی تاریخ سے دستیاب نہیں ہو سکتے ان کے حالات معلوم کرنے کا واحد ذریعہ صرف آثار ہیں یعنی سکے اور وہ کتبے جو مختلف مقامات سے حاصل کئے گئے ہیں، ان کتبوں سے بڑے قیمتی معلومات حاصل ہوئے، یہ کتبات عموماً تانبے کے ہیں، جو بعض فرامین کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کو گجرات میں "تامرپتر" کہتے ہیں، ان کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں، اور کڑی کے ذریعہ سے جڑے ہوتے ہیں، کڑی کے پاس راجہ کا سکہ جیسا ہوتا ہے، جسمیں "نندی" کی تصویر ہوتی ہے، "نندی" ہندوں کے ہاں "شنکر" کے بیل کا نام ہے، نندی بیل کے نیچے "بھٹارک" کا نام بانی ولبھی پور کی حیثیت سے لکھا ہوتا ہے، اس میں جو تحریر ہوتی ہے وہ سنسکرت نثر میں ہوتی ہے، ان فرامین میں مندرجۂ ذیل نام خصوصیت سے ہوتے ہیں، خیرات دینے والے کا نام

خیرات لینے والے کا نام، جو چیز دی گئی ہو، اس کا نام، محرر کا نام، سفارش کرنیوالے کا نام جس جگہ یہ فرمان صادر کیا گیا ہو، اس جگہ کا نام، راجہ کا پورا سلسلۂ نسب، مکان یا جائداد اگر دی گئی ہو، تو اس کے حدود اربعہ، سنہ، ماہ، دن، آخر میں بادشاہ کا لقب اور اسکا دستخط، ایسے تامر پتر جن پر راجہ کا پورا سلسلۂ نسب نامہ لکھا ہوا وہ صرف چند راجاؤں کے ہیں، باقی پر ان کا تنہا نام ہوتا تھا، اس وقت تک بیس راجاؤں کے نام ملے ہیں، ان میں سے سنہ ۵۲۶ء میں "دھروسین" (دھروسین) نامی جو راجہ تھا، اس کا لقب "پرم بھاگوت" تھا، اور اس کے بھائی کا لقب "پرم دتیہ بھگت" تھا، راجہ "گوہ سین" کا لقب "پرم پاسک" ہوا، اس کے بعد بعض راجاؤں کا لقب "پرم ماہیشور" ملتا ہے، شیلادت چہارم کا لقب "باپ پادانودھیات" لکھا ہوا ملا ہے، جو غالباً گرو (مرشد) کا چیلا ہونے کے سبب رکھا گیا ہوگا، بھٹارک جو اس سلطنت کا بانی ہے، اس نے سنہ ۵۰۹ء سے سنہ ۵۲۰ء تک حکومت کی، اسکے تیسرے لڑکے "دھروسین اول" کے تین کتبے ملے ہیں: ایک کتبہ سنہ ۵۲۶ء کا ہے اور دوسرے کتبہ پر سنہ ۵۲۹ء لکھا ہے، اور آخری کتبہ سنہ ۵۳۵ء کا ملا ہے، اس سے اس قدر تو معلوم ہوا کہ سنہ ۵۳۵ء تک تو وہ یقیناً حکمران رہا،

گوہ سین:- اس راجہ کے متعدد کتبے دستیاب ہوئے ہیں، بعض مقام "وڈا" اور بعض "بھاونگر" سے ایک کتبہ پر سنہ ۵۵۹ء گپت اور دوسرے پر سنہ ۵۶۵ء گپت، درج ہے، بھاونگر کے کتبہ پر سنہ ۵۶۷ء لکھا ہوا ہے، مٹی کے برتن پر جو تحریر ہے اس میں سنہ ۵۶۷ء ہے، یہ راجہ اس خاندان میں نہایت مدبر گذرا ہے، اس کے بعد کے راجاؤں کا نسب اسی گوہ سین سے شروع کیا جاتا ہے، اغلباً راجپوتانہ اور کاٹھیاواڑ میں گوہیل وغیرہ راجپوت اسی خاندان سے ہیں، اس کے نام کے ساتھ لفظ "مہاراجا" کا ہوتا ہے، ایک کتبہ میں اس کا لقب "پرم ماہیشور" ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک یہ "شیو" مذہب رکھتا تھا، مگر دوسرے کتبہ میں اس کا لقب "پرم پاسک" ہے، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ پھر وہ بودھ مت کا پیرو گیا، اس کی پھوپھی زاد بہن نے ایک بودھ مٹھ بنایا تھا، خود اس راجہ نے بھی بہت سے خیرات کئے ہیں۔

دھرسین دوم:- سنہ ۵۷۹ء تا سنہ ۵۹۰ء اس عہد کے پانچ کتبے ملے ہیں، ان میں سے تین پر سنہ ۵۷۱ء اور چوتھے

کے اوپر سنہ ۵۸۸ء اور آخری پر سنہ ۵۸۹ء (۲۷۰ سنہ گپ) لکھا ہے، تین پہلے کتبے مین اس کو مہا راجہ اور دو بعد مین "مہا سامنت" لکھا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر مین کسی دوسرے راجہ کے ماتحت ہو گیا تھا، اس کا لقب چونکہ "پرم ماہیش ور" ہی، اس لئے سمجھا جاتا ہی کہ یہ "شیو" کا ماننے والا تھا،

شلادت اوّل:- سنہ ۵۹۴ء سے ۶۰۷ء تک، اس کا دوسرا نام دھرمادت ہے، تامر پتر سے اس کا شیو ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن بودھ دھرم والون کو خیرات بہت دیا ہے اس لئے قیاس کیا جاتا ہے، کہ بودھ والون کی بہت عزت کرتا تھا، آخر مین اس نے اپنے جانشین کے لئے تخت خالی کر دیا، اور خود مرتاض بن کر عبادت الٰہی مین مشغول ہو گیا،

کھرگرہ اوّل:- کتبہ سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شلادت اوّل نے اپنے سامنے ہی تخت نشین کرایا، اس کا زمانہ سنہ ۶۱۵ء / ۶۱۶ء ہے،

دھرسین سوم:- کا زمانہ سنہ ۶۱۵ء سے ۶۲۰ء تک ہے، افسوس ہے، کہ اس کا کچھ حال معلوم نہین ہو سکا،

دھروسین دوم:- (سنہ ۶۴۲ء) یہ دھرسین سوم کا بھائی ہے اس کا دوسرا نام "بالادت" ہے[1] اسی کے عہد مین چینی سیاح ہانگ شیانگ چین ولبھی پور آیا ہے، بعض تامر پتر سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے بڑے فتوحات حاصل کئے، اور سلطنت کو بڑی وسعت دی، لیکن جو تامر پتر نوساری سے دستیاب ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہی، کہ قنوج کے راجہ ہرشن نے سنہ ۶۴۸ء مین اس کو شکست دی تھی، اس وقت بھروچ کے راجہ "دد" نے جو دوسرا راجہ تھا، اس کی مدد کی تھی، یہ کتبہ بھروچ کے تیسرے راجہ "جے بھٹ" سنہ ۶۴۴ء کے عہد کا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شاید یہی بھروچ کا راجہ ہوگا، جس نے بیچ مین پڑ کر صلح کرائی اور پھر راجہ قنوج کی لڑکی سے شادی کرائی جیسا کہ چینی سیاح نے لکھا ہے، کہ یہان چھتری (کشتری)، راجپوت راج کرتے ہین، مالوہ کے شلادت کا بھتیجا پہلے راج کرتا تھا، اب شلادت راجہ قنوج کا داماد ہے،

---

[1] چینی سیاح نے اس کا نام "ویرودبھٹ" لکھا ہے صفحہ ۸ مطبوعہ لاہور،

بعض تاریخون مین ہے کہ چھٹی صدی کے آخر مین سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے، ایک کا ولبھی پور اور دوسرے کا بھروچ پایۂ تخت تھا، اس سبب سے جو نوساری مین ملا ہے، اس کی تائید ہوئی غالباً یہ تفریق دھرسین دوم کے آخر عہد مین ہوئی، پہلے راجہ کا نام "ددا اول" ۵۸۵ء تا ۶۰۵ء اور دوسرا "وجے بھٹ" ۶۰۵ء تا ۶۲۰ء اور کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد کے راجہ کا نام "ددا دوم" (بھٹ) ہے، اور پھر "جے بھٹ دوم" بعض تاریخون مین لکھا ہے کہ "ددا" سوم (۶۷۵ء) اس وقت تک ہندو مذہب مین داخل نہین ہوا تھا، بعد کو برہمنون نے اسکو کشتری (چھتریون) مین داخل کر کے اپنے مذہب مین شامل کیا[1]،

دھرسین چہارم:- ۶۴۹ء کا جو کتبہ ملا ہے، اس پر اس کا نام "پرم بھٹارک مہاراج ادھیراج چکرورتی" درج ہے، اس لقب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوی زبردست راجہ تھا، جو نہ صرف خود آزاد تھا بلکہ بڑے وسیع فتوحات کے ذریعہ اس وسیع ملک کا شہنشاہ بن گیا تھا، اور غالباً اسکے بعد پھر کوئی اس قدر طاقتور راجہ نہ ہوا کیونکہ اور کسی کتبہ مین "چکرورتی" کا لفظ نہین ملتا ہے، اس کے دو کتبے اور ملے ہین اول پر ۶۴۵ء اور دوسرے پر ۶۴۹ء مرقوم ہے،

دھروسین دوم:- (۶۵۰ء تا ۶۵۶ء) دھرسین چہارم کے باپ (دھروسین دوم) کا چچا (شلادت اول) کے لڑکے دیرعبٹ کا یہ راجہ بیٹا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولبھی نہ تھا یعنی ولبھی مین اس کے باپ کی سلطنت نہ تھی، بلکہ جنوب (بھروچ) کے طرف کوئی چھوٹا راجہ تھا جو موقع پاکر ولبھی تخت پر قابض ہو گیا، نوانگر راج مین ایک گاؤن دان دیا ہے، اس کے تامرپتر پر ۶۵۱ء ہے،

کھرگرہ دوم:- (۶۵۶ء تا ۶۶۵ء) اس وقت تک اس کا کوئی حال معلوم نہین ہوا، صرف بعض کتبے ایسے ملے ہین، جس مین ماسبق راجاؤن کا نام معمولی طرح سے کندہ ہے، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً اس نے ان سے سلطنت چھین کر لی ہے،

---

[1] تاریخ گوجران صفحہ ۲۲ مطبوعہ لاہور،

شلادت سوم (۶۶۷ء / ۴۲۵) کھرگرہ دوم کے بھائی شلادت دوم کا لڑکا تھا، جو غالباً دھیاچل کا سرحدی حاکم تھا، ان کے تین کتبے ملے ہین، دو پر ۶۶۵ء / ۴۴۳ اور تیسرے پر ۶۷۱ء / ۴۵۲ مرقوم ہے، اس کا لقب "پرم بھٹارک مہاراجہ دھیراج پرمیشور" ہے، اس کے بعد والے راجاؤن نے بھی اس لقب کو اختیار کیا ہے،

شلادت چہارم:۔ (سنہ ۶۹۱ء) اسی سنہ کا ایک کتبہ ملا ہے، جس سے اسقدر معلوم ہوا کہ اس کے لڑکے کا نام کھرگرہ تھا،

شلادت پنجم (سنہ ۲۲ء) گونڈل مین دو کتبے ملے ہین، انمین یہ سنہ مذکور ہے، اور یہ بھی لکھا ہے، کہ اس کے لڑکے شلادت کی سفارش سے یہ دان دیا جا رہا ہے،

شلادت ششم:۔ سنہ ۷۶۶ء / ۴۴۱ مین کسی کو دان دیا ہے، یہ ایک کتبہ سے پتہ چلا ہے،

شلادت ہفتم:۔ سنہ ۷۶۶ء / ۴۴۷ کا ایک کتبہ ملا ہے۔

دلبھی عہد کے عہدہ دار — اس عہد مین جس قدر عہدہ دار ہوتے تھے، ان سب کا نام بتانا ناممکن ہے، لیکن کتبات کے ذریعہ سے جن عہدون کے نام ملے ہین، اور ان کے جو معانی سمجھے گئے ہین، وہ مندرجہ ذیل ہین،

نام عہدہ	معانی
۱- دران مک	کوتوال
۲- مہتر	پٹیل
۳- چاٹ بھٹ	حوالدار
۴- دھرود	تلاٹی (پٹواری)
۵- آدھی کرنیک	قاضی
۶- ڈنڈ پاشک	پولیس کا افسرِ اعلیٰ،

نام عہدہ	معانی
۷- چوروودھرنک	کھوجی (نقش قدم کے ذریعہ چور تلاش کرنے والا) یہ عہدہ پنجاب سندھ راجپوتانہ مین اسوقت بھی موجود ہے)
۸- ان تھانیہ	وزیر خارجہ،
۹- امانیہ	وزیر (یہ عہدہ ہونہار ولی عہد کو ملتا تھا)
۱۰- تریاداں سماگراہک	بقایا مالگذاری وصول کرنے والا عملہ،
۱۱- ڈانڈک	مال کا محصول لینے والا عملہ،
۱۲- بھواسدیا بھوگ دھرنک	زمین کے پیداوار کا محصول لینے والا (تحصیلدار)
۱۳- رتھ پال	تھانیدار
۱۴- پرتی نرک	گاؤن کا چوکیدار،
۱۵- راسٹرپتی	کمشنر
۱۶- گرام کٹ	گاؤن کا مکھی
۱۷- دوی پتی	چیف سکریٹری
۱۸- پرماتری	پیمایش کا افسر

ملکی تقسیم کس طرح تھی، | اس عہد مین ملک کے چار حصے تھے،

(۱) وے شے	صوبہ
(۲) آہار	ضلع
(۳) پتھک	تحصیل
(۴) استھلی	پٹو (غالبًا تحصیل سے چھوٹا حصہ)

زراعتی محصول

سلطنت کے دو حصّے تھے، (۱) شمالی یعنی کاٹھیاواڑ وغیرہ (۲) جنوبی یعنی کھیڑا بھروچ وغیرہ ان دونون مقامون مین محصول کی ادائی کا طریقہ علیحدہ علیحدہ تھا، کھیڑا یعنی جنوبی حصے مین کل پیداوار مین حصہ لیا جاتا تھا، لیکن کاٹھیاواڑ مین یہ طریقہ رائج نہ تھا، بلکہ پیمایش زمین کے حساب سے وصول کیا جاتا اور پیمایش قدم سے کرتے تھے، اور ان معاملات مین وزن کا طریقہ رائج نہ تھا، بلکہ ٹوکریون سے ناپ کر دیتے تھے، جیسا کہ آج بھی برما مین رائج ہے، کھیتون کا نام عموماً کسی تالاب یا درخت یا دیو پر رکھتے تھے،

ولبھی راجاؤن کا مذہب

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ ولبھی دراصل گوجرون کی شاخ ہین، اور گوجرون کا اصل مذہب سورج پرستی ہے، ایران مین بھی یہ مہر یعنی سورج کے پوجاری تھے، یہ لوگ جب ہندوستان پہنچے، تو ان کے سامنے مفتوح قوم کے متعدد مذہب تھے، اول برہمنی مذہب (شیو اور وشنو کے ماننے والے) دوم بودھ مذہب سوم جینی، اول برہمنون کا تمام ہندوستان پر راج رہا، پھر بودھ کے بعد اشوک نے تمام ہندوستان مین بودھ دھرم قائم کیا، اور ہندوستان کی ایک بڑی مخلوق بودھ ہوگئی، لیکن بکرماجیت نے بودھون کو ہر جگہ سے نکالنا شروع کیا، پس جس وقت گوجر یہان پہنچے، تو اکثر مقامات کے فرمان روا تو عموماً برہمنی مذہب کے تھے، مگر عام رعایا بودھ مذہب کی تھی، یہ حالت خصوصاً گجرات، کاٹھیاواڑ اور سندھ کی تھی، اور مسلمانون کے آنے تک بھی یہی حالت رہی، اور جین مذہب اس ملک مین تیسرے نمبر پر تھا، جب بودھ فنا ہوگئے، تو جین مت نے اس کی جگہ لے لی، جب گوجر یہان آئے تو ہر مذہب نے ان کو اپنے مین جذب کرنا چاہا، چنانچہ کچھ بودھ ہوگئے، اور کچھ شیو، مگر اس جنگجو قوم کے لئے جو حاکمانہ اقتدار بھی رکھنا چاہتی تھی، بودھ مذہب مناسب نہ پڑا، اس لئے شیو مذہب کی طرف مائل ہوئے، چنانچہ ولبھی راجاؤن مین بھٹارک پہلا شخص ہے، جو شیو ہوگیا، اور اسی لئے ہم دیکھتے ہین کہ کئی پشت تک ہر کتبہ پر بھٹارک کے نام اور تصویر کے ساتھ نندی بیل کی تصویر موجود رہتی ہے، برہمنون نے آبو پہاڑ پر اگنی دیوتا بھڑکا کر ان گوجرون کو کس طرح

پوتر کرکے کشتری راجپوت بنا کر "شیو" مین داخل کیا، یہ گوجرون کی تاریخ پڑھنے سے واضح ہوتا ہے، بھروچ کا گوجر راجہ "ددبھٹ سوم" ۶۵۶ء نے بتلایا ہے کہ کس طرح برہمن گوجرون کو کشتری راجپوت بنا کر اس کا سلسلۂ نسب پران سے ملا کر ایک سند دیتے تھے، اور وہ خود بھی کس طرح اس پر عامل ہوا، غرض جن لوگون نے اس عہد مین تبدیل مذہب کرکے برہمنون کا ساتھ دیا، وہ راجپوت کہلانے لگے، اور جن لوگون نے برہمنون سے علٰحدگی اختیار کی، وہ آج تک گوجر کہلاتے ہین، جیسا کہ گجرات اور پنجاب مین ابھی یہ لوگ اس نام سے پکارے جاتے ہین، گوہ سین سے پہلے بھٹارک خاندان سب اسی مذہب کے پرستار رہے، مگر مورخین اس بات پر متفق ہین کہ گوہ سین بودھ مذہب کا پابند تھا،

گوہ سین اپنے [illegible] شیو مذہب کے راجہ رکھتے تھے اور آخری کتبہ پر وہ لقب ہے، جو بودھ مذہب والے رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابتدا مین وہ اپنے آبائی مذہب پر تھے، لیکن بودھ مذہب والون نے (جو ابتدا سے تبدیل مذہب کی کوشش مین لگے ہوئے تھے،) اس پر ایسا اثر ڈالا، کہ آخر مین بودھ ہوگیا، غالباً [illegible] محل مین جو اکثر عورتین بودھ تھین، چنانچہ گوہ سین کی پھوپھی راہبہ بھی بودھ تھی، اس نے متعدد بودھ مٹھ بنائے اور بہت خیرات دی، اس کے بعد سے اس خاندان مین مذہب کے لئے ایسی ہی کشمکش شروع ہوئی جیسی قیاصرۂ روم مین عیسائیت کے لئے اور چنگیز خان کی اولاد مین اسلام کے لئے، چنانچہ کچھ شیو ہوئے اور کچھ بودھ، ولبھی راجے شیو ہون یا بودھ، لیکن نہایت مخیر ہوتے تھے، انھون نے برہمنون اور بودھون کو یکسان بڑی بڑی خیراتین دین، اُن مین سے جو راجہ شیو تھے، وہ زیادہ تر "لکولیش" فرقے کے تھے، اس فرقہ کا سب سے بڑا مندر "کاروان" مین نربدا کے پاس تھا، غالباً اسی سبب سے "شیو دھرم" کے لوگ نربدا ندی کو متبرک سمجھتے ہین، شیو کی ایک شاخ "پاشوپت" ہے اس مذہب کی خاص خصوصیت یہ ہے، کہ مذہب کے واسطے ہر وقت جنگ (جہاد) کرنے کو مجاہدین کا ایک فرقہ تیار رہتا تھا، ایسے مجاہدین شادی نہین کرتے تھے، اور بڑی محتاط زندگی بسر کرنے کے باعث نہایت طویل عمرین پاتے، اور توانا و تندرست رہتے (پراچین اتہاس فصل ولبھی پور)

راجہ اکثر اس مذہب کو صرف اس لئے اختیار کر لیتے تھے، کہ فوج کیلئے بہترین سپاہی ان کو مل جاتے تھے،

چینی سیاح ہونگ شیانگ چین ولبھی پور آیا ہے، تو مذہبی اعتبار سے بھی یہ شہر بڑا پر رونق تھا یہان ایک سو سے زیادہ بودھون کی خانقاہین (وہار) تھین، اور چھ ہزار سے بھی زیادہ اس مذہب کے واعظ (سادھو) تھے، جو مقدس کتابون کا دن رات مطالعہ کیا کرتے تھے، یہ لوگ زیادہ تر بودھ کے "ہی نیانہ" فرقے کے تھے، اور دیوتا ان کے کئی سو معابد بھی یہان موجود تھے، پھر لکھتا ہے، کہ "جب آدمی کہ دنیا مین بودھ تھا، تو وہ اکثر اس ملک مین آیا کرتا تھا، جن درختون کے نیچے وہ یہان آکر بیٹھا کرتا تھا، ان کے پاس راجہ اشوک نے بطور یادگار" اسٹوپ" بنوایا ہے، جن بودھ کے بیٹھنے کی جگہ معلوم ہوتی ہے، اس قسم کے اسٹوپ آج بھی بودھون کے برھما مین بکثرت ہین، جن کی تعمیر بہت ٹھوس اور پائدار ہے،

سیاح مذکور یہ بھی لکھتا ہے، کہ یہان اہل بدعت بہت ہین، اس سے غالبًا اس کی مراد یا تو وہ لوگ ہین، جو بودھ تو ہین مگر ان کا تعلق بودھون کے دوسرے فرقون سے ہے، اور سیاح مذکور کے ہم خیال فرقہ کے تبع نہین ہین یا اس سے مراد وہ غیر مذاہب کے پیرو ہین، جو بودھ مذہب کے مخالف ہین، اور انکی شناخت کے لئے لکھا ہے کہ وہ بدن پر بھبوت ملتے ہین، غالبًا اس سے مراد ہندو سادھو ہین"،

چنگیز خان

تاتاریون کے پہلے باقاعدہ فرمانروا چنگیز خان کے حالات اور کارنامون پر ہیرلڈ لیمب کی دلچسپ و محققانہ کتاب کا اردو ترجمہ مصنف نے اس مین تاتاری، فرنگی، عربی و فارسی ماخذون سے اس عجیب و غریب بادشاہ کے حالات مرتب کئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیونکر دنیائے اسلام پر چھاجانے کا مستحق ہو سکا، ترجمہ کی خوبی اور صحت کے لئے مولوی شیخ عنایت اللہ صاحب بی اے ناظم دار الترجمہ عثمانیہ کا نام کافی ضمانت ہے،

معارف پریس کی بہترین لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ضخامت ۴۴۲ صفحے قیمت ۱۲ ؎ "منیجر"

ایک قدیم دکھنی شعر

از

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی،

قدیم دکھنی زبان میں اردو کا ایک شعر یہ ہے،

کن دھر کھون، کان جاون مین مجھ دل پہ پھل جھرات ہی
ایک بات کئے ہون گے سجن یہان جیو بارہ مات ہی

یہ شعر شعر الہند حصہ اول کے صفحہ ۴۲ مین انہی الفاظ کے ساتھ نقل ہوا ہے، اور شعر الہند کی تصنیف کے وقت جو تذکرے پیش نظر تھے، وہ سب کے سب اس وقت موجود نہین اس لئے یہ نہین کہا جا سکتا کہ کس تذکرے سے نقل ہوا ہی لیکن جو تذکرے المصنفین کے کتبخانے مین موجود ہین ان مین یہ شعر مختلف الفاظ مین منقول ہی، تذکرہ گلشن ہند مین یہ شعر غیر یقینی طور پر برکت تانا شاہ کی طرف منسوب کیا گیا ہی اور ان الفاظ مین نقل ہوا ہی:-

کس در کھون، جاون کہان، مجھ دل پہ پھل جھپراٹ ہے،
اک بات کے ہون گے سجن یہان جی ہی بارہ باٹ ہے[1]

میر حسن نے اپنے تذکرے مین اس شعر کو ان الفاظ مین نقل کیا ہی،

کس دہر کھون، کان جاون مین مجھ دل پہ پھل جھپرات ہی،
ایک بات کے ہونگے سجن یہان جیو بارہ بات ہی[2]

[1] تذکرہ مذکور صفحہ ۴، [2] تذکرہ مذکور صفحہ ۷۶،

لیکن قائم نے اس شعر کو عبداللہ قطب شاہ کی طرف منسوب کیا ہی اور ان الفاظ مین نقل کیا ہی،

کسد رکھون، کان جاؤن مین، مجھ دل پہ گھن کھپراٹ ہے،
یک باٹ کے ہون گے سجن یہان جیو بارہ باٹ ہے[1]

ان تذکرون کے علاوہ میر، قدرت اور شفیق کے تذکرے بھی دار المصنفین کے کتبخانہ مین موجود ہین مگر ان مین غالبًا یہ شعر منقول نہین ہی لیکن بہرحال شعر کسی کا ہو اور کتنے ہی مختلف الفاظ مین نقل کیا گیا ہو، اسکے نقل کرنے سے ان تذکرہ نویسون کو صرف ابتدائی زبان اردو اور ابتدائی رنگ تغزل کا نمونہ دکھانا مقصود تھا، اس لئے کسی نے اس کے الفاظ و معانی کی تحقیق نہین کی، اور شعر الہند مین بھی یہ شعر اسی حیثیت سے نقل کر دیا گیا لیکن خوش قسمتی سے شعر الہند بعض یونیورسٹیون کے نصاب تعلیم مین داخل ہوگئی، اور درس و تدریس کی وجہ سے طلبہ کو اوسکے اشعار کے مطالب سمجھانے کی ضرورت پیش آئی اور اس حیثیت سے یہ شعر بھی معرض بحث مین آیا، اور اوسکے معنی و مطالب کے سمجھنے مین اختلافات پیدا ہوگئے، افسوس ہے، کہ مجھے یہ مختلف معانی و مطالب معلوم نہ ہوسکے تاہم اصل شعر کا مطلب غور طلب ہی، اور جہان تک مینے غور کیا ہی شعر الہند مین یہ شعر جس تذکرے سے نقل کیا گیا ہی، وہ بالکل غلط ہی کیونکہ دوسرے مصرع مین ”بات اور بارہ مات“ کے الفاظ بالکل بے معنی ہین اس لئے پہلے مصرعے کا کا قافیہ ”بھرات“ بھی غلط ہی،

میر حسن کے نسخے کا بھی یہی حال ہی، اور انھون نے مزید غلطی یہ کی ہی کہ ”بھل“ کو ”پھل“ لکھا ہی، لیکن غالبًا یہ دو نقطے کاتب کی غلط نویسی سے بڑھ گئے ہین،

تذکرہ گلشن ہند مین اور تمام الفاظ صحیح طور پر نقل کئے گئے ہین لیکن اس فقرے مین ”اک بات کے ہون گے سجن“ بات کا لفظ غلط اور بے معنی ہی،

البتہ قائم نے جو شعر نقل کیا ہی، وہ بالکل صحیح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھکو جو الجھن یا اضطراب ہے،

[1] تذکرہ مذکور صہ

[illegible] چھ دل اور کہاں جاؤں کیونکہ میرا معشوق تو صرف ایک راستے سے گیا ہے لیکن میرا جی سخت انتشار میں ہے [illegible] بہت راستے کے معنی میں ہے ورنہ جھوکے بارہ باٹ ہونے یعنی بارہ رستے پر پڑ جانے کے معنی انتشار کے ہیں جو ایک شعر میں ہے اور یک باٹ کے ہونگ سجن میں لگے "گ" ہیں، کیونکہ قدیم رسم الخط میں "گ" کو صرف ایک ہی مرکز سے لکھتے تھے اور معروف کو مجہول پڑھتے تھے جیسے کوئی، "کو" کوہی، البتہ "بجھراٹ" کا لفظ بعض سنسکرت دانوں کے نزدیک بجھاو سے مشتق ہے، جسکے معنی الجھنے یا پھنسنے کے ہیں، بعض لوگ اسکو بچھراٹ پڑھتے ہیں، جسکے معنی بچھڑنے یعنی لوٹنے، تڑپنے اور پچھاڑ کھانے اور گرنیکے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے، کہ یہ لفظ کچھراٹ ہو جس کے معنی دشواری اور مشکل کے ہیں، بہر حال جو کچھ بھی ہو، اس شعر میں شاعر نے اپنے قلق اضطراب، بے چینی، الجھن اور پریشان خیالی کا اظہار کیا ہے، اور شعر صحت تلفظ اور سنسکرت و بھاشا کے الفاظ کے ترجمہ و مطالب کے ساتھ حسب ذیل ہے:

کس در کہوں کہاں جاؤں میں مجھ دل کٹھن بجھرات ہے
یک باٹ کئے ہونگ سجن یہاں جیو بارہ باٹ ہے

(عد، سخت، کہاں، جگہ، راستے، معشوق، جی، بارہ رستے)

یعنی میرے دل کی الجھن اضطراب، دشواری کا حال کس جگہ کہوں اور کہاں جاؤں میرا معشوق تو صرف ایک راستے سے گیا ہے لیکن میرا دل بہت سے رستوں میں بھٹک پھرتا ہے یعنی منتشر ہے

المامون

یعنی خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد سلطنت کے حالات مولانا شبلی مرحوم کی پہلی تصنیف ہے جسمیں [illegible] تاریخ اسلام کے پر فخر عہد کے سیاسی علمی مذہبی اخلاقی تمدنی حالات قلمبند کئے ہیں جن سے دولت عباسیہ کے عروج و کمال کے زمانہ کا مرقع آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کرا کے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، صفحات ۲۷۰، [illegible] قیمت ۴ روپیہ

نواحِ علی گڈھ مین بابر کے آثار

از
پروفیسر ہارون خان شروانی صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ

آج کل ارباب علم و فضل کے حلقون مین قصبہ پلکھنہ ضلع علیگڈہ مولینا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی عدالت العالیہ حیدرآباد دکن کا مولد و مسکن ہونے کی وجہ سے معروف ہے، لیکن ایسے بہت کم اہل ذوق ہون گے جنھین اس کا علم ہو کہ اس مین بابر اور ہمایون کے زمانے کے آثار اس وقت نہایت اچھی حالت مین موجود ہین، اکی طرف میری توجہ عالی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر نے مبذول فرمائی، چنانچہ ان کے پسر خوردبرادرم مسعود الرحمن صاحب اور اپنے ابن عم برادرم خان بہادر مونس خانصاحب کو ساتھ لے کر مین اونکی زیارت کو گیا، وہان پہنچکر تو آنکھین کھل گئین، پلکھنہ در اصل فیل خانہ یا پیل خانہ تھا اور اس مین بادشاہانِ دہلی کے ہاتھی رہا کرتے تھے، یہ نواح تاریخی اعتبار سے بھی اہم ہے اسلئے کہ جلالی جسکا ذکر سفر نامہ ابن بطوطہ مین ہے یہان سے دو تین میل سے زیادہ نہین اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ ابن بطوطہ کا "کوشک سلطانی" شاید اسی ٹیلے کے نیچے دفن ہے جو پلکھنہ سے چند میل کالی ندی کے دوسرے کنارے پر سعد آباد اور بہرام پور کے قریب واقع ہے، بہر حال پلکھنہ کی جامع مسجد کو ہند و پٹھان تعمیر کاری کا تقریباً مکمل نمونہ سمجھنا چاہیے، اسلئے کہ خاص مسجد مین محراب کا نشان نہین، بلکہ مسجد قوت الاسلام دہلی کے بعض درون اور قلعہ دولت آباد دکن کی جامع مسجد کی طرح دروازے پتھر کے سرون سے بنائے گئے ہین، اور ستونون مین ہندو اثر صاف نمایان ہے، یہان تک کہ بعض ستونون مین تو بودھ طرز کے محراون کی نسبت کی ہوئی ہے، ویسے تعمیر مین جو بھی محرابین ہین، وہ صدر دروازے مین ہین اور ان پر بھی بجائے مغل طرز کے پٹھان اثر نمایان ہے، صدر دروازے پر حسب ذیل کتبہ لکھا ہوا ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

عجلوا الصلوٰۃ قبل الفوت — وعجلوا التوبۃ قبل (الموت)

کرد این مسجد بنا چو کعبۂ بہائے عام — اشرف الاشراف گھوڑن بن محمد بن سلام

سال ہجرت بود نوصد و سی و پنج اندر شمار — نوبت ظہیرالدین محمد بابر غازی کرام

یہ شیخ گھورن دراصل بادشاہی فیل خانے کے داروغہ تھے، اور ان کی اولاد اس وقت تک ملکھنہ میں زمیندار ہے،

اس مسجد سے شمال و مغرب کی طرف تھوڑی دور اس کا گنبد ہے، جو آج کل شاید امام باڑے کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور جو کسی زمانے میں شاید فیل خانے کا کنواں تھا، جو اب اٹ گیا ہے، اسکی محرابوں سے ہندو مزاج یا منقش طرز نمایاں ہوتی ہے، اس پر حسب ذیل کتبہ ہے، :-

مرتب شد این چاہ در عہد شاہ،

محمد ہمایون بادشاہ

بنا شیخ محمود، اہل امام

پسر شیخ گھورن............

بتاریخ نہ صد وسی و ....بود

شد اتمام این چہ..........

اس گنبد کے بالکل محاذ میں شیخ گھورن یا گھوڑن کی حویلی کے باقیات ہیں، جن کی محرابین نہایت خوبصورت اور قابل دید ہیں،

جہاں تک مجھے علم ہے بابری آثار عنقا ہیں اور تعجب ہے کہ سرکاری محکمۂ اثریات نے اس طرف اسوقت تک توجہ نہیں کی ہے،

———•———

تلخیص و تبصرہ

فرقہ علی الٰہی

امریکہ کے عیسائی رسالہ مسلم ورلڈ (اپریل ۱۹۳۲ئ) مین ایران کے علی الٰہی فرقہ پر ایک مضمون شائع ہوا ہے جسکا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"ایران کی سرزمین بدعت و زندقہ کے نشو و نما کے لئے بہت موافق ہے، یہ ملک شیعی اسلام کا جو صحیح مذہب اسلام کی ایک بڑی بدعت ہی، خاص مرکز ہے لیکن شیعی اسلام خود بدعتی فرقون سے پر ہے، ان فرقون مین بہائی اور بابی فرقے مختلف اقسام کے صوفیہ، اور ہر طرح کے درویشون کے گروہ شامل ہین"

لیکن جو فرقہ اسلام سے اس درجہ مختلف ہے کہ بدعت کہلانے کی بہ نسبت زیادہ صحیح طور پر ایک مستقل مذہب شمار کیا جا سکتا ہی، وہ فرقہ علی الٰہی ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس فرقہ کے پیرو بظاہر حضرت علیؓ کے متبع ہین خصوصاً غیر ملک والون سے گفتگو کرنے مین یہ لوگ اکثر حضرت علیؓ کی قسم کھاتے ہین، یہ انکی الوہیت کے قائل ہین، یہ کہتے ہین کہ حضرت علیؓ خدا نہین ہین لیکن خدا سے جدا بھی نہین ہین، بہرحال اس معاملہ مین یہ لوگ شیعی مسلمانون کے عقیدہ سے زیادہ تجاوز نہین کرتے، البتہ ان کی اندرونی زندگی خیالات اور رسومات کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے، کہ ان مفروضہ متبعین کے دلون مین حضرت علیؓ کا جو اثر عام طور پر سمجھا جاتا ہی، وہ دراصل ہے نہین بعض اوقات تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ اس فرقہ کی نسبت ہی حقیقۃً غلط ہے، یہ لوگ اپنے کو "اہل حق" یا "طائفہ" کہتے ہین،

اس فرقہ مین دو آدمیون کا خاص طور پر احترام کیا جاتا ہی، اور انہین سے خصوصیت کے ساتھ مدد مانگی جاتی

کے حضرت علیؓ کے دو ادمیون کا بیان ہے کہ داؤد (BENJAMIN) بعض آدمیون کا بیان ہے کہ داؤد حضرت علیؓ کے خادم تھے لیکن اکثر لوگ انھین شاہ داود سمجھتے ہین، جن کا ذکر توراۃ مین ہے، یہ لوگ زبور کو بڑے شوق سے خریدتے اور پڑھتے ہین، فرقہ علی الٰہی کی ایک شاخ بہ نسبت دوسری شاخون کے داؤدؑ کی زیادہ معتقد ہے، اور ہر موقع پر اُن سے طلب استعانت کرتی ہے، ایک بچہ جب اپنی طاقت سے بڑھ کر وزنی چیز اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، تو داؤدؑ ہی کو مدد کے لئے پکارتا ہے، اور ایک مبتلائے درد کی زبان پر اُسی بے تکلفی کیساتھ "یا داؤد" کا نالہ آتا ہے جس طرح کوئی عیسائی اُسے خدا پکارے۔

بنیامین کی شخصیت داؤد سے بھی زیادہ مستور معلوم ہوتی ہے، ایک معنی مین وہ ملک صدق کی طرح وقت و زمانہ کی حدود سے باہر ہین، لوگون کو اُن کے متعلق کوئی صحیح واقفیت نہین معلوم ہوتی، اور عموماً اُن کا نام لینے مین تامل کرتے ہین، مجھے بنیامین کی بابت اکثر تعجب ہوا کرتا تھا، لیکن ایک روز جب مین مغربی ایران مین فرقہ علی الٰہی کے ایک بہت بڑے پیشوا کے گھر مہمان تھا، تو میرے میزبان نے مجھے بتایا کہ بنیامین جکی پرستش اس کے تمام پیرو کرتے ہین، دراصل حضرت عیسیٰؑ کا دوسرا نام ہے، اُس نے بیان کیا کہ ایران مین فرقہ علی الٰہی کے لوگ پہلے عیسائی تھے، جب مسلمانون نے اس ملک کو فتح کیا، تو یہ لوگ اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کئے گئے، بنیامین جس کے معنی ہین "داہنے ہاتھ کا بیٹا"، حضرت عیسیٰؑ کا بدل قرار پایا، اور اب بنیامین سے لوگ ابن اللہ مراد لیتے ہین،

یہ باور کرنا آسان ہے کہ فرقہ علی الٰہی کے لوگ ابتداءً یہودی یا عیسائی تھے، ان کے بعض رسومات سے اسکی شہادت ملتی ہے، ان کا ایک روزہ مسلسل تین روز تک رہتا ہے، جسکے بعد وہ ایک ضیافت کرتے ہین، اور اس تقریب کو حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ قیام مزار واحیاء دوبارہ کی یادگار بتاتے ہین، ان کے ہان ایک رسم ہے جو "رسم عشاء ربانی" سے بہت مشابہ ہے، اس موقع پر روٹی اور خشک انگور تقسیم کئے جاتے ہین، وہ لوگ الوہیت مسیح کے مسئلہ کو بلا تامل تسلیم کرتے ہین، اور جب ہم حضرت عیسیٰ کو خدا کا فرزند کہتے ہین، تو وہ یہ جواب دیتے ہین "ہم کہتے ہین وہ خدا ہی ہے"،

باوجود اس کے اُن کے عقائد متفقہ مسیحی معتقدات سے بہت مختلف ہین، وہ لوگ مسئلہ تناسخ کے قائل ہین

لیکن روح کے متعلق کوئی واضح رائے نہین رکھتے، کہ واپس آکر پھر کونسا قالب اختیار کرے گی، ایک بار اُن کے ایک بڑے مرشد نے مجھ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انجیل تناسخ کی تعلیم دیتی ہی،

فرقۂ علی الہٰی کی ایک شاخ جو فرقۂ طاوسی کے نام سے مشہور ہے، اس سے بھی آگے ہی، یہ شیطان کی تعظیم وتوقیر کرتی ہے، یہ لوگ دراصل اوس کی پرستش نہین کرتے، لیکن اس سے خائف ضرور رہتے ہین، اور اسی اپنے سے راضی رکھنا چاہتے ہین، مجال نہین کہ کوئی شخص اون کے سامنے کوئی گستاخی کی بات اس کی شان مین زبان پر لائے،

فرقۂ علی الہٰی کی تین خاص شاخین ہین، داؤدی، طاوسی اور نصیری،

فرقۂ علی الہٰی مین مطبوعہ کتابون کا رواج نہین ہے، ان لوگون کی مقدس کتاب "سرانجام" کے نام سے مشہور ہے، یہ نظم مین ہے، اور کردی زبان مین لکھی ہوئی ہے، اس کا صرف ایک قلمی نسخہ ہے، یہ کتاب غیرون کو کبھی نہین دیجاتی، لیکن ایک بار مخصوص اعزاز کے طور پر اس فرقہ کے چند پیشواؤن کی موجودگی مین مجھے اسکے مطالعہ کی اجازت ملی تھی،

فرقۂ علی الہٰی کے مذہبی پیشوا سید کہلاتے ہین، سید عموماً آل محمد کے لئے استعمال کیا جاتا ہی لیکن اس فرقہ مین یہ لفظ صرف مذہبی پیشوا کے معنی مین بولا جاتا ہی، سید کا عہدہ موروثی ہوتا ہے، اور اکثر صورتون مین اس کے اختیارات کافی وسیع ہوتے ہین، مغربی ایران کے بڑے سید کے پیرو تو دراصل اس کی پرستش کرتے ہین، جو لوگ اسکی خدمت مین حاضر ہوتے ہین، وہ دروازہ کے قریب پہنچکر سرنگون ہوتے ہین اور آستان بوسی کرتے ہین اسی سید کے متعلق اس حصۂ ملک کے ایک سردار نے ایک بار مجھ سے کہا تھا "خدا میرے اس قول کو معاف کرے اصل یہ ہی کہ سید رستم میرا خدا ہے،" فرقۂ علی الہٰی کے بعض سیدون مین مہمان نوازی درجۂ کمال تک پائی جاتی ہے، جو بھی ان کے دروازے سے گذرے خواہ وہ کوئی غریب مسافر ہو یا کوئی شاہزادہ اسکے لئے طعام قیام کا سامان ہمیشہ مہیا رہتا ہی، ایک سید کے متعلق تو یہان تک مشہور ہے، کہ اوس نے اپنے باپ کے قاتل

کو اپنے ہان میہمان رکھا، اور اُنکی خاطر تواضع کی، ایسی فیاضانہ میہمان نوازی اس وجہ سے ممکن ہے کہ سیدون کے پیرو ان کی خدمت مین کافی نذرین پیش کرتے رہتے ہین، باوجود اس کے کہ ان سیدون کا اس قدر احترام کیا جاتا ہے، ان مین سے بعض حد درجہ خلیق اور منکسر مزاج ہین، "ع ز"

ہندوستان مین جرائم کی تحقیقات کے قدیم طریقے،

ہندوستان مین آگ اور پانی کے ذریعہ سے جرائم کی تحقیقات کا رواج اٹھارہوین صدی کے آخر تک جاری تھا، اس موضوع پر اسٹیٹسمین کے تازہ پرچہ مین مسٹر بل مارلنگ (BILL MARLING) کا ایک مقالہ آیا ہے، اس کی تلخیص ذیل مین درج کیجاتی ہے، جو امید ہے دلچسپی سے پڑھی جائے گی، وہ لکھتے ہین،۔

رسالہ ایشیاٹک ریسرچز، کی پہلی جلد مین ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے اس قسم کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، یہ واقعہ ۱۷۸۳ء مین بنارس مین پیش آیا، ملزم پر صرف چوری کا الزام تھا، اس جرم کی تحقیق کا طریقہ دستور قدیم کے مطابق آگ کے ذریعہ سے تھا، بنارس کے عامل اعلیٰ علی ابراہیم خان خود اوس موقعہ پر موجود تھے، اونھون نے لوگون کو اس طریق آزمایش سے باز رکھنا چاہا، لیکن مقدمہ کے دونون فریقون اور نیز پنڈتون نے کسی دوسرے طریقہ کو پسند نہین کیا، اور صرف آگ سے جرم کی تحقیق پر زور دیتے رہے، علی ابراہیم کو مجبوراً اس طریق آزمایش کی ضرورت دینی پڑی، اس اجازت کے لئے وہ اپنی برأت یون پیش کرتے ہین کہ ملزم کو جرم سے بری کرنے کا یہی واحد طریقہ تھا، فریقین ہندو تھے، دھرم شاستر مین اسی طریق آزمایش کا حکم تھا، اور ہندو ریاستون اور سلطنتون مین یہی طریقہ عام طور پر رائج تھا، بحیثیت عامل شہر کے علی ابراہیم خان اپنے تمام مشیرون اور افسرون کو لیکر متعینہ مقام پہنچے، اور مستغیث کو ایک بار اور اس طریق آزمایش سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ اپنے اصرار پر برابر قائم رہا، اور بالآخر آزمایش کی رسم شروع ہوئی علی الصباح

وہ مقام دھوکر پاک وصاف کر دیا گیا تھا، اُس کے بعد پنڈتون نے گنیش کی جو اون کے نزدیک خدائے دانش ہو، پوجا کی، اور پھر سات ہم مرکز دائرے سولہ انگشت کے فاصلہ سے کھینچے، مرکزی دائرہ مین خشک گھاس رکھ دی گئی، ملزم نے غسل کرکے بھیگے ہوئے کپڑے پہنے، اور مشرق کی طرف رُخ کرکے خارجی دائرہ مین کھڑا ہوگیا اوس کے بعد عامل شہر اور پنڈتون نے اُسے حکم دیا کہ اپنے ہاتھون پر چاول اور بھوسی لے کر ملے اوس کے ہاتھون کا معائنہ کیا گیا، اور زخم کا جو نشان اُن مین پہلے سے موجود تھا، اوسے رنگ دیا گیا، پھر اوس کے ہاتھون مین سات پیپل کی پتیان، سات گھاسین، نو دانے جو، اور چند پھول رکھ دئے گئے، پنڈتون نے موقع کے مناسب کچھ شلوک پڑھے، اور روداد مقدمہ کو وید کے ایک منتر کے ساتھ تاڑ کے پتہ پر لکھ کر ملزم کے ہاتھون مین باندھ دیا، اوس کے بعد لوہے کی ایک گیند جسکا وزن ڈھائی سیر تھا، آگ مین ڈال دی گئی، یہان تک کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر اوسے نکال کر پانی مین ٹھنڈا کیا، پھر گرم کیا، اور پھر ٹھنڈا کیا، اور پھر تیسری بار وہ خوب گرم ہوکر سرخ ہوگئی، تو اوسے چمٹے سے اوٹھا کر ملزم کے ہاتھون مین رکھ دیا، احکام شاستر کے مطابق ملزم ہر دائرہ مین قدم رکھتا ہوا مرکزی دائرہ مین پہنچا، اور وہان پہنچکر اوس جلتی ہوئی گیند کو گھاس کے ڈھیر پر پھینک دیا، گھاس مین آگ لگ گئی، اس کے بعد ملزم کے ہاتھ کھول دیئے گئے، اور دیکھا گیا تو جلنے کا کوئی نشان اُن مین موجود نہ تھا، چنانچہ وہ جرم سے بری کر دیا گیا، اور مستغیث کا ایک ہفتہ قید کی سزا دیگئی، تاکہ آیندہ بے قصورون کے خلاف اس قسم کے غلط الزامات نہ لائے جائین،

ہندو دھرم شاستر مین اس طریقہ کے علاوہ ملزم کی آزمایش کے آٹھ اور طریقے تھے، ایک طریقہ میزان کے ذریعہ سے تحقیق جرم کا تھا، بعض لوگون کا خیال ہے، کہ یہ طریقہ صرف برہمنون کے لئے مخصوص تھا لیکن کچھ لوگون کے نزدیک اس مین برہمن اور غیر برہمن کی تخصیص نہ تھی، ملزم کسی برہمن کی معیت مین ایک دن کا روزہ رکھنے کے بعد غسل اور پوجا وغیرہ سے فارغ ہوکر ایک ترازو مین جسکے دونون پلے بالکل برابر ہوتے، وزن کیا جاتا، اس کے بعد وہ ترازو سے نکال لیا جاتا، پھر پنڈت ایک پرچہ پر اس کے جرم کا خلاصہ

لکھتے، اور اس پر کچھ منتر پڑھ کر اس پرچہ کو ملزم کے اوپر باندھ دیتے، چھ منٹ کے بعد وہ دوبارہ وزن کیا جاتا، اگر اب اس کا وزن بہ نسبت پہلے کے زیادہ ہوتا، تو وہ مجرم تصور کیا جاتا، اور اگر کم ٹھہرتا، تو بے قصور سمجھا جاتا، اگر بالفرض اب کی بار بھی دونوں پلوں کا وزن برابر رہتا، تو اسے تیسری بار وزن کرتے، اور اس مرتبہ ہندو دھرم شاستر کے مطابق وزن میں فرق ہونا لازمی ہوتا،

آج بھی ہندوستان کے بعض حصوں میں تماشا گر سرخ انگاروں پر چلکر اپنے کرتب دکھاتے ہیں، اس قسم کے کرتبوں کی ابتدا برہمنوں کے طریق آزمایش میں پائی جاتی ہے، اسی طرح قرون وسطی میں ہندوستان میں ملزم کی بے گناہی ثابت کرنے کا یہ طریقہ بھی تھا، کہ اُسے پیپل کی لکڑی کے دہکتے ہوئے انگاروں پر چلنا پڑتا تھا، یہ انگارے نو ہاتھ لمبی، ایک بالشت گہری، اور دو بالشت چوڑی زمین کھود کر اسمیں بچھائے جاتے تھے، اگر ان انگاروں پر چلنے سے ملزم کے پیر محفوظ رہتے، تو وہ جرم سے بری کر دیا جاتا، یہ کارنامہ اُس قوم کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے، جو ہمیشہ برہنہ پیر چلکر اپنے تلوے کے چمڑے کو سخت بنا لیتی ہے، نو ہاتھ ساڑھے تین گز کے برابر ہوتے ہیں، اور یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ تین قدم میں طے کیا جاسکتا ہے، اس طریق آزمایش کا رواج قدیم ہندو روایات میں ملتا ہے، سیتا نے اپنے شوہر رام کے سامنے اپنی عصمت کا ثبوت اس طرح آگ پر چل کر دیا تھا، یورپ میں چارلس فربہ CHARLS (THE FAT) شہنشاہ روما کو بھی اپنی ملکہ رچرڈس (RCHARDIS) کی بے گناہی کا ثبوت اسی طریقہ سے ملا تھا،

پانی کے ذریعہ سے آزمایش کا طریقہ یہ تھا کہ ملزم کو پانی کے اندر اتنی دیر تک غرق رہنا پڑتا جتنی دیر میں ایک آدمی آہستہ پچاس قدم چل لیتا ہے، بعض مقامات میں اس مدت کا اندازہ اسوقت سے کیا جاتا تھا، جو تیر پھینکنے اور اُسے اٹھا لانے میں صرف ہوتا ہے،

آزمایش کے دو طریقے زہر کے ذریعہ سے بھی تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی عورت یا برہمن پر استعمال نہیں کیا جاتا تھا، ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ کسی مٹی کے برتن سے جسمین پہلے سے ایک سانپ بند رہتا، ملزم سے

کوئی سکہ، انگوٹھی، یا مہر نکالنے کو کہا جاتا، دوسرا طریقہ یہ تھا، کہ ایک برہمن ملزم کو سفید آرسینک سات دانہ جو کے ہم وزن، چھن دانہ جو کے برابر مکھن مین ملا کر کھلاتا، ان صورتون مین اگر ملزم بے قصور ہوتا، تو اُس پر زہر کا کوئی اثر ظاہر ہوتا،

آزمایش کا ایک اور طریقہ اُبلتے ہوئے تیل سے تھا، علی ابراہیم خان نے ۱۷۸۳ء مین اس کا مشاہدہ خود کیا تھا، ملزم کا ہاتھ جل گیا تھا، اور وہ مجرم قرار پایا تھا،

ایک اور طریقہ یہ تھا، کہ ایک برتن مین مختلف تصویرین یا با تصویر کپڑے رکھ دیئے جاتے، اور ملزم کو اس مین سے کوئی خاص تصویر یا کپڑا نکالنا پڑتا تھا، کامیاب ہونے پر اوسکی بے گناہی ثابت ہوجاتی،

دس اشرفیون سے لیکر تین سو اشرفیون تک کی چوری مین بعض اوقات یہ طریقہ استعمال کیا جاتا، کہ ایک برتن مین پانی رکھ کر اُس مین دیوتاؤن کی مورتیون کو غسل دیتے اور اوسی پانی مین سے تین گھونٹ ملزم کو پینا پڑتا، اگر دو ہفتے کے اندر وہ کچھ بھی بیمار رہتا، تو مجرم تصور کیا جاتا،

چاولون کے ذریعہ سے آزمایش کا طریقہ نیچی قومون مین حال تک رائج تھا، یہ طریقہ دوسری صدی عیسوی مین اسکندریہ مین بھی پایا جاتا تھا، پہلے منتر اور اشلوک پڑھے جاتے، اُس کے بعد مُلزم چاول چبا کر مخصوص پتون یا درخت کی پر انھین تھوک دیتا، جس کے چاول خشک رہ جاتے یا جس کے چاول مین خون کے نشانات پائے جاتے وہ مجرم قرار پاتا،،

"ع ز"

مسلمان اور فن شیشہ سازی

ایک یورپین مصنف نے مسلمانون کے فن شیشہ سازی پر ایک کتاب لکھی ہے، جس مین یہ بحث کی ہے، کہ رومن قوم کے زمانے سے اسلامی تہذیب کے دور تک اس صنعت مین کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے ہین، رسالہ الہلال مصر مین اس کتاب کا خلاصہ آیا ہے، اوس کی تلخیص ذیل مین درج کیجاتی ہے، وہ لکھتا ہے:-

اگرچہ دونون قومون کے فن شیشہ سازی کے درمیان آسانی کے ساتھ کوئی ایسی حد فاصل نہین قائم کی جاسکتی، جس سے دونون مین باہم امتیاز ہو سکے تاہم سرمن رائے یعنی شہر سامرہ مین جو آثار دریافت ہوئے ہین، اون

سے ثابت ہوتا ہے کہ شیشون پر نقش و نگار بنانے کا کام اسلامی تہذیب کے ابتدائی زمانے مین بہت ترقی کر چکا تھا، اور اس کے بعد بھی اوس مین زمانۂ دراز تک ترقیان ہوتی رہین لیکن یہ مشکل معلوم ہو سکتا ہے، کہ اسلامی ممالک مین جہان جہان اس صنعت کو فروغ حاصل ہوا، وہان اس مین کیا کیا تغیرات ہوئے، تاہم جن عرب مصنفین مثلاً احمد بن محمد التمیمی، ثعالبی اور یاقوت وغیرہ نے اس صنعت پر کتابین لکھی ہین انھون نے ان تغیرات کے مخفی زمانون کے چہرون سے نقاب اوٹھا دی ہے۔

اس صنعت نے ایران، عراق، شام اور مصر مین خصوصیت کے ساتھ ترقی کی، اور شام مین اوسکو اور تمام ممالک سے زیادہ جمال و کمال حاصل ہوا، اس لئے وہان جو شیشے بنائے جاتے تھے، وہ اور ملکون کے شیشون سے زیادہ لطیف و خوشنما ہوتے تھے، قیصر فریڈرک کے عجائب خانہ برلن مین مختلف ممالک کے جو شیشے موجود ہین، اون سے اس صنعت کے تغیرات کا بھی پتہ چل سکتا ہے، مثلاً اس مین شیشون کے جو طشت ہین وہ ساسانی طرز کے بنے ہوئے ہین، اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ شیشے کے ایک گول ٹکڑے کو مخصوص آلون کے ذریعہ سے گھرا بنا لیا جاتا تھا، پھر اوسکو ریت کر شیشون کے مخصوص تارون کے ذریعہ سے اوس پر نقش و نگار بنایا جاتا تھا اور پیالے بھی اسی طریقے سے بنائے جاتے تھے، لیکن اس عجائب خانے مین شیشون کے چند قیمتی برتن ایسے بھی ہین، جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے بیرونی اور اندرونی حصون پر نقش و نگار بنا لینے کے بعد اون کو گھرا بنایا گیا ہے، انھی مین ایک ٹکڑا ایسا بھی ہے، جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ فاطمئین مصر کے زمانے مین اس صنعت کو بہت زیادہ ترقی ہوئی، اور عام طور پر اوس کا رواج ہوا، ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ مین خلیفہ مستنصر کے خزانے کا جو ذکر کیا ہے اوس مین شیشے اور بلور کے نادر برتنون کا بھی بیان ہے جن مین اکثر کے اوپر خط کوفی مین خلیفہ کا نام کندہ تھا، اس قسم کی بہت سی نادر چیزین یورپ کے عجائب خانون، گرجون، اور انسٹیٹیوشنون مین بھی موجود ہین، بندقیہ کے ایک مشہور گرجے مین ایک لوٹا ہے جس پر خلیفہ عبد العزیز کا نام کندہ ہوا ہے،

اسلام مین شیشون پر نقش و نگار بنانے کی صنعت مین جو جو ترقیان ہوتی رہین، اون سے شیشون

کے رنگنے کی ایک مستقل صنعت ایجاد ہوئی، اور اگر ہم اوس زمانے کے شیشون کے رنگ کا کیمیاوی حیثیت سے مطالعہ کرین تو معلوم ہوگا کہ جن چیزون سے اوس زمانے مین یہ رنگ بنائے جاتے تھے، اون مین اس زمانے کے رنگون کے مواد سے کوئی نمایان اختلاف نہ تھا، مثلاً وہ سفید رنگ کے لئے رانگا، سبز کے لئے تانبا، سرخ کیلئے لوہا، اور نیلے کے لئے لاجورد استعمال کرتے تھے، لیکن باینہمہ کیمیاوی حیثیت سے اب تک اس صنعت کے بہت سے اسرار و غوامض ہم سے مخفی ہین،

سترھوین اور اٹھارھوین صدی مین مشرق مین اس صنعت کو زوال ہونے لگا، اور اس فنی ذوق کا خاتمہ ہوگیا، صرف ایران مین اس کا دھندلا سا نقش باقی رہ گیا، چنانچہ برلن کے عجائب خانے مین اس صنعت کے جو قدیم و جدید نمونے موجود ہین، اون سے اس انحطاط کا پتہ چلتا ہے " ع "

تقریر سیرت کی روانگی

۱۵ر جون سے شروع ہوگئی

گذشتہ تین سالون سے سیرت کی تقریرین اسقدر تنگ وقت سے چھپتی رہی ہین کہ مفت تقسیم کے انتظام مین ہمیشہ اور ہر جگہ نقص اور بدنظمی کی بھرمار رہی ہے، اور کبھی تسلی کے مطابق کام نہین ہوا، نہ کبھی ہم تسلی کے ساتھ فرمایشون کی تعمیل کرسکے ہین، اور نہ کبھی مفت تقسیم کرنے والے اصحاب کو تسلی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے، لیکن یہ پہلا سال ہے جبکہ ہم بفضل خدا پورے وثوق کے ساتھ اعلان کرتے ہین کہ ۱۵ر جون کو سیرت کی تمام تقریرین مکمل ہوکر انکی روانگی شروع ہوجائیگی

اس سال تین تقریرین شائع کیجارہی ہین (۱) مولانا سیلمان ندوی کی تقریر (صرف مسلمانون کیلئے) (۲) علامہ سید رشید رضا مصری کی تقریر (ہندوستان کے غیر مسلمون کیلئے) (۳) ڈاکٹر حمید مارقوس آف جرمنی کی تقریر (یورپین کیلئے) مولانا سید سلیمان کی تقریر تو گذشتہ سالونکی تقریرون کے برابر ہے، مگر دونون آخری تقریرین بہت کافی مفصل اور مبسوط ہین، اس دفعہ اردو تقریرون کی قیمت ۵ روپیہ فی ہزار (ایک روپیہ کی سو کتب) اور عربی انگریزی جرمن ہندی اور گورمکھی تقریرون کی قیمت ۵، روپیہ فی ہزار (ایک پیسہ کی دس کتب ہے)

(ناظم سیرت کمیٹی، پٹی، ضلع لاہور)

اخبارِ علمیہ

صحرائے مزاب کے باشندون کے دلچسپ حالات

صحرائے افریقہ مین الجزائر سے پانچ سو میل جانب جنوب مزاب (MZAB) نامی ایک ویران خطۂ زمین ہے جس مین صرف سات شہر ہین جنمین سے پانچ ایک ہی جگہ ایک پہاڑی کی وادی مین آباد ہین، گیارہوین صدی کے ابتدائی حصہ مین اہلِ مزاب اس ویران مقام مین آکر آباد ہوئے، اُس وقت وہان کسی قسم کی پیداوار نہ تھی اور پانی بھی برائے نام پایا جاتا تھا لیکن اب وہان ہزارون کنوین ہین، اور اہلِ مزاب کا یہ ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے، کہ ان مین سے ہر کنوان باوجود ایک سو فٹ سے زیادہ گہرا ہونے کے صرف ہاتھ سے اور بغیر کسی جدید آلہ کی مدد کے کھودا گیا ہے، کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ بیس بیس سال تک وہان بارش نہین ہوئی، تاہم مزاب کے نخلستانون مین بہتیرے یورپین ممالک کے باغات سے زیادہ مختلف اقسام کے درخت موجود ہین، آب پاشی کا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ نہایت قلیل محنت مین ایک ایک انچ زمین مقررہ اوقات مین پانی سے لبریز ہوجاتی ہے،

مزاب کے بعض مخصوص رواج ایسے ہین جنکی نظیر دنیا کے کسی اور حصہ مین نہین ملتی مثلاً حدودِ شہر مین کسی کو سگرٹ پینے کی اجازت نہین ہے، کوئی ہوٹل نہین ہے ہر قسم کا گانا بجانا ممنوع ہے، عورتین کبھی گھرون سے باہر نہین نکلتین، اور تمام چیزین بذریعہ نیلام فروخت ہوتی ہین، نیلام کے بازار کا منظر نہایت دلچسپ ہوتا ہے، یہ بازار ہر روز غروبِ آفتاب سے دو گھنٹے قبل لگتا ہے، اور جب تک کوئی خود اس منظر کا مشاہدہ نہ کرلے یہ باور کرنا

شکل معلوم ہوتا ہے، کہ لکڑی کے گٹھے سے لیکر قیمتی قالین تک ہر چیز نیلام ہوتی ہے، اور لوگ سنجیدگی کے ساتھ زمین پر بیٹھے ہوئے نہایت دھیمی آواز میں سرگوشی کے طریقہ سے ہر ہر چیز پر بولی بولتے ہین، ایک اور رواج جو اہل مزاب کے خصوصیات مین ہے، یہ ہے کہ کوئی عورت ان سات شہرون مین سے کسی ایک شہر کے حدود سے باہر کبھی جانے نہین پاتی، ان کے شوہر یا لڑکے کاروبار کی غرض سے دوسرے بڑے شہرون مین جاتے ہین لیکن بیوی اور لڑکے کو ہمیشہ انھی ویران شہرون مین قیام کرنا پڑتا ہے،

الجیریا کے دوسرے شہرون کے برخلاف اہل مزاب اپنے شیوخ کلیسا کے زیر حکومت ہین، نارمن فتوحات سے قبل بھی یہ مہذب اور متمدن تھے، یہ لوگ اہل یورپ کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہین، انکی اصل کے متعلق کوئی بات یقینی طور پر نہین کہی جاسکتی، ممکن ہے کہ وہ سامی نسل سے ہون لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کی اصل قرطاجنی ہے، بہر حال اس مین شبہہ نہین ہے کہ اہل مزاب دنیا کی قدیم ترین اور عجیب ترین قومون مین ہین، "ع ز"

زہریلی گیس کا اثر ٹماٹر پر

علم کیمیا کی جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے، کہ زہریلی گیسون کا پتہ ٹماٹر کے درخت سے نہایت اچھی طرح چلتا ہے، کیونکہ جب فضا مین اس قسم کی زہریلی گیسین پھیلتی ہین، تو ٹماٹر کی پتیان مرجھا کر بالکل لٹک جاتی ہین اس بنا پر بعض حکومتین نہایت وسیع پیمانے پر یہ تجربہ کرنا چاہتی ہین، کہ ٹماٹر پر ان گیسون کا کیا اثر پڑتا ہے، جن سے جنگ مین کام لیا جاتا ہے، اگر یہ تجربہ کامیاب ہوا تو اس سے جنگ مین کام لیا جائے گا"

ایک کہربائی چولھا

پانی سو درجہ کی حرارت سے جوش کھانے لگتا ہے، اور آج تک زیادہ سے زیادہ حرارت جو انسان پیدا

پیدا کرسکتا ہے، اس کا درجہ ۲۰۰۰ ہے، اور لوہا ۲۸۰۰ درجہ کی حرارت مین پگھل کر بخار بن جاتا ہے، لیکن جدید اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے، کہ امریکہ مین ایک ایسا برقی چولھا ایجاد کیا گیا ہے جو ۶۰۰۰ درجہ کی حرارت پیدا کرسکتا ہے یعنی آج تک جو چولھے ایجاد ہوچکے ہین، اون سے اسکی حرارت ایک ہزار درجہ زیادہ بڑھی ہوئی ہے لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ باوجود اس سخت حرارت کے اوس کا بیرونی حصہ اس قدر سرد ہوتا ہے گویا اوسکے اندر حرارت کا وجود ہی نہین، اور باوجود اس کے بہت زیادہ گران نہین ہے، اور عام طور پر اوس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اب اس چولھے کی ایجاد سے پٹانون اور پتھرون کو چشم زدن مین بخار کی صورت مین تبدیل کیا جاسکتا ہے،

موٹر کی تیزی کے پتہ لگانے کا آلہ

ہر موٹر مین ایک ایسا آلہ لگا رہتا ہے جس سے اوسکی تیزی کا پتہ چلتا ہے، لیکن ہر سکنڈ مین اوس کی تیزی کا پتہ اس آلے سے نہین لگ سکتا، اس لئے ایک امرکین انجینیر نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ جس سے ہر سکنڈ مین موٹر کی تیزی کا اندازہ لگایا جاسکے اور جو لوگ معینہ قانونی رفتار سے زیادہ تیزی کے ساتھ موٹر چلاتے ہین، پولیس نہایت آسانی کے ساتھ اون سے مواخذہ کرسکے گی، کیونکہ اس آلہ سے موٹر کی تیزی کا ایسا صحیح اندازہ ہوجاتا ہے جس سے انکار نہین کیا جاسکتا۔

جمادات مین احساس

عام خیال یہ ہے کہ جمادات مین چونکہ روح نہین ہے، اس لئے ان مین احساس بھی نہین ہے، لیکن بعض علما، کا خیال ہے کہ جمادات عناصر سے مرکب ہوتے ہین، اور عناصر کی ترکیب جوہر فرد سے اور جوہر فرد کی ترکیب الکٹرن سے ہوتی ہے، لیکن الکٹرن ایک برقی چمک کا نام ہے، جو نہایت تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے، اور اس تیزی مین ایک ایسی قوت پائی جاتی ہے، جو قوتِ ادراک سے مشابہ ہوتی ہے، اس نظریہ کی بنا پر بعض علما نے یہ رائے قائم کی ہے کہ جمادات شعور و احساس سے خالی نہین ہوتے۔ بلکہ لذت والم کا

احساس کرتے ہین، چنانچہ کسی جامد چیز کو کاٹنے یا توڑنے یا مروڑنے کے بعد خوردبین سے دیکھو تو وہ اضطراب سے نصف سکنڈ تک پیچ وتاب کھاتا ہوا نظر آئے گا، بعض لوگون نے سینما کے ایک نازک آلہ کے ذریعہ سے اس کیفیت کی تصویر بھی لی ہے،

ہوائی جہاز کا قطب نما

دریا مین جہاز قطب نما کے ذریعہ سے چلتے ہین، لیکن اب ہوائی جہازون کو بھی ایک خاص قسم کے قطب نما کے ذریعہ سے چلایا جا سکتا ہے، پہلے ہوائی جہاز کے چلانے والے جس زمین، جس پہاڑ، جس نہر اور جس شہر پر جہاز کو چلاتے تھے، خاص طور پر اوسکی دیکھ بھال رکھتے تھے، لیکن اب اس قطب نما کے بعد اس کی ضرورت باقی نہین رہی، بلکہ فضا مین کتنا ہی گہرا بادل ہو لیکن یہ قطب نما جہاز کو اوسی طرف لے چلے گا، جس طرف وہ چلنا چاہتا ہے،

قدیم ترین وعظیم ترین درخت

کیلیفورنیا (امریکہ) کے ایک جنگل مین دو ایسے درخت دریافت کئے گئے ہین جو اپنی قدامت کے لحاظ سے دنیا کے سب سے زیادہ قدیم اور اپنے طول وجسامت کے اعتبار سے سب سے زیادہ عظیم درخت بیان کئے جاتے ہین، ان مین سے پہلا درخت جو جنرل شرمن (SHERMAN) کے نام سے موسوم ہے (۲۷۲) فٹ بلند ہے، اور جڑ کے پاس اس کے تنے کا گھیر (۱۰۲) فٹ ہی، اسمین پچاس ہزار مکعب فٹ کی کارآمد شہتیرین ہین، اس کے وزن کا تخمینہ چھ ہزار فٹ سے زیادہ ہے، دوسرا درخت وہ ہے، جسے جنرل گرانٹ (GRANT) کہتے ہین، یہ پہلے سے زیادہ طویل ہے، اور جڑ کے پاس اس کا گھیر بھی زیادہ ہے، لیکن لکڑی اس مین کم ہے، دونون چار ہزار سے پانچ ہزار سال تک قدیم ہین،

"ع"

ادبیات

ہمہ اوست

از جناب سید مقبول حسین صاحب بی اے احمد پوری

وہ کہاں ہین؟ تم سے کہا کہون نہین اونکے جلوے شمار مین
یہی تو ہین: یہی تو ہین مری بیخودی کے خمار مین

وہی دل مین ہین، وہی درد مین، وہی غم مین ہین، وہی آہ مین
یہ انھین کا نغمہ بلند ہے، مرے دل کے نالۂ زار مین

وہ فراق اور وصال مین، وہی عشق مین، وہی حسن مین
یہی ہین شمع امید مین، وہی حسرتون کے مزار مین

وہی لطف مین، وہی کیف مین، وہی تمکین مین، وہی رنگ مین
یہی تو ہین، جو نکھر رہے ہین کسی کے روی نگار مین

یہی ہین شیب و شباب مین، وہی موت اور حیات مین
وہی زندگی کی بہار مین، وہی قبر تیرہ و تار مین

یہی ہین زمان مین مکان مین، وہی لامکان و مکان مین
وہی خشک و تر، وہی بحر و بر، وہی ملک اور دیار مین

وہی ماہ مین، وہی سال مین، وہی رات مین، وہی دن مین ہین
یہی تو ہین جو خزان مین ہین، یہی ہین فصل بہار مین

وہی حال مین، وہی قال مین، وہی [illegible] اور محال مین
یہی نہان، یہی عیان، وہی خامشی مین پکار مین

یہی ہین علم و کمال مین، یہی ہین مال و منال مین
یہ انھی کی ادنیٰ سی ضو ہے جو مرے دل کے عز و وقار مین

وہی بندگی مین نماز مین، وہ گناہ مین وہ ثواب مین
وہی بخشش اور عذاب مین، وہی نور مین، وہی نار مین

وہی عہد اور وفا مین ہین، وہی عفت و حیا مین ہین
وہی عصمت اور ادا مین ہین، وہی شرم مین، وہی عار مین

وہی میل اور ملاپ مین، وہی ہم مین اور وہی آپ مین
یہ تعلقات انھین سے ہین، وہی دوستی کے شعار مین

ہے انھین سے زیست کا سب مزہ، وہی شغل اور وہی مشغلہ
یہ انھین کا ذکر ہے جابجا، وہی جیت مین وہی ہار مین

جو نظر مین ہی سب انھین سے جو خیال مین ہے انھین سے ہے — وہی دل مین ہین وہی روح مین وہی جان و جسم نزاد مین

سب انھین کے راز و نیاز مین وہی سوز مین وہی ساز مین — وہی نوش مین وہی نیش مین وہی گل مین اور وہی خار مین

سرِ میم اُن پہ فدا کرو، تو قبول ہو کے قبول ہو

وہ غنی ہین اور کریم ہین نہین بخشش ان کی شمار مین

نالۂ حسرت

از سید الشعرا فضل الحسن حسرت موہانی

نامرادون کو شادکام کرو — کرم اپنا کبھی تو عام کرو

کارِ عاشق ہے، ناتمام، سو تم — قتل کرکے اوسے تمام کرو

سب کی خاطر کا ہے خیال تمھین — کچھ ہمارا بھی انتظام کرو

کھُل سکے جب تلک نہ راہِ مراد — منزلِ صبر مین قیام کرو

پوچھتے ہین وہ جان نثارون کو — تم بھی حسرت اٹھو سلام کرو

جامِ صہبائی

از جناب عبدالسمیع صاحب پال اثر صہبائی، ایم اے، ایل ایل بی وکیل سیالکوٹ

بیتاب ہون جامِ ارغوانی کیلئے — مرتا ہون سرابِ شادمانی کے لئے

کوئی نہین گلگونہ بجز حسنِ عمل — تزئینِ نگارِ زندگانی کے لئے

عشرت باقی نہ بزمِ عشرت باقی — باقی ہے گناہ کی ندامت باقی

کیا رُوح فروز ہے مئے حُسنِ عمل! — تلخی فانی ہے، اور لذت باقی

اے غرقِ گناہ! اے پشیمانِ حیات!! — ہے یاس سے چاک چاک دامانِ حیات؟

جی کھول کے بختِ بد پہ رولے، رولے!! — ہے گریۂ معصیت مین سامانِ حیات؟

باب التقریظ والانتقاد

چند نئے اخبار اور رسالے

اردو کے نئے اخبار ورسائل کا تذکرہ معارف کی گذشتہ جلد کے پہلے پرچہ مین کیا گیا تھا، اب ان چند مہینون مین جو نئے اخبار اور رسالے نکلے ہین، وہ حسب ذیل ہین،

اخبارات سال روان کے آغاز سے ہندوستان مین حکومت اور کانگریس مین جو کشمکش جاری ہوگئی ہی، اور اسمین حکومت کی جانب سے گذشتہ سال کے جو ہنگامی قوانین مطابع نافذ ہوگئے ہین، اون کے لحاظ سے یہ موسم اخبارات کے نکلنے کے لئے موافق نہ تھا، اس لئے اس دور مین کسی نئے آزاد خیال اخبار کا جاری ہونا کسی قدر دشوار تھا، اور یہی وجہ ہے کہ اس دور مین اردو کے جسقدر اخبارات نکلے، اون مین اکثر اپنی حکمت عملی کے لحاظ سے حکومت اور رعایا کے تعلقات کے خوشگوار بنانے اور ملک مین "قیام امن" اور "احترام قانون" کی فضا پیدا کرنے کے مقاصد لیکر شائع ہوئے ہین لیکن چند اخبار اس سے جداگانہ روش کیساتھ بھی نکلے ہین وہ کارزار ماڈل ٹاؤن لاہور اور مطالعہ (لدھیانہ) وغیرہ ہین،

کارزار:- ماڈل ٹاؤن لاہور (ہفتہ وار) مدیر جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری حجم ۱۲ صفحے تقطیع ۲۲×۱۸ کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی، قیمت سالانہ ۳ مع ۸ر فی پرچہ ۲ر، پتہ دفتر کارزار ماڈل ٹاؤن لاہور،

کارزار ایک اصلاحی اخبار ہے، اس کی ظاہری شکل وصورت اخبار سچ لکھنؤ کے مماثل ہی، اور بعض حیثیات سے دونون مین معنوی مماثلت بھی پائی جاتی ہے، جناب حفیظ شاہنامۂ اسلام کے نوجوان مصنف ہین، دل مین اسلام کا درد رکھتے ہین، اور جوش وولولہ سے مسلمانون کی خدمت و اصلاح کرنا چاہتے ہین خصوصًا

مسلمانون کی بڑھتی ہوئی مغرب پرستی سے نالان ہین، اور اوس کے روکنے کیلئے یورپ ہی کے اخبارات کے اقتباسات سے یورپ کی تمدنی ابلہ فریبیون کا پردہ چاک کرتے ہین، اور اس سلسلہ مین جو کچھ لکھتے ہین، دلنشین انداز مین لکھتے ہین، لیکن اسی کے ساتھ ہمین جناب حفیظ سے کسی قدر گلہ بھی کرنا ہے، کہ وہ کارزار کے صفحات کو مختلف قسم کی مقامی آویزشون سے بھی آلودہ کرتے ہین، اور کبھی کبھی تو انھی قضیون مین پورا اخبار نذر ہو جاتا ہی، اگر گھر کے قصے گھر ہی مین چکائے جائین، تو مناسب ہے، کارزار کے پہلے صفحہ پر جناب حفیظ کی کوئی نہ کوئی تازہ، پرجوش اور پرکیف نظم ہوتی ہے، اسی طرح ہر ہفتہ ایک دو سنجیدہ مضامین ہوتے ہین، مقالہ افتتاحیہ مین اسلامی حلقہ کے مفید سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل پر رائے زنی کیجاتی ہے، لیکن اسی مین کبھی ماڈل ٹاؤن یا اسی قسم کے غیر دلچسپ مباحث بھی چھیڑ دئے جاتے ہین، اخبار عمومی حیثیت سے دلچسپ اور اشاعت پانے کے لائق ہے،

مطالعہ لدھیانہ (ہفتہ وار) زیرادارت جناب ایم حسن لطیفی بی اے سند یافتہ لندن اسکول آف جرنلزم" حجم ۱۶ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۴ کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ار پتہ :- دفتر جریدہ مطالعہ لدھیانہ،

مطالعہ ایک "علمی و ادبی جریدہ" ہے، جو جناب ایم حسن لطیفی کی ادارت مین "تنہا نگاری" (سولو جرنلزم) کا پہلا جریدہ کے زیر عنوان جاری ہوا ہے، اس جریدہ کی یہ تنہا خصوصیت ہے کہ صرف مدیر جریدہ اس کو تمام تر مرتب کرتا ہے، اس کے چند پرچے نظر سے گذرے، مدیر مطالعہ نے ہندوستان کی سیاسیات سے ایک سال تک کنارہ کش رہنے کا اعلان کیا ہے، اس لئے جریدہ سیاسی مباحث سے خالی رہتا ہے، لیکن جناب لطیفی کسی سیاسی مطمح نظر کے علاوہ خدمت علم و ادب کے بلند حوصلے بھی اپنے اندر رکھتے ہین، اس لئے مطالعہ کے صفحات مین جناب لطیفی کے قلم سے "ادب لطیف" کے مختلف مرقعے مختلف عنوانون "تنقید و تبصرہ" "السنہ" "نسائیات" "خطابات" "شعر" اور "نفسیات" وغیرہ کے ماتحت تیار کئے جاتے ہین، اور انہی مین بعض علمی و تاریخی مضامین بھی ہوتے ہین، توقع ہو کہ جناب

لطیفی مطالعہ کے ذریعہ اپنی کامیاب خدمات انجام دین گے،

خدمت:- بمبئی (ہفتہ وار مصور) اڈیٹر جناب عطاء الرحمٰن خان صاحب امروہی حجم ۲۰ صفحے تقطیع ۲۲×۱۸
لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی، قیمت سالانہ للعہ پتہ دفتر خدمت نمبر ۷ والڈ اسٹریٹ بمبئی نمبر ۹۔

خدمت بمبئی کی انجمن خدام المسلمین کا ہفتہ وار آرگن ہے، انجمن کے اغراض و مقاصد مسلمانان بمبئی کی قومی ملی خدمت ہے، خدمت انہی مقاصد کی تبلیغ کرتا ہے، اور اس لئے اوس کا سیاسی مسلک قدرۃً اسلامی مفاد کی حفاظت ہے اور اس لئے اس پر فرقہ وارانہ رنگ زیادہ غالب ہے، اخبار چند عنوانون کے ماتحت نکلتا ہے، جنمین چھوٹے چھوٹے مضامین اور افسانے ہوتے ہین،

عالمگیر امرتسر (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب حکیم محمد یعقوب صاحب ہاشمی حجم ۸ صفحے تقطیع ۲۲×۱۸/۲
کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت باختلاف طبقات ۸عہ، عہ۶، پتہ:- دفتر اخبار عالمگیر کٹڑہ، خزانہ، امرتسر

اخبار عالمگیر کچھ دنون سے امرتسر سے نکل رہا ہے، ہندوستان کی موجودہ سیاسیات مین یہ کانگریس کا مخالف اور مسلم کانفرنس کا موید ہے، حکومت کی جانب بھی دست مصالحت بڑھا رہا ہے، اور ریاستون کی سیاسیات مین بھی معتد بہ حصہ لیتا ہے، ہفتہ وار خبرین التزام سے درج کیجاتی ہین،

منصف مراد آباد (ہفتہ وار مصور) اڈیٹر جناب سید حشمت علی صاحب افضل و معاون جناب فاضل چغتائی، حجم ۲۰ صفحے تقطیع ۲۲×۱۸/۴، کاغذ معمولی، لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت عہ، پتہ دفتر منصف بلدار اسٹریٹ مراد آباد،

منصف کی حکمت عملی ہندوستان کی موجودہ سیاسیات مین اسلامی حقوق کی حفاظت و تائید ہے، اخبار مختلف عنوانون "تنقیحات" "صنعت و حرفت" "اوراق پارینہ" "صفحۂ خواتین" "طب و صحت" "ہندوستان کی ریاستین" "بچون کا صفحہ" "اسلامی دنیا" "ہندو دنیا" "نیوز ڈائری" اور "مقامی رپورٹ" مین تقسیم ہے، پرچہ سلیقہ سے مرتب ہوتا ہے اور بعض مضامین بھی اچھے ہوتے ہین،

ملک:- اعظم گڈھ (ہفتہ وار) اڈیٹر جناب محمد تقی صاحب قریشی "جرنلسٹ" حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ کاغذ معمولی لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت سالانہ سے پتہ :- دفتر ملک کچہری روڈ اعظم گڈھ،

ملک ہمارے شہر اعظم گڈھ کا مقامی اخبار ہے، جو چند ماہ سے جناب محمد تقی صاحب قریشی "جرنلسٹ" کی ادارت مین نکل رہا ہے، اس وقت ۲ر جون کا پرچہ زیر نظر ہے، سرورق پر "گوڈ سیو دی کنگ" درج ہے، ملک کی موجودہ سیاسیات مین اوسکی روش حکومت کی تائید اور کانگریس پر سب وشتم ہے، حکومت کی تائید مین ضلع کے مختلف مقامات پر جو جلسے ہوتے ہین، ان کی مفصل روداد شائع کیجاتی ہے، نیز مقامی بورڈون کے معاملات مین بھی حصہ لیتا ہی، ہفتہ وار خبرین اپنے مذاق کی درج کی جاتی ہین،

مراد گورکھپور (ہفتہ وار) مدیر جناب حکیم امجد حسین صاحب نظر حجم ۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ کاغذ معمولی گلابی رنگ لکھائی چھپائی بھی معمولی، قیمت باختلاف طبقات ما صہ ، عہ ، ۵ عہ ، صہ ، عہ ، سہ ، سہ پتہ :- دفتر مراد دیسی دواخانہ گورکھپور،

گورکھپور کے بعض اسپیشل مجسٹریٹ ، اور آنریری اسسٹنٹ کلکٹر کی سرپرستی مین یہ ہفتہ وار اخبار مراد نکلا ہے، اس کا پہلا پرچہ پیش نظر ہے، جس مین اس کا مقصد "قیام امن، احترام قانون اور حکومت اور رعایا کے تعلقات کا خوشگوار رہنا" وغیرہ بتایا گیا ہی، اصل مقصد اسی تشریح مقاصد سے واضح ہے، ہفتہ وار خبرون کا کوئی اہتمام نہین ہی،

اصلاح کابل (فارسی روزنامہ) مدیر جناب برہان الدین کشکی، حجم ۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۲ کاغذ اوسط درجہ، لکھائی چھپائی ٹائپ مین، قیمت سالانہ ۸ شلنگ، پتہ :- ادارہ وہ انغانان کابل، افغانستان،

اصلاح افغانستان کے دور نادری کا ایک نیم سرکاری ہفتہ وار تھا، جواب روزنامہ ہو گیا ہے اور غالباً یہ افغانستان کا سب سے پہلا روزنامہ ہی، اس مین کابل اور ممالک خارجہ کی روزانہ خبرون کے التزام کے ساتھ

افغانستان کے سرکاری احوال و روداد بھی شایع ہوتے رہتے ہین، نیز ہر اشاعت مین کوئی نہ کوئی علمی ادبی مقالہ نظر آتا ہے، فارسی کی کوئی اچھی نظم بھی ہر اشاعت مین ہوتی ہے، غیر ممالک کے اخبار و رسائل کے اقتباسات و تراجم ہوتے ہین، کبھی کبھی معارف کے مضامین کے ترجمے بھی دیے جاتے ہین، ہندوستان مین اسلامی ممالک کی سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والے اور نیز جدید فارسی کے شائق طلبہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، طلبہ کیلیے اوسکی قیمت مین ایک ثلث کی رعایت رکھی گئی ہے،

رسائل اس ششماہی مین مختلف قسم کے جو مذہبی، علمی، طبی، ادبی، اور تعلیمی رسالے نکلے، وہ بہ ترتیب حسب ذیل ہین،

علمی و مذہبی علمی اور مذہبی رسالون مین دو رسالون کے نام لئے جا سکتے ہین، وہ الضیا، لکھنؤ اور حقیقت اسلام لاہور ہین،

الضیا، لکھنؤ (عربی ماہانہ) مدیر مولوی مسعود عالم ندوی حجم ۴۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ،
قیمت سالانہ سے، پتہ:- دفتر الضیا، شبلی ہوسٹل لکھنؤ،

ہندوستان مین عربی زبان کے جاننے والون کی تعداد تقریبًا ایک لاکھ سے زیادہ بیان کیجاتی ہے، اور ملک کا ایسا کوئی گوشہ موجود نہین، جہان دو چار عربی خوان موجود نہ ہون، قدیم اسلامی مدارس سے قطع نظر کرکے جہان صرف عربی زبان ہی کا درس ہوتا ہے، ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیون مین بھی اسکی تعلیم کا اچھا خاصہ انتظام ہے، علاوہ ازین ہندوستان کے مسلمانون کے سیاسی، مذہبی، علمی اور تعلیمی روابط مختلف اسلامی ممالک سے آجتک قائم ہین، اور روز بروز ان مین استحکام آتا جاتا ہے، لیکن یہ کس درجہ حیرت انگیز امر ہے، کہ ان امور کے باوجود ہندوستان مین عربی زبان کا کوئی رسالہ یا اخبار موجود نہین، جس زمانہ مین ندوۃ العلما، کی تحریک کا ملک مین عام چرچا تھا، اور اوسکی آواز بازگشت اسلامی ممالک تک پہنچی تھی، اون دنون لکھنؤ سے مولینا عبد العلی آسی مدراسی مرحوم، مولانا عبداللہ العمادی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کوششون سے ایک رسالہ

البیان جاری ہوا تھا، اس کے بعد مختلف رسالے جا بجا سے نکلے اور آخر میں مولانا ابو الکلام آزاد کی نگرانی اور مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی (فاضل مصر) کی ادارت میں کلکتہ سے ایک ہفتہ وار اخبار الجامعہ کے نام سے نکلا، اس میں شبہہ نہیں کہ الجامعہ نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی، اور مفید خدمات انجام دیں، لیکن وہ ایک سیاسی اخبار تھا، اور اوس کے پیش نظر بڑی حد تک صرف عرب کے وقتی سیاسی مسائل تھے، اسئے وہاں کے حالات یکسو ہونے کے بعد وہ قدرۃً خاموش ہو گیا، لیکن مختلف مقامات سے وقتاً فوقتاً جو رسالے نکلتے رہے وہ ایک کے دو نمبروں سے زیادہ نہ چل سکے صرف لکھنؤ کا وہی مجلہ البیان تھا، جس نے کسی قدر طویل زندگی پائی اور مفید خدمات انجام دیں، لیکن یہ مسرت ہے کہ اسی سرزمین سے مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی تحریک و اہتمام اور مولانا ضیاء الحسن علوی ندوی ایم اے انسپکٹر مدارس عربیہ ممالک متحدہ کی اخلاقی امداد سے ایک جدید رسالہ الضیاء طلوع ہوا ہے، رسالہ کی ادارت ہمارے نوجوان دوست مولوی مسعود عالم ندوی کے ہاتھ میں ہے، اور اوس کی نگرانی مولانا سید سلیمان ندوی اور شیخ تقی الدین الہلالی المغربی (استاذ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء) کے سپرد ہے، پہلا رسالہ سال ہجری کے آغاز ماہ محرم ۱۳۵۱ھ سے نکلا ہے، اور یہی اس وقت پیش نظر ہے، رسالہ کا آغاز "طلوع الضیاء" سے ہوتا ہے، جو اوس کے نگران مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے ہے، اور جسمیں ہندوستان میں زبان عربی کے علمی و تعلیمی حالات دکھا کر "طلوع ضیاء" کی ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے، پھر مقالات شروع ہوتے ہیں، پہلا مقالہ شیخ تقی الدین الہلالی کا اسلامی مدارس کے عنوان پر ہے، جسمیں خصوصیت سے ہندوستان کے اسلامی مدارس اور ان کے طریق درس اور نظام تعلیم پر اختصار کے ساتھ بحث کیگئی ہے، اس کے بعد جناب احسان سامی حقی استاذ عربی مسلم یونیورسٹی کا مقالہ "فلسفۃ الامثال" ہے، پھر مولوی سید ابو الحسن علی حسنی ندوی (جو مولانا حکیم عبد الحی صاحب مرحوم کے لائق نوجوان صاحبزادے ہیں) کا مقالہ "ادب نبوی" ہے، پھر ڈاکٹر سر اقبال کی شاعری کا اجمالی تعارف مولوی محمد ناظم صاحب ندوی کے قلم سے ہے، اس کے بعد "بستان الادب" کا عنوان ہے، جسمیں مولانا عبد الحلیم صدیقی کی ایک عربی مخمس نظم ہے، پھر باب البحث والتنقیب

ہیں مولانا سعید انصاری رفیق دار المصنفین کا ایک مضمون شعرائے نصرانیہ پر ہے، اسکے بعد "سیر الحوادث" اور "اخبار و آثار" وغیرہ کے مختصر ابواب ہیں،

توقع ہے کہ عربی زبان کا یہ جدید الشیوع رسالہ ہندوستان میں عربی علم ادب کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے علاوہ اسلامی ممالک سے علمی و ادبی اور تعلیمی رشتہ مواصلت قائم کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگا، اور امید ہے کہ ہندوستان کے عام علماء و اہل علم کے علاوہ اسلامی مدارس کے اساتذہ و طلبہ یونیورسٹیوں کے شعبہ عربی کے اساتذہ و تلامذہ اور اسکولون کے عربی معلمین و طلبہ اس پرچہ کا پرجوش خیر مقدم کرین گے کہ رسالہ اپنی مستقل زندگی اختیار کرکے اپنے مفید خدمات انجام دے سکے،

حقیقت اسلام:- لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب محمد عنایت اللہ صاحب وارثی حجم ۲۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت عمدہ، قیمت سالانہ عہ، دفتر حقیقت اسلام بیکو آرٹ پریس بیرون موچی دروازہ، لاہور،

"حقیقت اسلام" ایک مفید مذہبی علمی رسالہ ہے، جو مولوی محمد عنایت اللہ صاحب کی ادارت اور جناب ماسٹر محمد احسان صاحب مالک بیکو آرٹ پریس کے اہتمام میں لاہور سے شائع ہوتا ہے، اس کا پہلا پرچہ ماہ فروری ۱۹۳۲ء میں نکلا تھا، اور اس وقت تک چند پرچے نظر سے گذرے ہیں اپنے طرز کا ایک کامیاب رسالہ ہے، مضامین اصلاحی مباحث پر اوسط درجہ کے ہوتے ہیں، نیز "مطالب القرآن فی ترجمۃ القرآن" کے زیر عنوان قرآن مجید کا اردو ترجمہ مع ضروری تشریح کے بالالتزام شائع ہوتا ہے، اسی طرح احادیث نبوی کے زیر عنوان چند حدیثون کا اردو ترجمہ اور "نصیحت آموز حکایات" کے ماتحت چھوٹے چھوٹے اسلامی قصے درج کئے جاتے ہیں، رسالہ کی ظاہری شکل و صورت لکھائی چھپائی اور کاغذ کے لحاظ سے دو روپئے سالانہ قیمت کم ہے، ضرورت ہے کہ عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائین،

ادبی رسالے: ادبی رسائل میں حسب ذیل رسالون کا اضافہ ہوا ہے، نقاد کلکتہ، پروین لاہور، جہانگیر

لاہور اور ضیائے شمس سہارنپور،

نقاد:۔ کلکتہ (ماہانہ مصور) ادارہ جناب ڈاکٹر اسد قمر فردوسی و ظفر احمد تبریزی صاحبان، حجم ۴۸ صفحے، کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی معمولی، قیمت سالانہ ؏ پتہ :۔ دفتر نقاد نمبر ۱۲۵، لئے مچھوا بازار اسٹریٹ کلکتہ۔

نقاد، چند بہاری و بنگالی اہل قلم کی کوششون سے کلکتہ سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس کے اغراض و مقاصد مین بنگال و بہار مین اردو کو ترقی دینا، اور عدالتون اور سرکاری دفاتر مین اسکو مقبول بنانا ہی، نیز اس نے اردو قواعد مین حسب ضرورت اصلاح و ترمیم اور اسی قسم کے چند دیگر امور بھی اپنے مقاصد مین رکھے ہین، لیکن مناسب ہے کہ کارکنان نقاد ابھی اپنے ابتدائی مقاصد کی تکمیل مین مصروف رہین، مضامین اوسط درجہ کے اچھے ہین، امید ہے کہ بنگال اور بہار مین اوسکی اشاعت عام طور پر ہوگی،

پروین:۔ لاہور (ماہانہ) ادارہ جناب اظہر حسن صاحب زاہدی بی اے و جناب انعام احمد صاحب ناصر، حجم ۴۴ صفحے، لکھائی چھپائی، اور کاغذ عمدہ، قیمت ۱۲ پتہ :۔ دفتر پروین وطن بلڈنگ لاہور،

پروین کا دوسرا نمبر بابت ماہ جنوری ۱۹۳۲ء ہمارے سامنے ہے، اس مین بعض ادبی و تاریخی مضامین اچھے اور دلچسپ ہین، رسالہ کے مدیر جناب زاہدی صحیح اصولون پر اوسکو ایک ادبی رسالہ بنانا چاہتے ہین، اور رسالہ کے مضامین اور ترتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ادبی رسالون مین اچھی جگہ حاصل کرے گا،

جہانگیر:۔ لاہور (مصور ماہانہ) ادارہ :۔ جناب محمد احمد خان صاحب درانی، سید شبیر حسن صاحب قیس حیدرآبادی و ابن الاسد صاحب فیض لدھیانوی، حجم ۷۰ صفحے لکھائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت سالانہ ؏ پتہ :۔ دفتر جہانگیر ۲۱، سرکلر روڈ بیرون شاہ عالمی دروازہ لاہور

رسالہ جہانگیر ماہ اپریل ۱۹۳۲ء سے نکلنا شروع ہوا ہے، اسوقت دوسرا نمبر پیش نظر ہے، اکثر مضامین

افسانوں پر مشتمل ہین، اور بعض اچھے افسانے ہین نظمون مین بلند پایہ شعراء کے کلام نظر آتے ہین آخر مین مختلف زبانون کے ادبی اقتباسات بالواسطہ و بلاواسطہ اردو مین منتقل کئے گئے ہین، جہانگیر کی ترتیب اپنے پیشرو ادبی رسائل عالمگیر وغیرہ کے طرز پر ہے،

ضیائے شمس:- سہارنپور (ماہوار) ادارہ:- جناب ظہیر احمد صاحب شمس سہارنپوری و جان محمد صاحب لطف روڑکوئی حجم ۴۴ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت سالانہ عہ پتہ:- دفتر ضیائے شمس محلہ قضاۃ سہارنپور،

ضیائے شمس کے اکثر مضامین ادب لطیف مین ایک ایک صفحہ اور نصف نصف صفحہ کے ہین، اور نیز مختصر افسانے اور سہارنپور کے مختلف شعراء کے کلام درج ہین،

طبی رسالے | اس ششماہی مین جو طبی رسالے ہم تک پہنچے وہ گلدستہ صحت گجرات (پنجاب) مجموعہ صحیہ کابل (افغانستان) اور طبیہ کالج میگزین مسلم یونیورسٹی علی گڈہ ہین،

گلدستہ حکمت:- گجرات ماہوار، اڈیٹر جناب حکیم محمد عبد الغنی صاحب حجم ۴۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی نہایت معمولی قیمت سالانہ عہ، پتہ:- دفتر گلدستہ حکمت بھیورانوالی ضلع گجرات (پنجاب)

گلدستہ حکمت مین طب سے متعلق مختلف موضوع امراض، علاج اور مفردات وغیرہ پر اوسط درجہ کے چھوٹے چھوٹے مضامین درج ہوتے ہین، پہلا رسالہ ماہ اپریل ۱۹۳۲ء مین شایع ہوا ہے،

مجموعہ صحیہ:- کابل (ماہوار) اڈیٹر جناب رشید لطفی، حجم ۲۰ صفحے کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی خوبصورت ٹائپ مین، قیمت سالانہ ۴ شلنگ، پتہ:- دفتر مجموعہ صحیہ مدیریت مستقلہ طبیہ کابل (افغانستان)

مجموعہ صحیہ فارسی زبان مین کابل کا ایک طبی ماہانہ رسالہ ہے، اس مین افغانستان کے مختلف شہرون

کے امراض وصحت وغیرہ کی روداد بن اور اعداد وشمار کے علاوہ مختلف طبی مباحث پر مضامین شائع ہوتے ہین، اور لوگون کو مستقل مضامین مین مختلف امراض و حفظ ماتقدم وغیرہ پر مفید مشورے دئے جاتے ہین،

طبیہ کالج میگزین:- علی گڈہ (سہاہی مصور) اڈیٹر جناب ضرغام علی خانصاحب سلونی جوائنٹ اڈیٹر جناب محمد یوسف صاحب صدیقی حجم ۷۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت سالانہ للعمر

پتہ:- دفتر طبیہ کالج میگزین، مسلم یونیورسٹی علی گڈہ،

طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈہ کے طلبہ اور اساتذہ کی متفقہ کوششون سے یہ رسالہ نکلا ہے، اسکی نگرانی طبیہ کالج کے لائق پرنسپل جناب ڈاکٹر عطا، اللہ بٹ صاحب ایم ڈی (برلن) ایم بی بی ایس (پنجاب) سپرد ہے، اور ایڈیٹوریل بورڈ کالج کے چند اساتذہ پر مشتمل ہے، اس کا پہلا پرچہ زیر نظر ہے، اس مین طب سے متعلق مختلف مباحث پر طلبہ کے علاوہ کالج کے پرنسپل اور اساتذہ کے پرمغز مضامین درج ہین، اور ان مضامین کے ماخذ طب قدیم و وجدید دونون ہین، "اطبائے سلف" کے عنوان سے مولوی محمد عقیل صاحب فاروقی فاضل طبیہ کالج کا ایک مقالہ ہے جسمین ابن زکریا رازی کا سرسری ترجمہ درج کیا گیا ہے، پھر "تجدید طب" کے عنوان سے جناب حکیم عبد اللطیف صاحب لکچرار طبیہ کالج کا ایک مقالہ ہے جسمین عناصر کی دریافت اسکی تعداد سے متعلق مختلف عہدون کے مختلف نظریات بیان کئے گئے ہین، اور ان نظریون مین عہد بعہد کی تدریجی ترقیون کو دکھایا گیا ہے، اور اسی سلسلہ مین متقدمین کے نظریہ بابت "عناصر اربعہ" کی تغلیط، و درحاضر کے اکانوے عنصرون کی دریافت اور اپنے نظری دلائل سے کیگئی ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس ذیل مین اطبائے سلف کے نظریون پر جس لب ولہجہ مین اظہار کیا گیا ہے، وہ مبحث کی ثقاہت کے شایان شان نہین ہے، اس کے بعد "احتباس الطمث" پر ڈاکٹر عنایت اللہ شاہ ایم بی بی ایس انچارج ایکس رے ڈیپارٹمنٹ، کا مقالہ ہے پھر "تحدیر" کے عنوان سے جناب حکیم عبد اللہ خان صاحب نصر نے "اور صحت و مختلف امراض مین کیفیت الدم" کے عنوان سے جناب ڈاکٹر بٹ پرنسپل طبیہ کالج نے مقالات لکھے ہین اور پھر اسی طرح مختلف موضوع پر مختلف اساتذہ او طلبہ کے مضامین ہین، رسالہ مین دار التشریح عملی اور آلات شعاع رانجن وغیرہ

کی تصویریں ہیں، رسالہ کے اس پہلے نمبر سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم طب کا ایک مفید دلچسپ اور سنجیدہ مدبرانہ رسالہ ہوگا، لیکن ضرورت ہے کہ جناب ڈاکٹر بٹ صاحب کی توجہ سے استقلال کے ساتھ جاری رہے،

طلبی رسالے

اس زمانہ میں مختلف تعلیمی اداروں، کالجوں اور اسکولوں سے جو نئے رسالے نکلے ہیں ان میں مسلم یونیورسٹی کے طلبہ کا کالج میگزین کے علاوہ ایک دوسرا رسالہ رفیق طلبہ پونا ہے،

رفیق طلبہ: پونا (بزبان اردو و انگریزی) مدیر شعبہ اردو جناب میر مصطفی علی صاحب و شعبہ انگریزی جناب محمد سمیع اللہ صاحب حجم مجموعی ۴۴ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ عہ دفتر رفیق طلبہ اینگلو اردو ہائی اسکول پونا،

اینگلو اردو ہائی اسکول پونا کے طلبہ کا ایک ماہوار رسالہ رفیق طلبہ کے نام سے نکلتا ہے، جو اگرچہ پہلے سے جاری تھا لیکن ستمبر ۱۹۳۲ء سے ایک جدید نظام کے ساتھ نئے سرے سے نکلا ہے، اسکے حصہ اردو کا نام "رفیق طلبہ" اور حصہ انگریزی کا نام اسٹوڈنٹس فرینڈ ہے، رسالہ کے مضامین طلبہ کے لحاظ سے اچھے خاصے ہیں، اور توقع ہے کہ رسالہ اسکولوں کے طلبہ میں زبان، مضمون نویسی اور علم و تعلیم کا اچھا ذوق پیدا کرے گا،

کتاب نما (جامعہ دہلی) مدیر مولوی محمد حفیظ الدین صاحب حجم ۴ صفحے تقطیع ۲۷×۱۸/۴ لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت درج نہیں پتہ۔ مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

کارکنان مکتبہ جامعہ ملیہ کی جانب سے ایک اخبار نما رسالہ "کتاب نما" کے نام سے جاری ہوا ہے جو اگرچہ ابھی صرف چار صفحوں پر نکلا ہے لیکن امید ہے کہ بہت جلد اسکی ضخامت میں اضافہ ہوگا، رسالہ کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے "کتاب نما، کتابوں اور مصنفوں کا پرچہ ہے، اس میں صرف وہ مضامین درج ہوں گے جو کتابوں اور مصنفوں سے متعلق ہوں، یا اردو کی خدمت کرنے والی علمی انجمنوں کی کارگذاریوں پر روشنی ڈالتے ہوں۔ اس قسم کے رسالہ کی اردو میں ضرورت محسوس کی جارہی تھی، چند سال گذرے کہ الہلال بک ایجنسی لاہور نے اسی قسم کا ایک رسالہ جاری کیا تھا، لیکن وہ بہت جلد بند ہوگیا توقع ہے کہ کارکنان مکتبہ استقلال سے

اسکو جاری رکھین گے، کہ انھین اپنے مقصد مین کامیابی عطا ہو،

المائدہ لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب ایم کے خان حجم ۴۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ،

پتہ:- دفتر المائدہ مہان سنگہ باغ لاہور،

المائدہ پنجاب کے عیسائی مشنریون کا ماہوار تبلیغی رسالہ ہے، جو ماہ جنوری ۱۹۳۲ء سے اردو مین نکلا ہے اور ابھی اُس کے جون کا پرچہ ہمین موصول ہوا ہے، اس کے سرورق پر "مذہبی معاشرتی اور سیاسی ماہوار اردو رسالہ" لکھا ہوا ہے، رسالہ دو حصون مین تقسیم ہے، ایک حصہ مین مختلف قسم کے مذہبی و سیاسی مضامین ہوتے ہین ان مذہبی مضامین مین ہندو مذہب اور اسلام کے مختلف فرقون پر مناظرانہ تنقیدین ہوتی ہین، اور سیاسی مضامین مین ہندستان کے عیسائی فرقہ کے سیاسی حقوق کی حمایت کیجاتی ہے، نیز ہندوٴن اور اچھوتون کے مقابلہ مین اچھوتون کے سیاسی حقوق کی حمایت بھی کیجاتی ہے، رسالہ کے دوسرے حصہ مین اوس سے زیادہ ستم ظریفی نظر آتی ہے، یہ "تفسیر القرآن" کے حصہ پر مشتمل ہے، جسمین قرآن مجید کی مسلسل تفسیر باقساط شایع کیجاتی ہے، اس کے مفسر جناب پادری مولوی سلطان محمد خان پروفیسر عربی ایف سی کالج و پادری ایس ایم خان ایڈیٹر نور افشان ہین، تفسیر کا ماخذ عربی اور اردو کی مختلف تفسیرین ہین جن کی مدد سے بظاہر شیرین انداز بیان مین نہایت ہوشیاری اور تدلیس کے ساتھ قرآن مجید کے (نعوذ باللہ) غیر الہامی اور اس کے بائبل سے ماخوذ ہونے کے خفیف اشارات کئے جاتے ہین، رسالہ کے دونون حصہ کی قیمت ۲؍ ہے، اور بغیر تفسیر القرآن ۱؍ مین مل سکتا ہے مسرت ہے کہ عیسائیت کے مقابلہ مین پنجاب مین مسلمانون کے مذہبی نمایندہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب نے اسپر اپنی توجہ مبذول کی ہے لیکن ضرورت ہے کہ مولانا محمد علی صاحب ایم اے وغیرہ بھی توجہ فرمائین کہ جس جگہ سے زہر پھیلے وہین سے اوس کا تریاق مہیا کرنا چاہیئے،

"م"

مطبوعات جدیدہ

جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری جلد ثانی حصہ اول (عربی) تالیف

مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری رضوی بہاری مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ حجم ۴۲۰ صفحے، تقطیع ۲۹×۲۲ / ۸×۱

لکھائی، چھپائی، اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت ۱۔عہ، مولف سے مدرسہ عالیہ شمس الہدیٰ ڈاکخانہ

ہندرو پٹنہ سے ملسکتی ہے،

مولانا ظفر الدین صاحب مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ نے جو مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کے ارشد تلامذہ مین ہین جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری کے نام سے حدیث کا ایک ضخیم مجموعہ مذہب حنفی کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے، جو فقہی ابواب کی ترتیب پر چھ جلدون مین تقسیم ہے، اس وقت اوس کی دوسری جلد کا پہلا حصہ پیش نظر ہے، یہ حصہ کتاب الطہارۃ کی احادیث پر مشتمل ہے، اوسکی ابتدا مین فن حدیث پر حنفی نقطۂ نظر سے ایک بسیط مقدمہ لکھا گیا ہے، اس مین مختلف دلائل و حیثیات سے دکھایا گیا ہے کہ ائمہ اصول و محدثین نے حدیث کی جو مختلف قسمین صحیح، حسن، ضعیف، مرسل اور منقطع وغیرہ قرار دی ہین، وہ مختلف امور اعتقادات، اعمال، احکام، اخلاق اور ترغیب ترہیب مین، مختلف حیثیات سے لایق قبول اور قابل ترک ہوتی ہین، اس مقدمہ کے یہ مباحث مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کی تالیفات سے ماخوذ ہین، اور انھی بنیادون اور اصولون پر اس ضخیم مجموعہ احادیث مین مختلف کتب صحاح و مسانید سے ہر قسم کی ایسی حدیثین اخذ کی گئی ہین، جو مرتب کے اصولون پر لائق عمل و قابل حجت ہین، یہ علم حدیث و فقہ حنفی کی ایک مفید خدمت انجام دی گئی ہے، اگرچہ بعض امور ہمارے نقطۂ نظر سے محل نظر ہین، لیکن جلد ثانی کا دوسرا حصہ اس وقت زیر طبع ہے اور انشاء اللہ

اوسی موقع پر اس پر تفصیلی نظر ڈالی جائے گی،

عافیہ از مولانا ظفر الدین صاحب قادری رضوی بہاری،

دلچسپ مکالمہ یا تدابیر اکثریت حجم بہ ترتیب ۶۹ صفحے و ۳۹ صفحے تقطیع کلان و خورد کاغذ

لکھائی چھپائی معمولی، قیمت بہ ترتیب ۵، ۲، مولف سے سابق پتہ پر مل سکتی ہین،

یہ دونون رسالے عافیہ اور دلچسپ مکالمہ بھی مولانا ظفر الدین صاحب کے لکھے ہوئے ہین، عافیہ علم صرف کا ایک ابتدائی رسالہ ہے، جو چند ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، رسالہ کی ترتیب صرف کے قدیم رسالون کے طرز پر ہے، مادری زبان مین قلمبند ہونے کی حیثیت سے صرف میر وغیرہ کے بجائے اس کو پڑھایا جا سکتا ہے، اور دوسرے رسالہ دلچسپ مکالمہ کو مولانا نے "تدابیر اکثریت" سے موسوم کیا ہے، اور سیاسی اقلیت و اکثریت کے مسئلہ کا حل مسلمانون مین نکاح بیوگان کو رواج دینے مین مضمر قرار دیا ہے، اور اس مین اسی کو عورتون کی زبان سے بطرز مکالمہ بیان کیا گیا ہے،

غلبۂ روم از مولانا ظفر علی خانصاحب ناشر انجمن حمایت اسلام لاہور حجم ۹۴ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ لکھائی جلی قیمت ۸؍

مولانا ظفر علی خانصاحب کو اردو نظم ادب مین جو ملکہ عطا ہوا ہے، افسوس ہے کہ وہ اپنی سیاسی مشغولیتون کے باعث اوس سے کوئی مفید کام بہت کم لے سکتے ہین، لیکن مسرت ہے کہ وہ سیاسیات مین ایسا مسلک رکھتے ہین کہ سال دو سال کے وقفہ کے بعد جیل کی چہار دیواری مین بند کر دئے جاتے ہین، انہین اسی تنہائی مین اپنا قدیم علمی و ادبی مشغلہ یاد آجاتا ہے، اور ان کے قلم سے کچھ نہ کچھ قید فرنگ کی یادگار قائم ہو جاتی ہے، چند سال گذرے، اون کی اسی قسم کی ایک کتاب لطائف الادب کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اور اب اسی قسم کی ایک دوسری تالیف "غلبۂ روم" اس وقت سامنے آئی ہے، "غلبۂ روم" مین سورۂ روم کی ان ابتدائی آیات کی جن مین غلبۂ روم کی پیشین گوئی کی گئی ہے، ایک دلچسپ تاریخی و ادبی تشریح و تفسیر بیان

کی گئی ہے، اور ایران و روما کے تاریخی حوالوں اور اس عہد کے روم و ایران کی سیاسی تاریخ کو درج کرنے کے بعد قرآن مجید کی پیشنگوئی کی صداقت کو اپنے مخصوص انداز بیان اور دلچسپ طرز ادا میں آشکارا کیا گیا ہے،

نغمات، یعنی مجموعہ کلام جناب قدسی بھوپالی حجم ۱۱۱ صفحے، لکھائی، چھپائی اعلی، جلد خوبصورت، قیمت اور ملنے کا پتہ درج نہیں،

جناب قدسی بھوپالی بھوپال اور اس کے نواح میں اپنے ارادتمندون کا ایک حلقہ رکھتے ہین، اون کے کلام کا مجموعہ "نغمات" کے نام سے شایع ہوا ہے، ابتدا مین جناب حامد سعید صاحب حامد بھوپالی کا ایک مقدمہ ہے جس مین عقیدتمندانہ انداز مین حضرت قدسی کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے، حضرت قدسی کی شاعری کا اصل موضوع تصوف ہے، اور اسی رنگ مین اکثر غزلین ہین، اور باوجودیکہ اون کا موضوع تمامتر مجاز و اعتبار ہے، مگر ان کی شاعری کی اصل خصوصیت اس اعتبار و مجاز کے مضامین کو سادہ ترکیبون آسان لفظون اور عام فہم فقرون مین ادا کرنا ہے، جنمین نہ دور از کار تاویلات ہین، اور نہ تصوف کی غیر مانوس اصطلاحین، اور پھر کلام مین رنگینی اور دلکشی بھی موجود ہے، اگرچہ مضامین مین کہین کہین فنا تی تصوف کی جھلک نظر آتی ہے، مجموعہ چند حصون مین تقسیم ہے، پہلا باب "نغمات" ہے، جو غزلون پر مشتمل ہے اور جس مین بعض فارسی غزلین بھی شامل ہین، پھر چند صفحون مین متفرق اشعار ہین، اسکے بعد جذبات کا عنوان ہے جسمین مختلف عنوانون پر متلف نظمین ہین، پھر واردات کا باب رباعیات و قطعات پر مشتمل ہے،

ہمزاد، از جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی حجم چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی قیمت درج نہیں،

مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی آج کل معاشرتی اصلاح کے لئے چھوٹے چھوٹے ڈرامے ترتیب دلا کر شائع کر رہا ہے، زیر نظر رسالہ بھی ایک معاشرتی تمثیل (ڈراما) ہے جسمین بوڑھے مرد اور جوان عورت کی بے جوڑ شادی کے برے نتائج دکھائے گئے ہین، تمثیل کے بعض بعض حصے خاصے دلچسپ ہین،

"ر"

| جلد سی ام | ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۲ء | عدد ۲ |

مضامین

شذرات

چند سال کا عرصہ ہوا کہ مجھے احاطۂ مدراس کے شہر ترچناپلی مین ہندو مسلمانون کے ایک مشترکہ جلسہ مین تقریر کرنے کا موقع ملا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی ان دونون قومون مین اختلافات کا دور شروع ہو چکا تھا، مین نے اپنی تقریر مین ان اختلافات کی طرف اشارہ کرکے کہا تھا کہ "ہمارے ملک کی ان دو قومون مین اختلافات کی جو آگ بھڑکی ہوئی ہے، اس کو ہوا ان دو عمارتون کے کھلے دریچون سے مل رہی ہے، جنمین سے ہر ایک پر انگریزی کا حرف سی ع لکھا ہوا ہے، یعنی کورٹ اور کالج، ہندو مسلم نا اتفاقیون کے مبدء کی جب تلاش کیجائیگی، تو ہمیشہ اس کا سرا یا کورٹ یعنی سرکاری عدالتون کے کارپردازون کے ہاتھون مین ملیگا، یا کالجون کے پروفیسرون کے،

عدالتون اور کچہریون کے قانون پیشہ حصولِ روزی کے مشکلات مین اس تحریک کو کامیابی کا ذریعہ بناتے ہین، کچہریون کے عمّال تقرریون اور ترقیون مین اس کو اپنا ایک کارآمد آلہ بنائے ہوئے ہین، مقدمہ باز مقدمون مین اپنی ناکامیون پر پردہ ڈالنے کیلئے حکام کے اختلافِ قومیت کو سبب ٹھہراتے ہین، اور یقیناً بعض ناعاقبت اندیش حکام بھی، عوام کی اس بدگمانی مین اپنے کامون سے تقویت پہنچاتے ہین،

کالجون کا معاملہ اس سے زیادہ اہم ہے، سرکاری مدارس مین "تاریخ ہند" کی تعلیم کا اضافہ، بظاہر علم کے اضافہ کے لیے ہے، مگر درحقیقت جیسا کہ معارف مین بار بار کہا گیا ہے، یہ اقوامِ ہند مین قدیم اختلافات و نزاعات کے اضافہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے، حالانکہ ہندوستان کو آگے چلنا ہے، تو پیچھے مڑ کر دیکھنا نہین چاہئے، آج اس

بحث سہی کہ سلطان محمود کا حملہ ہندوستان پر جائز تھا یا ناجائز، اور شہاب الدین غوری نے کتنے مندر غارت کئے، اور عالمگیر نے ہندوؤن پر کیا کیا ظلم کئے، سوراج کی منزل مین ایک قدم بھی آگے نہین بڑھ سکتا، کیا ہمارے ہموطن اس نکتہ کو سمجھنے کی کوشش کرینگے؟

معارف مین بار بار یہ دکھایا گیا ہے کہ ہماری یونیورسٹیون کی تاریخ ہند کی کتابون مین ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی ہی باتین جمع کیجاتی ہین، جن سے ان دونون قومون کے جذبات مین مزید اشتعال ہو، اور ان کا اتفاق آئندہ مشکل سے بڑھکر محال ہو جائے، حالانکہ اس ملک کی تاریخ مین ایسے واقعات کی بھی کمی نہین، جنکے پڑھنے سے ان دونون قومون کے درمیان اختلاط و محبت کے جذبات پیدا ہون، مگر بازاری قدردانی کے شائق مصنفین و کتب فروش اپنی ذاتی عارضی کامیابی کے مقابلہ مین ملکی اور قومی بھلائی کی قیمت کی پروا نہین کرتے،

ایک اور مصیبت افسانون، ناولون، تھیٹرون اور تماشا گاہون کی ہے جنمین قومی رفعت و بلندی کے اظہار کیلئے ایسی کہانیان اور ایسے تماشے لکھے اور دکھائے جاتے ہین، جنکو لوگ جھوٹے قومی فخر و غرور کے نشہ مین آکر پسند کرین، اور بکثرت اُن کے خریدار اور تماشائی ہاتھ آئین، یہ خود غرض یہ نہین جانتے کہ اُن کی اس عارضی کامیابی مین ملک کی کتنی دائمی ناکامی ہے،

ان بیماریون کا علاج ایک طرف حکومت کے ہاتھ مین ہے، اور دوسری طرف پبلک کے، حکومت کا فرض ہے کہ رعایا مین امن و امان کے قیام کی خاطر اس قسم کی کتابون اور تماشون کی روک تھام کرے، اور پبلک کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسی کتابون اور ایسے تماشون کی حوصلہ افزائی سے باز رہے،

مسلمانون مین اور خصوصًا صوبہ سرحد کے مسلمانون مین شرعی تنظیم اور ادارۂ شرعی کی تحریک آہستہ آہستہ پھیل رہی ہے، ہمارے ناظرین کو معلوم ہے کہ اس تحریک سے معارف کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے، اور اس نے بار بار مسلمانون کو ادہر متوجہ کیا ہے، بلکہ متوقع دستورِ ہند کی تحریک کے آغاز مین اپنے بعض سیاسی دوستون کی فرمایش سے ہم نے اپنی تجویز کو ایک نظامِ عمل کی صورت مین قلم بند بھی کرلیا تھا، مگر اس کو ہندو دوستون کے ذہن نشین کرنے سے خود مسلمان دوستون کو سمجھانا زیادہ مشکل نظر آیا، ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اور بعض دوسرے مقتدر ارکانِ مجلسِ مملکت نے اسکو پسند بھی کیا، تاہم یہ توقع نہین ہوتی کہ احزاب پسند مسلمان اس کو پسند کرینگے،

ہمارے اس مجوزہ نظام کا عنوان مسلمانون کی کلچرل اٹانومی، یا مسلمانون کا "مذہبی و تمدنی استقلال و خود مختاری" ہے جس کے تسلیم کرلینے مین ہندوستان کی دوسری قومون کا کسی قسم کا نقصان نہین، اور خود مسلمانون کے مطالبات کی ساری مشکلین حل ہوجاتی ہین،

صحیح مسلم کی کئی شرحین موجود ہین، اور چھپ چکی ہین، تاہم جیسی خدمت حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی کی ہے، ویسی صحیح مسلم کی نہین ہوئی، امام نووی کا کام ہنوز محتاجِ تکمیل ہے، ساتھ ہی حنفی نقطۂ نظر سے علامہ عینی جیسا کام بھی صحیح مسلم کے متعلق علمائے احناف کو کرنا باقی تھا، ہمارے فاضل دوست مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی ایک مدت سے ان پہلوؤن سے صحیح مسلم کی شرح لکھنے مین مصروف تھے، اور ایک دو جلد تمام بھی کرچکے تھے، مگر اب تک چھپائی اور تالیف کے مصارف کا انتظام نہ تھا، اب یہ سنکر خوشی ہے کہ اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ نے اپنی روایتی قدردانی سے اسکی سرپرستی فرمائی ہے، اور فی الحال پانچ ہزار کی امداد منظور فرمائی ہے، اور آیندہ مزید امداد کی توقع دلائی ہے، امید ہے کہ اب اس کام کی تکمیل مین انشاء اللہ کوئی دقت حائل نہ ہوگی،

مقالات

حقیقت و مجاز

از

مولینا عبدالسلام ندوی

علم فقہ، علم تفسیر، اور علم کلام کے مسائل مین جو اختلافات ہین، ان کا ایک حصہ اس لغوی مسئلہ پر مبنی ہے کہ حقیقت اور مجاز لفظ کی دو مختلف قسمین ہین، اور دونون کی تعریفین الگ الگ ہین،

حقیقت کی تعریف یہ ہے:-

فان استعمل فیما وضع له فاللفظ حقیقة	اگر لفظ اُس معنی مین استعمال کیا جائے جس کیلئے وہ وضع کیا گیا ہے، تو وہ حقیقت ہی،

لیکن اس کے برعکس:-

وان استعمل فی غیرہ لعلاقة بینهما فمجاز،	اگر ایسے معنی مین استعمال کیا جائے جس کے لئے وہ اہل لغت مین تو وضع نہین کیا گیا ہے لیکن اس معنی مین اور اصلی معنی مین کسی قسم کا علاقہ ہی، تو وہ مجاز ہے

ہماری اردو زبان کے آزاد خیال مصنفین مین سب سے پہلے علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے الکلام مین اس اختلاف کو ادبی اور لغوی حیثیت سے اس طرح دور کرنا چاہا،

"ایک اور نکتہ بھی ہم بالتسان اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن چیزون کو تادیل کہا جاتا ہی، ان پر تادیل کا اطلاق حقیقت مین صحیح نہین، تادیل کے معنی یہ قرار دئے گئے ہین، کہ ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی اختیار کئے جائین لیکن ظاہری معنی کی تعبیر غلط کیگئی ہے، استعمال اور محاورہ بھی ظاہری معنی مین داخل ہی، لیکن اسکو لوگ تادیل کہتے ہین، لغت کی یہ کیفیت ہی، کہ اصل مین ایک لفظ کے ایک ہی معنی ہوتے ہین، پھر تناسب اور تعلق کے لحاظ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین، مثلاً اخبات کے اصلی معنی پستی مین آنے کے ہین، لیکن تواضع و انکسار کو بھی اخبات کہتے ہین، اور اس لحاظ سے کہتے ہین کہ تواضع کرنا گویا پستی مین آنا ہے، یہ معانی حقیقت مین درجہ دوم کے معنی ہین جنکو انگریزی مین سکنڈری معنی کہتے ہین لیکن اس قسم کے تمام معانی لغت مین داخل کر لئے گئے ہین، اور اصلی معنی قرار پاگئے ہین اس بنا پر جس چیز کو تادیل کہتے ہین، وہ تادیل نہین کیونکہ جس معنی مین اون کا استعمال ہوا ہے، وہ بھی ظاہری ہی معنی ہین" (صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶)

اس اصول کے رو سے اگرچہ بہت سے مذہبی اختلافات دور کئے جا سکتے ہین، تاہم اس مین بھی کم از کم تسلیم کر لیا گیا ہے، کہ عربی زبان یا دنیا کی اور زبانون مین حقیقت و مجاز لفظ کی دو قسمین ہین لیکن علامہ ابن تیمیہ نے ایک ضمنی بحث مین اس حقیقت ہی کے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، اور لغوی، ادبی بلکہ تاریخی حیثیت سے اس پر ایک نہایت دلچسپ اور سیر حاصل بحث کی ہی، اور انھون نے اس بحث کو اس لئے چھیڑا ہے، کہ متعدد حدیثون سے ثابت ہوتا ہی کہ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ ایمان کی حقیقت مین داخل ہین، اور ایمان انھی کے مجموعہ کا نام ہے، جن کے گھٹنے بڑھنے سے ایمان بھی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، لیکن مسلمانون کے بعض فرقون کے نزدیک ایمان ایک بسیط ذہنی چیز ہے، اور اوسکی حقیقت کسی چیز سے مرکب نہین، اس لئے اس فرقے کے لوگ ان حدیثون کی تادیل کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ ان حدیثون مین اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ کو مجازاً ایمان کی حقیقت مین داخل کر لیا گیا ہے۔

"اس لئے رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد کہ "ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ یا ستر شاخین ہین جن مین سب سے اونچی شاخ

کلمۂ توحید اور سب سے نیچی شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے،، مجاز، اور آپ کا یہ فرمانا کہ "ایمان یہ ہے، کہ تم خدا پر، اوسکے فرشتون پر، اس کی کتابون پر، اور اوسکے پیغمبرون پر ایمان لاؤ" حقیقت ہے،"

لیکن علامۂ موصوف اسکے جواب مین اصولاً اس تقسیم ہی سے انکار کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ یہ تقسیم متاخرین کی ایجاد ہے، اور حقیقت و مجاز کی اصطلاح خیر القرون کے بعد پیدا ہوئی ہے، صحابہ تابعین، اور مشہور ائمۂ مذاہب مثلاً امام مالک امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ، امام شافعی بلکہ ائمۂ نحو و لغت مثلاً خلیل سیبویہ، ابوعمرو بن العلا وغیرہ کے کلام مین اس کا پتہ نہین چلتا، سب سے پہلے لفظ مجاز کا استعمال ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ نے اپنی کتاب مین کیا ہے، لیکن اوس نے اس لفظ کا استعمال اس حیثیت سے نہین کیا ہے، کہ وہ حقیقت کا قسیم یعنی اوسکا مقابل ہے، بلکہ مجاز آیت سے اوسکی مراد وہ معنی ہے جس سے آیت کے مفہوم کو بیان کیا جاتا ہے، بہر حال یہ ایک جدید اصطلاح ہے، اور ظن غالب یہ ہے کہ اوسکو معتزلہ اور انھی کی طرز کے متکلمین نے پیدا کیا ہے، ورنہ اہل فقہ، اہل اصول اہل تفسیر اور اہل حدیث، اس سے بالکل ناآشنا ہین، چنانچہ امام شافعی پہلے شخص ہین جنھون نے اصول فقہ کو مرتب کیا ہے لیکن انھون نے حقیقت و مجاز کی طرف لفظ کی تقسیم نہین کی ہے، جو فقہی مسائل عربیت پر مبنی ہین، امام محمد نے بھی جامع کبیر وغیرہ مین اون پر بحث کی ہے لیکن حقیقت و مجاز سے اونھون نے بھی تعرض نہین کیا ہے، امام احمد بن حنبل نے جہمیہ کے رد مین جو کتاب لکھی ہے، اس مین بے شبہہ لفظ مجاز کا استعمال کیا ہے، چنانچہ اونھون نے لکھا ہے کہ "انا اور نحن اور قرآن مجید مین اس قسم کے الفاظ مجاز لغوی ہین" اور اسی قول سے اون کے اصحاب مین قاضی ابو یعلی ابن عقیل، اور ابو طالب وغیرہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید مین مجاز ہے لیکن اون کے اور اصحاب مثلاً ابو الحسن جزری، اور ابو عبداللہ بن حامد وغیرہ نے اوسکی نفی کی ہے ان کے علاوہ اور تمام ائمہ اس سے خاموش ہین، کیونکہ اس تقسیم کی ابتدا تیسری صدی یا دوسری صدی کے آخر مین ہوئی، اور چوتھی صدی مین اس کا عام رواج ہوا، امام احمد نے بے شبہہ اس لفظ کا استعمال کیا ہے لیکن جو لوگ اون کی طرف اس تقسیم کو منسوب کرنا نہین چاہتے، وہ کہتے ہین کہ مجاز لغوی سے اون کی یہ مراد

ہے کہ یہ معنی لغوی حیثیت سے جائز ہے، مثلاً ایک بڑا آدمی جسکے بہت سے اعوان و انصار ہون، یہ کہہ سکتا ہی کہ ہم نے کیا یا ہم کرین گے یعنی وہ واحد کے بجائے اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرسکتا ہی لیکن اس سے اون کا یہ مقصد نہین کہ یہ لفظ ایک ایسے معنی مین استعمال کیا گیا ہی جس کے لئے وہ وضع نہین کیا گیا ہی،

اس تاریخی بحث کے بعد علامہ موصوف نے اصولاً یہ بحث کی ہے کہ اس تقسیم و تعریف سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ لفظ پہلے ایک معنی کے لئے وضع کردیا جاتا ہے، پھر جب اپنے اصلی معنی مین استعمال کیا جاتا ہے، تو اوسکو حقیقت کہتے ہین، ورنہ اوسکو مجاز کہا جاتا ہے، اس بنا پر سب سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ الفاظ اول اول چند معانی کے لئے وضع کئے جاتے ہین پھر ان معانی مین اونکا استعمال کیا جاتا ہے اور ان کی وضع ان کے استعمال پر مقدم ہوتی ہے، جو لوگ لغت کو ایک اصطلاحی چیز قرار دیتے ہین، اون کا خیال ہے، کہ چند عقلا نے جمع ہوکر ہر چیز کے الگ الگ نام رکھدئے ہین، اور یہ اصول تمام زبانون پر حاوی ہے، مسلمانون مین سب سے پہلے ابو ہاشم ابن جبائی اور امام ابوالحسن اشعری نے اس پر بحث کی، اور ابو ہاشم نے لغت کو ایک اصطلاحی چیز، اور امام اشعری اوس کو توقیفی یعنی الہامی یا فطری چیز قرار دیا، اوس کے بعد اور لوگون نے جب اس بحث مین حصہ لیا تو کچھ لوگون نے بعض الفاظ کو توقیفی اور بعض کو اصطلاحی قرار دیا، لیکن انصاف یہ ہے کہ عرب یا کسی اور قوم کی نسبت یہ ثابت نہین کیا جاسکتا کہ ایک جماعت نے مل کر پہلے تمام معانی کے لئے الفاظ وضع کئے، پھر بعد کو ان معانی مین ان کا استعمال کیا، بلکہ جو چیز عام طور پر معلوم ہے، وہ ان الفاظ کا مخصوص معانی مین استعمال ہے، غرض تاریخی روایات سے تو اس کا ثابت کرنا ناممکن ہے، البتہ یہ عقلی استدلال کیا جاسکتا ہو کہ جب تک معانی کے لئے الفاظ وضع نہ کرلئے جائین، ان معانی مین انکا استعمال ناممکن ہی لیکن واقعہ یہ ہے کہ خداوند تعالے نے فطری اور الہامی طریقے پر جانورون تک کو چند بولیان سکھادی ہین، جنکے ذریعہ سے وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہین، اور قرآن مجید کی اصطلاح مین اسی کا نام "منطق" اور "قول" ہے، چنانچہ خداوند تعالے فرماتا ہے،

یا ایها الناس عُلّمنا منطق الطیر	لوگو! ہم کو (خدا کی طرف سے) پرندون تک کی بولی سکھائی گئی ہے،
قالت نملة یا ایها النمل ادخلوا مساکنکم.	ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو! اپنے (اپنے) بلون مین گھس جاؤ،

بعینہ اسی طرح آدمی کا بچہ بھی جب اپنے باپ مان کو بولتے ہوئے سنتا ہے، تو اوسکو یہ معلوم ہوجاتا ہو کہ فلان لفظ فلان معنی مین استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح وہ رفتہ رفتہ پوری قوم کی زبان اور اوسکے محل استعمال سے واقف ہوجاتا ہی، اگرچہ وہ بعض اوقات بعض الفاظ کے معنی بھی دریافت کرلیتا ہے لیکن یہ بعینہ ایسی بات ہوتی ہے، جسطرح ایک مترجم غیر زبان کے آدمی کو الفاظ کے معنی سمجھاتا ہے، لیکن بہرحال یہ کوئی وضعی اصطلاح نہین ہوتی، یہ سچ ہے، کہ خداوند تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسمار کی تعلیم دی، اور اون کے مسمیات کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا، لیکن اسی کے ساتھ ہمکو یہ بھی معلوم ہے کہ خداوند تعالے نے نہ تو حضرت آدم علیہ السلام کو تمام زبانین سکھائین، اور نہ وہ زبانین انکی اولاد تک پہنچین کیونکہ ان زبانون کی نقل و روایت صرف اون کی اولاد کے ذریعہ سے ہوسکتی تھی، اور وہ سب کی سب طوفان نوح مین غرق ہوگئی، صرف چند لوگ باقی رہ گئے لیکن اون کی اولاد کا بھی خاتمہ ہو گیا، صرف نوح کی اولاد بچ گئی، اور وہ تمام دنیا کی زبانون مین بات چیت نہین کرتی تھی تمام دنیا کی زبانون مین صرف ایک زبان مثلاً فارسی یا عربی یا اردو یا ترکی کو لیلو تو انمین اسقدر اختلافات نظر آئینگے جنکا شمار نہین کیا جاسکتا خود عرب مین ہر قبیلے کی زبان الگ الگ تھی، پھر کیونکر قیاس مین آسکتا ہی کہ یہ تمام زبانین ایک نوح کی اولاد کے ذریعہ سے دنیا مین پھیلین،

اصل یہ ہے کہ الفاظ تمام تر خیالات کے تابع ہوتے ہین، اس لئے جس قوم کے دل مین جس قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہین، اوسی قسم کے الفاظ بھی پیدا ہوجاتے ہین یہی وجہ ہے کہ بعض قومون کے یہان بعض معانی کیلئے الفاظ ہوتے ہین، اور بعض قومون کے یہان نہین ہوتے، غرض وضع و اصطلاح تو کوئی چیز نہین

اصل چیز استعمال ہے، اور اس حیثیت سے حقیقت و مجاز مین کوئی فرق نہین بلکہ ان دونون معنون مین الفاظ کا استعمال یکسان طور پر ہوتا ہے،

شاید یہ کہا جائے کہ حقیقت کی تعریف مین معنی موضوع لہ سے یہ مراد ہے کہ اس معنی مین لفظ کا استعمال سب سے پہلے ہوا ہے لیکن اس کا ثابت کرنا بھی سخت مشکل ہے، یہ کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اہل عرب قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت یا اوس سے پہلے جن الفاظ کا استعمال کرتے تھے، وہ اس سے پہلے کسی دوسرے معنی مین استعمال نہین کئے جاتے تھے، اور جب یہ معلوم نہین ہے، تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ فلان لفظ کا استعمال فلان معنی مین حقیقی طور پر ہوا ہے، بلکہ سرے سے یہی نہین معلوم ہو سکتا کہ کونسا لفظ حقیقی ہے اور کونسا مجازی؟

حقیقت اور مجاز مین ایک فرق یہ کیا جاتا ہے کہ بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہین، جن کا استعمال کسی خاص قید کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس لئے اگر ان الفاظ کو اون قیود سے آزاد کیجئے، مسلمانون مین سب سے پہلے ابو ہاشم نے لفظ ... اور دوسرے مفید الفاظ مجازی قرار دئے جائین گے، مثلاً عربی ... ہے، اور اوسکے معنی انسان کے سر کے ہین لیکن اگر اس لفظ کے ساتھ کوئی خاص قید بڑھا دی جائے تو وہی مجازی ہو جائے گا، مثلاً راس العین یعنی نہر کا سرچشمہ، راس القوم یعنی قوم کا سردار، راس الشہر یعنی مہینے کا آغاز وغیرہ کیونکہ انسانی جسم کی ابتدا سر سے ہوتی ہے، اس لئے ہر چیز کی ابتداء و آغاز کو اس مناسبت سے راس کہہ سکتے ہین لیکن اصل بحث استعمال کی ہے، اور یہ مشکل ثابت کیا جا سکتا ہے، کہ اس قسم کے الفاظ کا استعمال لغت مین بغیر قید کے ہوا ہو، مثلاً کہا جاتا ہے، کہ سر کے معنی مین راس کا استعمال بلا قید کیا جاتا ہے لیکن یہ لفظ بھی ہمیشہ انسانون ہی کی طرف منسوب کر کے استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید مین ہے،

وامسحوا برؤسکم — اپنے سرون کا مسح کرو،

پھر راس العین، راس القوم اور راس الشہر اور راس لفظ مین کیا فرق ہے؟ دونون ایک خاص قید کے ساتھ مستعمل ہوئے ہین، اس لئے ایک کو حقیقت اور ایک کو مجاز کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ بعض الفاظ پر شبہہ

ایسے ہین، جو ایک جگہ مفرد اور دوسری جگہ ترکیب کے ساتھ استعمال ہوتے ہین مثلاً انسان اور انسان العین، اسلئے ایک کو حقیقت اور دوسرے کو مجاز کہا جا سکتا ہے کیونکہ انسان العین کے معنی آنکھ کی پتلی کے ہین، اور چونکہ پتلی مین انسان کی شکل نظر آتی ہے اسلئے اس کو مجاز کہ سکتے ہین لیکن مجاز کی تعریف یہ ہے کہ لفظ غیر معنی موضوع لہ مین مستعمل ہو، اور اس جگہ صرف لفظ انسان کا استعمال نہین ہوا ہے، بلکہ ایک لفظ کے ساتھ ترکیب دینے کے بعد اوس کا استعمال کیا گیا ہے، اسلئے یہ ایک مستقل وضع ہے، البتہ اگر اس مرکب لفظ یعنی انسان العین کا استعمال کسی اور معنی مین کیا جائے تو اوس کو مجاز کہہ سکتے ہین لیکن اس مرکب لفظ کا استعمال کسی دوسرے معنی مین نہین کیا گیا ہے،

مجاز اور حقیقت مین ایک فرق یہ کیا جاتا ہے کہ جو لفظ کسی معنی پر بلا قرینہ دلالت کرے اوس کو حقیقت اور جو قرینہ کے ساتھ دلالت کرے اوس کو مجاز کہتے ہین لیکن خود قرینہ کا لفظ بحث طلب ہے اگر اس سے لفظی قرائن مثلاً اضافت اور تعریف اور حال وغیرہ مراد لئے جائین تو ایک مرکب کلام مین ہر لفظ مقید ہوتا ہے، مطلق نہین ہوتا فعل مین فاعل، مفعول بہ، ظرف زمان، ظرف مکان اور حال وغیرہ کی قید ہوتی ہے، اور حروف معانی کسی نہ کسی فعل کے ساتھ متعلق ہوتے ہین، اسم بھی مبتدا، منادی یا خبر ہوتا ہے، اسلئے اگر قرینہ سے خالی ہونے کے معنی یہ ہین کہ حقیقی الفاظ ان تمام قرائن سے خالی ہون، تو کوئی لفظ حقیقی ہو ہی نہین سکتا، یہی وجہ ہے کہ کلمہ اور کلام کا لفظ اہل عرب کی زبان مین صرف مقید پر بولا جاتا ہے، مفرد پر بولا نہین جاتا، خود قرآن مجید مین بھی یہ لفظ اسی معنے مین استعمال ہوا ہے،

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم — ایسے کلمہ کی طرف آو جو ہم مین اور تم مین یکسان ہو،

اور بھی متعدد آیتون مین اس لفظ کا استعمال ایک مرکب جملے پر کیا گیا ہے حدیث مین ہے،

اصدق کلمۃ قالھا الشاعر کلمۃ لبید — سب سے سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا ہے لبید کا کلمہ ہے

"الا کل شیء ما خلا اللہ باطل" — "الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل"

اس قسم کی اور بھی بہت سی حدیثین ہین، باقی رہے مفرد الفاظ مثلاً اسم فعل اور حرف پر کلمہ کا استعمال تو یہ

نحویون کی اصطلاح ہے خود اہل عرب اسم فعل اور حرف کو کلمہ نہین کہتے، لیکن اگر یہ مراد ہے کہ جس لفظ کے ساتھ قرینہ ملا ہوا ہو، اوسکو حقیقت اور جس سے قرینہ الگ ہو، اوسکو مجاز کہا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس ملے ہوے قرینہ سے کیا مراد ہے، ؟ اگر یہ مراد ہے کہ وہ قرینہ خود لفظ مین موجود ہو تو جن الفاظ مین خود متکلم یا سامع کی حالت قرینہ بن جاتی ہے، وہ مجاز قرار پائین گے حالانکہ وہ مجاز نہین ہین، مثلاً "قال النبیؐ" یا، "قال الصدیقؓ" سے ہر مسلمان رسول اللہ صلعم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات مراد لیتا ہے، لیکن خود ان الفاظ مین کوئی قرینہ نہین ہے، بلکہ ہر مسلمان کا استعمال ہی قرینہ ہے، اس لئے یہ دونون لفظ مجاز قرار پائین گے، اس کے بالکل برعکس اگر ایک شخص کسی بہادر آدمی کی طرف اشارہ کرکے کہے،

هذا الاسد فعل الیوم کذا اس شیر نے آج یہ کام کیا،

تو یہ لفظ حقیقی قرار دیا جائے گا، کیونکہ "ہذا" کا اشارہ قرینہ ہے اور وہ اس لفظ کے ساتھ ملا ہوا ہے حالانکہ اس لفظ کا استعمال حقیقی معنی مین نہین ہوا ہے، لیکن اگر ملے ہوئے قرینہ سے مراد وہ قرینہ ہو جو تخاطب کے وقت موجود ہو، تو ہر مجاز حقیقت ہو جائے گا، کیونکہ جو شخص کسی مجازی لفظ کا استعمال کرتا ہے، حالت تخاطب مین اوسکے ساتھ اس قسم کے باتین ضرور پائی جاتی ہین، جو اوسکے مفہوم کی وضاحت کرسکین، ان تمام مباحث کا نتیجہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے ایک ایک لفظ مین ایسی قید لگی ہوئی ہے، جو اوس کے معنی کی توضیح کرتی ہے، اس لئے ان مین کوئی مجاز نہین، بلکہ صرف حقیقت ہی حقیقت ہے، اس لئے قرآن و حدیث کے ہر لفظ کے متعلق اوس کے نظائر کی تلاش کرنی چاہئے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قرآن مجید کا طرز خطاب کیا ہے، ؟ اور رسول اللہ صلعم کا انداز کلام کیا تھا، ؟ اگر یہ طرز و انداز صرف قرآن و حدیث کے ساتھ مخصوص ہو تو یہ یقین کرنا چاہئے کہ خدا اور خدا کے رسول کا مخصوص طریقۂ خطاب یہی ہے، لیکن اگر دوسرون کے کلام مین بھی اس قسم کے الفاظ کی بکثرت نظیرین پائی جائین، تو یہ کہا جائے گا، کہ یہ طرز خطاب رسول اللہ صلعم ہی کے ساتھ مخصوص نہین ہے، بلکہ آپ کی قوم کا طریقۂ گفتگو یہی تھا، اس بنا پر رسول اللہ صلعم اور صحابۂ کرام کے بعد جو اسالیب کلام پیدا ہوئے، اون پر حدیث

و قرآن کا محمول کرنا کسی طرح جائز نہین، بہت سے فقہی اختلافات اسی غلطی سے پیدا ہوئے اور مرجیہ نے ایمان کی حقیقت کی تعیین مین اسی وجہ سے غلطی کی، اور سمجھے کہ ایمان کے حقیقی معنی صرف تصدیق کے ہین، اور اعمال اوسکی حقیقت مین مجازاً داخل کرلئے گئے ہین، حالانکہ جب مجاز و حقیقت کی تقسیم ہی صحیح نہین ہے، تو اس تفریق کی کوئی ضرورت ہی نہین، لیکن اگر بالفرض یہ تقسیم صحیح بھی ہو تو اس تقسیم کے رو سے حقیقت کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے معنی پر بلا قرینہ دلالت کرے، اس لحاظ سے قرآن و حدیث مین جہان کہین ایمان کا لفظ بلا قرینہ اطلاق و عموم کے ساتھ آیا ہے، اوس مین اعمال داخل ہین، اس بنا پر رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخین ہین، حقیقت ہے، مجاز نہین،

قرآن مجید مین بھی بہت سے الفاظ کی نسبت مجاز کا دعوی کیا گیا ہے مثلاً قرآن مجید مین ہے،

واسأل القریہ — یعنی گاؤن سے پوچھو،

لیکن گاؤن سے پوچھنے کے کوئی معنی نہین، اس لئے مفسرین اسکے مضاف یعنی اہل کو محذوف مانتے ہین اور آیت کی اصل یہ بتاتے ہین:-

واسأل اہل القریۃ، — یعنی گاؤن والون سے پوچھو،

لیکن اس تاویل کی کوئی ضرورت نہین، قریہ اور مدینہ ایسے الفاظ ہین، جو حال و محل دونون کو شامل ہین، اس لئے کہین صرف حال یعنی باشندے مراد لے لئے جاتے ہین، اور کہین محل یعنی مکان مقصود ہوتا ہے، چنانچہ ان آیتون مین

ضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت آمنۃ مطمئنۃ. — خدا ایسے گاؤن کی مثال بیان کرتا ہے، جو امن و اطمینان کی حالت مین تھا،

وکم من قریۃ اہلکناھا — بہت سے گاؤن کو ہم نے ہلاک کردیا،

گاؤن سے مراد گاؤن کے باشندے ہین،

لیکن اس آیت مین،

اوکالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ یا مثل اس شخص کے جو ایک ایسے گاؤن سے گذرا

علی عروشھا جو ویران تھا،

وہ جگہ مراد ہے، جسکو گاؤن کہتے ہین، لیکن ایسا گاؤن جو پہلے سے آباد تھا، کیونکہ جب تک آبادی کا لحاظ رکھا جائے، کسی مقام کو گاؤن نہین کہہ سکتے،

اسی طرح انسان کا لفظ ہے جو جسم و روح دونون کو شامل ہے، اس لئے اس سے ایک جگہ صرف جسم اور ایک جگہ صرف روح مراد لے سکتے ہین،

ابو العلاء المعری

اور

مذمّتِ شراب

از جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جونا گڑھی،

عرب جاہلیت مین جہان اور کئی اخلاقی برائیان عام تھین، وہان شراب خواری کا بھی بکثرت رواج تھا، شغلِ مے نوشی نے انکی عقلون کو جادۂ اصابت سے ایسا منحرف کر دیا تھا کہ قمار بازی اور بادہ گساری کو وہ جود و عطا کی علامت تصوّر کرتے تھے، یہانتک کہ ابو غبشان نامی عرب نے جو کعبہ کا کلید بردار تھا، ایک مشک شراب کے عوض قصّی کے ہاتھ بیت اللہ کی کنجیان فروخت کرڈالین[1]!

یہی جذبۂ بادہ پرستی تھا، جس نے رعایتِ شوق کی بناپر ان کی شاعری پر بھی گہرا اور پائدار اثر ڈالا، چنانچہ شعرائے جاہلیت نے اپنے کلام مین شراب کو مختلف نامون، کنیتون اور نسبتون سے یاد کیا ہے، حتّٰی کہ اربابِ لغت نے ان تمام نامون کو جمع کیا تو ان کی تعداد سینکڑون تک پہنچی، بقول بعض اہل لغت شراب کے لیے عربی مین ایک ہزار نام ہین، اس طرح عربی شاعری مین "خمریات" کے نام سے ایک مستقل صنف نظم معرضِ وجود مین آئی،

اگرچہ مذہب اسلام نے اس "ام الخبائث" کا نہایت حکیمانہ طور پر انسداد کر دیا تھا، جیسا کہ قرآن کریم اس پر ناطق ہے، با این ہمہ اسلام کے ابتدائی زمانہ مین شراب کی تعریف شعرائے جاہلیت کے طرز مین عام طور

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد اوّل صفحہ ۲۷۶،

پائی جاتی ہے، جاہلی شعراء مین شراب کی تعریف مین لکھنے والون کی ایک اچھی خاصی جماعت ہے، لیکن بعد از اسلام عہد عباسی مین صنفِ خمریات کو بہت ترقی ہوئی، اور ابو نواس گویا اس فن کا امام سمجھا گیا[1] شراب کے متعلق ابو نواس کا یہ شعر مشہور ہے جسمین اس نے یہ مطلب ادا کیا ہے کہ شراب سے نہ صرف کام و دہن لذت یاب ہون بلکہ کان آنکھ اور ناک کو بھی اس لطف مین برابر کا شریک ہونا چاہئے، چنانچہ کہتا ہے:-

ألا فاسقني خمراً وقل لي هي الخمر — ولا تسقني سراً اذا امكن الجهر

اے ساقی مجھے شراب پلا اور یہ بھی کہہ کہ یہ شراب ہے — اور چھپا کر نہ پلا جبکہ علانیہ طور پر پلانا ممکن ہے۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ شراب کے متعلق ابو نواس نے جو باتین پیدا کی ہین وہ اس سے پہلے کسی نے نہین کین[2]، خاندان عباسیہ کے خلیفہ المعتز کا بیٹا عبد اللہ بن المعتز (۲۴۷ھ - ۲۹۶ھ) نے بھی جو عربی کا ایک جید شاعر اور ادیب گذرا ہے، "خمریات" کی ترقی مین نمایان حصہ لیا، اور ایک مجموعہ جس مین خود اسکے اشعار بھی شامل ہین، اسی موضوع پر "کتاب الفصول التماثیل فی طبائع السرور" کے نام سے تیار کیا تھا،

آٹھوین صدی کے ایک بزرگ امام نواجی[3] نے حلبۃ الکمیت[4] نام کی ایک کتاب لکھی ہے جو خمریات کی دائرۃ المعارف ہے، اس کی نسبت مشہور ہے کہ جو کوئی ایک مرتبہ اس کتاب کو پڑھ لے ممکن نہین کہ اپنے تئین شراب پینے سے روک سکے،

ارباب مجاز جہان "خمریات" کی "آتش سیال" کے ذریعہ اپنی آتش شوق کو بھڑکا رہے تھے، وہان اصحابِ تصوف نے اس "مے مجازی" کو مینائے حقیقت مین منتقل کرکے شراب معرفت بنا دیا، اور اس طرح پردۂ حقیقت مین "آکر سبنت العنب" عشق حقیقی اور معرفت روحانی کا ایک ذریعہ بنگئی، گو صوفیان

---

[1] اس کے دیوان مین خمریات کا ایک مستقل باب موجود ہے[2] الشعر والشعراء صفحہ ۵۱۱ طبع یورپ [3] شمس الدین محمد بن حسن بن علی النواجی القاہری الشافعی (۷۸۸ھ - ۸۵۹ھ) ادیب نحوی اور شاعر ملاحظہ ہو حسن المحاضرہ ج ۱ صفحہ ۲۷۴، ابن ایاس ج ۲ صفحہ ۳۳ و صفحہ ۶۹

[4] یہ کتاب خمریات کے متعلق ادب و نوادرات کا مجموعہ ہے جو اوصاف خمر مین ۲۵ ابواب پر مرتب ہے۔ بولاق مین ۱۲۷۶ھ مین اور مطبع وطن مین ۱۲۹۹ھ مین طبع ہو چکی ہے،

صاف طینت کے مقدس گروہ کے نزدیک یہ آب آتش لباس قطعاً حرام تھا، مگر وہ اس بادۂ روحانی کی کیفیت سے روزِ الست ہی سے لذت آشنا ہو چکے تھے جبکہ انگور کا ہنوز نام و نشان بھی نہ تھا، چنانچہ عمر ابن الفارضؒ فرماتے ہیں :-

شربنا علی ذکر الحبیب مدامۃ سکرنا بہا من قبل ان یخلق الکرم

محبوب کی یاد میں ہم نے شراب پی ہے اور اس وقت سے ہم مست و مخمور ہو گئے ہیں جبکہ انگور کا وجود بھی نہ تھا

چوتھی صدی ہجری میں جبکہ ایک طرف "مئے مجازی" اور "بادۂ عرفان" کی تعریف و توصیف میں عربی زبان کا ہر ایک شاعر رطب اللسان تھا، تو دوسری طرف شام کا مشہور فلسفی شاعر اور ادیب ابو العلاء المعری شراب نوشی کے خلاف سخت جد و جہد کر رہا تھا، اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اسلامی دنیا کا یہ پہلا مانع المسکرات (PROHIBITIONIST) شاعر ہے جس نے اپنے کلام میں جابجا "بنت العنب" کی مذمت کی ہے، اور اس کے مضر اثرات کا ذکر کیا ہے، اس طرح اسلام نے انسدادِ مسکرات کی جو تحریک جاری کی تھی، اسکی ابو العلاء نے اپنے عقلی دلائل سے تائید و توثیق کی ہے، معری خود شراب سے متنفر تھا، اتنا ہی نہین بلکہ مختلف طریقون سے مے نوشی کے انسداد اور شراب کی مذمت مین اس نے اس قدر اشعار لکھے ہین کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار ہو جائے، بلکہ اس کی فہرستِ تصانیف مین ایک رسالہ خاص مذمتِ شراب مین پایا جاتا ہے،

جس کسی نے ابو العلاء کے کلام کا مطالعہ کیا ہے وہ اس امر کی شہادت دیگا کہ اس نے کبھی اس کافر کو منھ نہین لگایا، لیکن شام کے ایک عیسائی مصنف امین ریحانی نے ابو العلاء کے اشعارِ ذیل سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ شراب پی تھی :-

عمی العین یتلوہ عمی الدین والھدیٰ آنکھون کے اندھے پن کے ساتھ مذہب اور ہدایت کا

فلیلتی القصویٰ ثلاث لیالی اندھا پن بھی آجاتا ہے پس میری ایک بے پایان

× × × × × × ×　　رات تین راتون کے برابر ہوتی ہے،

ولا فضت لی ام لیلی بشر بہا　　اور ام لیلیٰ (شراب) نے بھی خود کو نوش کرا کر

حنادس اوقات علی طیال[1]　　میرے تاریک اوقات کو، جو میرے لئے بہت طویل ہیں کم نہین کیا،

ان اشعار کو نقل کرتے ہوئے ریحانی لکھتا ہے:۔

"یہان اس کا اشارہ اپنے الحاد اور نابینائی کی طرف ہے، ام لیلیٰ عربی مین شراب کا نام ہے، اس کے تمام کلام مین جو تین جلدون مین ہے، مجھے اس کے شراب پینے کے متعلق صرف یہی شعر مل سکا ہے، وہ اپنی عادات کے لحاظ سے یکا زاہد تھا، اور تینون جلدون مین جو کلام پھیلا پڑا ہے اسمین وہ بالکل عہد حاضر کے ایک پرجوش "مانع المسکرات" کی طرح اس قدیم شناسا "عرق انگور" کی مذمت کرتا ہے[2]"

لیکن ہماری رائے مین یہان ریحانی ابوالعلاء کا مطلب نہین سمجھا، ابوالعلاء کی مراد یہ ہے کہ "ام لیلیٰ" کو جو بقول بادہ کشان دل و دماغ کو روشن کر دیتی ہے، پی کر مین نے اپنی اس تاریکی کو دور نہین کیا یعنی کبھی شراب پی ہی نہین جو تاریکی کو دور کر سکتی، اس بات کو ماننے کے لیے ہمارے پاس کافی وجوہ ہین کہ ابوالعلاءؒ نے کبھی "دخت رز" کو ہاتھ نہین لگایا، چنانچہ اس کے بعض اشعار مین اس بات کا صریحی اقرار ہے کہ اس نے کبھی شراب نہین پی، مثلاً:۔

(۱) اری الراح المسرۃ اثملتنی　　مین دیکھتا ہون کہ شراب مسرت نے مجھ کو مخمور کیا ہے

وتلک لعمری الراح الحلال[3]　　اور بجان عزیز! یہی شراب میرے لیے حلال ہے

۲- دیوان سقط الزند مین اس کا ایک قصیدہ ہے جو اس مطلع سے شروع ہوتا ہے:۔

[1] لزومیات ج ۲ ص ۱۵۰، [2] رباعیات ابی العلاء انگریزی صفحہ ۱۴۳، [3] سقط الزند صفحہ ۱۳۱ طبع ہندیہ مصر،

عَلِلاّنی وان بیض الامانی — فنیت والظلام لیس بفانی[1]

مجھے تم باربار بادۂ ہوشربا پلاؤ کہ آج کی رات ہزارہا دلخوش کن امیدین (بہتیری تمنائین) باندھتا ہا مگر آخر کو وہ بھی ختم ہوگئین نہ معلوم آج رات کی تاریکی کس بلا کی ہے جو ختم (نہیں ہوتی)

اس قصیدہ مین اشعار ذیل ہین :-

فاغتبقنا بیضاء کالفضّۃ المحـ — ـضِ وعفنا حمراء کالارجوان

ہم نے بھی خالص چاندی کی طرح سفید پانی شام کو چڑھایا، مگر بادۂ ارغوانی سے گھن ظاہر کی،

ولو انّا جزنا الی شرب بھا التھـ — ـیّ عنینا بکلِّ اصھب عانٍ

اگر ہم اس موقعہ پر حدود منہیات سے تجاوز کرنا چاہتے تو ہر سرخ اور کہنہ شراب کا رخ کرتے،

وھجونا شراب الکؤس احتقارًا — وشربنا مسرۃ بالدنانِ[2]

بلکہ پیالون کو بھی تحقیراً چھوڑ دیتے، اور مسرت مین وارفتہ ہو کر خم کے خم منھ سے لگا لیتے،

ان اشعار کی شرح کرتے ہوئے صدر الافاضل فرماتے ہین :-

" ان ابا العلاء لم یکن مولعًا بشرب الخمر ولم یعتد وصف ذلک فی الشعر الا تری الی قولہ وھو فی ھذہ النونیۃ، فاغتبقنا الخ[3]

ابوالعلاء مے نوشی کا دلدادہ نہ تھا اور نہ اس نے اپنے اشعار مین اسکی تعریف کی، کیا تم نہین دیکھتے قصیدۂ نونیہ مین اس کا یہ قول :- فاغتبقنا الخ،

(۲) ہمارے دوست پروفیسر عبد العزیز صاحب میمن جنھون نے ابوالعلاء پر عربی مین ایک محققانہ کتاب لکھی ہے، اسمین ابوالعلاء کے متعلق لکھتے ہین :-

" وہ کسی حالت مین شراب نوشی کو جائز نہین سمجھتا تھا، اور بچپن ہی سے لیکر تا دم مرگ وہ اس کا دشمن رہا، اور لزومیات مین شراب کی مذمت اور اس سے محترز رہنے کے متعلق اشعار بھرے پڑے ہین، اور

[1] سقط الزند ص۳۴ [2] ایضاً [3] ضرام السقط لصدر الافاضل طبع ایران ص۶۷،

اس امر میں اس کے ہزاروں اشعار ہیں، ان میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ہے جو نہ صرف اسکی تصریح کرتا ہو بلکہ جو اس کے جواز یا اس کے استعمال کی طرف کھینچتا ہو[1]"

(۴) ابو العلاء نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شراب کی مذمت میں اس نے ایک خاص کتاب خماسیۃ الرّاح کے نام سے لکھی ہے، اس کی نسبت یاقوت کا بیان ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے جو شراب کی مذمت میں لکھی گئی ہے، اس کا نام خماسیۃ اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ حروفِ معجم پر مرتب کیگئی ہے، اور ہر حرف کے لئے ایک حرکت میں پانچ سجعات لکھے گئے ہیں یعنی مفتوحات میں پانچ، مضمومات میں پانچ، مکسورات میں پانچ، اور موقوفات میں پانچ، اس کا حجم تقریباً دس کراسہ ہے[2]،

(۵) ۴۱۲ھ میں بغداد کے ایک شاعر ابو الحسن علی بن عبد الواحد معروف بہ صریع الدلاء[3] (مصیبت زدہ) نے بغداد سے مصر کو جاتے ہوئے معرہ میں ابو العلاء سے شراب طلب کی تھی، اور چونکہ وہ اس کام کا اہل نہ تھا اس لیے زادِ راہ کے طور پر اس کو کچھ بھیج دیا[4]، اور معذرت میں اشعار لکھ بھیجے جن میں سے اشعارِ ذیل قابلِ ملاحظہ ہیں :-

قد استحییتُ منک فلا تکلّف	میں تجھ سے نادم ہوں اس لئے سوائے بہترین
الیّ شیءٍ سویٰ عذرٍ جمیلِ	عذر کے اور کسی چیز کی توقع مجھ سے نہ رکھ،
وقد انفذتُ ما حقّی علیہ	اور شراب پر میرا جو حق تھا وہ میں نے ادا کر دیا ہے
قبیح الھجو او شتم الرسول	بد ترین ہجو سے یا پیغمبر کی سی بدگوئی سے
فھب انّی دعوتُک للتصافی	اگر تو چاہتا تو میں تجھے سچے دوستوں کی
علیٰ غیر المعتقۃِ الشمول	طرح ساتھ رہنے کے لیے، شراب کہنہ و تازہ کے بغیر

[1] ابو العلاء و ما الیہ طبع سلفیہ مصر ص ۱۰۵ [2] معجم الادباء جلد اول صفحہ ۱۸۰ مرتبہ مارگولیتھ، طہٰ حسین نے اس کتاب کا نام حماسۃ الراح غلط لکھا ہے [3] اسکے ترجمہ کیلئے دیکھو ابن خلکان، و فوات الوفیات ج ۲ ص ۲۳ [4] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۳۵۹ (۱۳۱۰ھ مصر) [5] سقط الزند ص ۹۷

علیٰ راحٍ من الآداب صرفٍ	ادبیات کی خالص شراب سے
ونقلٍ من بسیطٍ او طویلٍ	اور بحور بسیط وطویل کی گزک سے تیری دعوت کرتا،

۶۔ کسی شاعر نے ابوالعلاء کو کوئی تحفہ بھیجا، اور اس کے ساتھ ہی ایک شعر لکھ کر بھیجا تھا، جس میں شراب کی تعریف کیگئی تھی، چنانچہ معری نے میمیہ[۱] میں اس کا جواب دیا ہے جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:۔

أوالیَ نعتِ الراح من شغفٍ بها	کیا تو شراب کا حامی و مددگار ہے کہ اس سے اپنے شغف
کأنّک خالٌ للمدامة اوعمٌّ	کی بنا پر تو گویا اس کا ماموں یا چچا بن گیا ہے،
وأنت ابوها ان غدت کرمیّةً	اور اگر وہ کریم الطبع ہو تو تو اس کا باپ ہے
وإن سکّنت راءً فوالدُها کرمٌ	اور اگر اس کی ر ساکن ہو جائے تو اسکا باپ انگور ہے،
ومن بعض جارات العراقین بابلٌ	اور عراقین کے بعض ہمسایہ شہروں میں سے بابل، اور عانہ ہیں
وعانةٌ والصهباء عند هما جمٌّ	(بابلیہ و عانی انھی سے منسوب ہیں) اور شراب انمیں بکثرت ملتی ہے،
ألم ترَ انّ الأوّلین الیهما	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ متقدمین نے شراب کی نسل کا
نموا حسبَ الخمر الذی رفع النظم	سراغ انھیں دو شہروں سے لگایا ہے کہ جس نے انکی شاعری کو بلند کر دیا
فایّاک والکأس التی بتّ ناعتاً	خبردار! یہ جام شراب کہ جسکی تو نے بکثرت مدح کی ہے
فما شربها الّا السفاهة والإثم	اس کا پینا حماقت اور گناہ ہے،

۷۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ ادبی واقعہ کا ذکر کرنا بیجا نہ ہوگا، ۳۹۹ھ میں جب ابوالعلاء بغداد پہنچا، اور وہاں کے محلۂ سویقۃ غالب میں قیام پذیر ہوا تو ربع الکرخ (بغداد) کے قاضی ابوالطیب طبری نے جو ایک جید فقیہ ہونے کے علاوہ شعر وسخن میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، ابوالعلاء کو شراب کے متعلق ایک پہیلی اشعار ذیل میں لکھ کر بھیجی،

---

[۱] سقط الزند ص۹۸ و ص۹۹

وماذات در لا یحل لحالب	وہ کونسی دودھ والی چیز ہے کہ جس کا پینا پینے والے کیلئے
تناوله واللحم منها محلل ،	جائز نہین ہے، اور اس کا گوشت حلال ہے،
لمن شاء فی الحالین حیا ومیتا	اور جو چاہے اسکو زندہ یا مردہ حالت مین بھی کھا سکتا ہے
ومن شاء شرب الدر فهو مضلل	اور جو کوئی اسکا دودھ پینا چاہے تو وہ گمراہ ہے،
اذا طعنت فی السن فاللحم طیب	جب وہ عمر رسیدہ ہوجائے تو اسکا گوشت نفیس ہوتا ہے
وآکله عند الجمیع معقل	اور اس کا کھانے والا سبھون کے نزدیک عقلمند سمجھا جاتا ہے
وخرفانها للاکل فیها کزازة	اور اس کی بچھڑیان کھانے مین خشک ہوتی ہین
فما لحصیف الرای فیهن مأکل	اور صائب الرای (پختہ کار) کیلئے انہین کوئی خوراک نہین ہے
وما یجتنی معناه الا مبرز	اس (پہیلی) کو وہی بوجھ سکتا ہے جو عالم و فاضل ہو اور
علیم باسرار القلوب محصل	دلون کے راز جانتا ہو،

ابوالعلار نے اس کے جواب مین فوراً اشعار ذیل قاصد کو لکھوائے اور بھیجدیئے،

جوابان عن هذا السوال کلاهما	اس سوال کے دونون جوابات
صواب وبعض القائلین مضلل	صحیح اور درست ہین، اور بعض جواب دینے والے گمراہ ہوجاتے ہین
فمن ظنه کرما فلیس بکاذب	تو جس نے اسے انگور سمجھا ہے وہ جھوٹا نہین ہے،
ومن ظنه نخلا فلیس یجهل	اور جس نے اسے خرما خیال کیا ہو وہ بھی ناواقف نہین ہے
لحومهما الاعناب والرطب الذی	ان کا گوشت دانہ ہائے انگور و خرما ہین جو
هو الحل والدر الرحیق المسلسل	حلال ہین اور ان کا دودھ بادۂ درخشان ہے،
ولکن ثمار النخل وهی غضیضة	مگر اوپر سے گری ہوئی کھجورین (خشک)
تمر وغض الکرم یجنی ویوکل	چھوارے ہین اور گرے ہوئے دانہائے انگور جمع کئے اور کھاجاتے ہین

یکلفنی القاضی الجلیل مسائلا	بزرگ قاضی صاحب مجھ سے ایسے مسائل دریافت کرتے ہین
ھی النجم قدرًا بل أعزّ وأطول	جو قدر و منزلت مین ستارہ ہین بلکہ انسے بڑھکر بلند رتبہ اور طویل ترین
ولو لم أجب عنها لکنت بجھلها	اور اگر مین اس (شراب) سے اپنی عدم
جدیرًا ولکن من یودّک مقبل[1]	واقفیت کی بنا پر جواب دیتا تو مناسب تھا لیکن جو تمہین چاہتا ہو وہ مبارک ہے

۸ - آخر مین ہم معرّی کے رسالۃ الغفران کا ایک اقتباس یہان پیش کرتے ہین جو شراب کی مذمت مین ہے، اور اگرچہ معرّی کی یہ عبارت مقفیٰ اور مسجع نثر مین ہے، اور زیادہ تر اسمین شراب کے مختلف نامون پر لفاظی کیگئی ہے تاہم اس کا صرف لفظی ترجمہ درج کیا جاتا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوسکیگا کہ معرّی شراب کا کسقدر دشمن تھا:-

"نشہ تمام مذاہب مین حرام ہے، کہا جاتا ہے کہ جو شخص نشّی اشیا پیتا ہو اس کو اہل ہند اپنے اوپر حکمران نہین بناتے کیونکہ وہ اسے برا سمجھتے ہین، اور کہتے ہین کہ کبھی سلطنت مین کوئی خبر پہنچے اور بادشاہ نشہ مین ہو تو اس کا محکوم ملک خوابِ غفلت مین پڑا رہے، قہوہ (شراب) پر لعنت کیگئی ہے، اور کئی لوگ ہین جو آسانی سے اسمین مبتلا ہو جاتے ہین، خمر (شراب) مین بھلائی نہین ہے کہ وہ ایگون پر قدم رکھواتی ہے جو کوئی صبوحی کش ہوا اور پھر اسکی مذمت کی تو وہ دانشمندی کی راہ پر گامزن ہوا، جس نے ام لیلیٰ (شراب) لندھائی تو گویا راہِ باطل مین اس نے اپنا سن گھسیٹا، جس کسی نے ام زنبق (شراب) کی خواہش کی تو اسی نے عقل کو خطرہ مین ڈال دیا، جس نے اپنے کفِ دست مین شراب اٹھائی تو اس نے ہدایت کو چھوڑ دینے مین عجلت کی، جس کسی نے عہد (شراب) کی صحبت مین بیٹھنا پسند کیا تو اس نے اپنے لباسِ وقار کو اتار

[1] حافظ سلفی نے ابوالعلاء کے حالات مین جو کتاب لکھی ہے اس مین یہ واقعہ خود قاضی ابوالطیب طبری کی روایت سے لکھا ہے، اور سلفی سے ابن خلکان اور ابن ظافر الازدی نے اپنی کتابون مین نقل کیا ہے، دیکھو وفیات الاعیان جلد اول صفحہ ۲۳۳ - بدائع البدایہ ج ۲ ص ۱۱۴،

پھینکا، جو قرقف (شراب) کا عادی ہوگیا تو وہ صریحی طور پر ناتجربہ کار ہے، جس نے خرطوم (شراب) کی عادت کی تو وہ نہال بے ثمر کی حالت مین رہا، عاتق (شراب کہنہ) کی مداومت آرزوؤن کو بارور ہونے سے روکتی ہے، سبیئہ (شراب خانہ ساز) کی مایوسی پردۂ راز سے تمام اسرار پنہانی کو باہر لاتی ہے، کمیت (شراب) مین کوئی فائدہ نہین ہے، کہ وہ اس کے زندہ کو مردہ بنا دیتی ہے، جو صرخدی (شراب) مین مبتلا ہوا تو وہ اپنی رسوائی کا فدیہ نہین دیسکا، اور شرابیون کا عہد کسقدر خیانت آمیز ہوتا ہے، کہ مضبوط سے مضبوط قسمون کو بھی توڑ دیتا ہے، اور سلافہ (شراب) مرکب ہے سل اور آفہ سے، قبیلۂ بنی کلاب کے کئی نوجوان عنفوان شباب مین چل بسے اور دنیا کی مسرتون سے محروم رہے، شراب کہنہ کی مداومت نے جس کی یہ علامات ہین ان کو ہلاک مرض سل مین مبتلا کر دیا، جس نے علی الصباح اٹھکر شمول (شراب تازہ) کا رُخ کیا تو اسکی (عقل و) رائے (سلائی پھری ہوئی) پھوٹی آنکھ کی نظر سے دیکھتی ہے، شرابی سے کوئی کم گنہگار ہوتا ہے، وہ ایک شیر ہے جو جنگل مین پہنچ گیا ہے[1]"

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العلاء نے اس "ام الخبائث" سے جو حافظ جیسے صوفیون کے نزدیک "بوسۂ دوشیزہ کا سے زیادہ شیرین و مرغوب" تھی، اپنے تئین محفوظ رکھا تھا
با ت
کو بھی اس سے محترز رہنے کی تاکید کرتا تھا،
ہین
ہین، اور بعض جوار ے والے گمراہ ہوجاتے

اس سلسلہ مین انگلستان کے ایک مستشرق نے یہ دعوٰ
سے انگور سمجھا ہے وہ جھوٹا نہین ہے،
برنبائے عقل تھا نہ برنبائے مذہب، اور اس کے لیے اس نے ابو العلاء کے
زما خیال کیا ہو وہ بھی ناواقف نہین ہے،
کئے ہین، اس شعر کو نقل کرتے ہوئے :-

ئے انگور و خرما ہین جو

ألیت ما توراتکم بمسنیرۃ ٭ مین قسمیہ کہتا ہون کہ تمھاری تو

ان الغیت فیھا الکمیت محللۃ[2] ٭ نہین ڈالتی، اگر اسمین وتنی پائی ودہ بادۂ درخشان ہے

ئی کھجورین (خشک)

[1] رسالۃ الغفران صفحہ ۱۴۲ [2] لزومیات جلد دوم صفحہ ۲۷۵،

انہا انگور جمع کئے اور کھا جاتے ہین

ڈاکٹر نکلسن لکھتا ہے :۔

"اگر دیکھا جائے تو یہ شعر توراۃ کے تحریف شدہ احکام کے برخلاف، قرآن مجید کے مستند ہونے کے متعلق، جو شراب کو حرام ٹھہراتا ہے، ایک سچے مسلمان کی التجا (اپیل) ہے، لیکن یہ تصریح اسکی اصل منطق کی طرف متوجہ نہیں کرتی، معری کا مے نوشی کی مخالفت کرنا غیر مذہبی ہے جیسا کہ لزومیات کے متعدد مقامات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے، مثلاً :۔

قل للمدامة وهي ضد للنهى[۱]	شراب سے کہدو کہ جو عقل کی مخالف ہے اور ہمیشہ،
تمضوا بها ابداً سيوف محارب[۲]	جنگجویوں کی تلوار کو میان سے باہر کر دیتی ہے،
يقول الناس ان الخمر تؤدي	لوگ کہتے ہیں کہ شراب سینہ میں سے
بما في الصدر من هم قديم	پرانے رنج وغم کو زائل کر دیتی ہے،
ولولا انها باللب تؤدي	لیکن اگر وہ عقل کو زائل نہ کر دیتی ہوتی تو
لكنت اخا المدامة والنديم[۲]	میں شراب اور شرابیوں کا دوست بن جاتا،

آسانی سے سمجھ میں صاف طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر توراۃ شراب نوشی کی اجازت دیتی ہے تو وہ ہمیں گمراہ جو کوئی صبوحی کش ہو اور پطاعت کرنی چاہئے نہ کہ وحی والہام کی، اور یہ بات کہ شراب کے معاملہ میں معری نے معافی تو گویا راہ باطل میں اس نے ان کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے[۳]"

تو اس نے عقل کو خطرہ میں ڈال دیا ہے کہ قرآن مجید کی ممانعت خمر سے معری کو کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن یہ ایک میں عجلت کی، جس کسی نے عہ تمام مستشرقین یورپ مبتلا ہیں، انھی باتوں کی وجہ سے تو یورپ نے معری کو

لہ حافظ سلفی نے ابو العلاء تمام کے خلاف کچھ مواد ہاتھ آئے، لیکن صاحب فہم اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں سے لکھا ہے، اور سلفی سے ابن مذمت کرتا ہے تو اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ایک قاضی یا مفتی کیطرح

جلد اول صفحہ ۲۳۳ ۔ بدائعہ ۱۱۶، ۲؎ ایضاً جلد دوم صفحہ ۲۶۷، ۳؎ اسٹڈیز ان اسلامک پوئٹری صفحہ ۱۶۷، ۱۶۸

آیات واحادیث بھی اپنے اشعار مین لایا کرے، اس کے لیے سوا ے اس کے چارہ کار نہین ہے کہ وہ عقلِ انسانی سے اپیل کرے۔ رہا یہ امر کہ توراۃ مین چونکہ شراب کا جواز پایا جاتا ہے، لہذا مذہب کو چھوڑ کر عقل پر چلنا چاہئے اور اس سے خواہ مخواہ یہ نتیجہ نکالنا کہ ابو العلاء نے بالواسطہ قرآن مجید پر عمل نہ کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ بھی نکلسن کی اختراع اور جدتِ طبع ہے، ورنہ ابو العلاء کے کلام مین کئی اشعار ایسے آئے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شراب کو مذہبًا ناجائز سمجھکر اس سے محترز رہتا تھا، چنانچہ کہتا ہے:۔

لو کانت الخمر حلًّا ما سمحت بها	اگر شراب حلال ہوتی تو مین اپنے لیے اسے ظاہر مین
لنفسی الدھر لا سرًّا ولا علنا	اور باطن مین نہ چھوڑتا،
فلیغفر الله کم تطفی مآربنا	خدا معاف کرے ہماری کتنی خواہشات پوری ہوتی
وربّنا قد احلّ الطیبات لنا[1]	رہتی ہین، حالانکہ خدا نے ہمارے لئے پاک چیزونکو حلال کر دیا ہے،

ایک اور جگہ کہتا ہے:۔

تمنیتُ ان الخمر حلت لنشوة	میری آرزو تھی کہ شراب صرف نشہ لانے کے لیے
تجهلنی کیف اطمانت بی الحال[2]	جائز ہوتی تاکہ وہ مجھے اس بات کو بھلا دیتی کہ مجھ پر کیا گذری،

اسمین کوئی شک نہین ہے کہ معری نے شراب نہ پینے کا یہ عذر معقول پیش کیا ہے کہ وہ عقل کو زائل کر دینے والی ہے، لیکن ایسا کہنا کسی طرح احکامِ قرآنی کے خلاف نہین ہو سکتا، بلکہ اس سے تو اسکی مزید تائید ہوتی ہے، مثلاً:۔

لا أشربُ الراح اشهی طیب نشوتها	مین شراب نہین پیتا کہ اسکی نشہ آور بو
بالعقل فضل انصاری واعوانی[3]	عقل کو توڑ دیتی ہے جو میرے مددگار و اور

پھر معری یہ بھی صاف صاف کہدیتا ہے کہ مین نے محتسب کے خوف سے ڈر کر شراب کو حرام نہین

---

[1] لزومیات جلد دوم ص۲۹۲، [2] سقط الزند ص۱۰۱ [3] لزومیات جلد دوم ص۵۱۵،

سمجھا بلکہ اس واسطے کہ وہ عقل کے لیے مضر ہے:۔

وحرمت شرب الراح لاخوف سائط — مین نے کسی درّہ مارنے والے کے خوف سے شراب کو
ولکنها ترمی العقول بعقال[1] — حرام نہین کیا لیکن اسلیے کہ وہ (پائے) عقل مین بیڑیان ڈالدیتی ہے

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا شراب سے باز رہنا ریاکاری کے طور پر نہ تھا، یعنی اگر وہ اس کو مذہبًا حرام سمجھتا ہے تو اس کے لیے اسکے پاس معقول وجہ بھی اس بات کی ہے کہ یہ عقل کو کھو دینے والی چیز ہے، ابوالعلاء کا ایک افرنجیت مآب سوانح نگار ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری بھی معری کے "رفض الخمر" کی وجوہات مین دینی وجہ کو پیش کرتا ہے، چنانچہ معری کے فلسفیانہ خصائص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"ولابی العلاء مع انہ من اصحاب — باوجودیکہ ابوالعلاء "اصحاب اللذۃ" (پیروان ابیکورس)
اللذۃ ستۃ[2] غریبۃ فی رفض — مین سے تھا، پھر بھی ترکِ شراب مین اس کو
الخمر، فقد حرمہا من جہات ثلاث — عجیب قسم کا تشدد ہے (؟) کہ اس نے شراب کو
من جہۃ العقل والصحۃ والدین[3] — تین وجوہ: عقل، صحت، اور دین کی بنا پر حرام کیا تھا

لیکن طٰہٰ حسین کا معری جیسے متشائم (PESSEMIST) فلسفی کو اصحاب اللذۃ مین شمار کرنا بالکل بے معنی ہے،

یہان ہم ابوالعلاء کے چند اشعار نقل کرتے ہین جنمین مختلف پیرایون مین اس نے شراب کی مذمت اور اس کے انسداد کی کوشش کی ہے:۔

(۱) ولو طرب الجماد لکان اولی — اگر جمادات خوش ہوتے تو بہتر تھا،
شروب الراح بالطرب الدنان[3] — کیونکہ شراب مٹی کے پیالون مین پی جاتی ہے،

---

[1] سقط الزند ص ۱۴۷، [2] ذکری ابی العلاء صفحہ ۳۰۴، [5] نسخہ مین غریبہ چھپا ہے جس کے معنی "اہل مغرب کا سا تشدد ہے" لیکن یہ نسخہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، یہ دراصل غریبہ ہے اور اسی لیے ہم نے یہی معنی لئے ہین [3] سقط الزند ص ۸۲،

(۲) عدِّ عن شاربٍ کأسٍ أسکرت
فھو مثل الکلب فی الرجس و لغ[۱]

اوس جام کے پینے والے سے جو نشہ لاتا ہے، دور رہو،
کیونکہ وہ کتے کی طرح نجاست آلودہ ہے،

---

(۳) انّ سرورٌ المدامِ لا یُدمِ
بل اعقبت بالھمومِ والسَدَمِ
والکأس من کاس فی التعثّر وال
ندمان لفظٌ اتی من ندَمِ[۲]

شراب کا سرور قائم نہین رہتا،
بلکہ (اترنے کے بعد) رنج وغم اور پشیمانی لاتا ہے،
لفظ کأس (پیالہ) من کأس الخ (جو مفلسی مین سکڑ کر بیٹھ رہا)
سے ماخوذ ہے اور لفظ ندمان (یاران مینوش) ندامت سے آیا ہے،

---

(۴) شرابک بئس الشئ سرّ دانما
افادسُرورًا باطلًا حین أسکرا[۳]

تیری شراب بدترین چیز پیدا کر دیتی ہے،
کیونکہ جب وہ نشہ لاتی ہے تو سرور باطل پیدا کرتی ہے،

---

(۵) لاتشربنّ الخمر فھی غویّۃٌ
ساقت بأنعمہا طویل الابؤسِ[۴]

ہرگز شراب نہ پی کہ وہ گمراہ کن ہے،
اسکی نعمتون کے ساتھ طویل مفلسی بھی لگی ہوئی ہے،

---

(۶) دع الراح فی راح الغواۃ مدارۃً
یظنّون فیہا حنوۃً وقرنفلا
تریع لہا اجناد ابلیس رغبۃً
وتنفر جرّاہا الملائکُ جفّلا[۵]

شراب کو گمراہون کے ہاتھون مین نرمی سے چھوڑ دے
جو یہ خیال کرتے ہین کہ اسمین حنوہ (ایک خوشبودار نبات) اور لونگ کی خوشبو ہے،
شیطان کا لشکر اسکی طرف اپنی رغبت سے خوش ہو کر آتا ہے
اور فرشتے اسکے پینے والون سے نفرت کرکے بھاگ جاتے ہین،

۱؎ لزومیات ج ۲ ص۳۳ ۲؎ ایضاً ص۲۷ ۳؎ ایضاً ج ۱ ص۲۸۹ ۴؎ ایضاً ج ۲ ص۳۴۲، ۵؎ ایضاً ص۱۶۸،

(۷) انّ کؤس المدام تشبھا	کاسہاے شراب اُن تلوارون کی مانند ہین
سیوف والموت فی مضاربھا	جن کی دھارون مین موت ہے،
ونملتھا ان تذوب فی جسد	اور ہم چاہتے ہین کہ وہ ہمارے جسم مین پیوست ہو جائین
اضرّ للنفس من عقاربھا	جو نفس کیلئے مصائب وآلام سے بڑھ کر ہے،
وکلّ ما أذھب العقول وان	اور ہر چیز جو عقل کو زائل کر دیتی ہے، اگر وہ عقل کے
خالفھا فھو من اقاربھا	مخالف ہو تو وہ شراب کے اقربا مین سے ہے،
جرّبھا عالم بشیمتھا	دنیا نے اس کی سیرۃ سے اس کا تجربہ کرلیا ہے، کہ
ویذھب اللبّ فی تجاربھا	عقل اس کے تجربہ کرنے مین زائل ہو جاتی ہے،
وقد تقضی الحیاۃ راضیۃ	اور شراب کے مقاصد کو حل کئے بغیر بھی زندگی،
بدون ما نیل من مآربھا[1]	خوشی سے بسر ہو سکتی ہے،
(۸) تالی الحجا واستشھد السکر أنھا	عقل قسم کھاتی ہے اور نشہ کو گواہی مین پیش کرتی ہے
ذمیمۃ غبّ لا تحلّ لشاربٖ[2]	کہ یہ دو شاب تلخ پینے والے کیلئے جائز نہین ہے،

ابو العلاء و ما الیہ

عربی زبان مین خیام عرب ابو العلاء کے حالات وسوانح اور اس کے مسائی پر بہترین تبصرہ
حجم ۲۴۴ صفحے، قیمت مجلد عہ، غیر مجلد ؎ مطبوعہ مصر،

"منیجر"

[1] لزومیات ج ۱ ص ۱۰۹، ص ۱۱۰
[2] ایضاً " ص ۱۰۱،

عبادت

از مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مصنف "الجہاد فی الاسلام"

(۲)

اب سوال یہ ہے کہ خدائے واحد کی پرستش تک رہنمائی حاصل کئے بغیر سلیم الفطرت انسان کیون مطمئن نہ ہو سکا، اور اس کے بعد کیون مطمئن ہوگیا؟ اس سوال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جو فطری جذبۂ پرستش پر مجبور کرتا ہے، اس کا اصل مقصود خدائے واحد ہی کی پرستش ہے، اور جبتک وہ اس مقصود کو پہنچ نہین جاتا، مطمئن نہین ہوتا اور نہین ہو سکتا، الا یہ کہ عقل وفکر کی نارسائی یا آباواجداد کی اندھی تقلید انسان کو بے اطمینانی محسوس ہونے نہین دیتی، جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہین، انسان کے اندر پرستش کا جذبہ فطری طور پر پیدا ہی اسلئے ہوتا ہے کہ وہ اور اس کا رونگٹا رونگٹا اور اس کے گردوپیش کائنات کا ذرہ ذرہ، خدا کی بندگی مین مشغول ہے، ایسی حالت مین جب ایک ظلوم وجہول انسان خدا سے ناواقف ہوکر غیر خدا کی پرستش کے لیے جھکتا ہے تو اس کے گردوپیش کائنات کا کوئی عنصر، حتیٰ کہ خود اس کے جسم کا کوئی جز اس کا ساتھ نہین دیتا، وہ جن پاؤن سے اپنے خود ساختہ معبود کی طرف بڑھتا ہے، وہ خدا کی عبادت مین چلتے ہین، وہ جن ہاتھون سے اسکے آگے نذر پیش کرتا ہے، وہ خدا کی بندگی مین حرکت کرتے ہین، وہ جس پیشانی سے اس کو سجدہ کرتا ہے وہ خدا کے سجدہ مین جھکی ہوتی ہے، وہ جس زبان سے اس کی بڑائی بیان کرتا ہے وہ خدا کی تکبیر وتسبیح مین مشغول ہوتی ہے، ایسی حالت مین اس کی یہ ساری پرستش، یہ تمام نیایش وگرایش، ایک جھوٹ، ایک افترا، ایک بہتان، ایک صریح جعل ہوتی ہے، جس کے بطلان پر کائنات کا ہر ذرہ گواہی دیتا ہے، اور خود انسان کی فطرت، اپنی لطیف وغیر محسوس آواز مین بار بار اسے تنبیہ کرتی ہے کہ یہ تو کس دھوکے مین پڑگیا ہے؟ کیا تجھے بندے کی بندگی، پرستار کی پرستش، فرمانبردار کی فرمانبرداری کرتے شرم نہین آتی؟ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ،

اس کے علاوہ ایک اور باریک نکتہ یہ بھی ہے کہ بندگی، اور پرستش دونون توأم ہین، ایک ہی کل کے

دو لاینفک جز ہین، جنکی فطرت ایک ہی ہے، اور وہ اس کی مقتضی ہے کہ دونون ساتھ ساتھ رہین، پس جب انسان اپنی جہالت و بے خبری سے ان دونون کو جدا کر دیتا ہے، اور بندگی ایک کی کرتا ہے اور پرستش دوسرے کی، تو یہ تفریق و تقسیم فطرت کے خلاف واقع ہوتی ہے، اور ایک نہایت خفی و غیر محسوس تحت الشعوری بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے، کیونکہ پرستش اپنی فطرت کی بنا پر بندگی سے مل جانا چاہتی ہے، اور انسان اپنی ناسمجھی کے باعث اسکو نہین ملنے دیتا، پھر جب انسان کی جہالت کا پردہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے، اور اسے اس حقیقت کا علم حاصل ہوجاتا ہے کہ معبود وہی ہے جو مالک، خالق، اور پروردگار ہے، تو بندگی اور پرستش دونون باہم مل جاتی ہین، اور اس وصال سے وہ لطف، وہ مزا وہ اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے جو ہجر و فراق کی حالت مین مفقود تھا،

اسی بندگی و پرستش کی ہم آہنگی سے انسان کو دوسری مخلوقات پر شرف حاصل ہوتا ہے، اور وہ اس مرتبہ پر پہنچتا ہے جسے خدا نے اپنی "خلافت" و نیابت سے تعبیر کیا ہے، اور جس پر پہنچنا انسان کی پیدایش کا اصلی مقصود ہے، قرآن حکیم مین یہ مضمون اس پیرایہ مین بیان کیا گیا ہے کہ جب خدا نے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو کہا کہ مین زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہون، فرشتون نے عرض کیا کہ کیا تو اس ہستی کو اپنا نائب بنانا چاہتا ہے جو زمین مین فساد پھیلائے گی اور خونریزیان کریگی، حالانکہ تیری نیابت کے مستحق ہم ہین، کہ تیری حمد و ثنا کرتے اور تیری تسبیح و تقدیس مین لگے رہتے ہین، مگر خدا نے جواب دیا کہ تم اس حقیقت سے ناواقف ہو جو میرے علم مین ہے، اور پھر اس نے فرشتون پر انسان کی فضیلت اور خلافت و نیابت کیلئے اس کی اہلیت ثابت کرنے کے لیے آدم کو حکم دیا کہ جو علم ہم نے تجھ کو عطا کیا ہے وہ ان کے سامنے پیش کر، چنانچہ جب آدم نے اپنا علم پیش کر دیا، اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسان خدا کی بندگی و پرستش صرف جبلت ہی کے اعتبار سے نہین، بلکہ علم و معرفت کی بنا پر بھی کریگا، تو انھون نے تسلیم کر لیا کہ فی الواقع خدا کی نیابت کا مستحق انسان ہی ہے، اور وہ سب اس کے آگے جھک گئے، اب اگر انسان بھی علم و عرفان کے بغیر محض بندگی کرتا رہے جیسے وہ مجبول ہے تو اسمین اور ملائکہ اور شجر و حجر اور لایعقل حیوانات مین کوئی فرق

نہین رہتا اور اس کا استحقاقِ خلافت باطل ہو جاتا ہے، بلکہ اگر وہ اپنی تخلیق کے اصل مقصد سے ہٹ کر علم سے بے بہرہ رہے، اور جو وسائل علم و معرفت اسکو عطا کیے گئے ہین ان سے کام نہ لے، اور اس جہالت و ناواقفیت کیساتھ زمین مین فساد پھیلائے، خونریزیان کرتا پھرے، اور وہ سرکشیان کرنے لگے جو دوسری مخلوق نہین کرتی، تو وہ جانورون سے بھی بدتر ہو جاتا ہے،

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا، وَلَهُمْ	وہ دل رکھتے ہین مگر ان سے سمجھنے کا کام نہین
أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا، وَلَهُمْ آذَانٌ	لیتے، وہ آنکھین رکھتے ہین مگر ان سے نہین دیکھتے،
لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا، أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ	وہ کان رکھتے ہین مگر ان سے نہین سنتے، وہ
بَلْ هُمْ أَضَلُّ، أُولَٰئِكَ هُمُ	جانورون کی طرح ہین بلکہ ان سے بھی گئے گذرے
الْغَافِلُونَ، (۷-۲۲)	وہ غفلت مین پڑے ہوئے ہین،

اور یہی حالت ہے جس کے متعلق ایک دوسرے مقام پر کہا گیا ہے:-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ	ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا تھا،
تَقْوِيمٍ، ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ، (۹۵-۱)	پھر اسے کمتر مخلوق کے درجہ سے بھی نیچے گرادیا،

اس اسفل سافلین کے درجہ مین گرنے سے جو چیز انسان کو بچاتی ہے، وہ وہی معبود حقیقی کا علم و عرفان ہے، جس کی سب سے زیادہ مضبوط اور یقینی حالت کا نام "ایمان" رکھا گیا ہے، اور جس کے ساتھ ضروری ہے کہ انسان اس علم پر عمل یعنی صحیح طریقہ سے اس معبود کی عبادت بھی کرے، اِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، تب وہ اپنی تخلیق کے اصل مقصد کو پورا کریگا، اور اس منصب نیابت و خلافت کو پائیگا جس کے لیے خدا نے اسکو پیدا کیا تھا،

اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہین جہان عبادت کا صحیح اور مکمل مفہوم واضح طور پر ہمارے سامنے آجاتا ہے، اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ عبادت کے اجزار معنوی دو ہین جنکی ترکیب سے عبادت کا مفہوم مکمل ہوتا ہے، ایک بندگی یعنی قانون فطرت کی ٹھیک ٹھیک پیروی اور اسکی خلاف ورزی سے

اجتناب، دوسرے پرستش، جو اپنی تکمیل کے لیے دو چیزون کی محتاج ہے،

ایک یہ کہ انسان اپنے وجدان صحیح اور عقل سلیم سے کام لیکر اپنے حقیقی معبود کا علم وعرفان حاصل کرے اور اس پر پوری مضبوطی کے ساتھ جم جائے، اس کے معنی صرف یہی نہین ہین کہ وہ خدا کے ہونے اور اس کے قابل پرستش ہونے پر یقین کامل رکھے، بلکہ اس اعتقاد کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ خدا کے سوا کوئی نفع وضرر پہنچانے والا، رزق دینے اور پالنے والا، حفاظت اور خبرگیری، اور نصرت وامداد کرنے والا، اور اس کارگاہ عالم کو چلانے والا نہین ہے، لہذا اگر کوئی خوف اور ڈر، محبت ورغبت، اعتماد و توکل کے قابل ہے تو وہ خدا ہی ہے، اور یہ کہ خدا ہر وقت اپنے بندے کو دیکھتا اور اسکی ظاہر و پوشیدہ تمام حرکات سے باخبر رہتا ہے، اور وہ ایک دن ضرور اس کے تمام اعمال کا حساب لیگا، اس اعتقاد ویقین کا نام "ایمان" ہے، اور یہ خدا پرستی کی بنیاد ہے جس کے بغیر پرستش مین خلوص، یکسوئی، توجہ اور خشوع حاصل ہونا محال ہے،

دوسرے یہ کہ انسان خدا کے احکام کی پوری پوری اطاعت کرے یعنی جن افعال کو خدا نے حرام، ممنوع اور مذموم قرار دیا ہے ان سے پرہیز کرے، جن افعال کی اس نے اجازت دی ہے انھی کے دائرے مین اپنے عمل کو محدود رکھے، اور جن افعال کو اس پر فرض اور لازم قرار دیا ہے ان کو پابندی کیساتھ بجا لائے، اسکا نام "عمل صالح" ہے،

ان دونون عناصر کی آمیزش سے پرستش کی تکمیل ہوتی ہے، اور بندگی و پرستش کے امتزاج سے وہ عبادت مکمل ہوتی ہے جس سے انسان کو ساری کائنات پر شرف حاصل ہوتا ہے اور دنیوی زندگی مین اسکی بدولت غایت درجہ کی کامیابی یعنی خدا کی خلافت ونیابت نصیب ہوتی ہے، اور آخرت مین انتہا درجہ کی فلاح یعنی خدا کی خوشنودی میسر آتی ہے جو سراسر لذت ونعمت ہے،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ	تم مین سے جو لوگ ایمان لائے ہین اور جنھون
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	نے عمل صالح کیا ہے، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے

فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا، يَعْبُدُوْنَنِیْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِیْ شَيْئًا۔

(۲۴-۷)

کہ ضرور ان کو زمین مین اپنا خلیفہ بنائیگا جسطرح ان سے پہلے ایسے ہی لوگون کو بنا چکا ہے اور جس دین کو خدا نے ان کے لیے پسند کیا ہے اسے مضبوطی کیساتھ قائم کریگا، اور ان کو خوف کے بدلے امن عطا کریگا، بس وہ میری عبادت کرین اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرین،

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ، (۲۴-۷)

مومنون کو جب خدا اور اس کے رسول کیطرف بلایا جاتا ہے، تاکہ ان کے درمیان حکم کرے، تو وہ کہتے ہین کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، یہی لوگ فلاح پانے والے ہین، اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کریگا اور اس سے ڈریگا اور اسکی ناخوشی سے پرہیز کریگا، تو ایسے ہی لوگ آخرکار کامیاب ہونگے،

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ، يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ، (۲۴-۵)

ایسے لوگ جنکو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہین کرتی، اور جو اس دن سے ڈرتے ہین جسمین دل الٹنے اور آنکھین پتھرا جانے کی نوبت آجائیگی، ان کے بہترین عمل کی جزا اللہ دیگا اور اپنے فضل سے ایسی جزا دیگا جو انکے عمل سے بڑھکر ہوگی

یہ وہ عبادت ہے جو تسبیح و مصلے، اور مسجد و خانقاہ تک محدود نہین ہے، بلکہ اس کا عالم اتنا وسیع ہے کہ ایک مومن اللہ کے قانون کی پیروی اور اسکی شریعت کے اتباع مین دین اور دنیا کا جو کام کرتا ہے وہ عبادت ہوتا ہے، حتی کہ بازارون مین اسکی خرید و فروخت، اور اپنے اہل وعیال مین اسکی معاشرت، اور اپنے خالص دنیوی کاروبار کے لیے اسکی تگ و دو بھی داخلِ عبادت ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ سب کچھ وہ اللہ کے خلیفہ اس کے نائب، اس کے خاص نوکر کی حیثیت سے کرتا ہے،

اس خلافت، اس نوکری کا صحیح تصور ذہن نشین کرنے کے لیے ایک مرتبہ پھر حکومت کی مثال کی طرف رجوع کیجئے، دنیوی حکومتون مین ہم دیکھتے ہین کہ ان کے تابع فرمان دو قسم کے لوگ ہوا کرتے ہین، ایک رعیت جو عام ملکی قوانین کی پیروی کرتی ہے اور اس کے معاوضہ مین حکومت ان کو امن، اور معاش اور خوشحالی کے اسباب مہیا کرتی ہے، اور دوسرے رعیت ہی مین سے وہ مخصوص لوگ جنھین بادشاہ یا صاحب امر اپنی ملازمت مین رکھتا ہے اور وہ اس کے نائب کی حیثیت سے حکومت کی خدمات انجام دیتے۔ اور اس کے احکام ملک مین نافذ کرتے اور رعایا کی نگرانی و حفاظت کرتے ہین، یہ لوگ عام رعایا کے مقابلہ مین حکومت کے زیادہ مقرب ہوتے ہین، عام ملکی قوانین کے علاوہ ان کے لئے مخصوص ضوابط و احکام ہوا کرتے ہین جن کی انھین اطاعت کرنی پڑتی ہے، اور اس اطاعت اور بادشاہ یا صاحب امر کی وفاداری و رضا جوئی مین وہ جتنے زیادہ بڑھے ہوئے ہوتے ہین، اتنے ہی زیادہ بڑے مدارج انھین عطا کیے جاتے ہین، قریب قریب یہی حال ان لوگون کا ہے جنھین خدا کی خلافت و نیابت عطا کیجاتی ہے، ان لوگون کی دو حیثیتین ہین، ایک حیثیت تو بندہ ہونے کی ہے جسمین وہ عام بندون کی طرح قوانینِ فطرت کے تابع رہتے ہین، اور دوسری حیثیت خاص نوکر ہونے کی ہے جسمین انھین اللہ کے احکام یعنی اوامر و نواہی اور فرائض و واجبات کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنی ہوتی ہے، اور خدا کی طرف سے ان کے سپرد یہ کام ہوتا ہے کہ اس کے بندون کی نگرانی و حفاظت کرین، اسکی زمین پر امن قائم کرین، اس کے احکام و اوامر کو نافذ کرین، اور اسکی رعایا کو سیدھی راہ دکھائین اور غلط راہ سے روکین،

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۲-۱۷)	اس طرح ہم نے تم کو ایک بہترین عادل امت بنایا، تاکہ تم دنیا کے لوگون پر نگران رہو، اور رسول تم پر نگران رہے،
هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ (۲۲-۱۰)	اس نے تمہارا نام اس سے پہلے بھی اور اس کتاب مین بھی مُسلم (اطاعت گذار) رکھا ہے، تاکہ تم پر رسول نگران رہے، اور تم لوگون پر نگران رہو، پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ کے راستے پر جمے رہو،
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳-۱۱)	تم مین ایک گروہ ایسا رہنا چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے، نیکوکاری کا حکم دے، اور بدکاری سے روکے،
اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (۲۲-۶)	یہ وہ لوگ ہین جن کو اگر ہم زمین مین طاقت بخشین گے تو یہ نماز قائم کرین گے، زکوٰۃ دینگے، نیکی کا حکم کرینگے اور بدی سے روکین گے،

یہ تمام اعمال یعنی نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، اللہ کے راستے پر ٹھیک ٹھیک چلنا، اس کی اطاعت گذاری کرنا، اس کے بندون کی نگرانی کرنا، نیکی کی دعوت دینا، بدی سے روکنا، اور عدل قائم کرنا، وہ خدمات ہین جو خدا کے خلیفہ، نائب، اور خاص ملازم ہونے کی حیثیت سے ان کے تفویض کیگئی ہین، اور ان خدمات کی انجام دہی کا نام عبادت ہے، ان مین سے جو شخص جتنی زیادہ تن دہی کے ساتھ یہ عبادت کرتا ہے، اور اپنے بادشاہ کی

اطاعت، وفاداری، رضاجوئی، اوراس کی نافرمانی سے احتراز، اوراس کے غضب سے خوف کرنے مین جتنا زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، اسکو بادشاہ کی جناب مین اتنا ہی زیادہ تقرب حاصل ہوتا ہے، اتنا ہی بڑا عہدہ ملتا ہے، اوراسی قدر بڑا اجر عطا کیا جاتا ہے، اِنَّ اکرمکم عند اللہ اَتقٰکُمْ خدا کے نزدیک تم مین سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اور

ومن یطع اللہ ورسولہ ویخش	جو کوئی اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت
اللہ ویتقہ فاولئک ھُمُ	کرتا ہے اوراس سے ڈرتا اوراسکی ناخوشی
الفائزون ، (۲۴-۶)	سے پرہیز کرتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے،

یہ ہے اس عبادت کی حقیقت جس کے متعلق آجکل لوگون نے سمجھ رکھا ہے کہ دنیا اوراس کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہین ہے، اور وہ صرف نماز روزے اور تسبیح وتہلیل تک محدود ہے،

تاریخ گجرات کا ایک ورق

ولبھی راج کی تباہی

از

مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی سابق مدرس عربی و فارسی بہادر ہائی اسکول احمد آباد

(۲)

اس عظیم الشان شہر کی ویرانی اور تباہی جو ڈھائی سو سال سے زیادہ عرصہ تک عروس البلاد بنا رہا، کیونکر ہوئی، یہ ایک راز سربستہ ہے جو ابھی تک لوگوں کے نظروں سے پوشیدہ ہے،

اس کی تباہی کے متعلق دنت کتھا (داستان) کے طور پر مختلف روایات مشہور ہیں کسی نے کہا کہ اسکی تباہی پارتھن کے ذریعہ ہوئی، کوئی "بہن" کا نام لیتا ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ یہ لوگ "کیتی" تھے، الیٹ صاحب نے بھی اس کے متعلق کوئی خاص نظریہ نہیں پیش کیا، کچھ لوگ اس طرف بھی گئے ہیں، کہ سندھ کے عربوں نے اس کو ویران کر ڈالا، اور بعض نامر تیر (کتبہ) سے اس کی تصدیق کی کوشش بھی جاری ہے، میں ذیل میں پہلے ان داستانوں کو تحریر کرتا ہوں، پھر اس کے متعلق خاص بحث کرونگا، کہ یہ شہر کس عہد میں تباہ ہوا اور کسطرح ہوا،

جینی کتابوں میں ہے کہ "ڈھنڈلی مل" ایک سادھو مع اپنے چیلے کے ولبھی پور آیا، اور شہر کے پاس اپنا استھان بنایا، چیلا شہر میں خیرات مانگنے گیا، مگر کسی نے کچھ نہ دیا، مجبوراً وہ جنگل میں جاکر لکڑیاں کاٹ لایا، اور فروخت کرکے کچھ پیسے حاصل کئے، اور ان پیسوں سے آٹا خرید کر روٹی پکوانی چاہی تو لوگوں نے اس سے بھی انکار کر دیا، آخر ایک کمہار کی بیوی نے روٹی پکادی، وہ چیلا ایک زمانہ تک اسی طریقہ پر عمل پیرا رہا، آخر ایک دن

سادھو نے چیلے سے دریافت کیا کہ تیرے سر کے بال کیون گرنے لگے، اس نے اصل حقیقت بیان کی کہ روزانہ لکڑی سر پر اٹھانے سے بال گر رہے ہین، سادھو نے کہا کہ اچھا کل ہم خود جائین گے، چنانچہ وہ گیا، مگر سوا کمھار کے کسی نے کوئی خیرات نہ دی، اس سے سادھو کو بڑا غصہ آیا، اس نے کمھار سے کہلا بھیجا کہ تو اپنا خاندان لیکر یہان سے نکل جا کیونکہ اب یہ شہر ویران ہو جائیگا، مگر جاتے وقت تو پیچھے پھر کر نہ دیکھنا، چنانچہ کمھار چلا گیا، مگر جب بھاؤنگر کے پاس پہنچا، تو اس کی عورت نے پھر کر دیکھ لیا، جس سے وہ اسی وقت پتھر کی ہوگئی، لوگون نے اس کا نام "رودا پوری" ماتا رکھا، اور پھر سادھو نے بقال کا ایک برتن لیکر اوندھا دیا، اور کہا کہ شہر اسی طرح اوندھا ہو جائے اور اس کی دولت مٹی ہو جائے، چنانچہ ولبھی پور اسی وقت تباہ ہوگیا، اس کہانی سے خوش اعتقادی کو الگ کرکے مندرجۂ ذیل باتین معلوم ہوتی ہین،

(۱) جینی راوی نے اس سادھو کے چمت کار (کرامات) جس آب و تاب سے بیان کئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سادھو جینی تھا، (۲) یہ کہ ولبھی پور کی کثیر آبادی بودھ تھی کیونکہ صرف اس عہد مین نہین بلکہ مسلمانون کے عہد تک سندھ اور گجرات کی غالب آبادی کے بدھ ہونے کا ثبوت عرب سیاحون کے سفرنامون سے ملتا ہے (۳) یہ کہ بدھ اور جینیون مین سخت عداوت تھی، اور ایک دوسرے کے ساتھ مذہبی جنگ برپا تھی کیونکہ ولبھی کے باشندے مالدار اور فیاض تھے، یہ بالکل ناممکن ہے کہ ایک سادھو اس طرح بے آب و دانہ اس جگہ قیام کرے اور لوگون کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور ایک وقت کا کھانا بھی اس کو میسر نہ آئے، یہ واقعہ صرف اس صورت مین ہو سکتا ہے کہ سادھو جینی ہو اور ولبھی پور کے بودھیون کے تعلقات جینیون سے کشیدہ ہون (۴) وہ کمھار غالبًا جینی نیچ ذات کا ہوگا، (۵) جس مقام پر رہتا تھا وہ یا تو ولبھی پور کا کوئی آخری محلہ ہوگا، یا قریب تر گاؤن (۶) غالبًا اس محلہ یا گاؤن کا نام "رودا پور" ہوگا،

اب دوسری کہانی ملاحظہ ہو جو عام گجراتی تاریخون مین موجود ہے اور تقریبًا ہر ہندو مصنف نے درج کی ہے، ولبھی پور مین ایک شخص "کاکو" نامی بڑا دولتمند بنیا تھا، ولبھی پور کے بڑے بڑے مکانات اس کے

گجرات پر عربون کا سب سے پہلا حملہ ۱۵ھ (۶۳۶ء) مین تھانہ پر ہوا ہی، اس وقت ولبھی راجون مین سے دھروسین دوم (۶۴۴ء) تخت نشین تھا، اس کے کچھ دنون بعد پھر بھروچ پر حملہ ہوا، اس وقت بھروچ مین تو گوجرون کا راج تھا، مگر پولکیشی دوم (دکنی چالوکیہ) جیسا کہ ویجاپور کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے[1]، اس تمام جنوبی گجرات پر شہنشاہی کر رہا تھا، بھروچ کا گوجر راجہ "دد" دوم (۶۳۳ء) نامی تھا، ۹۳ھ (۷۱۱ء) مین محمد بن قاسم نے سندھ فتح کرلیا، اور تکمیل انتظام کرنے کے بعد بھیلمان کی طرف رُخ کیا، اور یہان کے لوگون نے بغیر جنگ کے اطاعت مان لی[2]، اس کے بعد ہی محمد بن قاسم عرب واپس بلا لیا گیا، اس وقت شمالی گجرات (ولبھی پور) پر شلادت چہارم (۶۹۱ء–۷۲۲ء) اور بھروچ پر جے بھٹ سوم (۷۳۵ء) اور جنوبی گجرات پر چالوکیہ مین سے دنیادت منگل راج (۷۳۱ء) حکمرانی کر رہے تھے، محمد بن قاسم کے جانے کے بعد جو گورنر آئے وہ خانہ جنگی مین اس طرح مبتلا رہے کہ نہ وہ صرف بھیلمان بلکہ خود سندھ کو بھی سنبھال نہین سکے، اور سندھ کے متعدد ضلع عربون کے ہاتھون سے نکل گئے، ۷۲۶ء مین جنید سندھ کا گورنر ہو کر آیا، اس نے سندھ کا انتظام کرکے اپنے ہاتھون کو ساتھ لیا، اور گجرات پر حملہ آوری کے لیے روانہ ہوگیا اور اس سے پہلے "چھوٹے دن" کو طے کرکے مرمد آیا، پھر یہان سے مانڈل (ویرم گاؤن کے پاس) پہنچا اور یہان سے چلکر "دھینج" جا اُترا (جو رادھن پورا اور پنجاسر کے پاس ہے اور آجکل ایک چھوٹا سا گاؤن رہ گیا ہے) پھر یہان سے سیدھا بھروچ پر حملہ آور ہوا، بھروچ سے حبیب نامی ایک جنرل نے سیدھے اُجین (مالوہ) کا راستہ لیا، اس کو فتح کرکے "بہر مد" اور پھر بھیلمان پہنچکر گوجرون کو مطیع کرتا ہوا سندھ واپس چلا گیا[3]، اس وقت ولبھی پور کے تخت پر شیلادت پنجم (۷۲۲ء) اور بھروچ مین جے بھٹ سوم (۷۳۵ء) راج کر رہے تھے، اور جنوبی گجرات مین چالوکیہ خاندان کا تیسرا راجہ دنیادت منگل راج (۷۳۱ء) بر سر حکومت تھا، اور دکن مین ایک جدید طاقت پیدا ہو چکی تھی، اب سندھ کے گورنر جنید کے مفتوحہ مقامات پر نظر ثانی کرو، ان مین سے ایک مقام "مرمد" اور دوسرا "بہری مد" ہے جسکا صحیح پتہ نہین چلا کہ اصلی

[1] پراچین اتہاس فصل چالوکیہ [2] بلاذری فتح سندھ مطبوعہ مصر ص ۴۳۵ [3] ایضاً،

نام کیا تھا، تاہم ہمکو اس قدر معلوم ہے کہ اس کی جائے وقوع کیا ہے، کیونکہ جنید سندھ سے جب چلا ہے تو سب سے پہلے "مرمد" مین آیا، اور پھر مانڈل جو ویرم گام کے پاس ہے، اس لیے نقشہ کے دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے، کہ "مرمد" غالباً "چھوٹے دن" سے قریب تر کوئی جگہ ہے، جہان دم لینے کے لیے عربون نے پہلا پڑاؤ ڈالا، پھر اُجین (مالوہ) سے چل کر "بہری مد" ہوتے ہوئے بھیلمان پہنچے تو معلوم ہوا کہ "بہریمد" مالوہ اور بھیلمان کے درمیان ہے،

اس عہد کے سیاسی حالات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گو گجرات مین مختلف حکومتین تھین لیکن اس وقت ان سب پر شہنشاہی دکنی سولنکی کی تھی، جنکی سرحدین سندھ سے ملی تھین، چونکہ سولنکی خاندان عروج پر تھا، اس لیے ہر طرف اس کی دھاک بیٹھی تھی، بھروچ کے گوجر، جنوبی گجرات کے جاگیردار ان کے ماتحت تھے، چونکہ سندھ اور گجرات کی سرحدین ملی ہوئی تھین، اسلئے اغلب یہ ہے کہ کسی سرحدی تنازعہ سے اس کی ابتدا ہوئی ہوگی اور آخر صورت جنگ کی پیدا ہوگئی، جیسا کہ خود سندھ کے راجاؤن کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ پیش آچکا تھا[1]، اور یہ جنگ چونکہ صرف سولنکی کے خلاف تھی اس لئے ہم دیکھتے ہین کہ جنید نے صرف انھین لوگون سے جنگ کی جو دشمن تھے یا معاون دشمن، پس جنید سے پہلی جنگ مانڈل مین ہوئی، اور دوسرا معرکہ دھنج کے میدان مین ہوا، جہان پنجاسر کی پوری سولنکی طاقت پاش پاش ہوگئی، ادھر بھروچ ان کے ماتحت تھا، اس لیے ان کے پاس بڑے مدد آئے ہونگے، اور جب جنید کو اس کی خبر لگی تو فوراً بھروچ پہنچا، اور ایک ہی جنگ مین اس کا بھی خاتمہ ہوگیا، پھر اسکو معلوم ہوا کہ اجین کے لوگ حملہ کی تیاری مین مصروف ہین، قبل اس کے کہ اجین والے ادھر آئین خود اس نے حملہ کرکے فتح کرلیا، ادھر فاتح اپنے ملک سے (سندھ) بہت دور نکل گئے تھے اور دشمنون نے دوسری طرف اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا، یعنی بھیلمان مین گوجرون کا ایک بڑا مجمع ان کی روک تھام کے لیے موجود ہوگیا، جنید نے دیکھا کہ اب آگے بڑھنے مین خدشہ ہے، اور

[1] تاریخ ہند جلد اوّل صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن،

بھیلمان مین گوجرون کی طاقت اگر جمع ہوگئی تو واپسی مین دشواری ہوگی اس یے بڑی تیزی سے بھیلمان پہنچا اور گوجرون کی اس طاقت کو بھی فنا کرتا ہوا سندہ واپس چلا گیا، اس جنگ مین جنید نے چالیس کروڑ کا مال غنیمت حاصل کیا[1]، کاٹھیاواڑ اور گجرات کے مختلف سرحدی مقامات پر چوکی بٹھا دی، اور ان کی حفاظت کا بہتر ین انتظام کر گیا،

میرے اس بیان سے آپ کو معلوم ہو گا، کہ جنید نے صرف اُن سے جنگ کی جو اس کے دشمن یا دشمنون کے مددگار تھے، لیکن جو غیر جانب دار تھے، ان کو مطلق نہین چھیڑا، چنانچہ سومناتھ پٹن ایک بڑی بندگاہ تھی وہان نہین گیا، کنھبائت بندر" بھرورچ کے راستہ مین تھا، اس نے اس کو بھی نظر اٹھا کر نہین دیکھا، اور اسی لیے ولبھی پور بھی نہین گیا کہ شلادت راجہ غیر جانبدار تھا، ورنہ اگر جنید گیا ہوتا، تو وہ ایک ایسی جگہ تھی جس کا نام عرب مورخین ضرور لیتے عربی تاریخون مین چھوٹی چھوٹی جگہون کے نام موجود ہین، ولبھی پور جو بڑا دولتمند شہر تھا اس کو کس طرح بھول سکتے تھے، علاوہ ازین یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے بعد بھی شلادت ششم اور شلادت ہفتم ولبھی پور مین راج کرتے رہے ہین،

میرے اس قول کی تائید اس کتبہ سے بھی ہوتی ہے جو چالوکیہ راجہ کے عہد کا نوساری سے دستیاب ہوا ہے، چنانچہ پول کیشی جناشر کے عہد کا ایک کتبہ ہے جسمین تحریر ہے کہ" عرب لشکر نے سندھ، کچھ، سوراسٹھ، چاوڑا، موریا (مارواڑ) اور بھیلمان کی سلطنت کو حیران کیا" یہ کتبہ ۳۵۰ شتہ؁ (۷۳۹ء) (بعہد پول کیشی) کا ہی گویا اصل واقعہ سے دس بارہ برس بعد کا ہے، اس کتبہ مین بھی کچھ، چاوڑا، موریا، بھیلمان کا ذکر ہے مگر ولبھی پور کا کوئی ذکر نہین ہے، اگرچہ سوراسٹھ کا نام لیا گیا ہے، مگر اس سے ولبھی سلطنت مراد نہین لیجا سکتی، کیونکہ ولبھی پور کوئی غیر معروف مقام نہ تھا کہ اس کے بجائے کوئی معروف جگہ سوراسٹھ کے نام سے تحریر کی جاتی،

اس مین کوئی شبہہ نہین کہ جب کوئی لشکر کسی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس ملک مین بدامنی پھیل

[1] ابن خلدون صفحہ ۲۹ جلد پنجم اُردو،

جاتی ہے، مخلوق حیران ہو جاتی ہے ہزاروں فرزندان وطن تہ تیغ کئے جاتے ہین، عرب حملہ مین بھی یہ سب باتین ہوئی ہونگی، لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس حملہ سے ملک کو کثیر فوائد بھی پہنچے، اول پنجاسر کی سولنکی طاقت فنا ہو جانے سے چاوڑا خاندان کو پھر موقع ملا کہ اپنی موروثی سلطنت پر قابض ہو جائے، چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ کچھ ہی دنون کے بعد بن راج چاوڑا ایک مستحکم سلطنت کا بانی ہو رہا ہے، دوم یہ کہ جنوبی گجرات مین جو طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی اور بھروچ، نادوت، بڑودہ، نوساری، وغیرہ مین چھوٹے چھوٹے راجے سلطنت کر رہے تھے، ان کی طاقت آہستہ آہستہ کم ہونے لگی، اور کچھ ہی دنون کے بعد یہ سلطنتین فنا ہو کر ایک متحدہ طاقت کیساتھ وابستہ ہو گئین،

حملہ عمر بن جمل | اسکے بعد تقریباً تیس برس تک عربون نے گجرات کی طرف رخ نہین کیا، پھر جب خلیفہ منصور عباسی کے عہد (۱۴۲ھ ۷۵۹ء) مین ہشام سندھ کا گورنر ہو کر آیا، تو گجرات پر ایک حملہ ہوتا ہے اور یہی حملہ ہماری بحث کا موضوع ہے یہ حملہ اسی عمر بن جمل کی سرکردگی مین انجام پایا، عمر بن جمل کو گجرات کے طرف بھیجا، عمر جہازون کا ایک بیڑا لیکر بارد (بھاڑبھوت متصل بھروچ) پہنچا، اور غالباً اس وقت اس کو کچھ زیادہ کامیابی نہین ہوئی، اس لیے جلد واپس چلا گیا، اور جدید تیاری کے بعد جہازون کا ایک بڑا بیڑا لیکر گندھار بندر (ضلع بھروچ) پر آپڑا اور فتح کر کے کچھ دنون اس نے یہان قیام کیا، یہان بدھون کا ایک دھار (معبد) تھا اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کی، مورخ بلاذری کی اصل عبارت یہ ہے،

ووجہ عمر بن جمل فی بوارج	عمر بن جمل جہازون کے ذریعہ بھاڑبھوت پہنچا
الی بارید . . . . واتی	. . . . . اور پھر گندھار جہاز لیکر آیا اور اسکو
القندھار فی السفن ففتحہا، و	فتح کیا، اور بت کو توڑ کر مسجد بنایا،
ھدم البد وبنی موضعہ مسجداً	" " " " "

لہ بلاذری صفحہ ۴۴۵ مطبوعہ لنڈن،

یہ وہ زمانہ ہے کہ بھروچ مین گوجرون کی حکومت ختم ہو چکی تھی، خاندان راشٹ کوٹ نے ان کو مار کر راج پیپلہ مین پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا، اور جنوبی گجرات مین چالوکیہ خاندان بھی برباد ہو چکا تھا، اور ان کی جگہ جنوبی گجرات مین راشٹ کوٹ کی حکومت تھی، اور دنتی ورگ (۷۵۳ء) اس عہد کا راجہ تھا، اور شمالی گجرات مین بن راج چاوڑا کا (۷۴۶ء - ۸۰۶ء) ابتدائی دور تھا، اور ولبھی پور مین شلادت ششم (۷۶۰ء) موجود تھا اور پھر اس کے بعد بھی شلادت ہفتم کو (۷۶۶ء) اسی ولبھی پور مین راج کرتے ہوے ہم دیکھتے ہین، اس لیے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ ولبھی پور کو اس حملہ سے کچھ نقصان نہین پہنچا، بلکہ جو کچھ نقصان ہوا وہ راشٹ کوٹ کا ہوا، میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ حملہ محض تنبیہی طور پر تھا، جو ساحل بھروچ کے تاجر کی شکایت پر کیا گیا تھا، کیونکہ جدید حکومت نے تاجرون کے ساتھ وہ سلوک مرعی نہین رکھا ہوگا، جو روایات قدیم کے طور پر عرصہ سے ان کے ساتھ برتا جاتا تھا، اور جب دوران قیام گندھار مین "حکومت" اور عربون کے درمیان متنازعہ مسئلہ کا تصفیہ ہوگیا تو وہ پھر واپس چلے گئے،

اس کے بعد تقریباً بیس برس تک عرب تاجرون کو یہان کی حکومت سے کوئی شکایت نہین ہوئی اور اسی لیے عرب و گجرات کے تعلقات مین کسی قسم کی کشیدگی کا پتہ نہین ملتا، البتہ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد مین عبدالملک نے (۱۵۹ھ / ۷۷۵ء) پھر گجرات پر حملہ کی تیاری شروع کر دی، وہ اسی سنہ مین ایک بڑا بحری بیڑا لیکر روانہ ہوا، اور ۱۶۰ھ / ۷۷۶ء مین بھاڑبھوت پہنچا، "بھاڑبھوت" بھروچ سے سات میل مغرب کے جانب ایک کچی بندرگاہ تھی، جہان جہاز سمندر کے مدوجزر کے ساتھ آتے جاتے تھے، عبدالملک نے اس بندرگاہ پر قبضہ کر کے کچھ دنون قیام کیا، یہان تقریباً اٹھارہ سال کے بعد ایک میلہ لگا کرتا تھا، کچھ موسم اور کچھ لوگون کی کثرت کے سبب عموماً وبائی امراض پھیل جاتے تھے، اتفاق وقت سے اس وقت بھی یہی صورت پیش آئی عرب فوجون مین یہ بیماری بڑے زور سے پھیلی اور ایکہزار آدمی مرگئے، اور اسی جگہ یہ مدفون ہوے، اور اسی لیے جلد یہان سے واپس چلے گئے[1]

[1] ابن خلدون ص ۳۲۹ جلد ششم مطبوعہ الہ آباد،

اس وقت مشرقی شمالی گجرات پر بن راج جاوڑا حاکم تھا، اور جنوبی گجرات پر راشٹ کوٹ خاندان کا کرشن یا گوبند (۷۶۵ء ۷۹۵ء) کی حکمرانی تھی، کرشن کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے لوگون نے بغاوت کردی تھی، اور خاندانی نزاع جو تخت حاصل کرنے کے لیے بعض "شہزادون" نے شروع کی تھی اس سے بدامنی پیدا ہوگئی، اور اس لیے کرشن کو بغاوت فرو کرکے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ مین لینی پڑی غالباً اس بغاوت اور بدامنی کے عہد مین عرب تاجر لٹے اور پریشان کئے گئے جس کے تدارک کے لیے عبدالملک کو فوجی مہم لیکر آنا پڑا لیکن ہم دیکھتے ہین کہ اس حملہ مین بھی ولبھی پور کا ذکر نہین ہے، عرب بھروچ کے علاقہ مین اتر اور پھر وہین سے واپس ہوگئے،

بعض گجراتی تاریخون مین لکھا ہے (جو انگریزی تاریخ سے منقول ہے) کہ عرب نے "بڑد" پر حملہ کیا اور بیماری پھیل جانے سے واپس ہوگئے، پھر شک ظاہر کیا گیا ہے کہ شاید یہ "بڑد" بلب ہو جو ولبھی پور کا معرب ہے، لیکن یہ فقط ان کی غلط فہمی ہے، یہان اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ مقام جہان حملہ ہوا وہ بھاڑبھوت ہے، جو معرب ہو کر "باربد" ہوگیا، اور پھر انگریزون نے اس کو "بڑد" کردیا، جس کو غلطی سے گجراتیون نے ولب سمجھ لیا، گجراتی تاریخون مین ولبھی پور کے متعلق سکون اور کتبون سے جو آخری سنہ بتایا گیا ہے، وہ ۷۶۶ء ہے، اسکے بعد سے ولبھی پور کے متعلق کچھ حال معلوم نہین ہوتا، اور اسی سے لوگ اسکو برباد شدہ سمجھنے لگے اور امپریل گزیٹر مین لکھا ہے کہ ولبھی پور کی تباہی ۷۷۰ء مین ہوئی، گویا ہشام کا حملہ مفروضہ سنہ تباہی کے چھ برس بعد کو ہوا یعنی ولبھی پور اس سے پہلے تباہ ہوچکا تھا، یہ عربون کا آخری حملہ تھا، اسکے بعد سے گجرات پر عربون کا پھر کوئی حملہ نہین ہوا،

میرے اس بیان سے ناظرین کو اس قدر تو معلوم ہوگیا کہ عربون نے ولبھی پور پر کبھی کوئی یورش نہین کی، اور اس کی تباہی کا تعلق عربون سے نہین ہے، پس یہ خیال قطعاً غلط ہے، ممکن ہے کہ مستقبل مین کوئی پختہ دلیل اس نظریہ کے متعلق ملجائے اور اس وقت اس کو مان لینے مین کوئی عذر نہ ہوگا، مین یہ نہین

---

[1] صہ ۱۵ مطبوعہ حیدرآباد،

کہ جینیوں سے ایسا ہونا ناممکن ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک کوئی ایسی پختہ دلیل نہیں ملی ہے جس سے اس کا ثبوت مل سکے،

اب رہا اصل مسئلہ کہ پھر کس طرح اس کی تباہی ہوئی، تو یہ ایک غور طلب بات ہے، جینی کہتے ہیں کہ جینی سادھو کی بد دعا کا اثر ہے، بدھوں کا خیال ہے کہ کاکو بقال جو بدھ تھا، اس نے کسی پردیسی کو بلا کر تباہ کرایا، اور تنازعہ کا سبب ہیرے کی کنگھی ہے، جو راجہ نے طلب کی اور اس نے نہ دی، بیرونی کا راوی کہتا ہے کہ "رنک" (نام تھا یا غریب ہونے کے سبب اس کو رنک کہتے تھے) بقال نے سونے کا انسان پایا تھا جس سے بڑا دولتمند ہو گیا تھا، راجہ نے جو شیو مذہب کا تھا، اس کی دولت میں طمع کی اور اس سے چھین لینا چاہا، تو اس نے منصورہ والوں سے سازش کرکے رات کو بذریعہ شبخون تباہ کرادیا، پس راویوں کے بیانات اس قدر مختلف ہیں کہ ان کو مدنظر رکھکر کوئی صحیح فیصلہ کرنا ایک مورخ کے لیے بے حد دشوار ہے، لیکن پھر بھی بنظر غائر دیکھنے سے ایک بات کا توصحیح طور سے پتہ چلتا ہے، کہ ولبھی پور کا خاتمہ آپس کی مذہبی جنگ کی بدولت ہوا، جینی اور بدھوں کا تنازعہ بدھوں کا وشنو والوں سے جھگڑا، وشنو کا جینیوں سے نفرت کرنا، جیسا کہ جینی و دیگر کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، یہ ایسی اہم باتیں ہیں جو کسی طرح نظر انداز نہیں کیجا سکتی ہیں، اسلیے اس کی تباہی کا اصل راز خود باہمی خانہ جنگی ہے، اور پھر جینی سادھو کی روایت پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ شاید زلزلہ سے بھی اس کی تباہی ہو سکتی ہے،

لیکن اگر ان تمام روایتوں میں سے رنک بقال کا قصہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ دیکھنا پڑیگا کہ ۷۷۰ء کے آگے پیچھے کون سلطنتیں ولبھی کے ہمعصر تھیں اور کون کون ان کی دشمن تھیں، چنانچہ اس عہد کی مختلف حکومتوں اور ان کے حدود حکومت پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ شلادت ششم اور ہفتم کے عہد میں ولبھی سلطنت نہایت کمزور ہوگئی تھی اور نہایت چھوٹے سے رقبہ پر اس کی حکومت باقی رہگئی تھی، کیونکہ تمام جنوبی گجرات پر راشٹ کوٹ کا قبضہ تھا، شمال مشرق گجرات پر ۷۴۲ء تک (مع کاٹھیاواڑ اور کچھ کے) کلیانی راجہ

حکمران رہے اور اس کے بعد ہی ۳۰ تہ مین ایہر راجہ "پرم بھٹ ٹارک" نے اپنا لقب مہاراجہ ادھے راج رکھا ہے،
ظاہر ہے کہ پرم بھٹ ٹارک نے کاٹھیاواڑ کے ایک بڑے حصے کو فتح کرنے کے بعد ہی یہ لقب اختیار کیا ہوگا،
پھر تقریباً ۷۴۰ء سے ۷۴۶ء کے درمیان بن راج نے انہل واڑا کی مشہور سلطنت قائم کی اور ۷۶۶ء تک سلطنت
کی توسیع مین مصروف رہا پس ۷۵۰ء تک مین خصوصیت سے دو بڑھنے والی طاقتون کو ولبھی پور کے آس پاس
ہم دیکھتے ہین ان مین سے ایک بن راج چاوڑا ہے، اور دوسری راشٹ کوٹ جو دکن سے فاتحانہ گجرات مین
داخل ہوئے، اور دو گجراتی سلطنتون کے چراغ گل کر دیئے، اول نوساری کے گجراتی چالوکیہ جس کا آخری
بادشاہ پول کیش جنا شرے یا وجے راج تھا، دوم بھروچ کی گوجر سلطنت جس کا آخری بادشاہ جے بھٹ
تھا، یہ دونون سلطنتین ۷۵۳ء تک تاراج ہو چکی تھین کہ اس کے بعد ہی اس خاندان کے تین اولوالعزم راجاؤن
کے ہاتھ مین زمام سلطنت آتی ہے، ان مین سے اول کرشن (۷۶۵ء) ہے جسنے اندرونی تمام بغاوتون کو فرو کر کے
سلطنت کو ہر طرح سے محفوظ کر دیا، اور اس کے بعد گوبند دوم اور پھر دھرو (۷۸۳ء) ہے، جسکی بہادری کا یہ عالم تھا کہ
شمالی ہند مین الہ آباد تک دھاوا کرتا ہوا چلا گیا تھا، سوال یہ ہے کہ توسیع سلطنت کے لیے الہ آباد تک جو شخص دھاوا
کر سکتا ہے وہ ولبھی کی ایک چھوٹی سی سلطنت کو تباہ کرنے مین کیون تامل کر سکتا،

اسلئے میرا خیال ہے کہ کاکو کا قصہ اگر صحیح ہے تو اس بقال نے اس گوبند کو یا "دھرو" کو بلایا تھا، یہ لوگ گجراتی نہ تھے
بلکہ دکھنی تھے، جنکے لوٹ مار کے سبب گجراتی ہمیشہ ان سے نفرت کرتے رہے، اور بہت ممکن ہے کہ حملہ کے وقت
راشٹ کوٹی فوج مین عرب بھی بہ حیثیت سپاہی یا سردار کے موجود ہون کیونکہ یہ بات تو محقق ہے کہ راشٹ
کوٹ کے حکمران سندھی عرب کے حلیف تھے، اور ان کی فوجون مین بکثرت عرب موجود تھے اور اسی لئے انکی
فوجی انتظام بالکل عرب جیسا تھا[۱]، اور شاید اسی سے لوگون کو یہ خیال پیدا ہوا ہوگا، کہ عربون نے اس کو تباہ کیا،

---

[۱] سفرنامہ سلیمان بصری مطبوعہ پیرس،

تلخیص و تبصرہ

بودھ مذہب کی ایک قدیم یادگار پشاور مین

ہندوستان مین صوبہ سرحد جہان اسلام آج اس درجہ نمایان ہے، پہلی صدی سے چھٹی صدی عیسوی تک بودہ مذہب کا دوسرا ارض مقدس تھا، اور اپنے تقدس مین مگدھ کا حریف تھا، جو گوتم بودھ کی جاے پیدایش اور عرصۂ دراز تک ان کے پیام امن کی تبلیغ کا مرکز رہ چکا تھا، اور جو سلطان پشاور کا حصہ ہے، وہان اُن دنون گندھارا کی سلطنت تھی جہان بودہ مذہب کی ایک ہزار خانقاہین راہبون کی کثرت تعداد سے آباد تھین،

سلطنت گندھارا کا ذکر یونانی نیز برہمنون کی قدیم کتابون مین ملتا ہے، ۳۲۶ء قبل مسیح مین سکندر اس ملک سے گذرا تھا، اور گندھارا رانی گندھاری کی جاے پیدایش تھا، جو مہابھارت کے ہیرو شہزادگان کورو کی مان تھی، تاہم یہ معلوم کرنے کے لئے کہ بودہ مذہب کے عہد مین اس ملک کی کیا حالت تھی ہمین اُن چینی سیاحون کے بیانات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، جو پانچوین اور چھٹی صدی عیسوی کے درمیان ہندوستان آکر یہان کے حالات قلمبند کر گئے ہین، ان مین زیادہ مشہور فاہیان (Fa-hian) اور سانگ یون (Song-yun) ہین، جو تقریباً ۴۰۰ء اور ۵۲۰ء مین گندھارا آئے تھے، لیکن ان دونون سے زیادہ مشہور ہیان سانگ (Hiuan-Tsang) ہے جو ۶۲۹ء سے ۶۴۵ء تک ہندوستان مین تھا، ہندوستان کے تین صدیون کے حالات اور بودہ مذہب کے متعدد مقامات کی شناخت کے لئے ہم انہی سیاحون کے صحیح بیانات کے رہین منت ہین، اُن کے سفرنامون سے جو چینی زبان مین تھے، مدت تک بالکل ناواقفیت رہی، لیکن انیسوین صدی کے وسط

کے قریب یورپ کی مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہو گئے، فرانس میں فاہیان کے سفرنامہ کا ترجمہ ۱۸۳۶ء میں ہو گیا تھا، اور ہیان سیانگ کی سوانح عمری مع اُس کے سفرنامہ کے ۱۸۵۳ء میں پیرس میں شائع ہو گئی تھی، لیکن یہ کتابیں اب مشکل سے دستیاب ہوتی ہیں، انگریزی دان اشخاص کے لئے بیل (Beal) کا ترجمہ موجود ہے، جو ان تینوں سیاحوں کے حالات میں "مغربی دنیا کے حالات بودھ سیاحوں کے قلم سے" Buddist Records of the western world کے عنوان سے شائع ہوا ہے،

ان چینی سفرناموں کے شایع ہو جانے سے علمی حلقوں میں اس موضوع سے متعلق نہایت گہری دلچسپی پیدا ہو گئی، ہندوستان کے علمائے سنسکرت نے اُن مقامات کے ہندوستانی نام دریافت کرنے کی کوشش کی جو صرف اپنے چینی ناموں سے سفرناموں میں مذکور تھے، جغرافیہ دانوں نے اُن راستوں کا پتہ لگانا شروع کیا، جو ان سیاحوں نے اختیار کئے تھے، اور مورخین ان تازہ معلومات کو ان واقعات سے تطبیق دینے لگے، جو پہلے سے معلوم شدہ تھے، پھر بھی کین ٹووای (Kien-to-wei) اور کین ٹولو (Kien-to-lo) سے یہ تیقن چلتا کہ یہ دونوں نام گندھارا کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اگرچہ اس ملک کے پایۂ تخت کا نام جو چینی زبان میں پولوشالو (Po-lu-sha-pu-lo) لکھا ہوا ہے، ظاہر کرتا ہے کہ یہ سنسکرت پوروشاپورا ہے جسے البیرونی نے پرشاور لکھا ہے، جسے ابوالفضل پشاور لکھتا ہے، اور جو آج پشاور کہا جاتا ہے،

پشاور کے بیان میں تینوں سیاح ایک عالی شان مینار کا ذکر کرتے ہیں، جو شہر کے مشرقی جانب واقع تھا، یہ مینار کنشک کا تعمیر کردہ تھا، کنشک خاندان کشن کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ مشہور تاجدار تھا، اس کی سلطنت چین کی مغربی سرحد سے پامیر تک اور ہندوستان میں بنارس تک پھیلی ہوئی تھی، ان سیاحوں کے بیان کے مطابق موسم سرما میں اس کا دارالسلطنت پشاور ہوتا تھا، اس کے سکے صوبہ سرحد پنجاب اور افغانستان میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، اُس کا زمانہ حکومت غالباً ۱۲۰ء سے شروع ہوتا ہے،

کشن عہد کے مینار ہندوستان میں اب بھی ملتے ہیں، یہ مربع یا گول چبوتروں پر ٹھوس گنبد کی شکل کے بنے ہوتے

ہین برہما مین اس قسم کے مینار (Stupa) کو عموماً پگوڈا (Pagoda) کہتے ہین، نیپال مین انکا نام چیتیا (Chaitya) ہے، ہندوستان مین ٹوپ (Tope) اور سیلون مین ان کو ڈیگوبا (Dagoba) کہتے ہین، کشن عہد کا ایک مینار اس وقت بھی درۂ خیبر مین علی مسجد کے پاس موجود ہے، دوسرا راولپنڈی سے تقریباً دس میل جنوب مشرق کی طرف واقع ہے، لیکن کنشک کا مشہور مینار جسے اُس نے پشاور مین تعمیر کرایا تھا، ان سیاحون کی روایت کے مطابق اُن کشن میناروں سے بالکل مختلف تھا، جو آج بھی ہمین دکھائی دیتے ہین، یہ اپنی وضع و شکل کے اعتبار سے ہندوستان مین بے مثال تھا، فاہیان صرف اتنا بیان کرکے رہ جاتا ہے، کہ ہندوستان مین یہ سب سے زیادہ بلند مینار کہا جاتا ہے، لیکن سانگ یون اسکی بلندی اور جاہ و توسع کی نسبت زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے، اسکی غیر معمولی بلندی اور اہمیت کے متعلق فاہیان کے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے، کہ اس پر تیرہ منزلین لکڑی کی بنائی گئی تھین، اور یہ سب نقش و نگار سے آراستہ تھین، ساتوین منزل کے اوپر تیس فٹ اونچی لوہے کی ایک لاٹ تھی، اور اس پر ایک زبردست برجی بنی ہوئی تھی، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت یہ مینار تیار ہوا تھا، کنشک نے اسکی چھت پر سچے موتیون کا ایک جال بچھا دیا تھا، لیکن جلد اس کو اس غلطی کا احساس ہوگیا، اور اوس نے اُن موتیون کو ایک تانبے کے برتن مین رکھ کر مینار کے شمال مغرب سو قدم کے فاصلہ پر زمین مین دفن کرادیا، اور وہان پتھر کی ایک تختی نصب کراکے اُس پر یہ عبارت لکھوادی: "اگر کبھی یہ مینار گر جائے تو ایک پاکباز شخص کو سعی و کاوش کے بعد یہان موتی مل سکتے ہین، جنکی مدد سے وہ اسے ازسرِ نو تعمیر کرا سکتا ہے"

اسمین شبہہ نہین کہ اوسکی دوبارہ تعمیر کی ضرورت پیش آنے والی تھی، کیونکہ سانگ یون لکھتا ہے، کہ یہ مینار اسکی آمد سے قبل تین بار بجلی سے گر چکا تھا، اور ھیان سانگ جو سانگ یون سے ایک سو برس بعد اُسے دیکھنے آیا تھا، بیان کرتا ہے کہ جب وہ پہلی بار گندھارا آیا تو یہ مینار اس سے چند ہی روز قبل آگ سے برباد ہو چکا تھا، اور اوسکی ازسرِ نو تعمیر کی تیاریان ہو رہی تھین، بہرحال ھیان سانگ اس مقام کی پاکی پر زیادہ زور دیتا ہے، اور اس پیشینگوئی کو دہراتا ہے، جسے سانگ یون نے بھی لکھا ہے، یعنی مینار کے سات بار جلنے اور سات بار ازسرِ نو تعمیر ہونے کے بعد

بودھ مذہب ختم ہو جائے گا، نہین کہا جا سکتا کہ ہندوستان پر مسلمانون کے حملون سے پہلے یہ پیشینگوئی پوری ہو چکی تھی یا نہین لیکن اتنا یقینی ہے، کہ محمود غزنوی کے زمانہ مین یہ مینار موجود تھا، اور کنشک کے نام سے مشہور تھا، کیونکہ البیرونی سلاطین کابل کے ذکر مین لکھتا ہے" بادشاہون کے سلسلہ مین ایک بادشاہ کنشک تھا، جسکے متعلق کہا جاتا ہے، کہ اوس نے پشاور کا مینار بنوایا، یہ مینار اُسکے نام پر کنشک چیتیا کہا جاتا ہے"

یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اتنا عظیم الشان مینار اس طرح برباد ہو گیا کہ اس کے تمام آثار صفحہ ہستی سے بالکل مٹ گئے، اس مین شبہ نہین کہ لکڑی کی تیرہ منزلین آگ مین جل گئین اور اسکی اینٹون اور پتھر کو شہر کے باشندے اپنے مکانون کی تعمیر کے لئے اٹھا لے گئے، ایک ہزار سال کی مدت کے بعد ایک ماہر اثریات کو جو چیزین مل سکتی ہین، وہ ان چھوٹے چھوٹے مینارون کی بنیادین اور نشانات ہین جو اس زبردست مینار کے قریب وجوار مین بنے ہوئے تھے یا گوتم بودھ کے وہ تبرکات ہین جو کنشک نے اس مینار مین دفن کر دئے تھے، ماہر اثریات کتنا ہی "یا کیاز" کیون نہ ہو امید نہین کہ وہ موتی اس کے ہاتھ لگین، جو کنشک نے مینار کے قریب دفن کرا دئے تھے، کیونکہ اگر وہ مینار کے از سر نو تعمیر مین صرف نہ ہو گئے ہون گے، جب بھی اُن حملہ آورون کی دستبرد سے نہ بچے ہون گے، جو اس حصۂ ملک پر حملہ آور ہوتے رہے ہین، بہرحال ماہرین اثریات کے دلون مین اُمید کا چراغ ہمیشہ روشن رہتا ہے، اور جون ہی پولوشاپولو کا صحیح مقام معلوم کر لیا گیا، اوسی وقت ان لوگون نے کنشک کا مینار دریافت کرنے کی کوشش شروع کر دی،

شہر پشاور کے باہر ایک میل سے کم فاصلہ پر لاہور دروازہ کے جنوب مشرق مین کچھ کھنڈر تھے، جو کسی نہایت قدیم عمارت کا پتہ دیتے تھے، اس کھنڈر مین پتھر جلی ہوئی اینٹین، اور سیاہ مٹی کے ڈھیر تھے، عرصہ تک شہر کے لوگ اپنے مکانون کے لئے ان مین سے پتھر وغیرہ اٹھا کر لیجایا کرتے تھے، اور قرب وجوار کے کاشتکار وہان کی مٹی اپنے کھیتون مین بجائے کھاد کے ڈالا کرتے تھے، ۱۸۷۵ء مین یہ کھنڈر جنھین "شاہ جی کی ڈھیری" کہتے تھے، جنرل سر الکزانڈر کننگھم کی تحریک سے کھودے گئے، لیکن جو افسر اس کام پر متعین کیا گیا تھا، اوس نے کھودائی ختم کرنے کے بعد یہ رپورٹ پیش کی کہ اس مقام پر کسی بودھ مینار کے آثار نہین معلوم ہوتے، اس کے بعد ۲۶ سال تک اس مینار کے متعلق کچھ

معلوم نہ ہو سکا، لیکن بیسوین صدی کی ابتدا مین فرانسیسی ماہر اثریات ایم۔ فوکے (M. Foucher) کا ایک مضمون شائع ہوا جس مین اوس نے جغرافیائی اور دوسرے اسباب کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کنشک کے مشہور مینار کی بنیاد "شاہ جی کی ڈھیری" ہی مین ہو سکتی ہے، اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے وہان کی زمین کو دوبارہ کھودنا ضروری تھا، اور ڈاکٹر اسپونر نے اپنے تقرر کے بعد ہی اس کام کو شروع کر دیا،

شروع مین ڈاکٹر اسپونر کی کوششین کسی قدر مایوس کن ثابت ہوئین لیکن کچھ دنون کے بعد یہ واضح ہو گیا، کہ اُس جگہ بودھ مذہب کے زمانہ کی کوئی عمارت ضرور تھی، ڈاکٹر اسپونر نے دیوار کا ایک لمبا ٹکڑا اور ایسی بنیادین برآمد کرین، جو بظاہر چھوٹے چھوٹے مینارون کی بنیادین معلوم ہوتی تھین، مارچ ۱۹۰۸ء تک اوس نے اوس چبوترے کے دو بازو برآمد کرئے جس پر کبھی ہندوستان کا سب سے زیادہ بلند مینار کھڑا تھا، ان بازون کی مدد سے اُس چبوترے کا مرکز متعین کر لیا گیا، اور اسی مرکز پر کھودائی کا کام کئی روز تک نہایت جانفشانی کے ساتھ جاری رکھا گیا، یہان تک کہ تہ کی اصلی مٹی دکھائی دینے لگی، لیکن اب تک ان تبرکات کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اب بظاہر کوئی امید باقی نہین رہ گئی تھی، لیکن ڈاکٹر اسپونر نے کھودائی جاری رکھی اور نہایت گہرائی تک زمین کھود ڈالی گئی، آخر کار پتھر کی ایک سل دکھائی دی، اُسے ہٹانے پر دھات کا ایک بوسیدہ لیکن مرصع صندوقچہ نظر آیا جس کے اوپر گوتم بودھ کا ایک بت جڑا ہوا تھا، پاس ہی دھات کی دو اور چھوٹی چھوٹی مورتیان تھین جو صندوقچہ کے اوپر کے حصہ سے ٹوٹ کر علٰحدہ ہو گئی تھین اور وہین ایک چھوٹا سا تانبے کا سکہ بھی تھا، جب صندوقچہ اوٹھایا گیا، تو وہ اپنے پیندے سے علٰحدہ ہو گیا، اور اوس کے اندر کی چیزین دکھائی دینے لگین اوس مین تراشے ہوئے بلور کا پیپے کی شکل کا ایک چھوٹا سا برتن تھا، جس کے سرے پر مٹی کی مہر لگی ہوئی تھی، اور اُس پر ہاتھی کی شکل بنی تھی، اس بلور کے برتن مین خاکستر کی ہوئی تین ہڈیان تھین، کیا یہی وہ تبرکات تھے جنھین کنشک نے اس مقام پر دفن کیا تھا؟ صندوقچہ کے اندر خروشتی خط مین چار کتبے ملے، جن سے اس خیال کی تصدیق ہو گئی، علاوہ برین صندوقچہ مین کنشک کا نام بھی لکھا ہوا تھا، اور اس کے نام کے حروف کے درمیان اوس کی ایک تصویر بھی تھی یہ تصویر بالکل ویسی ہی تھی

جیسی اوسکے سکون پر ہوا کرتی تھی، اور جیسی کہ اس سکہ پر بھی تھی جو سند وقچہ کے ساتھ پایا گیا تھا" (بمبئی کرانکل)

"ع ز"

سلاطین ممالیک مصر کا چتر شاہی،

فارسی زبان کی قدیم قلمی کتابون مین جو تصویرین ہوتی ہین اب ان کے ساتھ اہل یورپ کی دلچسپیان اس قدر بڑھ گئی ہین کہ ان تصویرون پر متعدد کتابین شائع ہو چکی ہین، اور اون سے فنی ذوق کے علاوہ تاریخ اسلام کے متعلق بہت سی معلومات حاصل ہو سکتی ہین، مثلاً برٹش میوزیم مین دیوان نظامی کا جو قلمی نسخہ موجود ہے، اوس کی متعدد تصویرین ایک رسالے مین شائع ہوئی ہین اور اونھی مین بارھوین صدی عیسوی کے ایک ایرانی بادشاہ کی تصویر ہے، جس سے شاہان ممالیک مصر کے بعض شاہی شعار نمایان ہوتے ہین یعنی ایک قبہ اور چڑیا جس کا ذکر ان بادشاہون کے شاہی جلوس کے ذکر مین اکثر آتا ہے،

اس تصویر کا منظر یہ ہے کہ سلطان سنجر عمدہ شاہی وضع مین گھوڑے پر سوار ہے، اور ایک سوار اس کے سر پر شاہی چتر جس پر سونے کی چڑیا ہے، لگائے ہوئے ہے، اور ایک بڑھیا اوس سے فوج کی مطلق العنانی کی شکایت کر رہی ہے،

ایک اور تصویر مین بھی یہی منظر دکھلایا گیا ہے، لیکن اس مین چتر پر چڑیا کے عوض گیسند کی شکل ہے، اور بھی متعدد تصویرین ہین جن مین بادشاہ کے سر پر چتر تو ہے، لیکن اوس کے اوپر چڑیا نہین، افریقہ اور مشرقی ممالک کے اور بہت سے مناظر اور متعدد تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان ممالک مین چتر ایک شاہی شعار خیال کیا جاتا تھا، صرف سلطان صلاح الدین اور اوس کے بعد ایوبی خاندان کے شاہان مصر کے حالات مین اس قسم کے شاہی ساز وسامان کا ذکر نہین آتا، اور غالباً یہ لوگ خلیفۂ بغداد کے حق مین اس ظاہری شان وشوکت سے دست بردار ہو گئے تھے، البتہ مصر مین خلفاے فاطمیین نے اس کو شاہی شعار مین داخل کر لیا تھا، اور مورخین نے اوس کا ذکر عربی لفظ "مظلہ" کے ساتھ کیا ہے، جو

اوس چیز کو کہتے ہین جس سے سر پر سایہ کیا جاتا ہے، چنانچہ ناصر خسرو نے خلیفہ مستنصر کے جلوس کا ذکر کیا ہے، جس مین اوس نے اوس کے سر پر چتر دیکھا تھا، مقریزی نے بھی خلیفہ عزیز کے زرین چتر کا تذکرہ کیا ہے، لیکن بظاہر اوس کے اوپر چڑیا نہ تھی، مقریزی نے مستنصر کے توشہ خانے کے اور بھی بہت سے چتر اور سونے چاندی کی چڑیون کا ذکر کیا ہے، لیکن سونے کی چڑیون کا ذکر اس مین بھی نہین اسلئے اگر وہ موجود ہوتین تو وہ ان کو نظر انداز نہ کرتا،

لیکن سلاطین ممالیک کے زمانہ مین قبہ کے لئے چڑیا لازمی ہو گئی، کیونکہ اون کے تمام معاصر مورخین جب کسی مصری جلوس کا حال لکھتے ہین، تو اوس مین قبہ وطیر کا ذکر لازمی طور پر آتا ہے، چنانچہ ابن ایاس نے تقریبًا بارہ [۱۲] بادشاہون کا ذکر کیا ہے جنھون نے قبہ وطیر کو اپنا شعار بنا لیا تھا، اور یہ تمام سلاطین اوس کے معاصر تھے،

مورخین نے "قبہ طیر" کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے، اور لین پول نے لکھا ہے، کہ وہ ایک چتر ہوتا ہے، جو زرد رنگ کے حریر سے بنایا جاتا ہے، اور اس پر سونے کے بیل بوٹے بنائے جاتے ہین، جس کے اوپر سونے کی ایک چڑیا سونے کے قبے پر بیٹھی ہوئی ہوتی ہے، ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے، کہ دلی میں بادشاہ چتر کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے، جو اوس کے سر پر سایہ افگن رہتا ہے، مصر مین اسی کو "قبہ وطیر" کہتے ہین اور وہ صرف عید کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن چین اور ہندوستان مین وہ سفر و حضر مین ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے، لیکن وہ مصر کے سوا اور ہر جگہ اس کا ذکر چتر ہی کے نام سے کرتا ہے، چنانچہ ایک بادشاہ کے ذکر مین لکھتا ہے، کہ "اوس کے سر پر چتر سایہ افگن رہتا ہے" اور یہ حریر کے ایک قبہ سے مشابہ ہوتا ہے، جس کے اوپر باز کے برابر ایک سونے کی چڑیا ہوتی ہے، لیکن متعدد تصویرون سے معلوم ہوتا ہے کہ چڑیا اور باز درحقیقت مغلون کا شعار تھا، چنانچہ سلطان محمود غازان کے ایک محفہ کی تصویر پر جب نگاہ پڑتی ہے، تو اوس کی صورت چتر کے مشابہ نظر آتی ہے، جس پر سونے

یا سونے کے ملمع دھات کی چڑیا بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، اور یہ محسوس ہوتا ہے، کہ وہ باز یا شکرہ ہے، اس مرقع مین دو چتر اور بھی بیٹے ہوئے ہین لیکن اون کے اوپر چڑیا نہین ہے، بلکہ گھوڑے کی دم ہے، جس کو مغل اور ترک بطور جھنڈے کے استعمال کرتے تھے، دوسرے مرقع مین اور بھی ہین ہین، لیکن وہ سفید ہین، سیاہ نہین،

اسکے علاوہ چنگیز خان اور ارغون خان کی اور تصویرون سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ایک چینی تخت پر بیٹھے ہوئے ہین، اور تخت کی پشت پر ایک چڑیا بیٹھی ہوئی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ مغلون نے باز کو ایک شاہی شعار بنا لیا تھا، اور مختلف تعلقات و قرابت کی بنا پر چونکہ سلاطین ممالیک کے عہد مین مغلون کی بہت سی باتون کا رواج مصر مین ہو چلا تھا، اس لئے اونھون نے چتر کے اوپر باز کو بھی ایک شاہی شعار بنا لیا،

ترکون کی تاریخ کے اور بھی بہت سے مخفی ماخذون سے معلوم ہوتا ہے، کہ قبائل ویقور کے بادشاہ کا شعار باز تھا، اور یہی قبائل سلجوقیون اور عثمانیون کے آبار و اجداد ہین،

"ع"

چنگیز خان

تاتاریون کے پہلے باقاعدہ فرمانروا چنگیز خان کے حالات اور کارنامون پر ہیرلڈ لیمب کی دلچسپ و محققانہ کتاب کا اردو ترجمہ، مصنف نے اس مین تاتاری و فرنگی و عربی و فارسی ماخذون سے اس عجیب و غریب بادشاہ کے حالات مرتب کئے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ کیونکر اوسوقت کی دنیائے اسلام پر چھا جانے کا مستحق ہو سکا، ترجمہ کی صحت اور خوبی کے لئے مولوی شیخ عنایت اللہ صاحب بی، اے، ناظم "دارالترجمہ" کا نام نامی ضمانت ہے، معارف پریس کی بہترین لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ، ضخامت :- ۳۴۱ صفحے

قیمت :- ۱۲؎ عہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

مفتاح الحدیث

رائل اکاڈمی آف سائنسز، ایمسٹرڈیم کی طرف سے مستند احادیث کی ایک باقاعدہ فہرست لیڈن مین طبع ہونا شروع ہوگئی ہے، یہ کتاب تیس حصون مین ہوگی اور ہر سال تین حصے شائع کئے جائین گے، اسطرح پوری کتاب دس سال مین شائع ہوجائیگی، اس مفتاح مین بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، موطا، امام مالک اور مسند احمد ابن حنبل کی حدیثین حسب ذیل طریقہ پر جمع کردی گئی ہین،

(۱) ان تمام الفاظ کی فہرست بہ ترتیب حروف تہجی جو کچھ بھی اہمیت رکھتے ہین، متن، اور اس کتاب اور باب کے حوالہ کے ساتھ جسمین وہ الفاظ آئے ہین،

(۲) ان اعلام کی فہرست جو احادیث مین آئے ہین،

(۳) جغرافیائی نامون کی فہرست،

(۴) قرآن مجید کے اقتباسات کی فہرست،

تمام اقتباسات اور حوالہ جات عربی مین دیئے گئے ہین،

ٹائپ رائٹنگ بذریعہ ٹیلیفون

حال کی ایجادون مین ایک نہایت عجیب اور مفید چیز ٹیلی ٹائپ رائٹر (TELETYPEWRITER) ہے

یہ ایجاد ان لوگون کی سہولت کے لیے کیگئی ہے جو ٹیلیفون سے کام لیتے ہین، ٹیلی ٹائپ رائٹر معمولی ٹائپ رائٹر کے ہمشکل ہوتا ہے، یہ ٹیلیفون کے قریب رکھ دیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت دونون کا رشتہ ملا دیا جاتا ہے، فرض کیجئے کہ آپ ٹیلیفون پر کسی سے کچھ کہنا چاہتے ہین اور وہ شخص اس وقت وہان موجود نہین ہے، ایسی صورت مین آپ یہ کر سکتے ہین کہ اپنے ٹیلیفون اور ٹیلی ٹائپ رائٹر کا رشتہ ملا کر جو کہنا چاہتے ہین اُسے ٹائپ کر لین، مبادلہ کے ساتھ دوسرے ٹیلیفون اور ٹیلی ٹائپ رائٹر کا رشتہ بھی مل جائیگا، اور جو باتین آپ اپنے ٹیلی ٹائپ رائٹر پر ٹائپ کرینگے وہ ساتھ ہی ساتھ دوسرے ٹیلی ٹائپ رائٹر پر بھی ٹائپ ہوتی جائینگی، یہ ایجاد تجارت پیشہ اشخاص کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگی، کاروباری خطوط جنکی آمد و رفت مین کئی کئی روز لگ جاتے تھے، اب منٹون مین ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچائے جاسکین گے، "ع ز"

کلیون مین رنگ آمیزی،

ایک جرمن نے ایک ایسا مادہ ایجاد کیا ہے، جس سے کلیون کو مختلف رنگون مین رنگ سکتے ہین، یہانتک کہ اگر ماتمی حالت کا اظہار مقصود ہو تو سفید کلیون کو سیاہ بنایا جاسکتا ہے، بعض لوگون نے اس رنگ کے مادہ کو زمین مین بھی استعمال کیا، تو کلیان رنگین نکلین،

ہفتہ مین ایک دن کا روزہ،

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ہفتے مین ایک دن کا فاقہ جسم کی مستعدی اور عقل کی جولانی مین اضافہ کر دیتا ہے، چنانچہ شیکاگو یونیورسٹی کے طلبہ نے سالانہ امتحان مین داخل ہونے سے پہلے ایک دن کا فاقہ کر لیا تو اس سال کا نتیجۂ امتحان اور سالون سے بہتر رہا،

شیشے کی اینٹ

امریکہ کے بعض کارخانون نے ایسے سخت شیشے ایجاد کئے ہین جو اینٹون کی شکل مین بنائے جاتے ہین اور عمارتون مین اینٹون کی جگہ استعمال کئے جاتے ہین، بلکہ بعض حیثیتون سے اینٹ اور پتھر سے بہتر سمجھے جاتے

ہین، ایک کمپنی نے ان اینٹون سے ایک عظیم الشان عمارت بھی بنانا چاہی ہے،

تانبے کی قسم کی ایک نئی دھات،

امریکہ کی ایک یونیورسٹی مین نامعلوم عناصر اور مختلف عناصر کی نظائر کی تحقیقات کے لیے ایک جدید طریقہ ایجاد کیا گیا ہے، اور اس سے متعدد نامعلوم عنصر دریافت کئے گئے ہین، اسی طریقہ سے تانبے کے قسم کی ایک نئی دھات دریافت کیگئی ہے، لیکن ایک انگریز پروفیسر نے یہ ثابت کیا ہے کہ تانبے کے قسم کی دو دھاتین ہین، اور دونون طبعی اور کیمیاوی خواص کے لحاظ سے تانبے کے مشابہ ہین، البتہ ان کا وزن تانبے سے مختلف ہے،

آواز کا اثر جراثیم پر،

آواز ایک قسم کی موج ہے اور آواز جسقدر بلند ہوتی ہے یہ موجین چھوٹی ہوتی جاتی ہین، لیکن جب ایک حد معین سے یہ موجین چھوٹی ہوجاتی ہین تو کانون کو محسوس نہین ہوتین، لیکن ایک ڈاکٹر نے ان چھوٹی موجون کا ایک خاصہ یہ بتایا ہے کہ اگر دودھ کو ایک ایسے آلے مین ڈھالا جائے جو آواز کی چھوٹی چھوٹی موجین اٹھانے والا ہو، تو اُن موجون کی آواز سے دودھ کے اسّی فیصدی جراثیم فنا ہوجاینگے،

دانتون کے مرض کا سبب،

امریکہ کے ڈاکٹرون کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم اسکیمو قبائل کے لوگ جو صرف جانورون کے گوشت پر گذر اوقات کرتے تھے، دانتون کے تمام امراض سے محفوظ تھے، لیکن اب دانتون کے امراض اُن مین پھیلنے لگے ہین جسکی وجہ یہ ہے کہ اونھون نے غذا مین تبدیلی کردی ہے، اور اب متمدن قومون کا کھانا کھانے لگے ہین،

امریکہ کے قدیم باشندون کی ہڈیون اور دانتون کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی

غذا مین جسقدر گوشت کا جزو زیادہ ہوگا وہ دانتون کے مرض سے محفوظ رہیگا، چانول اور دوسری قسم کے دانے دانتون کے مرض کا اصلی سبب ہین،

حرکاتِ قلب کے معلوم کرنے کا آلہ

امریکہ کی پبلک برقی کمپنی نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس نے ایک نہایت نازک کیمیائی آلہ ایجاد کیا ہے، جس سے قلب کی حرکت کتنی ہی ضعیف ہو، لیکن اس آلے سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،

فٹ بال

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فٹ بال زمانۂ حال کی ایجاد ہے لیکن حال مین کلدان کے شہر اُر مین جو آثار دریافت ہوئے ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا گیند کلدانیون کے یہان دو ہزار سات سو برس پیشتر متداول تھا،

ایک نیا صابون

امریکہ کے ایک کیمیا ساز نے ایک جدید قسم کا صابون ایجاد کیا ہے، جس کے لیے پانی کی ضرورت نہین ہوتی، بلکہ وہ ایک قسم کا معجون ہے، جس کے ہاتھ مین مل لینے سے ایک خوشبودار پھین پیدا ہو جاتا ہے، اور اس سے ہاتھ نہایت آسانی سے صاف ہو جاتا ہے،

آگ بجھانے کا ایک نو ایجاد بمبہ،

امریکہ کے ایک انجینیر نے کیمیاوی طریقہ سے آگ بجھانے کا ایک بمبہ ایجاد کیا ہے جسمین ایک ذی حس گھنٹی لگی ہوئی ہے، جو دھوئین کو سونگھ لیتی ہے، اور سونگھنے کے بعد بار بار بجکر صاحبِ خانہ کو آگ لگنے کی خبر دیتی ہے، اور اسی وقت بمبہ آگ بجھانے مین بھی مشغول ہو جاتا ہے،

"ع"

آثار علمیہ و ادبیہ

مکتوبات محمد علی

مکتوب پنجم

بنام مولانا مسعود علی ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جیلخانہ بیتول ۲۴ ستمبر ۱۹۱۹ء

برادر عزیز:- السلام علیکم و علی من لدیکم،

محبت نامہ مورخہ ۹ ستمبر غالباً ۱۳ کو مجھے ملا تھا، معارف کے ایک پرچہ مین رکھا ہوا تھا، سنسر کی نظر سے بچ رہا تھا، اسلئے مین نے خود ہی ادن کو بھی اس مائدۂ پر لطف مین شریک لیا، اور ادن کے پاس بھیج دیا، ۱۴ کو ان کے پاس سے واپس آیا، جواب اوسی وقت دیتا، مگر خیال تھا کہ شاید برادر مکرم سید سلیمان صاحب کا محبت نامہ بھی آیا ہوگا، اور سنسر نے چونکہ ایک خط پڑھنے کے لئے روک رکھا تھا اس خیال سے کہ شاید یہ وہین کا ہو، یا ایک آدھ دن بعد آجائے، تو دونون کا جواب ایک ساتھ ہی دون، جواب مین تاخیر ہوئی، سلیمان صاحب کے خط کا اب تک انتظار ہے مگر شکایت نہین کیونکہ اس عرصہ مین مین نے ارض القرآن کی دوسری جلد بھی ختم کر ڈالی، (گو لفظ "بھی" بالکل صحیح نہین ہے، کیونکہ بدقسمتی سے جلد اول اب تک پوری ختم نہین ہوئی، اور غلطی سے گھر چلی گئی ہے، اور اب تک واپس نہین آئی،) سلیمان صاحب اسی طرح کتابین لکھتے رہین، اور ساری عمر مجھے خط نہ لکھین تب بھی شکایت کا موقع نہ ہوگا، بلکہ مشکوریت کا سلسلہ جاری رہے گا،

بھائی تمھاری شکایت بھی بجا نہین، دار المصنفین ایک شخص کا نام نہین اور اگر ایک شخص کا نام بھی ہو تب بھی "شبلی مرحوم" مین ان کی تمام علمی ذریت شامل ہے، اور اب اسی طرح "سید سلیمان ندوی" مین سارا "دار المصنفین" اور تمام "ندوۃ" شامل ہے اور عزیزی مسعود ندوی کو اگر سلام بھی نہ جاتا تو شکایت کا موقعہ نہ تھا، اب تو جب حضرت سلیمان (ثانی) کا تصور کرتا ہون مسعودِ آصف نما پہلو بہ پہلو نظر آتے ہین "عالم" ہمیشہ "بے عمل" ہوتے ہین، اسی لئے میری دیرینہ تمنا ایک "لٹریری سنڈکیٹ" قایم کرنے کی ہے، جس مین اہل علم تصنیف کیا کرین اور ہم حاشیہ نشینانِ دار المصنفین اُن کی تصنیفات کے نشر و اعلان مین مدد دیا کرین (تم خود "ندوی" ہو اور عالم اس لئے شاید "ہم" کی شرکت ناگوارِ خاطر گذرے مگر مین تمام "منیجرون" کو اصحاب تصنیف سے زیادہ وسیع اور دنیا کے لئے زیادہ ضروری سمجھتا ہون، اور یہ دیکھکر خوش ہون کہ تم بھی ان حضرات کا ذکر معقول بے اعتنائی کے ساتھ کرتے ہو اور لکھتے ہو کہ "گو تصنیف کی زحمت جناب سید صاحب نے برداشت کی ہے تاہم تمھارا حصہ اچھا خاصہ ہے، یہ لوگ تو محض پھول ہین، اگر ہم بادِ صبا کا کام نہ دین اور بوے چمن کو بیرونِ چمن نہ لیجائین تو مشامِ بلبل بھی عطرِ گل کی خوشبو سے مستفیض نہ ہو) یہان تک میری طرف سے معذرت تھی، اب بھائی کی معذرت سنئے، برادرم، ہم دو آدمی کب ہین، اگر تم اس تفریق کو روا ہی نہین رکھتے، ہو، بلکہ عدم تفریق کی شکایت کرتے ہو، کاش مین نے عربی پر اس قدر توجہ کی ہوتی جس قدر ایک غیر زبان پر ضایع کی، تو مجھے بھی سید سلیمان صاحب کی طرح سارے آسمان کے ستارون کے عربی نام یاد ہوتے، مگر چونکہ آپ لوگ انگریزی سے بھی بے بہرہ نہین ہین اس لئے تلاش کرکے بتادین گے کہ کیسٹر (CASTOR اور پولکس (POLLUX) ستارون کے عربی نام کیا ہین اور اگر نہ معلوم ہون گے تو دو منٹ مین معرب کر لینگے، ہمارے محور شاید کسی زمانہ مین علحدہ رہے ہون (گو بھول گیا ستارون کے محور ہی کہان ہوتے ہین، قطب از جا نمی جنبد الخ کا مضمون ہی) مگر اس ساڑھے چار برس کی قیدِ فرنگ مین تو ہم توأم ہوگئے ہین، اور سیام کے جڑوان بھائیون کی طرح نہ صرف ایک جان بلکہ ایک قالب بھی ہین، البتہ اس بار تہدید کی گئی تھی، کہ اگر آیندہ شرارت

کی، تو علیحدہ کر دیے جاؤگے، اور دو مختلف آسمانون کی فضا مین چکر لگانا، اور سارے ستارون کو گمراہ کرنا پڑے گا، غالباً آسام اور برہما کی طرف اشارہ تھا، اور یہان بھی تفریق مکانی کی بعض کرمفرماؤن کو خواہش تھی مگر یہ آرزو مقامی حکام کے باعث پوری نہ ہوسکی، اب اگر آپ اس تفریق کے متمنی ہین، تو بے شک شکایت بجا ہے کہ دونون نے علیحدہ کچھ کیون نہین لکھا، ورنہ جس طرح تم اور سید صاحب ایک ہو، اسی طرح ہم بھی ایک ہی ہین ؎

من تو شدم تو من شدی من جان شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری،

رہا خوشی اور اطمینان کا معاملہ سو بھائی مین نے تو اوسی وقت کہدیا تھا جب ہمین بتایا گیا تھا کہ یہ خاص رعایت ہے، کہ علیحدہ نہین کئے گئے، اور دور نہین بھیجے گئے، کہ ہم ہر وقت مشکوریت کے لئے تیار ہین مگر شکایت کسی حالت مین روا نہین سمجھتے، کیونکہ لاتحزن ان اللہ معنا کے بعد قید تنہائی ناممکن ہے، اور قرب و بعد مکانی کا خیال فضول ہے جب اطلاع مل چکی ہے، کہ ان ارضی واسعۃ ہان اگر کسی دوسرے خدا کی خدائی مین انتقال مکانی ہوتا، تو البتہ تشویش ہوتی، مگر بحمد اللہ کہ ابھی تک اوسی خدا کی زمین پیرون کے نیچے ہے اور اوسی کا آسمان سر پر آویزان ہے، یہی نہین بلکہ ؎

رات دن چکر مین ہین سات آسمان،
ہو رہے گا، کچھ نہ کچھ گھبرائین کیا،،

عزیزم، معارف کی ذرہ نوازی کے مشکور ہین کہ پابندان اسلام کے سلسلہ مین ہم دنیا کے کتون کو بھی شامل کرلیا، پھر جب تم بدرجۂ اتم اون کے حالات سے واقف ہو، اور زلیخا سے زیادہ اوس یوسف کنعانی کو محبوب سمجھتے ہو، جس نے اس رسم قید کی بنا ڈالی، اور اوسکے لئے ماٹو یہ تجویز فرمایا کہ رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ تو پھر کس طرح کہہ سکتے ہو، کہ ہم لوگ اس کو انتہائے مصیبت خیال کرتے ہین؟ عزیزم انتہائے مصیبت غداری

بے وفائی، بغاوت، گمراہی، ناشکری اور کفر ہے، اور اس منعم حقیقی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس انتہائے مصیبت اور عذاب الیم سے اوس نے اپنے ڈرناچار اور ناکارہ بندوں کو محفوظ و مصئون رکھا ہے میرا ایک شعر ہے،

سرکش نہین، باغی نہین، غدار نہین ہم،

پر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے،

اسی خیال کو بیتے از "یاران مجلس" حسرت نے کیا خوب ادا کیا ہے، لکھتا ہے، ؎

بے وفائی مجھ کو کیا معلوم کہتے ہین کسے وہ مرے سرکار مین اون کے وفاداروں مین ہون

میری سرکار سے ہمیشہ روٹی کپڑا مجھکو ملا، سانس لینے کو تازہ ہوا ملی، بچہ تھا اور دانت نہ تھے، تو دودھ ملا جبین نہ شکر ڈالنے کی ضرورت تھی نہ سوے اور چونے کے پانی کی آمیزش کی، بڑا ہوا تو ایک سے ایک بڑھ کر لذیذ کھانے اور پینے کو ملے، پیدا ہوتے ہی نہین بلکہ پیدا ہونے سے بھی پہلے سے تنخواہ مقرر ہو گئی تھی، اور کبھی ناغہ نہین ہوئی خدمت کیلئے نہ صرف نوکر چاکر، بلکہ ماں باپ بھائی بہن، عزیز و اقارب ملے، بڑے بڑے اشراف، بڑے گھرانے والے بڑے ناک والے، گو موت تک اوٹھانے کو موجود تھے پڑھنے لگا تو تعلیم و تربیت مفت ملی، جوان ہوا تو دن رات کی صحبت کے لئے ایک حور جنت کے لئے احکام جاری ہوگئے اور میری روحانی برہنگی کی شرم رکھ لی گئی اور پروانہ جاری ہو گیا، کہ ھن لباس لکم و انتم لباس لھن ایک دوسرے کی ستر پوشی کرو،

دل بہلانے کو کیسے مزے کے ایک دو بچھو رچار غلمان ملے اگرآج کل کی اصطلاح مین مین اون کو، (SUFFRAGETTES) یا تمھارے اختراع مین" اختراعیات" کہتا ہون) کام اس ساری مزدوری پر کچھ بھی نہ تھا، صرف ایمان و عمل صالح، اور گو مبادا بہت ڈانوا ڈول رہا، اور بحالت صحت بھی توحید کو دیا ضی کا ایک اصول سمجھا کیا جسکا تعلق محض دماغ سے ہے، جسطرح دو اور دو چار پر اعتقاد (بلکہ دراصل اس سے بھی کم اس لئے کہ اس آخری نظریہ پر تو بقصد تعالے اعمال و افعال کی بنیاد بھی غیر متزلزل اور قائم رہی، حالانکہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے خلاف بارہا عمل رہا) اور ممبرِ تو اکثر غائب ہی رہا، تاہم مزدوری ملنا ناغہ

نہ ہوا، آسمان سے پانی اوسی طرح برستا تھا، اور میری پیاس بھی اوسی طرح بجھاتا تھا، جسطرح کسی عابد، زاہد، متقی و پرہیزگار کی زمین کے مرے پیچھے اوسے میرے لئے اوسی طرح پھر زندہ کرتا تھا، جسطرح پیغمبروں اور صدیقون کے لئے بلکہ اوسکی پیداوار میں سے میرے حصہ کا رزق ان بزرگون سے کہین زیادہ اور وافر تھا، روئی، اون اور ریشم کے وہ باعث زیب و زینت ملبوس اس جسد خاکی کے عیب چھپانے کو ملے، کہ حلہائے شہدا کی اون کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی، پھر اتنا ہی نہین بلکہ اپنے طرح کے اور اپنے سے اچھے ہزار ون انسانون پر حکومت بھی نصیب ہوئی، اور نام و نمود سے بھی محروم نہین رہا، اور باوجود اسکے کہ "وضع وزر" نہ ہوا تھا، "رفع ذکر" بہت کچھ ہوا، پھر نہ منت نہ احسان؛ بقول سعدی

شاہ ما را زر دہد منت نہد   خالق ما رزق بے منت نہد

اے برادر عزیز! اوس بد بخت سے زیادہ کون غدار، باغی، نمکحرام، بے وفا، اور ناشکرا ہوگا، جو باوجود ان تمام نعمتون سے مستفیض ہونے کے اگر اور کچھ نہ کر سکے اور اپنے کو دست و پا بستہ سمجھے، (حالانکہ اوسی کے ہاتھ بے زور ہوتے ہین، جس کا دل الحاد کا خوگر ہوتا ہے،) تو کم از کم منہ سے تو اوس مہربان مربی کی ناشکری کرنے اور دوسرون کو ناحق ناروا اوسکی مہربانیون اور عنایتون، قوت اور قدرت مین اوس کا شریک گردانے سے بھی باز نہ آئے، اس سے بڑھ کر اور کیا عذاب دردناک ہوسکتا ہے، ضمیر کی ملامت سے بڑھ کر کس دوزخ کا التہاب ہے کہ اوسکی گرمی کو کوئی ذی حس برداشت کرے، یہی وہ آگ ہے، جسمین ایک بار گر کر انسان کا پھر نکلنا ہی مشکل نہین ہوجاتا ہے بلکہ لا یموت فیہا و لا یحییٰ کی تکلیف مالا یطاق سے سابقہ پڑتا ہے، کبھی علالت کے زمانہ مین تمھارا یہ حال ہوا ہے کہ نیند دیر سے نہین آئی ہے، اور بدن کا عضو عضو بیخوابی سے دکھنے لگا ہے، نیند کی سخت ضرورت ہے، مگر لاکھ بن بن کرتے ہو، آنکھین میچتے ہو، کروٹین بدلتے ہو، تکیہ اور بستر بار بار درست کرتے ہو اور اپنے تئین ہر طرح دھوکا دینا چاہتے ہو، کہ نیند آ رہی ہے مگر نیند ہے کہ کہین پتہ نہین، کوسون نشان نہین، آخر شب رات کا "لباس" اوتارنا پڑتا ہے اور دن کی "معاش" کا دور شروع ہوتا ہے، مگر "ثبات نوم" نہ ملنے کے باعث صبح کی کیفیت شام کی کیفیت

سے کہین بدتر ہے، عزیزم یہ تو محض جسمانی کیفیت کا حال ہے، اب اگر روح کی یہ حالت ہو اور ایک دو شب نہین بلکہ ساری عمر تو اوس زندگی سے موت کو بہتر نہ سمجھو گے، مگر یہ درد فرقت نہین جس کا علاج مرگ سے بھی ہو سکے، اور غسل میت کو بھی غسل صحت کہا جا سکے، لایموت فیہا ولا یحییٰ کا حکم اوسی طرح نافذ ہے،

عزیزم۔ ہزارون گناہ کر چکا ہون جنمین نہ کبیرہ کا شمار ہے، نہ صغیرہ کا، مدتون گناہ گاری کا احساس بھی نہ تھا، جب سے کچھ کچھ حس ہونے لگا ہے، عرقِ انفعال مین غوطے کھا رہا ہون پچھلا تجربہ کافی تھا، خدا کا شکر ہے کہ قدرے ہدایت نصیب ہوئی، ورنہ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض، اولئک ھم الخاسرون۔ ہمارے بھائی وہ بھی ہین، اور اب تک ہمارے ہی دوش بدوش کام کرتے رہے ہین، جنکو "زمانہ کے تلخ تجربون" نے "مجبور" کر دیا کہ میثاق اولین کو توڑین، اور دل سے نئے نئے میثاق گڑھین، اور ایجاد و اختراع کرین اور بجاے وصل کے قطع تعلق کرین اور پھر لطف یہ کہ نہ اپنے کو خسران مین ڈالنے والا سمجھین نہ مفسد بلکہ الٹا ہمین سے کہین کہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اور صریح تحریف معنوی کے مرتکب ہون، اور الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق اور الموفون بعھدھم اذا عاھدوا سنا کر ہم کو شرمندہ اور پشیمان کرین، اور گو اس کال کی بدولت کلوا واشربوا من رزق اللہ کی دعوت اون کی دسترس سے باہر ہے، تاہم لا تعثوا فی الارض مفسدین کی منادی فرماتے ہین، اور اگر ہم کہین کہ انما نحن مصلحون تو ہمین پر قرآنی فقرے کستے ہین کہ الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون اس پر مستزاد ہے انھین مقتدیانِ قوم سے میرا خطاب تھا، کہ ؎

عہد اوّل کو بھی اچھا ہو جو پورا کر دو ‏ ‏ ‏ تم وفادار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی،

خوفِ غمازہ، عدالت کا خطر، دار کا ڈر ‏ ‏ ‏ ہین جہان اتنے وہان خوفِ خدا اور سہی

مگر برادرم۔ یہان آفت تو یہ ہے، کہ اگر عہد اول کو پورا کرنے کا ارادہ کیا، تو پھر بہت سے عہد خود

ہی باطل معلوم ہونے لگتے ہین، اور شرکت خواہ کسی قسم کی بھی ہو، اوس محبوب دوجہان کو نہین بھاتی، اور اوس کی غیرت کو کسی نہج گوارا نہین، اس لئے خوفِ خدا کے بعد دل مین کسی اور خوف کی کب گنجایش رہتی ہے،

حسرت نے خوب کہا ہے:-

اہلِ ایمان رکھتے ہین کامل بہ فتوائے جنون
شانِ لاخوفٌ علیھم شیوۂ لایحزنون

اور پھر تجربہ با لخصوص "زمانہ کا تلخ تجربہ" وہی بتاتا ہی جو والعصر مین ارشاد ہے اور ایمان وعمل صالح کے ساتھ توصیت بالحق وتوصیت بالصبر کو گھاٹے سے بچنے کے لئے لازمی ثابت کر دیتا ہے، ایک شاخ بریدہ سے انسان سبق اندوز ہو سکتا ہے، (دیکھو نکتۂ ع:- ہر ورقے دفتریست از معرفتِ کردگار)

ڈالی گئی جو فصلِ خزان مین شجر سے ٹوٹ | ممکن نہین ہری ہو، سحابِ بہار سے
ہے لازوال عہدِ خزان اوسکے واسطے | کچھ واسطہ نہین ہے اوسے برگ وبار سے
فصلِ خزان ہے تیرے گلستان مین خیمہ زن | خالی ہے جیبِ گل زرِ کامل عیار سے
جو نغمہ زن تھے خلوتِ اشجار مین طیور | رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے
شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو | واقف نہین ہے قاعدۂ روزگار سے

ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ
وابستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

خدا کا شکر ہے کہ دل ڈانواڈول ہو ہو کر سنبھل سنبھل گیا اور کم از کم اُن فاسقین کے زمرہ مین تو نہین ہون، جنکی شان مین آیا ہے کہ ینقضون عهد الله من بعد میثاقه ویقطعون ما امر الله به ان یوصل ویفسدون فی الارض بلکہ اس پر قائم ہون کہ ؎

خو تیری دو روزہ، مرا پیمان ہے ازل کا | پابندِ جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

ع برین می زیم برہمن بگذرم، آمین ثم آمین

نہین بھائی مین خوش اور خدا کرے کہ میرا خدا بھی خوش ہو مین اوس سے راضی کاش وہ مجھ سے راضی ہو، قرآن پاک ایک مختصر سی کتاب ہے مگر جامع اور ہزارون مضمونون کا ایک مضمون اوس مین ادا کیا گیا ہے اور بار بار اوسی کی تکرار ہے، مگر وہ بزرگان دین بھی جو ہر وقت اوسی کی درس و تدریس مین مشغول ہین اب کچھ لمی و شوار کے الجھنون مین اسطرح پھنس گئے ہین کہ معاش و معاد دونون کی روح و اصلیت و حقیقت سے غافل نظر آتے ہین، نہ خدا کی خدائی سے ہمین واقف کرتے ہین، نہ رسول کی رسالت سے بہت ہوا تو نماز کی قواعد پریڈ مین انہماک اور روزہ کی حد مین غلو کر الی اللیل مین الی کے کیا معنی ہین، خیط الابیض کیا ہے اور خیط الاسود کیا، حج و زیارت مرقد نبوی سے بڑھ کر بزرگان دین کے مزارون پر جا کر دعاؤن مین مصروفیت تمام ہے، زکوٰۃ کا نصاب آنہ پائی تک درست رکھنے کی فکر ہے، مگر ہمین آجتک نہ بتایا کہ اس قواعد پریڈ سے اصل غرض حرض المومنین، اور اعدوا لهم ما استطعتم ہے، روزہ ہمارا (IRON RATION) ہے جس سے سپاہی بھوک کا تدارک کر سکین، حج حب وطن مین غلو سے روکتا اور صاحب الهجرتین کی سنت کی پیروی پر مائل کرتا ہے، اور زکوٰۃ سکھاتی ہے کہ انما اموالکم و اولادکم فتنة وان الله عنده اجر عظیم اور سب کا ماحصل صرف اسی قدر ہے کہ ان کان آباءکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله الخ ساری خدائی کی تخلیق کا مقصد آزادی ہے نہ حریت بلکہ غلامی اوس ایک الواحد القهار کی جسکے بعد باقی سب ایک گھاٹ

من و تو ھمہ و خواجہ تاشانیم　　　بندۂ بارگاہ سلطانیم

یہی حریت ہے یہی مساوات اور یہی اخوت، سارا کام ایک جد و جہد ہے، جسطرح ہوسکے زبان سے، مال سے، جان سے، بھائی ٹھیک کہا ہو کسی نے کہ مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب سانپ نکل گیا ہے، کینچلی پیچھے چھوڑ گیا ہے، میرے اور تمھارے تمام امراض کا (اور کونسا مرض ہے، جو اس بیمار مین موجود نہین) صرف کتاب اللہ

اور سنت رسولؐ سے، تمھارے دار المصنفین میں بڑے بڑے فلسفی اور سخندان اتر اکھا اور نقادین اور ہون گے،
مگر ہمین تو تم سے زیادہ تر اسی وجہ سے انس ہے، کہ تم قرآن اور سنت کے عاشق ہو ؎

باز خوان از نجد و از یاران نجد

تا بیاری کوہ و صحرا را بوجد

خدا بھلا کرے اس قید کا کہ کتاب اللہ پہلی بار سمجھکر پڑھنے کی کوشش کی گئی، اور سب کچھ کھو کر وہ گنج مخفی حاصل کیا جسکے مقابلہ مین گنج شائگان کی کوئی حقیقت نہین، اور رسول (روحی فداک یا رسول اللہ) کے حالات زندگی سے پہلی بار سبق لیا، تقریبًا دو سال ہوئے کہ میرے ہمنام مولانا محمد علی صاحب نے قرآن پاک کا ترجمہ انگریزی شائع فرمایا، اور مکرمی مرزا یعقوب بیگ صاحب نے ایک جلد کا ہدیہ ارسال کیا، سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا، تدوین قرآن پاک کے متعلق سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطبات احمدیہ مین کچھ آگاہی کا سامان فراہم فرما دیا تھا، جب (MINGUI) کو خبط سوجھا، اور بالکنا حولہ کو بوکنا پڑھ کر قرآن کے تحفظ کے متعلق بہت کچھ بک گیا (حالانکہ ارشاد ہو چکا تھا انا لہ لحافظون) تو اور بھی حالات پڑھنے مین آئے، خواجہ کمال الدین صاحب نے بھی اس طرف توجہ کی اور مولوی محمد علی صاحب نے دیباچہ مین پوری تصریح بھی کر دی مگر مین قرآن کی HISTORY اور جغرافیہ کا اوسی طرح متمنی رہا، جیسے پہلے تھا، چنانچہ اسی کی فرمایش مرزا یعقوب بیگ صاحب کی کہ دوسرے ایڈیشن مین اس کا اضافہ ضرور کیا جائے مگر یہ سہرا میرے سلیمان کے سر کے لئے ازل سے مخصوص تھا،

گمان مبر ز تو اردکہ دزد معنے من،،

متاع من ز نہان خانۂ ازل بر داشت

پہلی جلد ارض القرآن کی ظاہر ہے کہ دوسرے سے زیادہ خشک تھی، کیونکہ بنیاد مین وہ زیب و زینت نمایان نہین ہوتی جو عمارت مین نظر آتی ہے، اسی لئے شروع کرتا تھا اور پھر ختم کرکے رہ جاتا تھا، مگر دوسری جلد ملۃ ابیکم ابراہیم سے متعلق تھی، اسی قریبی رشتہ نے گھسیٹ لیا، اور اس عرصہ مین بارہا شوکت صاحب نے

روزانہ اخبارون اور کونسل کے مباحثات کی طرف متوجہ کرنا چاہا، مگر ع

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست می بردہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کا مضمون تھا جب تک ختم نہ کر لی کتاب نہین چھوڑی، اور مخبر صادق کی خبرون کے سامنے کوئی اور خبر مزیدار نہ معلوم ہوئی، مین تھا اور اوسی قید خانہ کی چار دیواری کے اندر سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین پر عمل کرنے کے لطف، اب بتائیے کہ تیسری جلد بھی ہوگی یا یہ استاذی و استاذنا شبلی مرحوم مغفور کا حصہ رہے گا، اور اس کا نام بجائے ارض القرآن کے سیرۃ نبوی ہوگا، بھائی خدارا جو پروف یا قلمی نسخہ ہو رجسٹرڈ کرکے بیمہ کرکے بہرحال کسی طرح مجھ تک پہنچا دو اور یہ حصہ واقعی تمھارا ہے، رفقائے ندوہ مین سے ایک صاحب معارف مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات لکھ رہے تھے، اب کیون خاموش ہین حضرت سعد بن معاذ کی حالت خستگی کی آخر دعا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تکفین، حضرت عبد اللہ ابن رواحہ کا آخری وقف نامہ اور پھر اپنے نفس سے خطاب کر بول اب دنیا مین تیرا کیا رہا جو مرنے سے اس قدر ڈرتا ہے، یہ وہ تاریخی سبق ہین، جن سے سب سے زیادہ ہم ناواقف اور غافل ہین، ورنہ ہمارے بچون کی درسی کتابون کے لئے ان قصون سے زیادہ پر لطف قصے اور ہمارے نوجوانون کے لئے ان واقعات عبرتناک سے زیادہ موثر پند و نصائح اور بوڑھون کے لئے تسکین قلب و اطمینان کا ان سے بہتر سامان کہان سے فراہم ہو سکتا ہے،

خدا کی قسم اسلام کی پچاس برس کی تاریخ مین وہ مواد موجود ہے جس سے ہمارے علاج اور ہماری اصلاح کے ہزار نسخے تیار ہو سکتے ہین، اور سارے یورپ کی تاریخ جسمین یونان، روم، انگلستان، فرانس وغیرہ سب شامل ہین، پچاس صدیون مین بھی اوس قدر مواد نہین دکھا سکتی، اور غضب یہ ہے کہ مین خود یورپ کی تاریخ کا محض اس بنا پر گرویدہ تھا کہ بادشاہون کی تخت نشینیون اور لڑائیون اور فتوحات کے علاوہ اس مین اصول سیاست سمجھنے کے لئے بے حد مواد فراہم کیا گیا ہے اور ہمارے لئے سبق آموزی کی بڑی گنجایش ہے، یہ سب کچھ اس قید فرنگ مین دل سے بھلا رہا ہون، اور اصلی سبق لے رہا ہون، پھر بھی تم اُسے انتہائے مصیبت سمجھتے ہو،

ارے بھائی مستو معافی مانگو، ہاتھ جوڑو، پاؤں پڑو، ناک رگڑو، اور دیکھو آیندہ ایسی انتہائی حماقت نہ کرنا ورنہ پٹ جاؤ گے میرے ہاتھ سے اور سرکارِ علیہ ناراض ہو جائے گی، سچ کہا تھا میں نے۔

یہ نظر بندی تو نکلی ردِ سحر — دیدہ ہائے ہوش اب جا کر کھلے
اب کہیں ٹوٹا ہے باطل کا طلسم — حق کے عقدے اب کہیں ہم پر کھلے
اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش — معرفت کے اب کہیں دفتر کھلے
فیض سے تیرے ہوئے قیدِ فرنگ — بال و پر نکلے قفس کے در کھلے

ورنہ یہ ہے کہ

طاقتِ پرواز ہی جب کھو چکے — پھر ہوا کیا گر ہوئے بھی پر کھلے

ابھی چند مراحل اور طے کرنا ہیں، خدا کرے یوں بھی ہو،

لو وہ آ پہنچا جنون کا قافلہ — پاؤں زخمی، خاک منہ پر، سر کھلے

ابھی چند درہائے معرفت اور کھلنے کو باقی ہیں،

رات تلچھٹ تک نہ چھوڑی تب کہیں — رازہائے بادہ و ساغر کھلے

ابھی تو:-

تشنہ لب ہوں مدتوں سے دیکھئے — کب درِ میخانۂ کوثر کھلے

مگر ہاں:-

رونمائی کے لیے لایا ہوں جان — اب تو شاید چہرۂ انور کھلے
اب تو کشتی کے موافق ہے ہوا — ناخدا کیا دیر ہے لنگر کھلے

اور کاش یہی سچ ہو جائے کہ:-

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر — مرکے جوہر آپ کے جوہر کھلے

اب اس خرافات کو ختم کرتا ہون گو مجھے ہفتہ مین دو ہی خط لکھنے کی اجازت ہی، مگر تم کو ہزارون پڑھنا اور سیکڑون لکھنا ہوتے ہین، مین وقت کاٹ رہا ہون اور تمھاری تضیعِ اوقات ہو رہی ہے، معاف کرنا بھائی۔ ہم قید ہی کے لئے موزون ہین، اگر چھوٹے اور یہ خرافاتی سلسلہ ساتھ لائے تو تم لوگون کو تو ایک تماشا ہاتھ آجائے گا،

شہر کے لڑکون کی بر آئی مراد   بند سے دیوانہ رہا ہوگیا

مگر اب اس دیوانگی کا ایسا لپکا پڑ گیا ہے، کہ قید اور رہائی کا فرق ہی جاتا رہا، بلکہ رہائی مین اسی طرح قید کی آرزو کیا کرین گے جسطرح کبھی قید مین رہائی کی کرتے تھے، میرا ایک شعر ہے،

لشک باقی ہے، اب تک گو تری محفل مین بیٹھا ہے۔

کہ رہ رہ کر خیال آتا ہے، جو ہر کو بیابان کا

اسی طرح مین ایک اور بھی ہے،

نکالا پیرہن پھر دل مین رکھا دستِ وحشت نے،

خدا کی شان ہے رتبہ ہو یہ خارِ مغیلان کا

اب تو اسی دعا کی آرزو ہے، کہ ع :- این آوارۂ کوے بتان آوارہ تر بادا،

سارے تجربون کا یہی نچوڑ ہے، کہ

کیا دھرا ہے عقل مین جز حیرت و سرگشتگی

پھر سے ہون پابند اس کا مین جو دیوانہ نہین

عشق ہے تو یہ ہے عقل ہے تو یہ ہے، ہوشیاری بھی یہی ہے، اور دیوانگی بھی یہی، اور خود ہی لکھ چکا ہون :-

شدتِ شوق ہی بس وجہ ہے اس مستی کی   ورنہ کچھ عقل کی خامی نہین دیوانے مین

اب جنون بہت بڑھ گیا ہے، اگر اسی طرح ایک آدھ صفحہ اور لکھا تو جان لو کہ جیب و گریبان و

داماں کی خیر نہیں ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف　　　آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

سب کو سب کا سلام، اب شوکت کی شکایت کی جا سکتی ہے نہ تمکو شکایت باقی رہ سکتی ہے، ارے بھائی یہ ہم

تو یکہ تو رہے، تو فرقے سب باہر باقی ہیں، یہاں تو یکسوئی ہے، اور یکتائی، عیدین میں بھی ایک امام اور دوسرا مقتدی ہے

موذن بھی اور مکبر بھی (اور یہی حال ہر جمعہ کا اور ہر جماعت کا ہے) عیدین میں ایک نے دوسرے کو گلے لگایا، گویا

ساری خدائی نے ساری خدائی سے عید مل لی، یہاں اس قطعہ کا لطف حاصل ہوا ہے،

مستان رسید عید بیاران ندا کنید　　　باشد ہزار شکر خدا را شنا کنید

زاہد اگر قبول شود روزہ و نماز　　　در کوئے مے فروش و گانہ ادا کنید

تمہارا خیر طلب بھائی

محمد علی

مطبوعات جدیدہ

کبیر صاحب: مولفہ جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی، ناشر ہندستانی اکاڈیمی الہ آباد،

ضخامت ۱۵۲ صفحے کاغذ دبیز لکھائی چھپائی ٹائپ مین اور جلد خوبصورت، قیمت

جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی اردو زبان کے لائق انشا پرداز ہین اور بے مبالغہ کہا جاسکتا ہے، کہ اسوقت ہندوؤن مین اردو لٹریچر کا واقف کار شاید ہی کوئی دوسرا ہو، پنڈت جی نے کبیر داس کے سوانح حالات لکھکر ہندوستانی اکاڈیمی مین پیش کئے تھے، جو وہان سے کبیر صاحب کے نام سے شائع ہوئے ہین "کبیر صاحب" چند ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب "مذہب" ہے جس مین اولاً مذہب کی تعریف سمجھائی گئی ہے، کہ مذہب نام ہے اپنے سے بالاتر ایسی قوت یا قوتون کے احساس کا جس سے حصول انتفاع و دفع شر کے لئے انسان چند اعمال کا پابند ہو، اور پھر مذہب کی اجمالی تاریخ بیان کیگئی ہے اور اسی ضمن مین مختلف گروہون کے خیالات اور انکے اعتراض و جواب کے اشارے پیش کئے گئے ہین، اور پھر بتایا گیا کہ مذہب اپنے دور مین ایک جدید تہذیب و تمدن کی بنیاد ڈالتا ہے اور پھر جب وہ تعلیمات مسخ ہوتے ہین، تو چند افراد اس کے خلاف آواز بلند کرتے ہین، کبیر داس انھی خاص افراد مین تھے، پھر دوسرا باب "ہندو مذہب کا ارتقا" ہے، اور تیسرا باب "ہندو مذہب کے اصول" ہے، اس مین آرین مذہب کی مکمل اجمالی تاریخ ہے اور پھر ہندو مذہب کے عقائد کی تفصیل ہے، مصنف کے نقطۂ نظر سے آرین مذہب کے ہر دور مین عقیدۂ وحدانیت کسی نہ کسی شکل مین اس مین موجود رہا اور جب اوسکی تعلیم مسخ ہوئی تو کوئی نہ کوئی مصلح پیدا ہوا، اور گوتم بدھ اور شنکر اچارج سے لیکر رامانند، کبیر، تلسی، سورداس، چیتنیا نانک اور رنجا رام انھی افراد مین ہین، اور اسی ضمن مین آرین مذاہب کی تمام شاخون کے مابہ الامتیاز حالات کی طرف

اشارے کئے گئے ہین، اس باب کے بعض حصے محل نظر ہین، اور کسی قدر طویل تبصرے کے محتاج ہین، چوتھا باب "کبیر صاحب کے حالات" مین ہے، جس مین اون کی زندگی کے مختلف پہلوؤن پر روشنی ڈالی گئی ہے، مگر ان کے سوانح حیات مین اب تک جو متضاد واقعات بیان کئے جاتے ہین، وہ ان اوراق مین بھی اوسی طرح نظر آتے ہین کسی طرف کوئی ترجیحی پہلو اختیار نہین کیا گیا ہے، پھر "کبیر صاحب کی تعلیم و تلقین" کا باب ہے، جسمین بتایا گیا ہے کہ وہ ہندو اور مسلمان دونون کو اپنے اپنے راستہ سے الگ کرکے ایک ہی راستہ پر لانا چاہتے تھے، اور اس سلسلہ مین اون کے چند عقائد توحید، بھگتی، پریم، مذہب کی نمایش، اور تناسخ وغیرہ اون کے کلام سے دکھائے گئے ہین، پانچوان باب "ہندو مسلمانون کا میل" کے عنوان سے ہے، جس مین اون کا اصل مسلک پیش کیا گیا ہے، اوس کے بعد کبیر صاحب کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور سب سے آخر مین فرقہ "کبیر پنتھ" کے حالات ہین،

جہان تک کبیر داس کی تعلیمات سے اندازہ ہوتا ہے، وہ ذاتی طور پر نہ خود ہندو کہلانا چاہتے تھے، اور نہ مسلمان لیکن یہ بھی صحیح ہے، کہ نہ اونھون نے ہندو ہونے سے انکار کیا اور نہ مسلمان ہونے سے، اس بنا پر اون کے حالات مین جو کتاب لکھی جاتی، وہ ضرور تھا کہ اسلام اور ہندو دونون نقطون سے ملکر یا دونون نقطون سے بیگانہ ہو کر لکھی جاتی، اون کے دو بابون مین "ہندو مذہب کا ارتقا" اور "ہندو مذہب کے اصول" بے محل ہین، اگر کبیر کی تعلیمات مین اس مذہب کی جھلک نظر آتی ہے، تو اوس سے زیادہ اسلامی تعلیمات کے نمایان اثرات پائے جاتے ہین، اور اوس کے اصول و عقائد پر اون کی تعلیمات کی بنیاد نظر آتی ہے، اسلئے اگر کبیر صاحب کی تعلیمات کو سمجھانے کیلئے بطور تمہید ہندو مذہب کے اصول بتانے کی ضرورت تھی، تو اوسکے پہلو بہ پہلو مذہب اسلام کے اصول بھی درج کرنے تھے، کہ کبیر نے ان دونون مذاہب مین کوئی فرق نہین کیا، ورنہ اگر ضابطے کے طور پر کبیر کو اسلامی حدود مین داخل کرنیکا فیصلہ نہین کیا جا سکتا، تو ہندو شاستر کے رو سے بھی کبیر ہندو مذہب کے پیرو نہین قرار پا سکتے، اسلئے کتاب کے دونون ابتدائی ابواب یا تو بے محل ہین، اور اگر برمحل ہین تو پھر ناقص ہین، ان مین ہندو مذہب کی تخصیص کی ضرورت نہ تھی، کہ کبیر صاحب کے متعلق علما کا فیصلہ جو کچھ ہو، لیکن مسلمانون مین خانقاہون کے گوشہ نشین صوفیہ کا خیال بھی پایا جاتا ہے، کہ کبیر نے تبلیغ توحید کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا، بڑے بڑے برہمنو کی پرانی مورتیان گنگا مین پھکوا دین، اور اپنے ساتھ بٹھا کر

رسوئی کرائی، اور عقیدۂ وحدانیت جو ہندو مذہب مین زائل ہو چکا تھا، کبیر کی کوششون سے پھر مقبول ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ انھین تعلیمات نے رفتہ رفتہ ہندؤن مین وحدانیت کا عقیدہ پھیلایا، اور ہندؤن کے بعض موجودہ فرقے انکی تعلیمات کے رہین منت ہین، امید ہے کہ جناب زتشی صاحب کی یہ تالیف ہندوستان کے تمام حلقون مین دلچسپی سے پڑھی جائیگی، کتاب کی زبان نہایت صاف شستہ اور روان ہے،

دہلی بارہوین صدی ہجری مین، مرتبہ جناب حکیم سید مظفر حسین صاحب حیدرآبادی حجم مجموعی ۱۶۶ صفحے، لکھائی چھپائی، اور کاغذ اعلیٰ، قیمت مجلد ہے، غیر مجلد ہے، پتہ بازار حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

نظام الملک آصفجاہ اول فرمانروائے دکن نے محمد شاہ (رنگیلے) فرمانروائے ہند کی طلبی پر مرہٹون کے سلسلہ مین ۱۱۵۱ھ مین دہلی کا سفر کیا تھا، اس سفر مین حیدرآباد دکن کے خانوادہ سالار جنگ کے ایک بزرگ نواب ذوالقدر درگاہ قلی خان سالار جنگ خاندوران، عہدہ دار دغگی ہرکارہ پر سرفراز ہوکر فرمانروائے دکن کے ہمرکاب آئے تھے، موصوف نے اس سفر کے حالات وکوائف کو ایک رسالہ کی شکل مین قلمبند کر لیا تھا، یہ رسالہ خانوادۂ سالار جنگ مین محفوظ تھا، اسی کو جناب حکیم سید مظفر حسین صاحب حیدرآبادی نے ترتیب و تحشیہ کے ساتھ مرتب کیا ہے، رسالہ کی ابتدا مین مرتب نے ایک بسیط مقدمہ لکھا ہے، جسمین اولاً بارہوین صدی ہجری کے دہلی کا تعارف کرایا گیا ہے، پھر دہلی کی بنا و تخطیط کے حالات بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد رسالہ کے مولف کا تعارف ہے، اور اس ذیل مین نام و خطابات اوصاف ذاتی، علم و فضل، اور وطن و سلسلۂ نسب کے تذکرہ کے علاوہ مولف کے آبا و اجداد اور اسلاف و اخلاف کے عہد بعہد کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے، اور پھر اس خاندان کے شاہی اسناد، پروانے، عطیات، جاگیرون، اور شجرۂ نسب وغیرہ کے اصل متن کی نقلین یکجا درج کیگئی ہین، اور نیز رسالہ کا ایک سرسری خلاصہ درج کیا گیا ہے، اور جابجا متعلقہ اشخاص وغیرہ پر مختلف مفید تعلیقات و حواشی ثبت کئے ہین، یہ مقدمہ ۵۷، صفحون مین ختم ہوا ہے، اس کے بعد اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، جو چند ابواب پر مشتمل ہے، اولاً قدوم دہلی کا تذکرہ کرنے کے بعد دہلی کے مزارات و آثار کا

ذکر ہے، اور اسی ضمن مین دہلی کے مختلف بازارون اور محلون کا تذکرہ آیا ہے، پھر اس زمانہ کے دہلی کے باکمال فقرا ر و صوفیا کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسکے بعد دہلی کے اردو فارسی زبانون کے شعراء اور مرثیہ خوانون کا ذکر ہے، پھر ایک باب مین ارباب نشاط کا تذکرہ نام بنام کیا گیا ہے، اور یہ باب طرز بیان کے لحاظ سے کسی قدر زیادہ شگفتہ اور رنگین ہے،

مرتب کے مقدمہ سے خاندان سالار جنگ کی تاریخ پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے، اور رسالہ سے دہلی کے مذہبی ادبی معاشرتی، اور تمدنی حالات کی ایک جھلک نظر آتی ہے، رسالہ مین آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی آٹھ نو عکسی تصویرین بھی منسلک ہین، جو خانوادۂ سالار جنگ کے مختلف بزرگون اور اون کی عمارتون وغیرہ پر مشتمل ہین،

اسلامی نظام تعلیم :- مترجمہ جناب فضل کریم خانصاحب درانی بی اے حجم ۵۶ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ. قیمت ۸/ پتہ :- قومی کتب خانہ ریلوے روڈ. لاہور،

ڈاکٹر ہانے برگ پروفیسر میونک یونیورسٹی نے ۱۸۵۰ء مین مسلمانون کے پانچوین چھٹی صدی ہجری کے نظام تعلیم پر ایک مختصر مگر پرمغز رسالہ بطور خطبہ پڑھا تھا جناب فضل کریم خانصاحب درانی نے اوسکو اردو مین "اسلامی نظام تعلیم" کے نام سے منتقل کیا ہے، مستشرق موصوف نے اس رسالہ مین اسلامی نظام تعلیم کے سلسلہ مین مدارس اور اونکی مختلف قسمین، اساتذہ اور اون کے مختلف درجے، طریق درس و املا، علمی و تعلیمی تحقیق و تدقیق کے طریقے اور ذریعے، اساتذہ و تلامذہ کے باہمی مراسم و تعلقات، عطائے اسناد کے مختلف طریقے، اساتذہ و تلامذہ کی جائے قیام اور ذرائع معاش وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے، اور اسی سلسلہ مین یورپ کے موجودہ نظام تعلیم مین اسلامی نظام تعلیم کے جو اثرات باقی رہ گئے ہین اُن کی جانب بھی اشارے کئے ہین، رسالہ اگرچہ مختصر اور اپنے موضوع کے لحاظ سے تشنہ ہے، اور بعض امور صحت کے لحاظ سے بھی محل نظر ہین، لیکن مستشرق موصوف نے غالبًا اس موضوع پر سب سے پہلی مرتبہ قلم اوٹھایا تھا، اسلئے اسمین جو ابواب قائم کئے گئے ہین، اور تحقیق و تفحص سے اون مین جو مواد فراہم کیا گیا ہے، اور جس ترتیب سے اون کو مرتب کیا گیا ہے، وہ قابل قدر ہے، ہم جناب درانی کو اس مفید رسالہ کے ترجمہ پر مبارکباد دیتے ہین، امید ہے کہ اردو دان طبقہ مین یہ رسالہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا،

مشاہدات سائنس :- از جناب سید محمد عمر صاحب حسنی بی ای (آ) ایم اے ای ای حجم ۲۲۴ صفحے
تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۱۲؍ پتہ :- مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی
یا انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

جناب سید محمد عمر صاحب حسنی انجینیر ریاست جوناگڈھ (کاٹھیاوار) ان اہل قلم مین ہین جنھون نے اردو زبان مین سائنس پر ابتدائی مضامین لکھ لکھ کر اردو دان طبقہ کو علوم جدیدہ کی جانب مائل کیا، موصوف دنیا یا ان اور جرمنی کی یونیورسٹیون کے تعلیم یافتہ ہین، اور وہان کے کارخانون مین عملی تجربہ حاصل کر چکے ہین، انھین اردو مین علوم جدیدہ پر لکھنے کا مذاق الہلال کلکتہ کے دور اول مین ہوا، اور اوسکے سائنٹفک مضامین اور علمی خبرین زیادہ تر وہی لکھتے رہے، اور پھر دوسرے رسالون مین بھی اکثر لکھتے رہے، اب اونھون نے انھی مضامین کو ہمارے دوست قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڈھی کی تحریک سے رسالہ کی شکل مین یکجا شائع کیا ہے، ابتدا مین قاضی احمد میان صاحب اختر کا لکھا ہوا ایک مختصر سا "تعارف" ہے جس مین مقالہ نگار کے حالات اور مقالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور پھر اصل مضامین شروع ہوتے ہین، جو سائنس کے مختلف دلچسپ عنوانون "تحت الثریٰ کی سیر" "بچون کی نشو و نما"، "قوت برق" "آسمانی بجلی" "دوربین" "برف باری" "روشنی کی رفتار" "نظام شمسی" اور "توپ کا گولہ" وغیرہ پر ہین، ہمین ان مین سے اکثر مضامین کے پڑھنے کا اس سے پہلے رسالون مین اور بعض کا اسی مجموعہ مین اتفاق ہوا ہے، طرز بیان نہایت سلیس اور سلجھا ہوا ہے، اور حتی الامکان اصطلاحین کم لانے کی کوشش کی گئی ہے، اگرچہ کہین کہین مساحتی مسائل کی تشریح سے کسی قدر "ثقل" پیدا ہو گیا ہے، اسی کے ساتھ موصوف کے دل مین اسلامی علوم وآداب کی عظمت موجود ہے، مضامین مین جا بجا مسلمانون کی سائنٹفک مساعی کے حوالے آگئے ہین،
ہمین اردو زبان مین ایسے اہل قلم کی بڑی ضرورت ہے، جو علوم جدیدہ کے خود ماہر ہون، اور انھین اردو مین رائج کرنے والے ہون، اسی کے ساتھ وہ مسلمانون کے قدیم علمی خدمات کے بھی قدردان ہون، توقع ہے کہ یہ رسالہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا،

احقاقِ حق: مصنفہ مولوی محمد ادریس خانصاحب نجیب آبادی، ناشر جناب محمد ایوب خانصاحب مہتمم عبرت نجیب آباد یوپی، ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی معمولی، ۸ر کے ٹکٹ بھیج کر مل سکتی ہے،

گاندھی جی کی خود نوشت سوانح عمری "تلاش حق" جب اردو میں شائع ہوئی، تو اس کو نجیب آباد کے چند علم دوستون نے پڑھا اور ان کے دل میں مذہبی حیثیت سے چند خدشات پیدا ہوئے انہی کو مولوی محمد ادریس خانصاحب نے زیر تبصرہ رسالہ "احقاق حق" میں مرتب کیا لیکن افسوس ہے کہ مرتب نے جو خدشات اس رسالہ میں پیش کئے ہیں، وہ زیادہ تر از خود پیدا کر دہ ہیں، دل کی آواز دل سے سمجھی جاتی ہے، ورنہ منطقی دلیلون اور الفاظ کے گورکھ دھندون میں اصل مفہوم کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے؛

گلگشت دکن اور **سیاحت آصفی** | از مولوی محمد صبغت اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محل حجم بہ ترتیب ۴۸ و ۲۱۲ صفحے قیمت سیاحت آصفی ۴ر مولف سے فرنگی محل لکھنؤ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"گلگشت دکن" کا تعلق مولف کے سفر حیدرآباد سے اور سیاحت آصفی کا تعلق حضور نظام کی سیاحت لکھنؤ سے ہے، ان رسالون کے مولف مولوی محمد صبغت اللہ صاحب شہید انصاری ۱۹۳۰ء کے اواخر میں ہفتون کیلئے حیدرآباد گئے تھے، واپسی کے بعد وہان کے حالات و تاثرات کو روزنامہ حقیقت لکھنؤ میں چند قسطون میں شائع کیا، گلگشت دکن انھی مضامین کا مجموعہ ہے جسمین وہان کے نظام حکومت اور عام تمدنی، معاشرتی، تعلیمی اور مذہبی حالات مختصر طور پر بیان کئے گئے ہیں، اور آخر میں "ریاست حیدرآباد مین ہندؤن کی حالت" کے عنوان سے ریاست کے ہندؤن کے عطایا، جاگیرون اور منصبون وغیرہ کے مفید اعداد و شمار یکجا کئے گئے ہیں؛ اور رسالہ "سیاحت آصفی" میں حضور نظام کے سفر لکھنؤ کی روداد تاریخ وار مرتب کی گئی ہے، جسمین بعض کو اُن زیادہ نمایان کر کے دکھائے گئے ہیں،

پیام نور: از مولوی عبد الوہاب صاحب مکی حجم ۲۲ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ، قیمت ۲ر مولف سے محلہ بسون گڑھی محمد ٹن بلاک بنگلور کے پتہ سے مل سکتی ہے،

مولوی عبد الوہاب صاحب مکی نے جنوبی ہند کے دور دراز خطہ سے مسلمانون کے سامنے ایک مختصر نظم میں "پیام نور" کے نام سے اپنا پیغام عمل پہنچایا ہے، یہ نظم ۳۲ بندون پر مشتمل ہے، جمین چند ایسے امور بیان کئے گئے ہین جنکے امتثال سے موصوف کے خیال مین مسلمانون کے موجودہ زوال کا خاتمہ ہو سکتا ہے نظم شستہ اور روان ہے؛

"م"

جلد سی ام	ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء	عدد ۳

مضامین

شذرات

الحمد للہ کہ سیرۃ النبی کی چوتھی جلد چھپکر تمام ہوگئی، اور امید ہے کہ وسط ستمبر تک خریداروں کے ہاتھوں میں آجائے، اس جلد کا عنوان منصب نبوت ہو، اسمین اولاً نبوت، منصب نبوت، اور آثار و لوازم نبوت پر تفصیلی بحث ہے، پھر ظہور اسلام کے وقت دنیا کی اخلاقی و مذہبی حالت کا تاریخی مرقع ہو، پھر آنحضرت صلعم کے پیغمبرانہ کارناموں پر ایک تبصرہ ہو، اور ان کو عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات کے چار حصوں میں تقسیم کر کے عقائد کے بیان کی تشریح شروع ہوتی ہو، اس سلسلہ میں اہل عرب کے غلط عقائد کی تردید، اور اسلامی عقائد کی ایک ایک کر کے تفصیل ہے، پہلے خدا، پھر ملائکہ، کتب الٰہی، انبیاء، جزا و سزا، اور قضا و قدر پر مفصل مباحث ہیں، کتاب کی ضخامت تقریباً سات سو صفحوں کی ہے،

سیرۃ کے علاوہ اس وقت دار المصنفین میں تین اور کتابیں زیر طبع ہیں، اور امید ہے کہ چند مہینوں میں وہ بھی منظر عام پر آجائیں، ایک تو سسلی کی اسلامی تاریخ کی پہلی جلد ہے، جس کی ضخامت چار سو صفحوں کی ہوگی، اسمین سسلی کا جغرافیہ، اسکی تاریخ، بحر روم میں اسلامی فتوحات، جزائر پر حملے، سسلی پر قبضہ اور پھر سسلی کی اسلامی حکومتوں کی مفصل تاریخ عروج و زوال ہو، اسکی دوسری جلد میں سسلی کی اسلامی تمدنی و علمی ترقیاں اور وہاں کے ارباب کمال کی سوانحعمریاں ہونگی،

دوسری کتاب سیر الصحابہؓ کی وہ جلد ہے، جسمین اُن چار صحابیوں کا حال ہو جنکو خلفاء اربعہ کے بعد امامت و خلافت کے دعووں سے تعلق رہا ہے، اور وہ حسنین علیہما السلام، امیر معاویہؓ، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، یہ جلد خصوصیت کیساتھ اہم ہے، کوشش کیگئی ہے کہ اس میں تاریخ اسلام کی ابتدائی پیچیدگیوں کو حل کیا جائے،

تیسری کتاب کا نام خیام ہے، یہ حقیقت مین اڈیٹر معارف کا ایک علمی مقالہ ہے جو دسمبر ۱۹۳۱ء کی اورنٹیل کانفرنس مین پیش کیا گیا تھا، اب اسی کو رباعیات کے مباحث بڑھا کر کتاب بنا دیا گیا ہے، خیال ہو کہ اس کے آخر مین خیام کے چند غیر مطبوعہ رسائل اور اس کے رباعیات کا ایک نیا نسخہ چھاپا جائے،

یورپ کے بعض مستشرقین نے ہمارے علم حدیث پر جو کتابین لکھی ہین، وہ تمامتر ناقص اور غلط فہمیون مین ڈالنے والی ہین، ضرورت تھی کہ کوئی ایسا شخص جو دونون طرف سے واقف ہو اس پر قلم اٹھائے، یہ معلوم کرکے خوشی ہوتی، کہ ڈاکٹر زبیر صدیقی مولوی فاضل ایم اے، پی ایچ ڈی (کلکتہ یونیورسٹی) نے عزم کیا ہو کہ وہ اس موضوع پر انگریزی مین ایک کتاب لکھین، چنانچہ انھون نے اس کیلئے مواد کی فراہمی شروع کر دی ہے، اور تین لکچر تیار کر چکے ہین، بقیہ کے لیے کتابون کے مطالعہ مین مصروف ہین، دعا ہے کہ موصوف کو اپنی اس کتاب کی تالیف مین پوری کامیابی نصیب ہو، اور وہ علم کی خدمت کیساتھ اسلام کی خدمت بھی انجام دین،

لوگون کو اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا کہ رنگون (برما) کے ایک مشنری اسکول سینٹ جبرئیل ہائی اسکول کے میگزین مین اڈیٹر کی طرف سے بطور سوال کے مسلمانون کیلئے ایک صد درجہ دل آزار شذرہ شائع ہوا ہے جس مین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ ارتحال کو نعوذ باللہ شراب پی کر بدمست ہو کر گرنے، اور لاش مبارک کو خنزیر کے کھا جانے کا نتیجہ لکھا ہے، (استغفر اللہ) افسوس ہو کہ عیسائیون کے عہد جاہلیت کے خیالات اس علمی روشنی کے زمانہ مین بھی باقی ہین، حالانکہ یہ عیسائیون کی حماقت و جہالت کے اُن قابل افسوس حصون مین سے ہے، جنکے ذکر پر ہر لکھے پڑھے عیسائی کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے، اور جب سے اہل یورپ مین اسلامی تاریخ کے براہ راست مطالعہ کا شوق پیدا ہوا ہے اس قسم کے اکاذیب کا دفتر از خود انھون نے چاک کر دیا ہے،

بہرحال اب اصل سوال یہ ہو کہ مخالفین کیطرف سے اس قسم کی شرارتون کا سلسلہ کبتک جاری رہیگا، اور قانون کبتک اس قسم کے شریرون کو موقع دیتا رہیگا، اور مسلمان اپنی نااتفاقیون کی قوت سے کبتک اس شرارت کو بڑھنے کا موقع دیتے اور قانونی چارہ جوئیون سے بچتے اور شریرون کی معافی کا اعتبار کرتے رہینگے،

مثال کیلئے کسی مدعیِ کفر کی نہین بلکہ خود ایک مدعیِ اسلام کی مثال سب سے تازہ ہے، اڈیٹر نگار نے اپنے ملحدانہ مضامین سے بصدق دل توبہ کا اعلان کیا، اور آیندہ مذہبی مضامین کے عدم اشاعت کا شریفانہ وعدہ کیا، اس اعلان اور وعدہ کو اپنے رسالہ مین بار بار چھاپکر شائع کیا، اس پر کچھ مسلمانون نے تحریراً اور اکثرون نے عملاً اُسکو معاف بھی کر دیا، مگر پھر بھی وہ "شریف مسلمان" اپنے ملحدانہ مضامین ابتک اسی طرح شائع کرکے اپنے اسلام اور شرافت کا برملا اعلان کر رہا ہے، اور نادانون مین اپنے کھوے ہوئے اقتدار کی بحالی کے لیے دوبارہ کوشان ہے،

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی مجلس تالیف و اشاعت نے جس کا نام اب **اردو اکاڈیمی** ہے، ایک سال سے نئی سرگرمی ظاہر کی ہے، اس سلسلہ مین اس نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ چوبیس روپے سال دیکر ہر شخص اس مجلس کا رکن ہوسکتا ہے، اور اسکو مجلس اپنی یا دوسرے اداروں کی چھپی ہوئی کتاب ہر سال پیش کیا کریگی، جامعہ مخلص نوجوانون کی کوششون کی جولانگاہ ہے، ضرورت ہے کہ ہر حیثیت سے انکی امداد کیجائے، اور اسطرح ایک ایسی امداد کا طریقہ آپکو ہاتھ آتا ہے جس سے آپ ہم خرما و ہم ثواب کے مستحق بنینگے، امید کہ اہل علم اور اہل درد مسلمان اکاڈیمی کے اس اپیل کی طرف توجہ فرمائین گے،

مصر مین مطبع معارف ایک مشہور علمی مطبع ہے، ۱۸۹۰ء مین چند علم دوست مصریون نے اسکی بنیاد ڈالی تھی، بڑے بڑے مصنفین نے اسکے ہان اپنی کتابین چھپوائین، وزراے تعلیمات نے اسکی ہمیشہ ہمت افزائی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسوقت مصر کے سب سے بہتر، سب سے اعلیٰ، سب سے خوبصورت اور صحیح چھاپنے والا مطبع بنگیا، گذشتہ سال ۱۹۳۱ء مین اس نے اپنے کامون کی ایک نہایت صاف و خوبصورت روداد نہایت عمدہ کاغذ پر شائع کی ہے، جسمین جدت یہ کیگئی ہے کہ مطبع کی تاریخ کیساتھ ان مصنفین کے سوانح اور تصویرین دی ہین، جنکی تصنیفات ان کے مطبع مین چھپی ہین، مطبع معارف مصر نے اپنی یہ رپورٹ اور مطبوعات کی فہرست مطبع معارف ہند کے نام بھیجی ہے اس مناسبت اسمی کی بنا پر مطبع معارف ہند، مطبع معارف مصر کا شکریہ ادا کرتا ہے،

مقالات

ایمان و عمل

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرؔویز، ہوم ڈیپارٹمنٹ شملہ

زمانہ ترقی کررہا ہے اور نہایت برق رفتاری کیساتھ، ظاہر ہو کہ اس تگ و دو جہد للبقا مین ایک عملی انسان کے راستہ مین جو روڑے بھی آئین گے وہ انھین ٹھکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائیگا، سب سے پہلے یورپ نے اپنی مادی ترقی کے راستہ مین مذہب کا پہاڑ دیکھا، جس نے صدیون سے ان کے قوائے عملیہ کو معطل و مفلوج بنا رکھا تھا، اعتقادات مین تین مین ایک اور ایک مین تین کی گتھی کو کوئی فلسفہ سلجھا نہ سکتا تھا، عملی زندگی مین ترکِ علائق اور "ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال آگے کر دینے" کے اصولِ حیات ایک قدم بھی ان کیساتھ نہ چل سکتے تھے، وہ ایک سکنڈ کے لیے رُکے، رک کر فیصلہ کیا، اور اپنے مستحکم ارادے کی ایک جنبش سے اس سدِّ راہ کو الگ کر کے رکھدیا اور مستانہ وار اپنی دھن مین آگے بڑھ گئے، ہندوستان مین بھی اس کا احساس پیدا ہو رہا تھا کہ جن طبیعی ذرائع کو مسخر کر کے ہزارون کام لیتے ہین، انھین معبود بنا کر کبتک کام چلیگا، یورپ کے فیصلے نے ان کے لیے بھی راہِ عمل کھولدی اور چند ہی سالون مین ہندوستان مین مختلف سماجون کے نام سے دنیائے عمل مین حرکت پیدا ہونی شروع ہوگئی، اسلام کی حقیقت سے واقفیت رکھنے والے دل خوش تھے کہ زمانہ نے خود وہ موقع پیدا کر دیا ہے کہ اسلام کی حقانیت لوگون پر خود بخود ظاہر ہوجائے اور اسلام کے اس دعوی کی تصدیق ہوجائے کہ واقعی دیگر شریعتین نامکمل اور وقتی تھین، اور زمانہ کی ترقی کے راستہ مین دیگر ادیان کی جب یہ حالت ہو جائے

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے

اس وقت اسلام اور صرف اسلام کو یہ فخر حاصل ہوگا کہ اسے اپنے عجز اور درماندگی کا اعتراف نہین کرنا پڑیگا،

اس لیے کہ مادی ترقی اسی ایک اصول پر ہو رہی ہے کہ مخلوقاتِ عالم میں سب کچھ حضرت انسان کے تابعِ فرمان ہے، اور قرآن کا مدت سے یہ فیصلہ چلا آتا ہے کہ وسخر لکم مافی السموات والارض جمیعًا یعنی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب انسان کے تابعِ فرمان ہے، اور علم آدم الاسماء کلھا، اور حضرت انسان کو تمام اشیاء کی حقیقت کا علم دیدیا گیا ہے، اس سے بڑھکر ترقی کا اصول ادا کیا ہوگا، دنیا ترقی کرتے کرتے کسی دوسرے جہان میں بھی کیوں نہ پہنچ جائے اسلام کا پیش کردہ مطمحِ نگاہ اس سے بھی آگے ہوگا، لیکن افسوس آج مسلمانوں کے طرزِ عمل نے اسلام کو بدنام کر دیا، دیگر اقوامِ عالم نے مذہب سے بیزاری اور برأت کا نام آزاد خیالی اور وسیع المشربی رکھا، یہ الفاظ بڑے دلفریب اور خوش آیند ہیں، ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ نے یہ تو نہ دیکھا کہ انھوں نے کس ضرورت سے مجبور ہوکر مذہب کو تیاگ دیا ہے، یہ سمجھنے لگے کہ واقعی آزاد خیالی اور وسیع المشربی انسان کے لیے طرۂ امتیاز ہے، انھوں نے بھی اپنے مذہب سے بیزاری شروع کر دی، یہ برأت فروعات تک ہی رہتی تو بھی خیر تھی، لیکن تقلیدِ مغرب کے غیر محسوس اثر نے وہ کام کیا کہ انھوں نے اصلِ دین کو بھی خیرباد کہہ دیا، اور جسوقت دنیا چاروں طرف سے مایوس ہوکر سمٹتی سمٹاتی اسلام کے قریب ہوتی چلی آرہی تھی یہ اسلام سے دور الگ جا کھڑے ہوئے، اسلام میں ایمان یا عقیدہ اصلِ دین ہے، لیکن آزاد خیالی نے یہ قید بھی ناقابلِ برداشت خیال کی، ایکطرف سے آواز آنے لگی کہ

ہے رہنمائے خلق عمل جس کے نیک ہوں
کافر ہو وہ عقیدہ میں یا دیندار ہو

یا

بہتر ہے گر عمل سے عقیدہ برا کرے
ایسے سبق ہمیں نہ پڑھایا کرے کوئی

دوسری طرف سے نعرہ بلند ہوا کہ

"ایک نیکوکار مشرک کو محض اسلئے مستوجبِ سزا کیوں قرار دیا جائے کہ اس نے بتوں کے آگے گردن جھکائی تھی"
(نیاز فتحپوری)

یہ اخلاقی تعلیم جسکا ملخص یہ ہے کہ نجات کے لیے ایمان کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ محض "حسنِ عمل" ہی کافی ہے، بظاہر بڑی دلفریب تھی، قرآن سے ناواقف مسلمانوں پر اپنا اثر کر گئی، اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان "مسلم برہمو سماجیوں" کی ایک اچھی خاصی جماعت پیدا ہو گئی ہے، ان آزاد خیال حضرات میں سے کچھ لوگ تو اس ذہنیت کے ہیں

کہ اگر ان سے کہا جائے کہ یہ خیال قرآنی تعلیم کے یکسر منافی ہے تو وہ صاف کہدیتے ہیں کہ اگر قرآن ایسی ہی تنگ نظری کی تعلیم دیتا ہے تو ہمیں اسکی ضرورت نہیں، ہمارے نزدیک تو مذہب نام ہے معقولیت پسندی کا اور جو چیز ہماری عقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی ہم اسے ماننے کے لیے تیار نہیں، گویا وہ چاہتے ہیں کہ قرآن کو انکی انفرادی عقل یا ان لوگون کی عقل کیجو ان کے ہم خیال ہون تابع ہونا چاہئے،

مگر ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر ہر شخص کی عقل عمر کے مختلف منازل مین یکسان نہین رہتی، اور اجتماعی طور پر ہر زمانے مین بھی عقل کا معیار ایک نہین ہوتا بدلتا رہتا ہے، اسلئے اس کے دوسرے معنی یہ ہین کہ قرآنی حقائق بھی اسی طرح تغیر پذیر ہوتے رہین جیسے جیسے ان کی عقل مین کمی بیشی ہوتی رہے،

لیکن ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اس ضرورت کو تسلیم کرتی ہے کہ دین کے معاملہ مین کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے کیلئے قرآنی احکام ہر حال مین ہمارے لئے واجب التسلیم ہونے چاہئین لیکن پھر مذکورۂ بالا عقیدہ کی بھی پر زور مدد سے تائید کرتی ہے، اول الذکر جماعت کے لیے جو محض عقل کے معیار پر اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتی ہے، اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، معارف کے صفحات مین سید سلیمان صاحب کا ایک بصیرت نواز مقالہ شائع ہو چکا ہے، ادھر مولنا عبد الماجد صاحب نے اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز مین ضرورتِ ایمان پر ایک مبسوط مضمون سپرد قلم فرمایا، جو سچ مین شائع ہو چکا ہے، لیکن حیرت ہے کہ مؤخر الذکر طبقہ کے اکثر احباب اس غلط فہمی مین مبتلا ہین کہ قرآن کریم بہ صراحت اس عقیدہ کو باطل نہین ٹھہراتا، ذیل کی چند سطور مین یہ دکھانے کی کوشش کیجائیگی کہ قرآن کریم کا اس ضمن مین صریح اور واضح فیصلہ کیا ہے، اور مقصد اس سے یہ ہے کہ جو لوگ فی الواقع قرآنی تعلیم کو غلط سمجھے ہوئے ہین، انکی غلطی کا ازالہ ہو جائے اور جو لوگ دیدہ و دانستہ قرآن کی آڑ مین لوگون مین یہ باطل عقیدہ پھیلانا چاہتے ہین، لوگون پر انکی حقیقت واضح ہو جائے

عشق آذر و خلیل اللہ ز آذر چہ عجب ‏ ‏ ‏ یا صمد گو ے شو گر صنم از تیشۂ ما

قرآن حکیم مین بعض احکام مجمل طور پر بیان ہوے ہین جنکی صراحت کے لیے قرآن ہی کے دیگر مقامات یا اسوۂ نبی اکرم صلعم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، لیکن اکثر حقائق ایسے واضح اور کھلے ہین کہ ان مین کسی تاویل

کی گنجایش نہین، ایمان و عمل قرآن کا مخصوص مضمون ہے، اور مین تو کہونگا کہ اگر قرآن کو اس نقطۂ خیال سے ایک دفعہ پڑھ لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ جو پیغام قرآن کی وساطت سے اہل عالم کو بھیجا گیا ہے، وہ محض ایمان و عمل ہے اور اسی ایک چیز کی اشاعت کے لیے اسلام کا وجود دنیا مین آیا ہے، قرآن کریم مین جس کثرت سے اٰمنوا اور اعملوا کا حکم آیا ہو، شاید ہی کہین ورنہ ان مین کوئی مقام ایسا نہین ملیگا جسمین اعملوا کا حکم ہو اور اس سے قبل اٰمنوا کی تاکید نہ ہو، یا جہان انعامات خداوندی کا ذکر ہو، دین و دنیا مین فلاح وبہبودی، سرخروئی وکامرانی کا وعدہ ہو، اور اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے دونون ٹکڑے عاطف و معطوف نہ ہون، کوئی ایسی جگہ نہین ملیگی جہان صرف عملوا الصلحت کو نتائج حسنہ مرتب ہونیکا ذریعہ قرار دیا ہو، یہ ہے تاکید عملوا الصلحت کے ساتھ ایمان کی، اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے بنیادی چیز ہی اصل ایمان کو قرار دیا ہے نہ کہ اخلاق کو، اور جن لوگون کا نظریۂ اخلاقی تعلیم ہے وہ قرآن کے بنیادی اصول کے بالکل برعکس جاتے ہین،

اب یہ دیکھنا ہے کہ اعمال بلا ایمان کی حقیقت، قرآنی زاویۂ نگاہ سے کیا ہے، بظاہر یہ اصول بڑا خوش آیند معقول اور دلفریب معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص سے جب نیک اعمال سرزد ہوتے ہین تو اُسے ان اعمال کی جزا کیون نہ ملے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قرآن ان اعمال کو کچھ وقعت بھی دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انکی کچھ اصلیت اور حقیقت بھی ہے،

(۱) ارشاد ہوتا ہے،

مثل الذین کفروا بربھم اعمالھم کرماد	جو لوگ اللہ پر ایمان نہین رکھتے انکی مثال یون سمجھو کہ
اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف لا	انکے اعمال راکھ کیطرح ہین جسپر کسی طوفان کے روز تند و تیز
یقدرون مما کسبوا علی شیئ	ہوا چلے، انکو اپنے اعمال پر کچھ بھی مقدرت حاصل نہ ہوگی،
ذالک ھو الضلل البعید (سورۂ ابراہیم ۸)	اور یہ انکی سخت گمراہی ہے،

(۲) دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ تفصیل کیساتھ مذکور ہے،

والذین کفروآ اعمالھم کسراب بقیعۃ	جو لوگ ایمان نہین رکھتے انکے اعمال ایک صحرا مین سراب
یحسبہ الظمان مآء حتیٰ اذا جآءہ لم	کیطرح ہین جسے ایک پیاسا پانی سمجھتا ہو، (اور اسکی طرف
یجدہ شیئاً ووجد اللہ عندہ فوفّٰہ	جاتا ہو لیکن) جب اسکے پاس جاتا ہو تو وہان کوئی (اصل)
حسابہ، واللہ سریع الحساب، اوکظلمٰت	چیز اسے نظر نہین آتی (البتہ) اللہ تعالیٰ اسے وہان نظر آتا ہے
فی بحر لجی یغشٰہ موج من فوقہ موج	اور وہ اُسے اسکا حساب پورا پورا دیتا ہے، کیونکہ وہ بہت جلد
من فوقہ سحاب، ظلمٰت بعضہا فوق	سریع الحساب ہے، یا (انکے اعمال) ایک بحر ذخار مین گھٹا ٹوپ
بعض اذآ اخرج یدہ لم یکد یرٰیھا	اندھیرے کی طرح ہین جہان موج پر موج متلاطم ہو اور
ومن لم . . . . (سورۂ نور ۳۹-۴۰)	ان کے اوپر بادل، تو بر تو ظلمات اور اندھیرا جب وہ اپنا ہاتھ
	باہر نکالے تو سجھائی نہ دے (اور حقیقت یہ ہو کہ) جسے اللہ تعالیٰ روشنی نہ دے اسے کہیں سے روشنی نہیں مل سکتی

صحیح فرمائیے اس سے زیادہ ان کے اعمال کی بے مائگی اور عدم حقیقت کی اور کیا مثال ہو سکتی ہو، اور اس سے زیادہ واضح طریق بیان انکی خود فریبی ظاہر کرنے کا اور کیا ہو سکتا ہو، ان آیات کی موجودگی مین ایمان کے بغیر اعمال کو کوئی اہمیت دینا یا انھین وقیع اور حقیقی خیال کرنا کبھی قرآنی تعلیم کے مطابق ہو سکتا ہے،

یہ تو ہوا کہ ان کے اعمال کی حقیقت کچھ نہین، اب یہ دیکھئے کہ ان کے اعمال حسنہ غارت کس طرح ہو جاتے ہین جسے ہم انگریزی مین کہین گے (TOBECOMENULL)

(۳) سورۂ آل عمران کی ۲۱-۲۰ آیات مین مذکور ہے :-

ان الذین یکفرون بآیات اللہ	جو حق بار یتعالیٰ پر ایمان نہین لاتے . . . . یہ وہ لوگ ہین
اولٰئک الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا	جنکے اعمال اکارت گئے، دنیا اور آخرت مین، اور اُن کا
والاٰخرۃ وما لھم من نٰصرین ،	کوئی مددگار نہین،

یہ لوگ عام طور پر کہا کرتے ہین کہ آخرت مین جب تمام نیک و بد اعمال کا موازنہ ہوگا، تو جس شخص کے ایمان کے

بغیر اعمال حسنہ ہونگے، ان اعمال کا بھی تو موازنہ ہوگا، اور ان کا عروۃ الوثقیٰ یہ آیت ہوتی ہے کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ، کہ جس نے ذرہ بھر بھی نیکی یا بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لیگا، یہ حکم بالکل برحق ہے، لیکن غور طلب امر یہ ہے، کہ جس چیز کو آپ عمل خیر قرار دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے وجود کو بھی تسلیم کرتا ہے یا نہیں، پہلی دو آیات میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ ان اعمال کو راکھ یا سراب قرار دیکر واضح کر دیا ہے کہ انکی حقیقت ہی کچھ نہیں، جب انکی حقیقت ہی مسلم نہیں تو ان کا موازنہ کیسا، جب اعمال غارت ہی ہو گئے تو ان کا صلہ کہاں سے لازم آئیگا، اس حقیقت کو دوسری جگہ زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا ہے، اور یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ان اعمال کے لیے میزان ہی قائم نہ ہوگی، ملاحظہ فرمائیے،

۴۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالاً	اے رسول (اکرم صلعم) اُنسے کہئے کہ آؤ تمھین ان لوگون کی
. . . .	خبردین جو اپنے اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان مین
. . . .	ہین، یہ وہ لوگ ہین جنکی مساعی اسی دنیا مین نامشکور ہوئین
. . . .	وانحالیکہ وہ (بزعم خود) سمجھتے تھے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے
. . . .	ہین، یہ وہ لوگ ہین جو اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے حضور
. . . .	مین حاضر ہونے پر ایمان نہین رکھتے، پس انکے اعمال غارت
. . . .	ہو لئے، اور قیامت کے دن انکے لیے میزان تک کھڑی نہین
. . . .	کیجائیگی، ان کی سزا جہنم ہوگی، کیونکہ وہ ہماری وحی پر ایمان
. . . .	نہین رکھتے تھے، اور وحی اور ہمارے رسولون پر استہزار
. . . .	کرتے تھے، (لیکن) جو لوگ ایمان لائے اور (اسکے بعد)
. . . . عنھا حولا،	عمل صالح کئے انکے لیے فردوس برین تیار ہے، وہ اسین
(کہف ۱۰۷-۱۰۳)	رہینگے اور وہان سے نکلنے کی کبھی خواہش نہ کرینگے،

کیا اس مین کسی تاویل کی گنجایش ہے،

اور دیکھئے، عام طور پر ایمان نہ رکھنے والون کے "اعمال حسنہ" جو ہماری آنکھون کو خیرہ کئے دیتے ہین انکی خیرات ہوتی ہے، وہ مال خرچ کرتے ہین، سبیلین لگاتے ہین، مویشیون کے پانی پینے کیلئے نل لگاتے ہین، اور کئی قسم کے خیراتی فنڈون مین روپیہ دیتے ہین، یا اپنے طریق پر معابد مین بھی جاتے ہین، یہ وہ اعمال ہین جنکے لیے کہا جاتا ہے کہ کوئی وجہ نہین کہ یہ رائگان جائین، آئیے دیکھین قرآن شریف اس بارہ مین کیا حکم دیتا ہے،

۵- یا ایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یومن باللہ والیوم الاخر . . . . قوم الکفرین، (بقرہ ۲۶۴)

اے ایمان والو اپنی خیرات کو احسان وایذا رسانی سے رائگان نہ کرو اس شخص کی طرح جو محض دکھاوے کیلئے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہین رکھتا، اسکی مثال ایک ایسی ہموار چٹان کی سی ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو جب اس پر زور کی بارش ہو تو وہ مٹی بہا کر لیجائے اور چٹان صاف کی صاف دھری رہجائے، انکو اپنے اعمال سے کچھ فائدہ

اس کے بعد صاحب ایمان کے انفاق فی سبیل اللہ کی مثال دی ہے کہ اس کا مال صرف کرنا گویا ایک باغ پر بلند سطح زمین پر، جسپر اگر زور کی بارش ہو تو دگنا پھل لاتا ہے، لیکن اگر زور کی بارش نہ بھی ہو اور ہلکا سا ترشح ہی ہو جائے تو وہ بھی کافی ہوتا ہے، اور نوا ور حاجیون کو پانی پلانا اور خانہ کعبہ کی محافظت اور خدمت جیسے اعمال حسنہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

۶- اجعلتم سقایۃ الحاج . . . . قوم الظلمین ، (براءت ع ۱۹)

کیا تم خیال کرتے ہو کہ حاجیون کو پانی پلانا اور خانہ کعبہ کی خدمت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے اور اسکے راستے مین جد و جہد کرنے کے برابر ہے یہ ہرگز نہین، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ قطعی برابر نہین ہین، اور اللہ زیادتی کرنیوالون کو

الذین امنوا . . . .

جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہجرت کی اور مال وجان سے

فائزون ، (برأت ۲۰)

اسکے راستہ مین جہاد کیا، اللہ کے نزدیک انکے نہایت بلند درجے مین، اور یہی لوگ حقیقی معنون مین فائز المرام ہین ،

دیکھ لیجئے اعمال بلا ایمان اور بالایمان کا تقابل و توازن، یہ تو تھوڑی سی خیرات کا ذکر ہے، دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے،

۷۔ ان الذین کفروا لوان لهم ما فی الارض جمیعا و مثله معه لیفتدوا به من عذاب یوم القیمۃ ما تقبل منهم ولهم عذاب الیم ، (مائدہ ۳۶)

جو لوگ ایمان نہین رکھتے اگر انکے پاس جو کچھ زمین مین ہے وہ سب کا سب اور اتنا ہی اور ہوتا کہ عذاب قیامت کا فدیہ ہوجائے، کبھی قبول نہین کیا جائیگا، عذاب اور دردناک عذاب تو ان کو مل کر ہی رہیگا،

یہ تو ان لوگون کا ذکر ہے جو ایمان لائے ہی نہین، ان لوگون کا حال سنیے جو ایک وقت مین ایمان لائے اعمال صالحہ کئے لیکن بعد مین اس ایمان سے پھر گئے، ان کے متعلق حکم ہوتا ہے،

۸۔ ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئک حبطت اعمالهم . . . . خالدون ، (بقرہ ۲۱۷)

اور جو تم مین سے اپنے دین سے پھر جائے اور اس حالت مین مرجائے کہ وہ ایمان نہ لایا ہو، پس اسکے تمام اعمال دنیا اور آخرت مین رائگان گئے، وہ جہنم مین جائیگا، او وہین رہیگا ،

ان سے زیادہ روشن، صریح اور واضح نصوص قرآنی اور کیا ہو سکتی ہین ،

ایک مسلمان کے لیے قرآنی حکم کے بعد کسی مزید سند کی ضرورت باقی نہین رہتی، لیکن چونکہ یہ تقاضائے بشریت ہے کہ کوئی حکم اگر معقول طور پر بھی سمجھ مین آجائے تو مزید تقویت ایمانی کا باعث ہوتا ہے، اس لیے مین یہان مختصراً یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہون کہ قرآن نے جو اعمال بلا ایمان کی کچھ قدر و قیمت مقرر نہین کی، اور ایمان جانے کیساتھ ہی تمام اعمال کو بے معنی اور رائگان قرار دیا ہے، جو صاحب عمل کے لیے کسی صورت مین

بھی نفع رسان نہیں ہو سکتے، یہ کوئی تنگ نظری نہیں ہے بلکہ دنیا کے عمل میں روز یہی کچھ ہوتا ہے، اور ہر جگہ نہ صرف جائز بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے، آج قہرمانیت اور استبداد کا دور نہیں، دنیا کے قریب قریب ہر گوشہ میں مہذب حکومتیں قائم ہیں، قانون اور معدلت گستری ان کا اساس ہے، کسی سے حکومت یا بادشاہِ وقت کا بے معنی رعب منوانا مقصود نہیں ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت کو حکومت تسلیم کرانا کس قدر ضروری سمجھا جاتا ہے، ایک شخص نہایت پرامن زندگی بسر کرتا ہے، تمام حقوقِ شہریت جو اس پر عائد ہوتے ہیں بحسن وخوبی ادا کرتا ہے، ساری عمر میں کوئی کام خلافِ قانون اس سے سرزد نہیں ہوتا، کبھی کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوتا، خیرات کرتا ہے، غریبوں اور یتیموں کی پرورش کرتا ہے، کسی کو ستاتا نہیں، غرضیکہ "اخلاقِ حسنہ" کا مکمل نمونہ ہے، لیکن کبھی حکومت کو یہ شک گذرتا ہے کہ حکومت یا بادشاہ کے خلاف اس کے دل میں جذبۂ منافرت ہے (اس حکومت کو حکومت تسلیم نہ کرنا یا اسکی بجائے کسی اور حکومت یا بادشاہت کو برسرِ اقتدار دیکھنے کی خواہش کرنا تو بہت بڑی بات ہے) قرائن سے حکومت کو پتہ مل جاتا ہے کہ یہ درست ہے، تو اس حکومت کے قانون کے رو سے سب سے زیادہ سنگین سزا اگر کسی کو مل سکتی ہے تو اس کا مستوجب یہ پرامن انسان ہوگا، تختۂ دار پر لٹکا دیا جائیگا، عبور دریائے شور کر دیا جائیگا، جیل خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بند کر دیا جائیگا، جائداد ضبط کر لیجائیگی، اور جو اس کا ہم خیال ہوگا، یا جس سے ہمدردی کا اظہار کریگا وہ بھی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا نظر آئیگا، اور یہ حقیقت کہ اُسنے اپنی تمام عمر میں اس قدر نیک اعمال سرانجام دیئے ہیں، ذرہ بھر بھی اس کے لیے سفارش نہ کرینگے، دنیا کی مہذب سے مہذب حکومت اسے جائز، جائز ہی نہیں ضروری بلکہ اشد ضروری سمجھتی ہے، اور کوئی شخص اسے تنگ نظری قرار نہیں دیتا، اس کے اعمالِ حسنہ کی کوئی قیمت نہیں پڑتی اور کوئی اسے "غضب" نہیں سمجھتا، اور تو اور جو لوگ انقلاب برپا کرکے کسی نظامِ حکومت کو پلٹ کے رکھدیتے ہیں، جب خود ان کی حکومت آتی ہے تو ان میں بھی یہ قانون موجود ہوتا ہے، اور دنیا کی تاریخ ایسی ایک نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، جہاں حکومتِ وقت کے یہاں ایسا قانون موجود نہ ہو، اور اُسے ضروری قرار نہ دیا گیا ہو، بڑے سے بڑے عادل، نرم دل، رعایا پرور،

حکومت کو خلق اللہ کی خدمت سمجھنے والے بادشاہون کے یہان بھی یہ قانون موجود رہا ہے، اور آج بھی موجود ہے، کیا یہ وہی چیز نہین جسے مذہب کی زبان مین "ایمان" کہا گیا ہے، دنیاوی حکومتین چھوٹے چھوٹے قطعات ارض پر ہوتی ہین، لیکن اس تمام نظام عالم کو قائم رکھنے کے لیے ایک بڑی حکومت کی ضرورت ہے، اور وہ حکومت اس احکم الحاکمین کی ہے، ہر چند اس حاکم اعلیٰ کا مقصد یہ نہین کہ لوگ اسکے رعب کو مانین یا وہ (خاکم بدہن) جور و استبداد سے اپنی حکومت کو محض نشۂ حکومت کی غرض سے منوائے، کیونکہ اس کا فرمان ہے کہ اگر تمام روے زمین کی مخلوق اسکی حکومت کی قائل ہوجائے تو اسکی شان کبریائی مین ایک ذرہ بھر کا بھی اضافہ نہین ہوگا،

اسی لئے حکم ہوتا ہے،

یمنون علیک ان اسلموا . . . یہ سمجھتے ہین کہ مسلمان ہونے سے تم انکے زیر بار احسان ہوا نسے

. . . . کہدیجئے کہ تمھارے اسلام ... احسان نہین ہوتا

. . . . بلکہ اس سے تو اللہ تعالیٰ کا احسان تمھاری گردنون پر ہے کہ

صادقین (حجرات ۔) جس نے تمھین ایمان و ہدایت کا راستہ دکھایا، اگر تم سچے ہو،

اور اگر سب لوگ اس سے منکر ہوجائین تو اسکی حکومت مین ایک شمہ بھر کی کمی نہین آسکتی لیکن چونکہ وہ رؤف بالعباد ہے اور دنیا کا نظام اسکی فطرت و معدلت پر قائم رکھنا ضروری ہے اس لیے وہ ایک رعایا پرور بادشاہ کی طرح اس نظام حکومت کا استحکام و بقا ضروری سمجھتا ہے، لہذا جو شخص اسکی حدود سلطنت مین ہے اس پر اسکی حکومت کا وجود تسلیم کرنا ضروری ہے، اور جو اس کے خلاف جائے اسکو سخت سے سخت سزا دینا نہ صرف جائز بلکہ پرامن رعایا کی فلاح وبہبودی کے لیے ازبس ناگزیر یہی چیز ہے جسے کفر کہا گیا ہے، اور یہی وہ جرم ہے جس کے مرتکب کا کوئی عمل اسکی سفارش نہین کرسکتا، اور نہ اسکی کوئی قدر و قیمت حکومت کی میزان مین ہوسکتی ہے،

اس مثال مین ایک نمایان فرق ذہن نشین کرلینا نہایت ضروری ہے، دنیوی حکومتین اگر حکومت کے دشمنون کو قابل دار سمجھتی ہین تو ہر چند ایک عادل حکومت کے پیش نظر مقصد تحفظ امن عامہ ہوتا ہے، لیکن

اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ ایک حد تک خود حکومت کے استحکام و بقا کا راز بھی اسمین پوشیدہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے والے اگرچہ حکومت کے منعم علیہ ضرور ہوتے ہین لیکن اسمین حکومت کی اپنی غرض بھی مضمر ہوتی ہے کہ اسکی طرفدار جماعت بڑھے اور کسی زبردست طاقت کے مقابلہ کے وقت تقویت کا باعث ہو، لیکن برعکس اسکے اس احکم الحاکمین کی کوئی اپنی غرض اس مین وابستہ نہین ہوتی، نہ کفار کی سرزنش مین اور نہ مومنین کے انعام مین، کیونکہ وہ ذات غرض و احتیاج سے بلند و بالاتر ہے، اور چونکہ اسکو کسی زبردست کے حملہ کا خطرہ بھی نہین لہذا اس کے اندفاع کے لئے اپنی طرفدار جماعت بڑھانے کی فکر ہے، ورنہ استحکام حکومت کے لئے کسی فتنہ پردازی کی تخریب کی ضرورت، اس کے احکام محض مخلوق کی پرورش و تحفظ کے لئے ہین ورنہ اس کی ذات تو غنی حمید ہے)

دنیوی حکومتین تو اس کا اس قدر اہتمام کرتی ہین کہ جس شخص کو انتظام حکومت کے حل و عقد مین تھوڑا سا بھی دخل ہوتا ہے، اس سے پہلے حلف وفاداری لیا جاتا ہے، اور تو اور جس شخص کو وائسرائے ہند مقرر کرکے بھیجا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اسکی وفاداری پر کسے شبہہ ہوسکتا ہے کیونکہ جب تک اسپر کامل اعتماد نہ ہو نائب السلطنت جیسا ذمہ دار عہدہ کس طرح تفویض کردیا جائے، لیکن ساحل بمبئی پر اترکر سب سے پہلا کام جو اسے کرنا پڑتا ہے، وہ یہی "تجدید ایمان" ہے اور جب تک وہ حلف وفاداری نہ لے لے، وائسرائے نہین کہلا سکتا، اگرچہ بہت سی صورتون مین یہ حلف اب بطور ایک رسم (FORMALITY) کے ادا کیجاتی ہے لیکن اسمین حلف لینے والون کا قصور ہے کیونکہ جو شخص جانتا ہے کہ زبان سے وہی کچھ کہنا چاہئے جو دل مین ہو وہ اس حقیقت سے آشنا ہے کہ اس رسم کی اصلیت وہی اقرار باللسان و تصدیق بالقلب ہے،

عزت و وقار کی زندگی کیا ہے: اس کا جواب انسانون کے قائم کردہ معیار کے مطابق کچھ ہی دیا جائے اسمین کچھ نہ کچھ جنبہ داری کی جھلک ضرور آجائیگی، قرآن چونکہ کسی انسان کا پیغام نہین اس لیے وہ رنگ و نسل کے امتیازات، جغرافیائی حدود اور تاریخی قیود سے بلند و بالا ہے، اس نے اس سوال کا جواب ان الفاظ مین دیا ہے:

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم یعنی تم مین سے سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک قابلِ عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، سارا قرآن اس ایک اصول کی تائید کرتا چلا جاتا ہے کہ دنیوی عزت و تکریم اور اخروی فلاح و نجات کا معیار تقوی اور صرف تقوی ہے "متقی" کی زندگی قرآن نے دنیا و آخرت مین بطور ایک (IDEAL LIFE) کے پیش کی ہے چونکہ تقوی کو اس قدر اہمیت دیگئی ہے، اس لیے جب ہم قرآن کریم کو کھولتے ہین تو سب سے پہلے جس بات کا ذکر ہے وہ "متقی" کی تعریف ہے، متقی کون ہے، اس کا جواب قرآن یہ دیتا ہے،

۷۔ الم۔ ذلک الکتاب لاریب فیہ . . . . المفلحون (بقرہ ۔ ۵ ۔ ۲) — اس کتاب مین کوئی شک و شبہہ نہین، اور یہ ہدایت ہے متقیون کے لئے کون لوگ، جو ایمان لاتے ہین غیب پر، نماز قائم کرتے ہین، اور جو کچھ اللہ نے انھین دیا ہے اسمین سے خرچ کرتے ہین، وہ لوگ جو ایمان لاتے ہین اس چیز پر جو تم پر نازل کیگئی، اور نیز ان تمام صحف اولی پر جو تم سے پہلے نازل کیے گئے، اور آخرت پر انکو یقین ہے، یہی لوگ ہدایت یافتہ ہین اور یہی لوگ فائز المرام،

دیکھ لیجئے بدنی اور مالی عبادات یعنی اعمال صالحہ سے پہلے اور پیچھے ایمان کی شرط عائد ہو رہی ہے، یعنی ایمان اور عمل دونون کے مجموعہ کا نام تقوی ہے جو معیار ہے قرآن کے نزدیک نجات فی الدارین کا، صرف اعمال کا کہین ذکر نہین،

ایک اعتراض اور کیا جاتا ہے، یعنی اعمال کیساتھ ایمان کی ضرورت بھی تسلیم کر لیجائے تو یہ کہان سے لازم آتا ہے کہ جس شکل کا ایمان قرآن نے متعین کیا ہے اسی طرح کا ایمان سب لوگ لائین، خدا کا تخیل جداگانہ ہے، اسے خاص حدود مین مقید کیون کیا جائے، اس ضمن مین یہ بھی کہا جایا کرتا ہے کہ خدا پر ایمان تو ضروری ہے تو یہی سہی لیکن پھر قرآن اور نبی اکرم صلعم پر ایمان کیون ضرور ہے، ایک شخص یہودی رہتے ہوئے، دوسرا شخص عیسائی رہتے ہوئے بھی نجات کا مستحق ہو سکتا ہے، اور اپنے اس دعوی کے دلیل مین وہ لوگ قرآن کی یہ آیت پیش کیا کرتے ہین،

۸ - ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصٰری والصابئین . . . . یحزنون - (بقرہ ۸-۶۲)

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہیں یا نصاریٰ یا صابئین ہیں جو بھی (ان میں سے) اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور عمل صالح کرتا ہے ان کا اجر ان کے اللہ سے ملیگا، انکے لیے کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا،

بظاہر یہ چیز بھی بڑی خوش آیند معلوم ہوتی ہے لیکن آئیے ہم دیکھین کہ قرآن کے زاویہ نگاہ سے اسکا مطلب کیا ہے، قرآن فہم احباب سے یہ پوشیدہ نہین کہ قرآن کا یہ مخصوص اسلوب بیان ہے کہ ایک چیز کو ایک جگہ واضح اور بین طور پر بیان کرتا ہے اور اس کے بعد جہان جہان بھی اس کے حوالہ کی ضرورت پڑتی ہے اجمالی طور پر اسکا ذکر کرتا چلا جاتا ہے، آیت مندرجہ بالا مین یہود، نصاریٰ اور صابئین کے ساتھ ایمان کی شرط عائد کیگئی ہے، اور ایمان کا ذکر یہان مجمل طور پر کیا گیا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے اسکی تفصیل کس طرح بیان کی ہے، اسی سورۂ بقرہ مین اس کا ذکر موجود ہے اور لطف یہ ہے کہ اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جو اوپر لکھا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

۹ - وقالوا کونوا ھودًا او نصٰری تھتدوا . . . . سمیع علیم،

(بقرہ ۶-۱۶-۱۳۵)

یہ کہتے ہین کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تم سیدھے راستے پر ہوگے، تم نے کہو کہ نہین بلکہ (سیدھا راستہ) ملت ابراہیم حنیف کا ہے، اور وہ مشرکین مین نہین، کہتے ہم ایمان رکھتے ہین اللہ پر اور جو ہم پر نازل ہوا ہے اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور انکی نسل کے انبیاء پر نازل ہوا ہے اور جو دیا گیا ہے موسیٰ اور عیسیٰ کو اور تمام انبیائے کرام کو اللہ کی طرف سے ہم کسی ایک مین بھی فرق نہین کرتے اور ہم مسلمان ہین، پس اگر یہ لوگ ایمان لائین جیسا کہ تم ایمان لائے ہو پھر یہ راہ ہدایت پر ہونگے، اور اگر پھر جائین تو یہ علٰحدہ ہوگئے، پس انکے

[illegible]

یہ ہے تفصیل اس اجمال کی جو پہلی آیت (بقرہ ع ۶۲) مین مذکور ہے، اور ایمان کے لیے یہ شرط ہے کہ اسی قسم کا ہو جس قسم کا نبی اکرم صلعم اور ان کے متبعین ایمان رکھتے ہین، اب اس آیت کے معنی واضح ہوگئے کہ چاہے یہود و نصاری ہون صابئین ہون، جو بھی قرآن کے مطابق ایمان لے آئینگے اور اعمال صالحہ کرینگے اس کا اجر اللہ سے ضرور ملیگا، اجر کے لیے ایمان اور ایمان بھی قرآن کے مطابق ایمان کی شرط عائد کر دی، دوسری جگہ مذکور ہے

۱۰- اٰمن الرسول . . . . — اسکا ایمان ہے اس چیز پر جو اللہ نے اسپر (نبی اکرم صلعم)
. . . . . . کل اٰمن باللہ و — پر نازل کی ہے، اور (متبعین) تمام ایمان رکھتے ہین اللہ
ملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ . . . — پر، ملائکہ پر، اسکی کتابون پر اور اس کے رسولون پر، اور
. . . . . . رسلہ (بقرہ ع ۲۸۵) — ان مین کسی ایک مین بھی فرق نہین کرتے،

ظاہر ہے رسل اور کتب مین جب تک نبی اکرم صلعم اور قرآن کریم شامل نہ ہو، ایمان مکمل نہین ہوسکتا، سورۂ اعراف مین حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے ہین کہ "یا اللہ ہم پر اس دنیا مین اور آخرت مین بھلائی کا حکم کر دے" جواب ملتا ہے:-

۱۱- قال عذابی اصیب بہ من یشاء، ورحمتی وسعت کل شئ
. . . .
. . . .
. . . .
. . . .
. . . ھم المفلحون،
(اعراف ۱۵۶-۵۷)

(اللہ نے کہا): ہمارا عذاب جسے ہم چاہین اسے ملیگا (اور) ہماری رحمت تمام چیزون پر حاوی ہے، لیکن (بالخصوص) ہمنے ان لوگون کے لیے اسکا حکم کر دیا ہے کہ جو متقی ہین، زکوٰۃ دیتے ہین اور ہماری وحی پر ایمان رکھتے ہین، وہ لوگ جو اتباع کرینگے نبی امی (صلعم) کا جنکو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل مین لکھا ہوا پاتے ہین، جو انھین حکم دیگا بھلائی کا اور منع کریگا برائی سے، اور پاکیزہ چیزین انپر حلال کریگا، اور نجس اشیاء حرام، اور ان سے بوجھ اور طوق و سلاسل دور کر دیگا، پس جو لوگ اسپر ایمان لائین گے،

کیا نبی اکرم صلعم اور قرآن کریم پر ایمان لانے کے لیے اس سے زیادہ روشن اور واضح دلیل کی ضرورت باقی رہجاتی ہے، یہ اسلیے ضروری ہے کہ جس قسم کا خدا پر ایمان قرآن نے پیش کیا ہے، اس قسم کا پاکیزہ اور مکمل خدا کا تصور کسی اور جگہ نہین نہین ملتا، خدا پر ایمان لانے کے یہ معنی ہین کہ اسے ایک ایسی واجب الوجود مکمل ہستی مانا جائے جو تمام صفاتِ حسنہ کی جامع بھی ہو، اور سرچشمہ بھی، اسمین کسی نقص کا احتمال نہ ہو، اس قسم کا خدا صرف قرآن کا بتلایا ہوا خدا ہی ہے اور قرآن پر صحیح ایمان کے لیے یہ لازمی ہے کہ جس کی وساطت سے انسانون تک خدا کا کلام پہنچا ہے، اسے اصدق القول مانا جائے ورنہ اگر اسکی صداقت مین شبہ ہوگیا تو قرآن پر ایمان کس طرح آئیگا اور قرآن کے بغیر خدا کا صحیح تصور کس طرح پیدا ہوگا،

نبی اکرم صلعم پر ایمان لانا تو ایک طرف انکی تعظیم و تکریم کے لیے قرآن مین یہ حکم موجود ہے،

۱۲- یا ایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی . . . . تشعرون (حجرات-۲)

اے ایمان والو نبی صلعم کی آواز سے اپنی آواز بلند نکرو، اور جس طرح آپس مین زور زور سے باتین کرتے ہو، اسطرح اس سے باتین نکرو، ورنہ ایسا کرنے سے تمہارے اعمال رائگان چلے جائینگے اور تمہین اسکا علم بھی نہ ہوگا،

وہی ضبط اعمال ہے جو ہم حوالہ نمبر ۳ اور نمبر ۴ مین دیکھ آئے ہین، اسی طرح سے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے روسے رسولؐ کی اطاعت فرض قرار دیگئی ہے، دوسری جگہ حکم ہے،

۱۳- و من یطع اللہ و رسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر . . . . عذاب المھین (النساء ۴-۱۳)

جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے، اللہ اسے جنت مین داخل کریگا جس کے نیچے نہرین جاری ہین وہ اس مین رہین گے، اور یہ فوز عظیم ہے، (لیکن) جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا اور اسکی حدود سے تجاوز کریگا وہ جہنم مین بھیجدیا جائیگا اور اسکے لیے ذلت آمیز عذاب ہوگا،

(باقی)

مستشرقین کی بین الاقوامی مؤتمر کا اٹھارہوان اجلاس

منعقدہ لائڈن، ۷ - ۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

از

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، ایم اے، پی ایچ ڈی (لنڈن) گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

ہمارے عزیز دوست شیخ عنایت اللہ صاحب جو اپنے رشحات سے اکثر معارف کو سیراب کرتے رہے ہین، وہ چند سال کے علمی سفر کے بعد اب وطن کو کامیاب مراجعت فرما ہوئے ہین، شیخ صاحب مشرق و مغرب کی کئی زبانون کے ماہر ہین، اور آیندہ اُن سے ہم کو بہت کچھ علمی توقعات ہین، کانفرنس مذکور کا مختصر حال مارچ ۳۲ء کے معارف مین گو چھپ چکا ہے، مگر تفصیلی روداد یہ پہلی بار شائع ہورہی ہو۔

"معارف"

مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس کا اٹھارہوان اجلاس گذشتہ سال ستمبر کے دوسرے ہفتہ مین بمقام لائڈن (ہالینڈ) منعقد ہوا تھا، جس کی مختصر کیفیت امیر شکیب ارسلان کے فرانسیسی رسالہ "قوم عرب" کے حوالہ سے معارف بابتہ مارچ مین شائع ہوچکی ہے، راقم الحروف نے جو اس زمانہ مین لندن مین اقامت پذیر تھا، کانگریس مذکور مین بذات خود شرکت کی تھی، ایک مدت سے ارادہ تھا کہ اس کے مفصل حالات سے ناظرین معارف کی ضیافت طبع کا سامان مہیا کرون مگر افسوس کہ بوجوہات چند اپنے خیال کو تا حال عملی جامہ نہ پہنا سکا،

افتتاحی جلسہ

مؤتمر کی صدارت عمومی اسلامیات اور عربی زبان کے فاضل اور لائڈن یونیورسٹی کے مشہور عالم

پروفیسر ڈاکٹر سنوک ہرخرنیے (SNOUCK HURGRONJE) سے متعلق تھی، چنانچہ موتمر کا افتتاحی جلسہ ان کی صدارت میں لائڈن کے ٹاؤن حال میں ۷ ستمبر کو بوقت تین بجے سہ پہر منعقد ہوا، جلسہ کا آغاز ہالینڈ کے وزیر تعلیم کی تقریر سے ہوا، جس میں اس نے اپنی حکومت کی طرف سے شرکاے جلسہ کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ "ملک ہالینڈ کو مشرقی السنہ اور علوم کیساتھ کئی صدیوں سے دلچسپی ہے، جبکہ ابھی اس نے ایک استعماری سلطنت کی حیثیت سے زور نہیں پکڑا تھا، چنانچہ اس عہد میں ولندیزی علماء کے درمیان عبرانی اور عربی کے کئی جید عالم پیدا ہوئے اسکے بعد جب ولندیزی جہازرانوں نے اپنے وطن کیلئے مشرق کی تجارت کا راستہ کھولدیا تو اہل ہالینڈ اور اہل ہند کے درمیان براہ راست تعلق پیدا ہو گیا اور اہل ملایا کیساتھ تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی خواہش نے ان دور دراز ممالک کی زبانوں اور وہاں کے باشندوں کے رسوم و عادات کے متعلق اپنی معلومات کے بڑھانے کی ضرورت پیدا کی، بہرکیف یہ سچ ہے کہ اہل ہالینڈ کے استشراق کو خالصۃً صرف انھیں مادی اغراض سے تحریک نہیں ہوئی، سترھویں صدی میں ہالینڈ میں مذہبی مشن کا کام شروع ہوا، اس مشن کی خواہش تھی کہ عیسائیت کی برکات کو اہل مشرق تک پہنچایا جائے، چنانچہ بائبل کو جزائر ملایا کی زبانوں میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی، اس طور پر وہ پادری لوگ جو ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم تھے، دیسی زبانوں کی تحصیل و مطالعہ میں پیش پیش نکلے، اس کے بعد متعدد علمی انجمنوں نے مشرقی علوم و السنہ کی تحصیل و تحقیق کے کام کو جاری رکھا، ارباب حکومت کے حلقوں میں یہ خیال مستحکم ہوتا ہے کہ مشرقی لوگوں پر حسن و خوبی کیساتھ حکمرانی کرنے کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ پہلے ان کو اچھی طرح سمجھا جائے"

(وزیر تعلیم کے اس اظہار سے کہ گذشتہ عہد میں ولندیزی مشن کی تبلیغی مساعی کے ضمن میں بھی مشرقی السنہ کے درس و مطالعہ کو ترقی حاصل ہوئی ہے، امیر شکیب ارسلان کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے ان کی اصل فرانسیسی رپوٹ کو نہیں دیکھا، مگر (اردو ترجمہ میں) ان کے روایت کردہ الفاظ کا اخیر جملہ یقیناً صحیح نہیں ہے، اور اس پر امیر موصوف نے ملاحظات کی جو عمارت کھڑی کی ہے، کم از کم وزیر مذکور کی اصل تقریر میں اس کے لئے کوئی بنیاد نظر نہیں آتی)

خطبۂ صدارت

اس کے بعد صدر کانگریس پروفیسر ہُرخرینے نے فرانسیسی زبان مین ایک نہایت پرمغز اور برمحل خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ تقریبًا نصف صدی کی بات ہے کہ اسی مقام پر میرے واجب التعظیم استاد کوئنان (KUENEN) نے اسی کانگریس کے چھٹے اجلاس کا افتتاح کیا تھا، یہ پہلی کانگریس تھی جس مین مین بعہد نوعمری شریک ہوا تھا، جبکہ میرا توشۂ علم قابلِ رحم طور پر نہایت قلیل تھا، اس کانگریس نے میرے دل و دماغ پر ایک گہرا نقش چھوڑا، اس شاندار محفل کی صفِ آخرین مین نشست اختیار کرتے ہوے اگر مجھے کسی بات کی ضرورت تھی تو صرف اس امر کی کہ بزرگانِ محفل میری شرکت کی جرأت کو نظرِ اغماض دیکھین، اب جبکہ عمر رسیدگی نے مجھے اس کانگریس کی صدارت پر فائز کر دیا ہے، مجھے آپ حضرات سے یہ درخواست کرنی ہے کہ از راہِ کرم آپ میری ان خامیون اور کوتاہیون سے چشم پوشی کرین جو بتقاضاے سن لازمی ہین، نہ تو ان کا میرے پاس علاج ہے اور نہ ہی مین ان کو چھپا سکتا ہون"

اس کے بعد انھون نے چھٹے اجلاس کا موجودہ اجلاس سے مقابلہ کرتے ہوئے اس حیرت انگیز علمی ترقی کا ذکر کیا جو پچھلے پچاس۵۰ سال مین مشرقیات کے میدان مین رونما ہوئی ہے،

"چھٹی کانگریس مین صرف ۱۰۹ ممبرون نے شرکت کی تھی، جو تقریبًا تمام تر یورپ کے علمی مراکز کے نمایندے تھے، ریاستہاے متحدہ امریکہ نے صرف دینیات کا ایک پروفیسر بھیجا تھا، مشرقی ممبرون مین صرف تین ہندوستانی عالم تھے، اور ایک عرب تاجر نوا در قدیمہ جوان دنون تجارتی غرض سے ہالینڈ مین آنکلا تھا، اس اثنا مین شعبۂ مشرقیات مین جو ترقی ہوئی ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے اس اجلاس کے ممبرون کی مطبوعہ فہرست دیکھنا یا اس جلسہ گاہ مین چارون طرف نظر دوڑانا کافی ہے"

" ہمارے عہد مین اہل امریکہ اپنے علمی اور مادّی ذرائع و وسائل کی بدولت ان لوگون کی صف

اوّل مین ہین جنھون نے اپنے آپ کو مشرق کے درس و مطالعہ کے لیے وقف کر رکھا ہے، مزید بران ہمارے مشرقی بھائیون کی روز افزون شرکت کار (جس پر ہماری مساعی کی کامیابی موقوف ہے) اس بات کی شاہد ہے کہ مشرقی اور مغربی دل و دماغ نے ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کی قدر پہچاننے مین بہت حد تک ترقی کر لی ہے؛

اس کے بعد صدر جلسہ نے حسب ذیل الفاظ جرمن زبان مین ادا کئے، کیونکہ اس جملہ کے مخاطب اصلی جرمن لوگ ہی تھے: "اہل جرمنی نے مشرقی تحقیقات مین جو حصہ لیا ہے، وہ اس وقت بھی ایسا ہی شاندار تھا، جیسا کہ اب ہے، اس عہد مین اُن کے علماے خصوصی نے میدان علم مین جو لمبے لمبے قدم بڑھائے ہین، اُن کی بدولت انھون نے تقریباً ہر شعبہ مین اول درجہ حاصل کر لیا ہے، اس لحاظ سے ہم اس بات پر اور بھی زیادہ متاسف ہین کہ ہماری اس کانگریس کے جرمن ممبرون کی تعداد اُن کی اہمیت کے تناسب سے بہت کم ہے، بہرکیف ہم تہِ دل سے اُن جرمن شرکاے جلسہ کا خیر مقدم کرتے ہین، جو مشکلات زمانہ کے علی الرغم یہان اپنے شاندار وطن کی نمایندگی کر رہے ہین، ہم امید کرتے ہین کہ خارجی حالات کی بہتری سے عنقریب جرمن علمار کے لیے اعلیٰ علمی مقاصد کے حصول کا راستہ کھل جائیگا"

پھر دوبارہ فرانسیسی مین تقریر جاری رکھتے ہوے کہا کہ "۱۸۸۳ء مین صنف لطیف ہمارے جلسون مین تقریباً ناپید تھی، شرکا مین ان کی تعداد ایک درجن سے زیادہ نہ ہوگی، وہ درجہ جو عورت نے فی زمانناً زندگیٔ عامہ مین حاصل کر لیا ہے، ہماری کانگریس کے دفترِ استقبالیہ سے بھی ظاہر ہے جس کا تمام عملہ صنف نازک پر مشتمل ہے، اور جو کانگریس کے ممبرون کو ہر قسم کی اطلاع بہم پہنچانے کے لیے مستعد ہے، اسی طرح ان عورتون کی تعداد سے جن کے نام کانگریس کے ممبرون کی حیثیت سے مندرج ہین، یا جھون نے اپنے مضامین پڑھے ہین، یہ بات ظاہر ہے کہ صنف نازک نے تحقیقات علمیہ کے مختلف شعبون مین اپنے شایانِ شان جگہ پیدا کر لی ہے"؛

پھر مقرر نے اس ترقی کو تفصیل کیساتھ بیان کیا جو مشرقیات کے میدان مین پچھلے پچاس سالون مین واقع
ہوئی ہے اور کہا کہ مشرقی تحقیقات اتنے مختلف شعبون مین تقسیم ہوگئی ہے کہ اس امر کا قوی خطرہ ہے کہ علمائے
استشراق اپنے اپنے خاص شعبہ یا مضمون کے تنگ دائرہ مین اس قدر منہمک اور محصور ہوجائین کہ وہ دیگر
شعبون کی کارگذاری اور نتائج تحقیق سے بہت حد تک بے خبر رہین، اندرین حالات ہماری کانگریس منجملہ ان وسائل
کے ہے جنسے اس قسم کے خطرات کا ازالہ اور تدارک مقصود ہے تاکہ ہم مین یہ خیال مستحکم رہے کہ مباحث کے تنوع
اور انتشار کے باوجود ہماری تحقیقات ایک ہی سلسلہ مین منسلک ہین"

اس خطبہ کے بعد افتتاحی جلسہ ختم ہوگیا اور شہر کی ایک مجلس کیطرف سے حاضرین جلسہ کی چائے وغیرہ
سے تواضع کیگئی، اسی رات کو حکومت ہالینڈ کی طرف سے تمام شرکائے کانگریس کو دارالسلطنت ہیگ مین ایک
شاندار استقبالیہ محفل (RECEPTION) مین مدعو کیا گیا،

کانگریس کے مختلف شعبے

اگلے روز کانگریس کی کارروائی نو مختلف شعبون مین منقسم ہوگئی جنکے جلسے چار پانچ روز تک علی التواتر
مقامی یونیورسٹی کی مختلف عمارتون مین منعقد ہوتے رہے، شعبہ سوم (وسطی اور مغربی ایشیا) اور شعبہ ہشتم
(اسلام) کی تفریق کچھ ایسے اشخاص کے لیے تکلیف دہ اور مایوس کن تھی جو ایران اور اسلام کے متعلقہ
مباحث کے ساتھ یکسان دلچسپی رکھتے تھے، کیونکہ ایک شعبہ کو چھوڑے بغیر دوسرے مین شرکت کرنا ممکن نہ تھا
کل (۴۷۰) اشخاص نے کانگریس مین بنفس نفیس حصہ لیا جنمین سے (۱۱۰) (ASSOCIATED)
ممبر تھے، ان ایسوشی ایٹڈ ممبرون کی اکثر تعداد شرکائے کانگریس کی بیویون پر مشتمل تھی، جو اپنے خاوندون
کے ہمراہ ہالینڈ کی سیر کو آئی تھین، اگرچہ شروع شروع مین مستشرقین کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کا ارادہ ظاہر
کیا تھا، مگر بہت سے لوگ خصوصاً جرمن علما، بوجہ اقتصادی حالات کی خرابی یعنی تنگی و عسرت کے شریک
نہ ہو سکے، جرمن علما کی قلت کی یہ بھی وجہ تھی کہ چند سالون سے جرمن مستشرقین اپنے ہان ایک علیحدہ کانگریس

ہر دوسرے سال آسٹریا یا جرمنی کے کسی شہر مین منعقد کرتے ہین، جسکا نام انھون نے Orientaltag یعنی یوم المستشرقین رکھا ہے،

شرکاے کانگریس مین تقریبًا نصف ایسے اصحاب تھے، جو مختلف حکومتون، یونیورسٹیون یا علمی مجلسون کی طرف سے نمایندے بنکر آئے تھے، ہندوستانی یونیورسٹیون مین سے پنجاب یونیورسٹی کے نمایندہ وہان کے وائس چانسلر مسٹر اے سی. وولنر تھے، بمبئی کے آنریبل جسٹس مرزا علی اکبر خان، علی گڑہ کے ڈاکٹر زنکو اور جامعۂ عثمانیہ کے نمایندے ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر حسین بن فیض اللہ الہمدانی، ایم اے (بمبئی)، پی ایچ ڈی (لندن) تھے،

شعبۂ اسلام،

چونکہ مجھے بذات خود زیادہ تر شعبۂ اسلام کیساتھ دلچسپی تھی، اس لیے اکثر اسی شعبہ کے جلسون مین شریک رہا، اگرچہ چند ایک مقالے شعبۂ سوم مین ایرانی اور ترکی مضامین پر بھی سنے، اس شعبہ کی صدارت عمومی لائڈن کے پروفیسر (Wensinck) سے متعلق تھی مگر مختلف ایام مین مختلف سربرآوردہ علمار نے اس کی صدارت کی، پروفیسر ہرخرینے نے بھی زیادہ تر اسی شعبہ کو اپنی شرکت سے مشرف کیا، اور تمام مقالات غایت توجہ سے سنتے، آپ کی عمر اس وقت اسّی سال سے متجاوز ہے، مگر ان کی سن رسیدگی ان کے معمولی مشاغل مین حارج ہوتے معلوم نہین ہوتی، جن مصری یا عربی علمار نے اس شعبہ مین مضامین پڑھے اُن کا تذکرہ معارف مین ہوچکا ہے، جس کی تکرار یہان غیر ضروری ہے، باقی مقالات مین سے مندرجۂ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہین، ہر مقالہ کے بالمقابل اس رسالہ کا نام بھی درج کردیا گیا ہے، جہان وہ مقالہ شایع ہوچکا ہے، یا ہونے والا ہے،

مضمون نگار	زبان	موضوع بحث	محل اشاعت
پروفیسر شاخت	جرمن	شریعت اور قانون، موجودہ مصر مین	Den Islam

مضمون نگار	زبان	موضوع بحث	محل اشاعت
پروفیسر ماسینیو	فرانسیسی	فرقۂ نصیریہ کے تعلقات ایران کے ساتھ،	Revue des études Islamiques
پیرس	″	ابوالولید الحمیری الاندلسی اور اسکی کتاب البدیع فی وصف الربیع،	
ڈاکٹر کرنیکو	انگریزی	[illegible] کتب جنکی اشاعت ہندوستان مین زیرتجویز ہے،	
″ ہمدانی	″	[illegible] دعوت کی تاریخ اور اسکا لٹریچر اواخر عہد فاطمیہ مین،	جرنل ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن۔ جنوری ۳۲ء
″ سموحی	″	کتاب المنتظم لابن الجوزی،	″
پروفیسر نالینو	اطالین	فقہ اسلامی اور رومن لا کے تعلقات،	
″ کوٹائی	انگریزی	قرآن کا ایک مصور نسخہ (؟)	RFI, Paris 1931
گال بیانی	اطالین	کتبۂ امبروزیانہ (میلان) اور اس کے قیمتی عربی مخطوطات	المشرق۔ بیروت
دلیبو لامار	فرانسیسی	اسلامی فن تعمیر کے مصطلحات،	
ڈاکٹر پلیسنر	جرمن	تاریخ العلوم فی الاسلام (بحوالہ صوان الحکمۃ لابی سلیمان السجستانی)	
″ کراوس	″	فرقۂ مانویہ اور معتزلہ کے تعلقات کا مسئلہ،	
پروفیسر بلنسیہ (میڈرڈ)	فرانسیسی	احصاء العلوم للفارابی،	
″ لیوی دلاویدا	اطالین	جمہرۃ الانساب لابن الکلبی کا مجوزہ اڈیشن،	اسلامک کلچر۔ حیدرآباد
″ بجرک تاروچ	فرانسیسی	یوگوسلاویہ مین مطالعات اسلامیہ کی کیفیت،	
شیخ عنایت اللہ (بغداد)	انگریزی	جغرافی طبعی ماحول کا اثر عربون کے تمدن اور تاریخ پر	مسلم ریوائول، لاہور

بعض مقالون کا مختصر بیان

شعبۂ اسلام | ڈاکٹر کرنیکو نے اپنے قیام ہندوستان کے حالات زبانی بیان کرتے ہوئے اُن کتابون کا ذکر کیا

جن کو ہندوستان کی مختلف مجالس یا علما رشائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہین، اس سلسلہ مین علی گڑہ اور دائرۃ المعارف حیدرآباد کا بھی ذکر کیا، اور کہا کہ ہندوستان مین لوگ زیادہ تر تصوف یا اس سے اتر کر فقہ کی کتابون کیطرف مائل ہین، باقی علوم و فنون سے دلچسپی بہت کم ہے، دائرۃ المعارف والے بغیر اعراب اور فہارس کے کتابین چھاپتے ہین، الدرر الکامنہ لابن حجر کی چار جلدین وہان چھپ گئی ہین، مین نے ان کا انڈکس تیار کیا تھا، مگر دائرہ نے اپنی خوش فہمی[۱] سے فیصلہ کیا کہ بجاے انڈکس کے مولوی عبدالحیٔ صاحب مرحوم (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی ایک کتاب بطور پانچوین جلد کے شائع کیجائے، گورنمنٹ نظام عربی کتابون کی طباعت پر زر کثیر صرف کرتی ہے، مگر لائق کمپوزیٹر اور تیز نظر مصحح نہ ملنے کے سبب سے نتیجہ خاطر خواہ نہین نکلتا، علی گڑہ مین ایک مدت سے قانون مسعودی کی اشاعت کی تجویز درپیش ہے، مین نے وہان کے ایک صاحب کیساتھ ملکر اس کام کو ہاتھ لگایا تھا، مگر ان کی نااہلیت یعنی انگریزی سے ناواقفیت کے سبب کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا، جب مین لوگون سے پوچھتا کہ کس لیے پڑھتے ہو، تو جواب دیتے کہ "حضور! نوکری کے لیے" پھر یہان کی ناقابل برداشت گرمی اور تکلیف دہ مچھرون کا ذکر کرکے کہا وہان کے علمار کے جمود اور پروفیسرون کی کاہلی کا ایک قوی سبب اس قسم کے ناموافق حالات بھی ہین، غرض اُن کی تقریر ہندوستان اور ہندوستانیون کی ایک ہجو مسلسل تھی، اگرچہ اُن کی بعض باتین بالکل سچ تھین، تاہم اپنے ملک اور قوم کا محفل غیر مین یون استخفاف ہوتے دیکھکر دل قدرتی طور پر بہت کڑھا، اور اب بھی ان باتون کا اعادہ کرتے دل دکھتا ہے مگر ابناے قوم کی اطلاع اور عبرت کے لیے لکھتا ہون، بعد مین جب مین نے ان سے پرائیوٹ ملاقات مین ان کے طنز آمیز پیرایۂ بیان پر احتجاج کیا، تو انھون نے اپنا لب ولہجہ بہت نرم کرلیا، البتہ یہ دیکھکر مین بنہایت خوشی ہوئی کہ ہمارے محترم مولوی میمن عبدالعزیز صاحب راجکوٹی کے علم و فضل کا لوہا مانتے ہین،

---

[۱] معارف: اس "خوش فہمی" کیوجہ جہانتک ہم کو معلوم ہے یہ ہے کہ درر کامنہ کی ترتیب حروف تہجی پر ہے، اس لیے ایسی کتاب مین انڈکس کا اضافہ فضول ساتھا، اور اسی سرمایہ کو کتاب مذکور کے استدراک و تکمیل مین صرف کیا، تاکہ ہندوستان کا حصہ بھی اس آٹھوین صدی کی یادگار مین مناسب جگہ پاسکے،

مگر کہتے ہین کہ مولوی صاحب نے اپنے آپ کو صرف ادب اور شعر مین محصور کر رکھا ہے، اب سنہ رواں کے آغاز سے ڈاکٹر صاحب موصوف بن (Bonn) یونیورسٹی مین اسلامیات اور عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے ہین،

ڈاکٹر سموجی جو قوم کے ہنگرین اور گولٹ سیہر انجہانی کے شاگرد ہین، ابن الجوزی کی ضخیم تاریخ "کتاب المنتظم" کے قلمی نسخون کا برٹش میوزیم مین ایک مدت سے مطالعہ کر رہے ہین، چنانچہ آپ کا پراز معلومات مقالہ جواب رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے جرنل مین شائع ہو چکا ہے، اپنی اسی ذاتی تفتیش اور تفحص پر مبنی تھا، موصوف نے اس تاریخ کے خصائص اور اسکی اہمیت اور قدر و قیمت کو بہت خوبی سے واضح کیا اور طبقہ علما سے درخواست کی کہ وہ اس کی اشاعت کی طرف جلد توجہ مبذول فرمائین، اور فی الواقعہ اس مین کچھ کلام نہین کہ اس کی اشاعت سے ہمارے علم مین بہت بڑا اضافہ یقینی ہے، کام بہت بڑا ہے جس سے شاید ایک تن واحد عہدہ برآ نہ ہو سکے، یورپ مین بھی تاحال اس کام کے سرانجام ہونے کے کوئی آثار نظر نہین آتے، دائرۃ المعارف حیدرآباد کو چاہئے کہ وہ سلف کی اس یادگار کی لمحقہ اشاعت کا جلد انتظام کرے،

ڈاکٹر پلیسنر (Plessner) ڈاکٹر ہوروڈِٹس آنجہانی کے شاگرد، اور ایک نہایت مستعد اور صاحب لیاقت نوجوان ہین اور فرانکفورٹ یونیورسٹی مین معلم ہین. کچھ مدت سے اسلامی علوم وفنون کی تاریخ اور دیگر متعلقہ مسائل سے بحث کر رہے ہین، جیسا کہ ان کے ایک مطبوعہ رسالہ سے ظاہر ہے، زیر نظر مقالہ مین انھون نے ابوسلیمان السجستانی کا خاص طور پر ذکر کیا، جو ابن الندیم کا معاصر تھا، اور جس کی کتاب صوان الحکمۃ چوتھی صدی اسلامی کے علوم اور حاملان علم اور ان کی تاریخ کے متعلق ایک اول درجہ کی قیمتی دستاویز ہے، یہ کتاب ہمین تاحال صرف متفرق اقتباسات کے واسطہ سے معلوم تھی، اس کے چند ایک نسخے حال مین دریافت ہوئے ہین، ملاحظہ ہو اسلامیکا جلد چہارم، حال مین رٹر صاحب (RITTER) نے غالباً قسطنطنیہ مین ایک اور نسخہ کا پتہ لگایا ہے، یہ وہی کتاب ہے، جس کے ایک تتمہ کا

فارسی ترجمہ ہمارے مخدوم مولوی محمد شفیع صاحب اورنیٹل کالج میگزین مین شائع کر چکے ہین،

ہندوستانی مقالہ نگار

اسلامی شعبہ مین دو ہندوستانیون نے اپنے مقالے پڑھے، ایک تو خاکسار راقم الحروف نے اور دوسرے ہمارے صدیق المحترم ڈاکٹر حسین ہمدانی (یا بقول امیر شکیب ارسلان یمن کے علامہ ہمدانی) نے، اگرچہ آپ نسلاً یمن کے مشہور و مقتدر قبیلہ ہمدان سے ہین، مگر چونکہ آپ کا خاندان چند نسلون سے مغربی ہند مین آباد ہے، اور آپکا مولد و منشا بھی ہندوستان ہی کا خطہ ہے، اس لیے ہم ان کو ہندوستانیون ہی کے زمرہ مین شامل کر کے شرف انتساب حاصل کرتے ہین، آپ ایک مدت سے اسمٰعیلی دعوت کی تاریخ، فرقۂ اسمٰعیلیہ کے مذہبی اور فلسفیانہ خیالات وعقائد کی نشو و نمو اور ان کے مشہور داعیون کے حالات کی ایسے قلمی خزانون کی مدد سے تحقیق کر رہے ہین، جن تک غیر اسمٰعیلیون کی آج تک دسترس نہین ہوئی انکی استعداد فائقہ اور غیر معمولی ذرائع معلومات سے امید واثق ہے کہ ان کے نتائج تحقیق کی اشاعت اس موضوع کے متعلق نہ صرف حیرت انگیز بلکہ انقلاب انگیز ثابت ہوگی، کانگریس مین انھون نے جو مقالہ پیش کیا وہ بھی اسی قبیل کی تحقیقات کا ایک جزء تھا جس کو حاضرین نے اشتیاق اور غور وغوض سے سنا اور پروفیسر میسینو (پیرس)، اور ڈاکٹر کراؤس (برلن) نے خوب دل کھول کر داد دی اور پروفیسر مارگولیتھ نے تحسین کرتے ہوے فاضل مقرر سے امید ظاہر کی کہ وہ اسمٰعیلی لٹریچر کی مزید تحقیق کر کے اہل علم کو ممنون کرینگے، ان کا یہ مقالہ تھا ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے رسالہ مین چھپ گیا ہے، ڈاکٹر موصوف کے شوق تحقیق، علمی شغف اور بلا ہمت ذات سے ہماری بہت سی علمی اور قومی توقعات وابستہ ہین، اور ہمین اس امر مین کچھ شک نہین کہ وہ اپنے قوم کی کما حقہ قدر شناسی اور اپنی مسلمہ لیاقت اور عزم راسخ سے ہندوستان کی علمی بزم مین خاص درجہ اور امتیاز حاصل کرینگے۔

ایرانیات

ایران سے متعلقہ تاریخی اور ادبی مضامین شعبۂ سوم (وسطی اور مغربی ایشیا) مین پڑھے گئے، افسوس

کہ اس کے شعبۂ اسلام سے علیحدہ ہونے کے سبب سے اکثر مضامین کے سننے کا موقع نصیب نہ ہوا، اس شعبہ مین شاید سب سے زیادہ دلچسپ اور پرازمعلومات مضمون فرانس کے فاضل پروفیسر منورسکی (Minorsky) کا تھا، جسمین مضمون نگار نے ان تمام اہم تحقیقات کا ذکر کیا جو ایران کی تاریخ اور تاریخی جغرافیہ کے متعلق سنہ ۱۹۰۰ء سے لیکر تاحال رونما ہوئی ہین، اور ان اہم مطبوعات پر ایک نظر دوڑائی جو اس دور مین شائع ہوکر ایران کے متعلق ہمارے زیادتِ علم کا موجب ہوئی ہین۔ انھون نے کہا کہ سنہ ۱۹۰۰ء تک ہمارا ذخیرہ معلومات ایران کے اسلامی عہد کے متعلق بہت کم تھا، مگر گب میموریل فنڈ کے قیام اور پروفیسر براؤن، اور ان کے رفیقون اور شاگردون کی علمی مساعی کے طفیل ایران کے متعلق بہت سی اہم اور قیمتی کتابین چھپ گئی ہین۔ ابن مسکویہ کی اشاعت نے دسوین اور گیارھوین صدی کے متعلق بہت سی نئی تحقیقات کا راستہ کھول دیا ہے، موسیو محمد اقبال کی راحۃ الصدور نے ہوٹسما کی شائع کردہ کتابون پر عہد سلاجقہ کے متعلق بہت سے نئے معلومات کا اضافہ کیا ہے، اسی طرح تاتاریون کے عہد کے متعلق بھی بہت سی عمدہ کتابین (مثل جوینی اور رشید الدین کے) روز روشن مین آئی ہین، مگر سنہ ۱۴۰۰ء سے بعد کی تاریخ تاحال نسبتًہ تاریکی مین ہے، اور ضرورت ہے کہ اس عہد کی طرف توجہ مبذول کیجائے مثلاً مقامی تاریخون (تاریخ بیہقی اور تاریخ سیستان) کو شائع کرنا بہت مفید ہوگا، اس کے ساتھ اس عہد کے تمدنی اور اقتصادی حالات کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا ہوگا، کیونکہ ان امور پر تاحال بہت کم توجہ ہوئی ہے"

ایران کے تاریخی جغرافیہ کے متعلق پروفیسر منورسکی نے کہا کہ "اس مضمون پر روسی محقق بارٹولڈ (متوفی سنہ ۱۹۳۰ء)، لی سٹرینج اور سٹوارسٹھ (Schwartz) کی کتابین بہت قابل قدر ہین، اس قسم کی مطبوعات مین سب سے جدید اور تازہ کتاب "حدود العالم" ہے، جس کا سنہ تالیف ۳۷۲ھ ہے، مگر مؤلف کا نام معلوم نہین، بارٹولڈ نے اس کو سنہ ۱۹۳۰ء مین لینن گراڈ سے شائع کیا، اب مین اس کا ترجمہ گب میموریل سیریز مین شائع کرنے والا ہون"؛

اسی شعبہ کے ایک جلسہ مین مدرسۃ السنہ شرقیہ لندن کے مدیر و ناظم اور ہمارے کرم فرما پروفیسر سرڈینی

سن روس نے اعلان کیا کہ "مین شٹائن گس کی فارسی انگریزی لغت کا تتمہ مرتب کرنے پر مامور ہوا ہون، مین بہت ممنون ہونگا اگر فارسی کے علما، مجھے ایسے الفاظ اور محاورے وقتاً فوقتاً ارسال کرین جن سے ان کو اپنے دوران مطالعہ مین سابقہ پڑے اور وہ مذکورہ بالا لغت مین موجود نہ ہون، مین خاص طور پر ایسے جدید الفاظ اور محاورے شامل کرنا چاہتا ہون جو زمانہ حال کے فارسی اخبارات اور رسائل مین استعمال ہوتے ہین، مجھے خود اہل زبان سے اچھی خاصی مدد ملی ہے اور بہت سا ذخیرہ الفاظ کا جمع کرلیا ہے مگر مین چاہتا ہون کہ مجوزہ تتمہ حتی الامکان مکمل ثابت ہو،

ترکی نمایندہ

ناظرین معارف کو علم ہوگا کہ چند سالون سے ترکی مین غازی مصطفےٰ کمال کی سرپرستی مین ایک تاریخی انجمن قائم ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ترکی اقوام کی قدیم اور جدید تاریخ کے متعلق وسیع پیمانہ پر تحقیق کیجائے اور ترکون کے تمدن اور تاریخ کے متعلق جو غلط آراء اور خیالات پھیلے ہوئے ہین ان کے ازالہ کی کوشش کیجائے، اس انجمن کی طرف سے رشید صفوت بک نے جو ترکی پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہین، کانگریس مین شرکت کی، اور اپنا مضمون جو "ترکیات" (TUREOLOGY) کے موضوع پر فرانسیسی زبان مین تھا شعبۂ سوم مین پڑھا، انھون نے ترکی کے اندر، اور غیر ممالک مین بھی اثری تحقیقات مین عملاً حصہ لیا ہے، چنانچہ اپنے مقالہ مین اپنے وسیع مطالعہ اور پختہ خیالات کا ثبوت دیا، اور ترکی تاریخی انجمن کے اغراض و مقاصد کو بیان کرتے ہوئے ترکی اقوام کی تاریخی اہمیت پر زور دیا، افسوس کہ اطناب کے خوف سے ان کا خلاصۂ کلام درج کرنا ممکن نہین،

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ترکی قوم مین دوسرے تمدنون کے اخذ و قبول اور نقل کا مادہ تو ضرور موجود ہے، مگر قوتِ ایجاد و اختراع مفقود ہے، فاضل مقرر نے اپنی تقریر کے آخر حصہ مین اس خیال کی جس پیرایہ مین تردید کرنی چاہی وہ ناظرین کے لیے دلچسپ ہوگا، آپ نے کہا کہ جس طرح ہماری تاریخ علوم و فنون

تجارت وصنعت اور ہماری عادات ورسوم کی تشریح میں لوگون سے غلطیان ہوئی ہین، اسی طرح ہم محسوس کرتے ہین کہ عقل وفکر (فلسفہ) کے میدان مین ترکون کے کارنامون کے متعلق بعض غلط خیالات کو یکسر تبدیل کرنے کی اشد ضرورت ہے جس طرح LEIBNITZ، GROTIUS اور DESCARTES صرف اس وجہ سے فرانسیسی مصنفین مین شمار نہین کئے جا سکتے کہ انھون نے اپنی کتابین لاطینی زبان مین تصنیف کین، اسی طرح فارابی، ابن سینا، غزالی، اور دیگر سینکڑون حکمار اور شعرار کے عظیم الشان مصنفات کے متعلق ہم دعویٰ کر سکتے ہین، کہ وہ دراصل ترکی تہذیب کا سرمایۂ افتخار ہین، عام طور پر ان کو دوسری قومون مین صرف اس لیے شمار کیا جاتا ہے، کہ انھون نے اپنے عہد کی مروجہ زبانون مثل عربی یا فارسی کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا" ملک وقوم کے امتیازات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہمارے لیے یہ بات دیکھنا دلچسپی بلکہ مسرت کا موجب ہے، کہ قرونِ وسطیٰ کے اسلامی عہد نے تہذیب وتمدن کا وہ شاندار اور بیش بہا ترکہ چھوڑا ہے کہ آج تاریخ کی عدالت مین عرب ایرانی اور ترک بھی اپنے اپنے حقِ وراثت کے دعاوی پیش کر رہے ہین۔

رشید صفوت بیک سے ایامِ کانگرس مین ایک سہ پہر کو لائڈن کے ایک قہوہ خانہ مین بہت پر لطف صحبت رہی، وہ انگریزی سے ایسے ہی بے بہرہ تھے جیسا کہ مین ترکی سے نا آشنا، مگر فرانسیسی اور قدرے فارسی بول سکتے تھے چنانچہ آدھی فارسی اور آدھی فرانسیسی مین دیر تک گفتگو ہوتی رہی، مجھ سے پوچھتے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ باوجود اس عقیدت ومحبت کے جو ہندوستانی مسلمانون کو ہم سے ہے، ہندوستانی شرفا ترکی مین سیاحت کے لیے نہین آتے، سوال اگرچہ قدرے مشکل تھا تاہم مین نے یون جواب دینے کی کوشش کی کہ اوّل تو زبان کی مشکل ہے، ہندوستانیون مین ترکی جاننے والے خال خال ہین اور دوسری قوی وجہ یہ ہے کہ آجکل انقلابِ زمانہ سے مغرب قبلۂ حاجات بنا ہوا ہے، ہر ذی استطاعت شخص ادھر ہی کو اپنا قبلہ راست کرتا ہے، نیز پوچھتے تھے کہ ہندوستان مین تیموری مغلون کا کیا حشر ہوا تختۂ حکومت

تو انٹ پچکا گران کرانسس تو کلیۃً معدوم نہ ہوئی ہوگی، مین نے اس کا بھی اپنی معلومات کے بموجب جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دور زمانہ نے پیس ڈالا، کاروان گذر گیا، گرد باقی ہے، اردو زبان کی ابتدا اور نشو ونمو کے متعلق بھی دلچسپی کا اظہار کیا، کہا کہ لفظ تو ترکی ہے، معلوم نہین اس کی ابتدا اور تشکیل مین ترکی زبان کا کتنا حصہ ہے، اگر علمار اردو اور ترکی گرامر کا باہمی مقابلہ کرین تو شاید اردو کے دھندلے عہد پیدائش پر کچھ روشنی پڑ سکے،

اندلسی نمایندے،

اس مشرقی کانگریس جیسی بین الاقوامی علمی محافل کے مقاصد اولین مین سے یہ امر ہے کہ مختلف ممالک کے علما رایک جگہ جمع ہو کر نہ صرف بذریعہ اپنے مقالات کے اپنے اپنے خاص مضامین کے متعلق اپنی کارگذاری سنائین بلکہ باہمی تعارف اور ذاتی ملاقات حاصل کرین تاکہ باہمی شناسائی اور مبادلۂ خیالات سے علمی کامون مین سہولت اور ترقی پیدا ہو، اس لحاظ سے ہمارے لیے یہ بین الاقوامی اجتماع بہت مفید ثابت ہوا، بہت سے علمار و فضلار سے ذاتی میل جول اور گفت و کلام کا موقع ملا، جن کی فرداً فرداً ملاقات کے لیے ہزارون کوس کے سفر اور زر خطیر کے صرف کی ضرورت تھی، جن فضلار سے مل کر ہمین کمال مسرت حاصل ہوئی، ان مین اندلسی شرکاے کانگریس کا ذکر ضروری ہے، اسپین کی خانہ جنگی اور عام شورش اور بدنظمی کی وجہ سے مجھے سفر اندلس کی پرشوق آرزو کو حسرت کے ساتھ خیرباد کہنا پڑا تھا، اس لیے ہسپانی علما، کی ملاقات لائڈن مین بسا غنیمت معلوم ہوئی، ہسپانی علمار مین جنھون نے کانگریس کے شعبۂ اسلام مین شرکت کی، پروفیسر بلنسیہ (PALENCIA) اور پروفیسر غومز (GOMEZ) قابل ذکر ہین، اوّل الذکر میڈرڈ کی مرکزی یونیورسٹی مین عربی کے استاذ ہین، ابھی چند سال ہوے کہ وہان اپنے استاذ RIBERA کے جانشین ہوے، نہایت مستعد اور محنتی شخص ہین، اگرچہ عمر تا حال چالیس برس کے قریب ہوگی، مگر ان کی تالیفات کی فہرست کئی صفون پر پھیلتی ہے، انھین

ہسپانی اور عربی دستاویزین، تراجم اور مستقل تصانیف بھی کچھ شامل ہین، مستعربین کے متعلق دستاویزین بمعہ ترجمہ اور حواشی کے چار ضخیم جلدون مین شائع کی ہین، جب مین نے ان سے ذکر کیا کہ اس خاکسار نے اُن کی "تاریخ ادب اندلسی" کا اپنے ملکی رسالون مین تذکرہ کیا ہے، اور ایک آدھ فصل کا ترجمہ بھی بطور نمونہ کے شائع کیا ہے تو وہ بیحد متعجب ہوے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا آپ لوگ بھی ہمارے ملک کی تاریخ و تمدن سے دلچسپی رکھتے ہین، مین نے جواب دیا کہ ہم لوگ نہ صرف دلچسپی رکھتے ہین، بلکہ لفظ اندلس مین ہمارے لیے وہ جادو بھرا ہے کہ فرط عقیدت سے اس کے متعلق معمولی سی تحریر کو بھی سر آنکھون پر رکھتے ہین، اور آپ کی تالیف تو ماشاءاللہ ہر طرح قابل قدر ہے، اور فی الواقعہ ان کو اس بات سے کمال مسرت ہوئی، کہ ان کی تحریر کردہ کتاب ایک دور دراز مشرقی ملک مین قدر دانی اور استحسان کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے، اور نہایت خوشی کے ساتھ مجھے اس کے انگریزی اور اردو ترجمہ کی اجازت دی،

آجکل وہ اس مضمون کا مطالعہ کر رہے ہین کہ مشرقی تہذیب و تمدن نے مغرب پر کیا اثر ڈالا ہے، اس موضوع کے متعلق مین نے ان کو چند ایک جرمن مصادر اور مواد کے حوالے دیئے، جنکا ان کو علم نہ تھا، جس سے ان پر اچھا اثر پڑا اور ان کو معلوم ہوا کہ ہندوستانی لوگ بھی کچھ جانتے ہین، اگرچہ بظاہر یہ مضمون پامال اور فرسودہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ عموماً ایک ہی بات کو کئی اشخاص بغیر مزید تحقیق و تنقید کے بار بار بیان کرتے آئے ہین مگر اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤن اور تمدن کی مختلف شاخون کے متعلق نئے اور غیر مستعمل مواد کی بنا پر مزید تحقیق و تفتیش کی ابھی بہت گنجایش ہے، اگرچہ اسی موضوع پر پچھلے سال انگریزی مین ایک اچھی جامع کتاب (THE LEGACY OF ISLAM) شائع ہو چکی ہے، مگر پروفیسر بلنسیہ کو امید ہے کہ وہ اس مضمون پر مزید معلومات بہم پہنچا سکین گے،

اب ان کے ایک تازہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ اسپین کی جدید جمہوری حکومت، میڈرڈ مین مشہور و معروف عربی دان پروفیسر آسین کی ادارت اور نگرانی مین ایک مدرسہ عالیہ مشرقی السنہ اور علوم کا قائم

کرنا چاہتی ہے، اور اگر اس سال حکومت کی جانب سے ضروری رقوم کی منظوری مل گئی، تو امید قوی ہے کہ ایک مرکزی ادارہ کے قیام سے عربی علوم و فنون کے مطالعہ کو اسپین مین بہت ترقی حاصل ہو گی اور اس وقت ملک کے اطراف و جوانب مین تو جوان مستعد کام کرنے والون کی جو قوتین منتشر اور پراگندہ ہین وہ ایک مرکز پر جمع ہو کر مفید نتیجہ پیدا کرینگی،

دوسرے اندلسی نمایندے پروفیسر غومز (GOMEZ) تھے جو غرناطہ مین عربی کے استاذ ہین، نوعمر آدمی ہین، تحقیق کا اچھا شوق ہے، کانگریس مین ایک مقالہ بھی پڑھا، مراکش مین مدت تک قیام رہا، عربی اچھی خاصی بول لیتے ہین، جب وہ اپنے آپ کو الاندلسی الغرناطی کہتے تو میرے دل پر ایک خاص اثر پیدا ہوتا جس کا زبان قلم سے ادا کرنا ممکن نہین۔

دیگر محافل

کانگریس کے معمولی جلسون کے علاوہ کئی دیگر محفلین سہ بہر یارات کو برپا ہوئین، اور درحقیقت شرکا کو اس قسم کی صحبتون ہی مین ایک دوسرے کے ساتھ اطمینان اور فراغت کے ساتھ بے تکلف گفتگو کرنیکا موقع ملتا تھا، ورنہ دن کے جلسون مین علمی قیل و قال اور مقالون کی تگ و دو مین باہم ملنے جلنے کی کم ہی فرصت ملتی تھی، شرکا کے باہمی تعارف کی سہولت کے لیے یہ انتظام تھا کہ کارکنان کانگریس کیطرف سے ہر ایک ممبر کو دھات کا ایک خوبصورت چھوٹا سا مطلا تمغہ دیدیا گیا تھا، جو اس ممبر کے کوٹ پر آویزان رہتا، اس تمغہ پر کانگریس کا پورا نام اور سن انعقاد (۱۹۳۱ء) چھپا تھا، اور ساتھ ہی طرف بالا مین واضح ہندسون مین اس ممبر کا خاص نمبر شمار کھدا تھا، ایک علحدہ کتاب مین تمام ممبرون کے نام مع ان کے اعداد شمار کے درج تھے، جس سے ہر فرد کی شخصیت بآسانی معلوم ہو سکتی تھی،

پہلے ہی روز شب کو حکومت ہالینڈ کی طرف سے دار السلطنت ہیگ کے ایک محل مین تمام ممبران کانگرس کو دعوت دیگئی، جہان وزیر مستعمرات نے ایک مختصر سی تقریر مین شرکا سے کانگریس کا خیر مقدم

دیتے ہوئے کہا کہ "مستشرقین کی علمی مساعی اور اجتماعات صرف اس لیے مفید اور اہم نہیں ہین کہ اس سے علم کی ترقی ہوتی ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ ان سے مشرق و مغرب کی باہمی مفاہمت بڑھتی ہے" سہ پہر کی چائے کے بعد یہ دوسرا موقعہ تھا جس مین تمام ممبرن نے جمع ہوکر باہمی شناسائی پیدا کی، اور ایک دوسرے کے لطف ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے، حاضرین محفل کی مختلف قسم کے ہلکے سامان خورد ونوش بلکہ مغربی رسم کے مطابق مے ناب سے بھی تواضع کیگئی، ناظرین معارف کی تسکین خاطر اور ان کی ثقاہت کی رعایت سے اس بات کا اضافہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہان بطور بدل کے زاہدان خشک کی خشکی دور کرنے کیلئے آئس کریم بھی کافی مقدار مین مہیا تھی نصف رات ڈھائی گھنٹے کے بعد یہ شاندار اور پرلطف محفل جس کے ہر گوشہ کو لالہ رخان مغربی نے اپنی جلوہ باری سے جنت نگاہ بنا رکھا تھا، ختم ہوگئی،

اسی قسم کا ایک اجتماع ایک اور رات کو شہر لیڈن کی میونسپل کمیٹی کی دعوت پر شہر کی تصویر گیلری مین قرار پایا جس مین ممبرن کانگریس کو باہمی ملاقات کا مزید موقع ملا،

جلسۂ طعام

ایک شب ممبران کانگریس کا مجموعی ڈنر (DINNER) ہوا، جہان دو تین گھنٹے خوب خوشی مین گذرے، کلام بعد از طعام یعنی (AFTER DINNER SPEECHES) مین جو مغربی ضیافتون کا دلچسپ لازمہ ہین، انگریز، فرانسیسی، جرمن اور اطالین نمایندون نے اپنے اپنے ملک و قوم کی طرف سے حکومت اور اہالیان ہالینڈ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا، یہ جلسۂ طعام اس لحاظ سے بھی ہمارے لیے یادگار ہے کہ ڈنر کے بعد ایک پرلطف محفل رقص و سرود قائم ہوئی، مگر اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ یہ محفل کانگریس کے سرکاری پروگرام مین شامل نہ تھی، اگرچہ کانگریس کمیٹی کی ینگ پارٹی (نوجوان جماعت) اس بات پر مصر تھی کہ محفل رقص کو باقاعدہ طور پر کانگریس کے پروگرام مین جگہ دیجائے مگر کانگریس کے معمر صدر یعنی پروفیسر ہرخرینے نے آغاز ہی سے اس خیال کی سخت مخالفت کی اور اس تجویز کو قبول کرنے

اس بناپر قطعی انکار کر دیا کہ اس قسم کا رقص و سرود کانگریس ایسے جلسۂ علمار کی متانت وثقاہت کے بالکل منافی ہے، مگر یار لوگون نے اپنے شوق کو پورا کرنے کی یون ترکیب نکالی کہ صدر جلسہ اور دیگر ثقہ حضرات کے رخصت ہونے پر اسی ہوٹل کے رقص خانہ کا (جہان جلسۂ طعام منعقد ہوا تھا) راستہ لیا اور نصف شب تک طرب انگیز موسیقی کی دمسازی مین اپنی خوش لباس، دلفریب اور نازک ادا ساتھیون کی پرکیف معیت مین ناچا کئے، چونکہ خود کانگریس کے نوجوان سکرٹری ڈاکٹر کریمر (KRAEMER) اور ہمارے معمر مگر جوان دل ڈائرکٹر ڈینی سن روس نے لطف اندوز ہونے مین پیشقدمی کی لہذا ہماری شرکت بھی ایسے محترم مقتداؤن کی اقتدا مین جائز ٹھہری، امیر شکیب ارسلان بھی ایک طرف بیٹھے قہوہ نوشی مین مصروف اور نوجوانون کی عیش کوشی کو نظر عفو دیکھ رہے تھے، ان کے پرسکون مگر پراندیشہ چہرہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گویا اب بھی وہ عرب اقوام اور عرب ممالک کی قسمت پر غور کر رہے ہین،

دیگر جلسے

ایک شب فنون لطیفہ کے لیے وقف تھی، پروگرام کے تین حصے تھے، پہلے مدراس کے ایک پروفیسر ستیہ مورتی نے ہندی اور مغربی موسیقی کا مقابلہ کرتے ہوے ہر دو کی امتیازی خصوصیات کو دکھلایا، اور اپنے مطلب کو ہندوستانی راگ گاکر اور ہندوستانی آلاتِ موسیقی استعمال کرکے واضح کیا،

اس کے بعد جاوا کے چند طالبعلمون نے جو ہالینڈ کی یونیورسٹیون مین تحصیل علم کر رہے ہین، اپنے ملک کے ناٹک کا ایک عمدہ نمونہ پیش کیا، جسمین سین اور آلاتِ موسیقی سب جاوی تھے، اس ناٹک کی بخلاف مغربی ناٹک کے مجھے یہ خصوصیت نظر آئی کہ تمام کھیل کے دوران مین ایک خاص قسم کا ساز بجتا رہا، جس نے ایکٹر کی تمام حرکات و سکنات کا ساتھ دیا، جب ایکٹ مین پھرتی یا تیزی آجاتی تو ساز بھی تیز ہو جاتا،

اس کے بعد ایک جاوی شخص نے ایک تماشا دکھلایا جس کو عربی مین طیف الخیال اور ترکی مین قرہ گوز فرانسیسی مین (OMBRES CHINOISES) یا (THEATRE D'OMBRES) اور جرمن مین

SCHATTENSPIEL کہتے ہین، اس کی مختصر کیفیت یون ہی، کہ ایک سفید پردہ تانکر اس کے پیچھے تیز روشنی کرتے ہین، پھر اس روشنی اور پردہ کے درمیان چمڑے سے بنی ہوئی چوڑی چپٹی پتلیان حائل کرکے پردہ پر عکس ڈالتے ہین اور مطلوبہ قصہ کہانی پیش کرتے ہین، اصول تقریبًا وہی ہے جو موجودہ سینما کا ہے، یہ کھیل غالبًا مشرق اقصیٰ (چین) مین ایجاد ہوا اور مدت تک اس کا رواج اسلامی ملکون[1] مین بھی رہا،

جنس لطیف کی شرکت،

مشرق مین عورت چراغ کاشانہ ہے، مغرب مین شمع خانہ ہو یا نہ ہو، مگر رونقِ محفل ضرور ہے، مشرقی اور مغربی معاشرت کا یہ وہ بین فرق ہے جس کا ظہور کانگریس کی تمام کاروائی مین از اوّل تا آخر بدرجۂ اتم ہوا، اور جنس لطیف نے اپنی شرکت سے ہر جلسہ اور محفل کو پر لطف بنایا، اور ہمین "معارف" کی متانت اور سنجیدگی سے اعتذار کرتے ہوے اس امر کا اعتراف ہی کہ ہم ان کی جلوہ بار شرکت سے ناخوش نہین ہوے، خود صدر نے اپنے افتتاحی خطبہ مین مشرقی معاملات مین عورتون کی روزافزون دلچسپی کا ذکر کیا تھا، پہلے ہی روز جب "انفرمیشن بیورو" یا ایوانِ استقبال مین داخل ہوئے تو آنکھون نے ایک خیرہ کن منظر دیکھا، تمام دفتر کا انتظام عورتون کے ہاتھ مین تھا، کانگریس کا ٹکٹ اور پروگرام اور دیگر متعدد کاغذات انھین کے دست سیمین سے وصول پائے، ان کی خوش اسلوبی، کشادہ پیشانی اور لطف آمیز توجہ سے ہمین یون معلوم ہوا کہ گویا ہم اغیار کے درمیان نہین ہین، دیگر محافل مین بھی میزبانی کی خدمات انھین خوش سلیقہ نازنینون سے متعلق تھین، بلکہ یون کہنا چاہئے کہ گرمی محفل انھی کے دم سے تھی، جب ان سے میل جول بڑھا تو معلوم ہوا کہ ان مین سے اکثر عمائد شہر اور پروفیسرون کی صاحبزادیان یا شاگردین تھین،

---

[1] معارف:۔ غالبًا اسی تماشے کا نام پانچوین صدی کے عہد سلجوقی مین "فانوس خیال" تھا، خیام اسی زمانہ کا شاعر کہتا ہی

این چرخ فلک کہ ما درو حیرانیم   "فانوس خیال" از و مثالے دانیم

خورشید چراغ آن و عالم فانوس   ما چون صوریم کاندرو گردانیم

جنھون نے اپنی انمول خدمات کچھ عرصہ سے کانگریس کو دے رکھی تھین، اُن کی زباندانی نے ہم سے بلا ساختہ خراج تحسین وصول کیا کیونکہ تقریباً سبھی انگریزی فرانسیسی اور جرمن مین سے کم ازکم دو زبانین بول سکتی تھین حیف ہوگا اگر ہم ان کی مہمان نوازی اور لطف توجہ کے شکریہ مین ان کے ذکر جمیل کو اپنے بیان کا حسن خاتمہ نہ بنائین

بعض عورتون نے بعض شعبون مین اپنے مضامین بھی پڑھے، خود ہمارے شعبۂ اسلام کو ایک کافر ادا نے شرف حضوری بخشا، پہلے ہم نے خط وخال سے سمجھا کہ کوئی مصریہ ہین، مگر تعارف سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ہورووٹس کی شاگرد اور فرانکفورٹ کے ایک یہودی خاندان کی چشم وچراغ ہین، السنۂ سامیہ انکا خاص موضوع درس ہے، اس ضمن مین عربی اور اہل عرب سے بھی دلچسپی ہے، میرے مقالے اور اس کے موضوع مین خاص دلچسپی کا اظہار کیا، اور اس کے سننے کا شوق ظاہر فرمایا، اگرچہ میرے مقالہ کا وقت ایک روز صبح سویرے تھا، تاہم شرف استماع سے نوازا، اور اس کی ایک کاپی مجھ سے طلب کی، ہم نے سمجھا کہ ہماری ناچیز محنت ٹھکانے لگی، اب انکا ایک آرٹیکل مفضل الضبی پر انسائکلوپیڈیا آف اسلام مین شائع ہونے والا ہے،

الغرض مشرقی کانگریس کا یہ پرلطف ہفتہ جسمین طرح طرح کے مشاغل اور گوناگون مصروفیتین یکجا جمع ہوگئی تھین، بخیر وخوبی ختم ہوا،

معارف کے پرانے پرچون کی ضرورت،

معارف کے حسب ذیل پرانے پرچون کی ضرورت ہے، جو صاحب علیحدہ کرنا چاہین، وہ بقیمت ۲ر فی پرچہ عنایت فرمائین پرچون کی تفصیل حسب ذیل ہے،

جلد اول ۱۹۱۶ء مین سے بابت ماہ جولائی، اگست ۱۹۱۶ء اور فروری ۱۹۱۷ء جلد دوم ۱۹۱۷ء مین سے بابت جولائی ۱۹۱۷ء، وفروری، مارچ، اپریل، مئی وجون ۱۹۱۸ء جلد سوم ۱۹۱۹ء مین سے بابتہ ماہ جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۱۸ء و جنوری وفروری ۱۹۱۹ء جلد چہارم مین سے بابتہ ماہ جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۱۹ء ج ششم مین سے بابتہ ماہ اگست، ستمبر، دسمبر ۱۹۲۰ء ج ہفتم مین سے بابتہ ماہ فروری، مئی اور جون ۱۹۲۱ء ج ہشتم مین سے بابتہ ماہ جولائی، اگست ستمبر، اکتوبر، اور دسمبر ۱۹۲۱ء ج نہم مین سے جنوری، فروری، مارچ، مئی اور جون ۱۹۲۲ء دہم مین سے جولائی، اگست ۱۹۲۲ء ج ۱۲ مین سے دسمبر ۱۹۲۳ء ج ۱۳ مین سے جنوری، مئی اور جون ۱۹۲۴ء ج ۱۴ مین سے جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۲۴ء

۱۵ مین سے بابت ماہ جنوری، فروری و اپریل ۱۹۲۵ء

۱۶ مین سے ״ ״ جولائی، ستمبر ۱۹۲۵ء،

منیجر دار المصنفین،

کرناٹک کی ایک منظوم تاریخ،

"انورنامہ" اور اسکا مصنف

از

جناب سراج الدین صاحب طالب حیدرآبادی،

انورنامہ علاقہ کرناٹک کی فارسی زبان مین ایک منظوم تاریخ ہے، جو نواب والاجاہ محمد علی خان کی فرمایش پر لکھی گئی ہے، اوسکے مصنف میر اسمٰعیل خان ابجدی ہین،

میر اسمٰعیل خان ابجدی

میر اسمٰعیل خان ابجدی، ملا محمد قاسم فرشتہ صاحب تاریخ فرشتہ کے بہنوئی سید شاہ میر بیجاپوری کے فرزند تھے انکا مسقط الراس موضع چنگل پیٹ ہے جو مدراس سے تقریباً چھبیس ۲۶ میل پر واقع ہے اور جسکی تعریف خود ابجدی نے اپنی تاریخ مین ان الفاظ مین کی ہے،

عنادید کرناٹک دیرسال | بدین گونہ گشتند شیرین مقال
کہ پیر فلک را اگر قوت ست | توان گفت از آب چنگل پیت ست
در ایام ماضی یکے شہر بود | بآبادیش شہرہ دہر بود،
یکے مصر بود از بلاد کہن | کہ بودند امرائے ہند و دکن،
بزیبا زمین خانہ حور بود، | بسان صنم خانہ معمور بود،
بزرگان درو مسکنت داشتند | ز علم و عمل مایہ برداشتند،
گہر خیز حکمت چو یونان زمین، | بمغز فلاطون خرد آفرین،

چو ہیت الشرف دور تر از بدی ، بلے مولد خاصہ ابجدی

ابجدی نے سن شعور کو پہنچکر اساتذہ عصر سے عربی و فارسی کے علوم متداولہ حاصل کئے، اور اس کے ایک عرصہ بعد نواب والاجاہ کی ملازمت مین داخل ہوئے جسکی سلسلہ جنبانی اس طرح ہوئی، کہ اسی سال جب کہ حسین دوست خان عرف چندا صاحب جنگ مین ہلاک ہوئے، محمد علی خان نواب والاجاہ اپنی قیام گاہ نتھڑ نگر سے چینا پٹن پہنچے اور فرنگی کونڈہ مین جو چینا پٹن سے تقریباً تین کوس پر واقع ہے قیام گزین ہوئے، یہان ابجدی کا کلام نواب کے سننے مین آیا، جس پر انھون نے ان کے حالات دریافت کئے، حاضرین مین سے کسی نے یہ خبر ابجدی تک پہنچائی، اور اونھون نے تقریب باریابی کے لئے ایک قصیدہ نواب والاجاہ کی مدح مین لکھا، اور کسی توسل سے حاضر خدمت ہوئے اور اپنا قصیدہ پیش کیا، نواب نے سن کر تعریف کی، اوس کے بعد کہا کہ ہماری سرکار سے تمکو در ماہہ ملیگا، ہمارے خاندان اور ہمارے عہد کی تاریخ نظم کرو"

ابجدی نے اسی کے بموجب سرکاری دفاتر و روزنامچہ جات مطالعہ کئے، اور تاریخ نظم کرنی شروع کر دی اور پانچ سال مین اس کام کو اختتام تک پہنچایا، چنانچہ وہ خود کہتا ہے، ؎

بسے رنج اندوختم سال پنج کہ تا گشت این نامہ روشن چو گنج

یہ کتاب زیر تالیف تھی، اور تقریباً نصف حصہ ختم ہونے پایا تھا، کہ موسی لالی اور حسین دوست خان کے بیٹے رضا علی خان نے اقتدار حاصل کرکے چینا پٹن کا محاصرہ کر لیا، نواب والاجاہ وہان سے نکل بندر ناگ پٹن سے جہاز پر سوار ہو کر نتھڑ نگر روانہ ہو گئے، ابجدی زمانۂ محاصرہ مین چینا پٹن ہی مین رہ گئے تھے، کچھ عرصہ بعد اونھون نے بہ تبدیل ہیئت خشکی کے راستہ سے نواب والاجاہ مین حاضر ہوئے، والاجاہ نے (انور نامہ) کے بقیہ حصہ کی تکمیل کی فرمایش کی، اتفاق وقت مسودہ گم ہو چکا تھا، تعمیل حکم مین معذور رہے، کچھ دنون بعد وہ مسودہ توشک خانہ کے ایک صندوق مین موم جامہ مین لپٹا ہوا ملا، تو اوسکی تکمیل کی، نواب والاجاہ نے اوس کے صلہ مین ان کو چاندی مین تلوایا، چھ ہزار سات سو روپیہ وزن ہوا، یہ رقم دیدی گئی، اور نیز اوس کے علاوہ بیش قیمت خلعتون سے

سرفراز کیا،

تزکِ والاجاہی مین ان کا مفصل ذکر آیا ہے، اوس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اگرچہ ابجدی کے ہاتھ اور پاؤن مین رعشہ تھا، لیکن اس کے باوجود وہ شبانہ یوم مین دو چار ورق لکھ لیتے تھے،

انھین فارسی زبان پر کامل عبور تھا، عربی بھی تھوڑی بہت جانتے تھے، فنِ شعر و انشا مین استاذ تھے، فارسی کے علاوہ اردو مین بھی شعر کہتے تھے، ان کے فارسی اور اردو دیوان کا ذکر صاحب تذکرۂ گلزارِ اعظم اور صاحبِ تزک والاجاہی نے کیا ہے، ۱۱۸۹ھ مین انھین ملک الشعراء کا خطاب دربار والاجاہی سے عطا ہوا، نواب والاجاہ نے اون کو عمدۃ الامرا اور امیر الامرا کی تعلیم کے لئے مامور کیا تھا، اور اسی تعلق سے ان دونون کی شان مین اونھون نے قصائد بھی لکھے ہین،

امیر الامرا کی مدح مین جو قصیدے ہین اون مین سے ایک کا مطلع یہ ہے،

ہر عقدۂ مشکل کہ بیک مرتبہ واشد — از ناخنِ تدبیرِ امیر الامرا شد

صاحب تذکرۂ صبح وطن نے ان کے دیوان کے بعض اشعار اور غزلیات لکھے ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا رنگِ تغزل قدما سے ملتا ہے، اسی طرح مثنویون مین انور نامہ کے علاوہ چند اور مثنویان بھی ہین، ان مین ایک ہفت جوہر ہے، جو بہرام گور کے احوال پر مشتمل ہے، اور ایک دوسری زبدۃ الافکار مخزن اسرار کے مقابلے مین لکھی گئی ہے اور اسی طرح دو اور مثنویان مودت نامہ اور قصہ راغب و مرغوب کے نام سے ہین،

ابجدی کا انتقال ۱۱۹۳ھ مین ہوا ہے، اور میلاپور (مدراس) کی مسجد کے صحن مین دفن ہوئے،

انور نامہ | انور نامہ کا ایک نسخہ دفتر دیوانی و مال علاقہ سرکارِ عالی مین موجود ہے، جسکی کتابت بندر چیناپٹن (مدراس) مین ۱۴ رجب ۱۲۰۳ھ کو تکمیل پائی ہے، اس اعتبار سے کہ مصنف سے اور تاریخ اختتام کتابت سے قریب زمانہ مین مدراس ہی مین لکھی گئی ہے، یہ کتاب قابلِ وقعت ہے،

کتاب کا نام نواب والاجاہ کی فرمایش سے اوس کے خطاب "انور الدین خان" پر "انور نامہ" رکھا گیا ہے،

چنانچہ انجدی کہتا ہے،

بگیتی برآورد حدیثِ ثواب   بنامِ ھمایون ماکن کتاب

کتاب کے عنوانات نثر مین لکھے گئے ہین، مثلاً سبب تالیف بیان کرنے کے بعد یون ہے:۔

"دربیان آغاز داستان انورنامہ وذکرِ ریاست ومحاربات نواب انور الدین خان بہادر شہید رحمۃ اللہ علیہ پدر بزرگوار ممدوح"

کتاب حمد ونعت اور سبب تالیف اور خاتمہ کتاب کے علاوہ جملہ ۶۸ ابواب پر مشتمل ہے، کتاب کا اختتام فتح پانڈیچری کے سال ۱۱۷۴ہجری مین ہوا ہے، جیسا کہ خاتمہ کے ان اشعار سے ظاہر ہے ؎

ز ہجرِ جہان سید پُر وقار   ہزار وصد و بود ہفتاد وچار

ز فتحِ دل آویزۂ پھلچری   ہمان سال بود ہمان داوری

شد این نامہ در رجب آن بنستہ   مختتم مع الخیر والبرکتہ

آغازِ کتاب کے بعد ہی انور الدین خان اور اون کی اولاد کا کچھ ذکر کرکے فرانسیسیون اور انگریزون کا ذکر آیا ہے، انگریزون کے طرزِ حکومت اور ان کے بعض اصطلاحات و الفاظ جیسے گورنر، کرنل، اڈمیرل جنرل، کونسل وغیرہ کے معنی بتائے ہین، اور اوسکی وجہ یہ بتائی ہے، کہ اس کتاب مین آگے جہان کہین ایسے الفاظ آئین، تو اونکے معنی سمجھنے مین آسانی ہو، وہ اشعار جن سے بعض انگریزی الفاظ کے مفہوم و معنی معلوم ہوتے ہین، ہم یہان لکھتے ہین تاکہ انجدی کے طرزِ تفہیم و ترجمہ کا اندازہ لگے، ؎

ہر آنکس کہ سالار بندر شود   در انگریزیان نام گونر شود (گورنر)

خداوندِ قوم ست و سردارِ فوج   کند فرقِ عزت زپستی براوج

زفرِ ہی باھمایت بود   مدار المہام ولایت بود

چو میر جہازات شد کس برآب   بود اڈمیر (اڈمیرل) ورزبانش خطاب

بہ بخشی گری ہر کہ شد سربلند — بجندرال (جنرل) اورا ملقب کنند

کمندر (کمانڈر) و کرنل (کرنیل) بہم ہر دو کس — بخدمات جنگی نواز د جرس

چنین گفت بامن زبان دان شناس — کپیتان CAPTAIN بود در لغت قلعہ بان

بقول دگر داستان در بسفت — سر صد نفر را کپیتان بگفت

حشم را بنامند از سولداد (سوجر) — چنین ست قول فرنگی نژاد

زبانے کہ دارند از نجر دہی — صفوف پیادہ بود گارڈی (گارڈ؟)

بفرمود گوینده آن زبان — بکاف دری لفظ کارست دان

بمعنے بود وصف شیران جنگ — لغت ہست مخصوص قوم فرنگ

بود مرد و حرف اخیرش زیاد — زبان دان ہندی بغلطی فتاد

بجائے کہ از اتفاق ہمہ — پے مشورت چون شود محکمہ

بکونسل (کونسل) نامند آن بزم را — در آن جا درستی بود عزم را

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ ابجدی نے انگریزی الفاظ کے معنی کس سلیقہ سے ہماری زبان کے مطابق بیان کئے ہین، ان اشعار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ اونھون نے ضرورت شعری کے اعتبار سے الفاظ مین بہت کچھ تبدیل و تحریف کر لیا ہے، جیسا کہ کپیتان کہ دراصل کپتان اور سولداد (سوجر) سولدر ہے، خود اپنی زبان فارسی کے الفاظ مین بھی عام استعمال کے خلاف حرکات و سکنات کی تحریف اور الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور تعقید کو روا رکھا ہے، اور اوس کے متعلق شاعر کے اختیار کو اور خود اپنے عمل کو ان اشعار مین ظاہر بھی کر دیا ہے، ؎

جوازست بر شاعر دُرفشان — کہ مالا یجوز است بر غیر آن

بتقدیم و تاخیر پرداختن — بہ تعقید الفاظ در ساختن

مرا نا گزیر ست در شاعری شدم کاربند چنین داوری

واقعات تاریخی کے قلمبند کرنے مین غلو اور مبالغہ سے کام نہین لیا گیا، البتہ بعض ایسے واقعات کو جو انگریزی کمپنی سے متعلق ہین، نواب والاجاہ کی کارگذاری مین داخل کر لیا ہے لیکن شاید اوسکی وجہ یہ ہو کہ اس زمانہ مین نواب والاجاہ محمد علی خان اور انگریزون سے ایسے روابط اور دوستانہ تعلقات تھے کہ بعض واقعات دونون کی جانب منسوب کئے جا سکتے ہین،

اظہار واقعات مین نزاکت تخیل اور نکات شاعری کو ہاتھ سے جانے بھی نہین دیا ہے، مثلاً ناصر جنگ کی شہادت کا ذکر کرتے ہین، تو اون کے تخلص آفتاب کی مناسبت سے لکھتے ہین

بیت

شنیدم کہ روز امید و گزند بیک نیزہ خورشید آید بلند

مگر روز معہود آمد شتاب کہ بر نیزہ اینک بود آفتاب

گو اس کتاب کے منظوم ہونے کی وجہ سے اوسکو تزک والاجاہی کے مقابلہ مین تاریخی اہمیت زیادہ نہین دیجا سکتی تاہم یہ اس عہد کی عام تاریخون مین خاص اہمیت رکھتی ہے اور اس قابل ہے کہ دکن اور کرناٹک کی تاریخ کی تدوین مین اسکو ماخذ بنایا جائے،

۳۸ھ

مین

ہندوستان پر عربون کا حملہ

(اطالین زبان سے کائتانی کی تاریخ کبیر سے ترجمہ کیا گیا،)

از

دہیر دو حرف احمد بی اے ال ال بی (علیگ) ایڈوکیٹ بلند شہر،

عرب و اسلام کے ابتدائی عہد ترقی مین مدنی خلافت اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کے حالات جیسا کہ ہم قبل ازین بیان کر چکے ہین بہت کچھ پردۂ اخفا مین پڑے ہوئے ہین، خاص ساحل ہند پر حملہ آوری کا پہلا نشان سنہ ۱۶ھ کے واقعات مین دکھائی دیتا ہے جو لوٹ سے آگے نہین بڑھا، لیکن متن کی کوتاہی جس کا منشا زیادہ تر حضرت عمرؓ کے حکم امتناعی کا اظہار ہے، اس پہلی مہم کے واقعات کو مبہم چھوڑ جاتی ہے،

ہمین معلوم ہے کہ البحرین اور عُمان کے بعض حصّے فوجی عربون سے آباد تھے، البتہ ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ جن عربون نے جہازی بیڑون مین کام کیا، وہ بھی خالص عرب تھے، یا اُن ملکون کے رہنے والے تھے، جن پر مسلمانون نے حملہ کیا، ہم نے اپنی تاریخ کے محوّلہ بالا موقع (حالات سنہ ۱۶ھ) پر اس نظریہ کی طرف اپنا رجحان طبع ظاہر کیا ہے، کہ ملّاح غالبًا غیر عرب تھے، یہ امر مہم کی نوعیت سے جو خطرناک طویل اور دشوار تھی، ظاہر ہے، نیز اس وجہ سے تھی، کہ یہ مہم ان مقامات کے متعلق جن پر حملہ کیا گیا صحیح اور مکمل واقفیت چاہتی تھی،

حضرت عمرؓ کی ممانعت بھی ممکن ہے، اُس مہم کی قلیل کامیابی کا موجب ہوئی ہو،

حضرت عثمانؓ کی خلافت اور ۳۲ھ کے واقعات میں ہم نے ایک اور روایت ترجمہ کی ہے جس میں مسلمانوں اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کا ذکر ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس بار عربوں کی مہم کا مقصد صرف تفتیش حالات تھا، اور وہ ہندوستان کے قریبی مقامات اور خاص ہند کی سیر تک محدود تھی، اس کے برخلاف وہ روایت جو حکیم بن جبلہ العبدی سے منسوب ہے، صرف بلوچستان کے ریگستانی علاقوں یا زیادہ سے زیادہ سندھ کے مشرق صحراؤں کے متعلق ہو سکتی ہے، خلیفہ عثمانؓ نے اس مہم کو روک دیا، حکیم کی روایت بنظر احتیاط دیکھے جانے کے قابل ہے،

برخلاف اس کے جو مہم ۳۸ھ میں مندرجۂ ذیل روایت کے رو سے بھیجی گئی تھی، وہ ایک باضابطہ حملہ تھی،

سچ یہ ہے کہ یہ روایت بھی موجودہ صورت میں بمشکل یقین کے قابل ہے، یا کم از کم مزید روشنی اور وضاحت چاہتی ہے، اس سال حضرت علیؓ ہر قسم کے خطرات میں گھرے ہوئے تھے، اور ان کی تمام تر توجہ سلطنت کے دشوار ترین مسائل میں مصروف تھی، مثلاً اپنے اور معاویہ [illegible] ذریعہ سے فیصلہ، خارجیوں سے شدید مقابلہ اور اس پرشور و شر سال کے دہلک نتیجہ کے طور پر اندرونی بدنظمیاں، اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہیں، کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو وہ کسی ایسی مہم کے متعلق نہیں ہو سکتی، جس کی تجویز حضرت علیؓ نے فرمائی ہو، یا جس کا حکم انھوں نے دیا ہو، غالباً یہ مہم کسی ایسے مسلمان سردار یا سرحدی سپہ سالار نے جو کارنمایاں دکھانے کا شائق اور مال و متاع اور حکومت مرکزی سے آزادی کا جویا تھا، ترتیب دی تھی،

ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ۳۸ھ میں حضرت علیؓ کی حالت پہلے سے زیادہ خطرہ میں گھری ہوئی تھی یہاں تک کہ بجز فارس کے جہاں ۳۹ھ میں انھیں خود اپنے مضبوط عامل زیاد بن ابیہ کی حکومت کو مدد دینے کیلئے جانا پڑا، ایران کے تمام دیگر اقطاع ایران کا اثر برائے نام رہ گیا تھا حتی کہ اس جنگ میں جو امیر معاویہ کے خلاف ہوئی، اہل کوفہ پر بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا، وہاں نہ فوج ملی نہ رسد، کوفہ پر بھی ان کا اقتدار حقیقی نہ تھا، غالباً مشرقی اور شمالی سرحد بھی اسلامی حکومت کے اس خلیفہ کے اثر سے ایک بڑی حد تک آزاد تھے۔

ان حالات کی تائید اس قبیلہ (عبد القیس) کے نام سے بھی ہوتی ہے جس سے الحارث بن مرہ کا جو کہ اس

معارف: ابن اثیر ج ۳ ص ۳۲۱ میں اس کا نام زیاد بن امیہ ہے،

مہم ۳۸ھ کا سردار تھا تعلق تھا، غالباً ۱۶ھ کی طرح اس مرتبہ بھی یہ مہم بحرین یا عمان سے روانہ ہوئی جس کا باعث اس علاقہ کی کوئی عرب جماعت ہوئی، جو ملکی بدنظمی سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی جس طرح ان ملکوں کے سرداروں نے حضرت عثمانؓ کے حکم کی پروا نہیں کی، اسی طرح اس بدنظمی کے دور میں بھی عمل ہوا،

یہ بیان ابھی زیادہ قابل غور ہے، کہ جو عرب اس مہم پر گئے، وہ وہین رہ گئے، اس سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ یقین ہے کہ اس مہم کا مقصود ترک وطن تھا، یہ بھی غور طلب ہے کہ الحارث کی موت ۴۲ھ میں بعہد خلیفہ معاویہ واقع ہوئی جن کے قبضہ مین کل سلطنت تھی، اور جنھون نے صوبجات کی بدنظمیون کو دور اور ان خودمختاریونکا استیصال کر دیا تھا، جو رات دن کی بدنظمیون سے پیدا ہو گئی تھین،

ہمارا یہ مطلب نہین ہے، کہ معاویہ نے اس منچلے عرب سردار کو مروا دیا، بلکہ اغلب یہ ہے کہ جب معاویہ نے تمام سلطنت پر قابو پا لیا تو ایسے خودمختار لوگ خود بخود غائب ہو گئے جس کی وجہ سے اس روایت مین ان کی موت بیان کی گئی ہے،

لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ روایت بالکل صحیح ہو، اسلئے کہ القیقان کی ہندستانی آبادی نہایت جنگجو تھی، جو عربون کو بہت تنگ کرتی رہتی تھی، آگے چل کر کئی مرتبہ ہمین القیقان مین مسلمانون کی شکستون کا حال معلوم ہوگا،

القیقان کے متعلق بھی ایک لفظ کہہ دینا ضروری ہے، ان متون مین کسی سے واضح نہین ہوتا، کہ اس خطہ سے مراد کونسا علاقہ ہے، نہ وہ جغرافیائی قاموسین ہی جو ان تاریخون سے ماخوذ ہین، اس پر کچھ روشنی ڈالتی ہین، مثلاً یاقوت نے ہندستانی نامون کے عربی تلفظ کی غلطیون کو بتاتے ہوئے البلاذری کے اس مقام کو جسمین اس کا ذکر ہے، مع تاریخی اور جغرافیائی حواشی کے جو اس مصنف نے دیے ہین نقل کر دیا ہے؛

بعد کے مصنفون کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ القیقان دریائے سندھ کے بالائی حصے سیستان اور مکران کے مابین واقع اور ترکون کے حملے کیلئے کھلا ہوا تھا، اُس زمانہ مین یہ ایک صحرا کی حیثیت رکھتا، اور گھوڑون کی نسل کیلئے بہت موزون تھا، اس لئے یہ ممکن ہے، کہ القیقان موجودہ افغانستان کا ایک ہندوستانی صوبہ ہو جو کہ سندھ کے شمال

مین واقع تھا، ممکن ہو کہ موجودہ صوبہ پنجاب کا ایک جزو ہو،

علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف نے روایت کی ہے، کہ ۳۸ھ کی اخیر اور ۳۹ھ کے شروع مین بزمانۂ خلافت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان حدود کی طرف الحارث بن مرۃ العبدی باختیار خود و بعد اجازت حضرت علیؓ نتحیاب ہوا، اور مال اور قیدی حاصل کئے اور ایک دن مین ایک ہزار مویشی تقسیم کئے،

بعد مین وہ بجز چند کے تمام ساتھیون کے ساتھ القیقان کے ملک مین مارا گیا، اور اوسکی موت ۴۲ھ مین ہوئی، القیقان ہندوستان کے صوبۂ سندھ کا وہ حصہ ہے، جو خراسان سے ملا ہوا ہے (البلاذری[1] ۴۳۲ نیز دیکھو ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۲۱، ۲۲۳، جہان اس واقعہ کا تذکرہ ۳۸ھ مین کیا گیا ہے، تعزابردی قلمی نسخہ پیرس ۱۵۵ ص ۱۲، نویری قلمی نسخہ لائیڈن ج ۱ ص ۱۳۷، یاقوت ج ۴ ص ۲۱۲)

[1] البلاذری کا اصل متن حسب ذیل ہے:-

"فلما کان آخر سنہ ۳۸ و اول سنہ ۳۹ فی خلافۃ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ توجّہ الی ذالک الثغر الحارث بن مرۃ العبدی متطوعاً باذن علی فظفر واصاب مغنماً وسبیاً وقسم فی یوم واحد الف راس. ثم انہ قتل ومن معہ بارض القیقان الا قلیلاً وکان مقتلہ فی سنہ ۴۲ و القیقان من بلاد السند مما یلی خراسان (ص ۴۳۲ طبع اول [illegible] مطبع الموسوعات قاہرۃ سنہ [illegible] ۱۳۱۹ء)

کتبخانۂ حبیب گنج
کی
فہرستِ کتب کا گوشوارہ۔

از نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمن خان شروانی۔

سابق مین اپنے کتابخانہ کی قلمی سرمایہ کی فہرست مرتب کرنے کی اطلاع معارف کے ذریعے سے اہل علم کو کی تھی اوسکے بعد ایک مرحلہ او رطے ہوا، اپنے ذوق کے مطابق ایک گوشوارہ تیار کیا ہی، اوسکے عنوان بھی خود ہی تجویز کیے ہین، قارئین معارف کی خدمت مین اصلاح واطلاع کے لئے پیش کرتا ہون، ممکن ہے دوسرے کتابخانہ ان مین سے کسی عنوان کو اپنے لئے پسند فرمائین، اس گزشتہ دور کا حیال یون بھی ہوا کہ ایک امریکن خاتون یہان صرف مطلا ومذہب کتابین دیکھنے آئی تھین، دکھائی گئین، مگر فہرست جداگانہ نہ ہونے سے ملاحظہ تام نہ ہو سکا گوشوارہ کے عنوان حسب ذیل ہین، عنوان چونکہ جدید ہین، اس لئے شاید نامانوس ہون یا ناموزون، عدم موزونیت کی اصلاح کا ارباب ذوق سے آرزومند رہون گا۔

(۱) الذہبیات:- اس عنوان کے تحت صرف وہ کتابین ہین، جو طلائی کام کے لحاظ سے امتیاز رکھتی ہین، ان کتابون کی مدد سے مختلف عہدون اور ملکون کے انداز اور ذوق کا پتہ لگ سکتا ہی، ماوراء النہر، ایران، عرب، ترکی، کشمیر، ہندوستان وغیرہ ممالک کا ہنر سامنے آجاتا ہے، مختلف ادوار کی ترقی وتنزل مذاق کا پتا لگ سکتا ہی،

(۲) الخطاطیات:- اس عنوان کے تحت مین مسلم خطاطون کے قلم کی کتابین درج ہین، مثلاً میر عماد،

میر علی کاتب وغیرہ،

(۳) الخطیات:- یہ وہ کتابین ہین جو اعیانِ ملک کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، یا اون کے خطوط سے مزین ہین، مثلاً ابوالحسن آصف خان شاہجہانی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی،

(۴) المجلدات:- قدیم جلدسازی کے نمونے،

(۵) السلطانیات:- جن کتابون کا سلاطین سے خاص تعلق ہے وہ اس عنوان مین لکھی گئی ہین، مثلاً ابراہیم عادل شاہ کے کتاب خانہ کی، "پیشکش شاہزادہ عالیجاہ اعظم شاہ بحضرت عالمگیر بادشاہ در سنہ جلوس ۱۴"

(۶) الفتوحیات:- وہ کتابین جو سلاطین کے کتابخانون مین فتح کے مالِ غنیمت مین سے داخل ہوئین، مثلاً مثنوی گوے چوگان ملا عارفی، نوشتہ میر علی کاتب جو عالمگیر بادشاہ کے کتابخانہ مین فتحِ گولکنڈہ کے مالِ غنیمت مین سے داخل ہوئی،

(۷) المقامیات:- وہ کتابین جن پر مقامِ تحریر وغیرہ درج ہی، مثلاً قسطنطنیہ، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، بلخ، بخارا وغیرہ دار السلطنتون سے لیکر دیہات تک سب درجون کے مقام اس فہرست مین ہین، کبھی ہمارے علمی فیض سے ایک عالم منور تھا، اب یادِ وہ ہے او حسرت، ایک مقام قوصون ہی معجم البلدان مین اس کا پتا نہین، شاید اہلِ معارف پتا بتا سکین،

(۸) الختمیات:- جن کتابون مین مہرین ہین، اس فہرست سے ذوقِ ادب کے سوا مہرون کی تاریخ عیان ہوجاتی ہے، بعض مہرین کسقدر دلگیر ہین "نظام الدین بیچارہ نہ این نہ آن"، "این نیز بگذرد" اس مہر کو بار بار پڑھا، کتاب کو دیکھا، دل نے کہا آخر گذر ہی گیا، جب سے اب تک خدا معلوم کیا کیا، اور ۱۰۹۲ سے کون کون گذر گیا، ایک عجیب مہر ہے، جو مدور بڑی امراء شاہی کی شان کی نہایت خوشخط واضح الحروف ہے، الفاظ بجنسہ نقل کیے جاتے ہین، شاید کسی طرف سے روشنی پڑے، کہ یہ کون امیر تھے، کس نسل یا ملک کے،

محمود شاہ بادشاہ غازی ۱۱۵۰
دو ملک ویل وبرسانون ندو

یہ مہر جس کتاب پر ہے وہ زبور کا ترجمہ ہے،

(۹) الاقاربیات:۔ یہ وہ کتابین ہین جن کا میرے رشتہ دارون سے تعلق ہو، اون کی تالیف ہین، حواشی سے مزین ہین، فرمایش سے لکھی گئین، یا اون کے کتابخانون سے لین، وغیرہ ذالک،

(۱۰) الاستاذیات۔ اس عنوان مین وہ کتابین رکھی گئی ہین جو میرے استاذون کے سلسلہ مین سے کسی بزرگ کی لکھی ہوئی ہین، یا محشی بقلم خاص ہین، یا اون کے خطاسے کسی دوسرے عنوان سے مزین ہین، وغیرہ ذالک،

(۱۱) الحسنیات:۔ ان مین وہ کتابین ہین جو بلحاظ خط نادر ہین (نیز خطاطیات)

(۱۲) القرطاسیات:۔ اس مین کاغذون کے اقسام دکھائے گئے ہین، مثلاً گجراتی، سمرقندی، خان بالغ وغیرہ،

(۱۳) العتیقات:۔ نوین صدی ہجری یا اوس سے قبل کی کتابین، سب سے قدیم نسخہ، پانچوین صدی کا ہے،

(۱۴) الخطاطیات:۔ اس مین مختلف خطون کی تشریح ہے، مثلاً خط نسخ، کوفی، بغدادی، ایرانی، کشمیری، ہندی، خط بہاری وغیرہ،

(۱۵) المصنفیات:۔ بخط مصنف، یا نسخہ مصنف سے منقول، یا مقابلہ شدہ وغیرہ، مثلاً الاجوبۃ الاسولۃ للامام القشیری، خود امام ... کی لکھی ہوئی،

... الحافظ شمس الدین سخاوی، اون کے ہاتھ کی لکھی ہوئی (بعض ...)

مقالات شبلی تعلیمی حصہ سوم

مولینا کے تعلیمی مضامین کا مجموعہ،

ضخامت ... صفحے

قیمت:۔ ...

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

تہذیبِ مغرب کی خودکشی

ضبطِ ولادت [illegible] کی [illegible] تحریک [illegible] کا اندازہ [illegible] ہوگا

[illegible] سال [illegible] کی [illegible] تحریک [illegible]

ہیں [illegible] روایات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شاعر نے پیشگوئی کی تھی کہ

تمہاری تہذیب [illegible] خودکشی [illegible]

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا [illegible] ہوگا (اقبال)

کی تصدیق آج خود مغرب کی زبان سے ہو رہی ہے، اور جس خطرہ کا احتمال تھا وہ اب [illegible]

ضبطِ ولادت کی تحریک۔ [illegible] آج اتنی تشویشناک شکل [illegible] ہے [illegible] حقیقتہً صرف ایک سبب [illegible] مختلف اسباب کے

جو انفرادی اور اجتماعی طور پر تہذیب [illegible] کا شیرازہ بکھیرنے میں مصروف ہیں، ڈاکٹر [illegible] کا سبب [illegible]

مذہبی کا انتشار، نفسیاتی بےچینی، عورتون کی آزادی اور اقتصادی حالات بتاتے ہین" لیکن اصل یہ ہے کہ ان مین سے ہر ایک نتیجہ ہے اُس نفس پرستی کا جو مغرب کی فطرت ثانیہ بن گئی ہے اور جس کی کارفرمائی تہذیب و معاشرت کے ہر پہلو مین یکسان نمایان ہی، فطرت اپنا انتقام لے کر رہتی ہے اور اُس کے قوانین کا تسلط امیر و غریب حاکم و محکوم، متمدن و وحشی سب پر ہمیشہ سے قائم ہی، مغرب کا موجودہ انتشار جو تمدن کے ہر شعبہ مین ظاہر ہو کر اوسکی بنیادون کو ہلا رہا ہے، انھی قوانین فطرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے، وہان کے بعض اہل نظر مرض کی تشخیص کر رہے ہین لیکن جب خود مریض کے نزدیک مرض ہی عین صحت ہو، تو پھر صحت کی توقع کون کرسکتا ہی، ؟

بہرحال مضمون مذکور کا خلاصہ حسب ذیل ہو،

ضبط ولادت (برتھ کنٹرول) کی تحریک سے گہوارے خالی ہو رہے ہین اگر شرح پیدایش کا یہ انحطاط جاری رہا اور اسے روکا نہ گیا، تو اس کے یہ معنی ہین کہ ایک قلیل مدت مین (DECADES) مغربی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو جائیگا، انگلستان، فرانس، جرمنی، اور اٹلی کی شرح پیدایش کے تازہ ترین اعداد و شمار سے یہ پورے طور پر ثابت ہے کہ یورپ کی تمام بڑی قومون کی آبادی روزبروز گھٹ رہی ہے، ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] سے شرح پیدایش مین تشویشناک طریقہ پر کمی ہو رہی ہے، اس ملک (امریکہ) مین بھی شرح پیدایش کی فطری ترقی انحطاط کی جانب مائل ہے،

"ڈیلی میل" (لندن) کا بیان ہی کہ سال (۱۹۳۱ء) کی اول سہ ماہی مین انگلستان اور ویلز مین پیدایش کا اوسط رجسٹرار جنرل کے اندراج کے مطابق (۱۵٫۲) فی ہزار تھا، اس حصہ سال مین کبھی اتنا کم اوسط نہین ہوا تھا، ۱۸۷۶ء مین پیدایش کا اوسط (۳۶٫۳) تھا، اس انحطاط کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی تردد خیز ہے کہ اس عرصہ سال مین شرح اموات شرح پیدایش سے بڑھ کر تھی یعنی (۱۵٫۳) کے مقابلہ مین (۱۵٫۴) اموات کی تعداد ولادت کی تعداد سے (۱۲،۱۰۰) [illegible] زیادہ تھی، شرح پیدایش کا یہ انحطاط کوئی عارضی انحطاط نہین ہے، بلکہ روزبروز زیادہ طاقت حاصل کرتا جاتا ہی، اس سہ ماہی مین لندن کی شرح پیدایش صرف (۱۴٫۶) تھی، انگلستان کے (۱۱۷) بڑے شہرون مین

شرح (۱۵٫۶) تھی یعنی تمام ملک کی شرحِ پیدایش سے کچھ ہی زیادہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انحطاط ایک قومی انحطاط ہے اور صرف شہرون ہی تک محدود نہین ہے،

"ڈیلی میل" لکھتا ہے کہ دوسرے ملکون مین اکثر شہرون کی شرحِ پیدایش اس سال ہی مین لندن سے کم تھی، اعداد وشمار حسب ذیل ہین:۔

برلن	۸٫۸	اوسلو (ناروے)	۸٫۹
ڈرسڈن	۸٫۹	پیرس	۱۴٫۵
لائپزگ	۱۰٫۸	نیویارک	۱۵٫۹
میونخ	۱۰٫۰	شکاگو	۱۴٫۳
ہیمبرگ	۱۱٫۱		

شرحِ پیدایش کے انحطاط کا بڑا سبب تحریکِ ضبطِ ولادت کی ترقی ہے، جسکی مخالفت حقیقۃً صرف ایک ہی بڑی جماعت یعنی کلیساے رومہ کی طرف سے ہورہی ہے، اس صورتِ حال سے اس امر کی توجیہ کسی حد تک ہوسکتی ہے، کہ میڈرڈ مین پیدایش کا اوسط کیون (۳۱٫۱) تھا، یعنی یورپ کے دوسرے دار السلطنتون کا تقریباً دوچند،،

اسپین، پرتگال اور آئرلینڈ مین جہان رومن کیتھولک مذہب جاری ہے اس صدی کے ابتدائی سالون کی نسبت ۱۹۲۸ء سے آبادی کی فطری رفتار مین اضافہ ہورہا ہے، برخلاف اس کے انگلستان، جرمنی، ناروے، سوئڈن اور بلجیم مین یہ فطری ترقی اب پچیس سال پیشتر کے مقابلہ مین گھٹ کر صرف ایک چوتھائی رہ گئی ہے آسٹریا اور فرانس، اگرچہ یہ ممالک بھی رومن کیتھولک ہین، نیز سوئزرلینڈ مین یہ تخفیف پچاس فی صدی سے زیادہ ہے،

"ڈیلی میل" کے نامہ نگار کے بیان کے مطابق پیدایشون کی تخفیف سے فرانس مین سخت تشویش پھیل رہی ہے وہ لکھتا ہے" یہ مسئلہ اتنا اہم ہوگیا ہے کہ جہان ۱۹۳۰ء مین (۲۵۰۰۰۰) نوجوان فوج مین بھرتی ہوئے تھے، وہان اندازہ ہے

کہ ۱۹۳۵ء میں صرف (۶۳۰۰۰) داخل ہوں گے، ۱۹۲۲ء میں فرانس کے ہر دس خاندان نے چار بچے پیدا کیے تھے، ۱۹۵۵ء میں تین بچے ہوئے، [illegible] اوسطاً صرف (۲۰۲) ہے، اگر شرح پیدائش کا یہ انحطاط اپنی موجودہ رفتار کے ساتھ جاری رہا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ چھیاسٹھ سال میں آبادی تقریباً نصف گھٹ جائیگی،

برلن سے اطلاع آئی ہے کہ ۱۹۳۳ء میں شرح پیدائش (۱۶) فی ہزار تھی اور وہاں تک اندراجات سے معلوم ہوتا ہے، یہ وہاں کی پست ترین شرح تھی، گذشتہ سال جرمنی کی (۶۴۰۰۰۰) آبادی میں ولادتوں کی تعداد اموات کی تعداد سے (۵۲۵۰۰۰) زیادہ تھی، حالانکہ ۱۹۳۲ء میں یہ زیادتی بقدر (۴۴۶۰۰۰) کے تھی، لیکن برلن میں اموات کا شمار ولادتوں کی تعداد سے (۱۸۷۰۰) زیادہ تھا،

[illegible] میں گذشتہ پانچ سالوں سے شرح پیدائش میں خاص قدر تخفیف نمایاں ہے، ۱۹۲۹ء میں شرح پیدائش (۲۷) فی ہزار تھی، ۱۹۳۱ء میں گھٹ کر (۲۵) ہوگئی، ۱۹۳۲ء میں یہ شرح (۲۹) تھی، اور ۱۹۳۳ء میں (۲۲)،

ممالک متحدہ امریکہ میں شرح پیدائش ۱۹۲۰ء میں (۲۳۰۴) تھی جو ۱۹۳۱ء میں (۱۸۰۹) تک گر گئی، ۱۹۳۰ء میں پولینڈ کی (۳۱۰۰۰۰۰۰) کی آبادی میں ولادتوں کی تعداد اموات کی تعداد سے (۵۴۱۰۰۰) زیادہ تھی، اور اوس سال کی شرح پیدائش (۳۲۰۴) ۱۹۲۹ء کی شرح پیدائش سے کسی قدر بڑھی ہوئی تھی،

خود امریکہ کا یہ حال ہے کہ اوس کے چودہ بڑے شہروں میں ولادتوں کی تعداد کم ہوگئی ہے، میٹروپولیٹن لائف انشیورنس کمپنی کی طرف سے جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر شہر کی شرح پیدائش ۱۹۳۱ء میں کم ہوگئی ہے، بوسٹن میں یہ کمی (۲۲) فی صدی تھی، اور ڈیٹروائٹ میں (۱۷) فی صدی، ممالک [illegible] کے بڑے شہروں میں پٹس برگ ہی ایک ایسا شہر تھا جس کی شرح پیدائش (۲۰) فی ہزار سے زیادہ تھی لیکن وہاں بھی ۱۹۳۱ء [illegible] اعداد و شمار کے لحاظ سے یہ شرح [illegible] فی صدی سے زیادہ گھٹ گئی تھی، ان شہروں میں سے پانچ [illegible] شہر [illegible] میں ترقی ہوئی تھی [illegible] خفیف [illegible] ڈیٹروائٹ اور [illegible] کا نام مؤخرالذکر [illegible] فرمایا گیا یعنی [illegible]

سے بھی کم،

غرض معلوم یہ ہوتا ہے کہ تمام مغربی تہذیب و تمدن عنقریب فنا ہو جانے والا ہے، یہ صورت حال کسی خلقی جسمانی کمزوری کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس امر پر عام طور سے اتفاق رائے معلوم ہوتا ہے، کہ مغربی تہذیب خودکشی کر رہی ہے،

"ڈیلی میل" کی رائے ہے کہ پیدائشون کی تعداد مین تخفیف کا اصلی اور واضح سبب ضبطِ ولادت کی تحریک ہے، جسے بالعموم لوگون نے اختیار کر لیا ہی چنانچہ لکھتا ہے کہ "وہ وقت بہت دور نہین ہے کہ برطانیہ عظمی کی آبادی مین اضافہ موقوف ہو جائیگا، اور وہ بالکل رک جائیگی، چند سال ہوئے پروفیسر بوے نے تخمینہ کیا تھا کہ بیس برس کے بعد یہان کی آبادی (۴۸۰۰۰۰۰۰) تک پہونچ جائیگی، اور پھر اس کے اوپر نہ بڑھے گی لیکن اب عمومیت کے ساتھ اس رائے پر اتفاق ہے کہ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے"

اس نظریہ کی تصدیق کہ شرح پیدائش مین جو عام انحطاط ہے وہ تحریک ضبط ولادت کی وجہ سے ہی، ڈاکٹر ای سنگلیر مددگار پروفیسر معاشیات ایڈنبرا یونیورسٹی کے بیان سے ہوتی ہے، وہ اس تحریک کا سبب عقائد مذہبی کے انتشار نفسیاتی بے چینی، عورتون کی آزادی، اور اقتصادی حالات کو قرار دیتے ہین، وہ لکھتے ہین "یہ امر کہ ضبط ولادت ہماری معاشرت کا ایک ضروری جزو ہو گیا ہے! اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اوسکی شدید مخالفت صرف ایک ہی مرتب و منظم جماعت یعنی کلیسائے رومہ کی طرف سے ہو رہی ہے، اگرچہ اب اس مخالفت کا اثر روز بروز کم ہو رہا ہے،

"ع ز"

عیسوی مذہب مین شیطان کا عقیدہ

چند روز ہوئے ڈاکٹر دستور پاوری نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کی ایک مجلس مین یہودیت، ملائکہ اور جنات پر ایک دلچسپ تقریر کی اس سلسلہ مین اونھون نے بیان کیا:-

یہودیون کی طرح عیسائی بھی بے شمار جنات، فرشتون اور ملائکہ مقربین کا یقین رکھتے ہین وہ کہتے ہین کہ ملائکہ مقربین چار ہین، جبرئیل (گبرائیل) عزرائیل (یوریل) اسرافیل (رفیل) اور میکائیل (سکینیل) یہ چارون خدا کے

کے پیغامبر خیال کئے جاتے ہین، کہا جاتا ہے کہ جبرئیل نے حضرت عیسیٰؑ کے بطن مادر مین آنے کی اطلاع دی تھی اور وہی حضرت زکریا کے پاس بھی آئے تھے، اسرفیل نے طوبیاس کے پاس آکر اُن کو ایک نسخہ دیا تھا، جبرئیل اور میکائیل کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ جس روز حضرت عیسیٰ مزار سے باہر تشریف لائے تھے، حواریون نے انھی دونون فرشتون کو مزار پر پایا تھا، یہ ملائکہ مقربین اہل ایمان کی دعائین آسمان پر لیجاتے ہین، اور جب خدا انسانون کو سزا دینا چاہتا ہے تو اوس کا غصہ زمین پر لاتے ہین، یہ بھی عقیدہ ہے کہ یہ چارون فرشتے قیامت کے روز دنیا کے ہر گوشہ مین ایک ہیبت ناک صور پھونکین گے، لیکن مسیحی علمار کی خیال آرائیان زیادہ تر شیطان اور اوس کی ذریات سے متعلق ہین،

اگرچہ دنیا کی پیدایش کی نسبت عقیدہ یہ ہے کہ اسے ایک نیک خدا نے پیدا کیا ہے، تاہم یہ عقیدہ بھی تھا کہ دنیا مین جتنی برائیان پائی جاتی ہین وہ خدا کی پیدا کی ہوئی نہین ہوسکتین، پس جو لوگ بدی کے وجود کی کوئی دوسری توجیہ نہین کر سکتے تھے، ان کے دماغ مین ایک ایسی خبیث روح کا تخیل قدرتی طور پر آیا جو ازل سے خالق اکبر کی مخالفت کر رہی ہے، سوال یہ تھا کہ وہ کونسی خبیث روح ہوسکتی ہے جس نے اتنی دلیری کے ساتھ اپنے خالق سے بغاوت کی، اس مین شک نہین کہ اس کا نام شیطان تھا، وہی جس نے حضرت عیسیٰ کو بہکانے کی جرأت کی اور جسے حضرت عیسیٰؑ نے "مُضل" (شہزادۂ ظلمت) فرمایا تھا، شیطان کے وجود اور انسانون کے خلاف اوسکے شیطانی منصوبون مین مسیحی علمار کو ذرا بھی شبہہ نہ تھا، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ نے خود اوس کی تصدیق کی تھی اور اپنے پیرؤن کو شیطان کی شرارت سے متنبہ کر دیا تھا، جس موضوع سے دراصل ان علمار کو دلچسپی تھی، وہ شیطان کی اصل اُس کے زوال کی وجہ اور اُس کے افعال کی کیفیت تھی،

اوسکی اصل کے متعلق بہت کچھ اختلاف آرار تھا، بعض علمائے مذہب ٹرٹولین (TERTULLION) لکٹینٹس (LACANTIUS) نیسا کے گریگری (GREGORY OF NYSSA) اور سینٹ ٹامس اکینس (ST THOMAS AQUINAS) کا خیال تھا کہ وہ ایک مقرب فرشتہ بنایا گیا تھا

لیکن اوس کے زوال کا سبب خدائے تعالےٰ کے خلاف اوس کی بغاوت ہوئی، دوسرے علما، مثلاً سینٹ جان دمشقی (St. John of Damascus) اُسے کم رتبہ کا فرشتہ سمجھتے تھے، رہا اوس کا زوال سو اوسکے متعلق بہت اختلاف تھا،

سینٹ جسٹن (St. Justin) کا خیال تھا کہ اوس نے اور بعض دوسرے فرشتون نے زمین پر عورتون سے تعلقات پیدا کرلئے تھے دوسرن کی رائے تھی کہ شیطان کا زوال دوسرے شریر فرشتون کے زوال سے بالکل علحدہ تھا، اوران دونون مین کوئی اشتراک نہ تھا بعض علما رنے اُس کے زوال کا سبب حسد بتایا ہے یہ خیال ٹرٹولین سینٹ سپرین (St. Cyprian) سینٹ گریگری اور لکنٹیس کا تھا، برخلاف اسکے اوریجن (Origen) کی رائے تھی کہ زوال کا سبب تکبر تھا، اور اوس کی اس رائے سے سینٹ ہلاری (St. Hilary) سنٹ ایمبریو (St. Ambrose) اور سینٹ جروم (ST. JEROM) کو بھی اتفاق تھا، اس مسئلہ پر سب سے زیادہ مستند رائے سینٹ آگسٹائن (St. Augustine) کی ہے، وہ لکھتے ہین "یہ صرف تکبر ہی ہے جس کے باعث شیطان کو سزا دیجائے گی حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلا گنہگار رہے، اوس نے زنا نہین کی، شراب نہین پی، چوری نہین کی، محض تکبر نے اوسے گرایا"،

دوسرا موضوع بحث جس پر بعض علمائے مذہب نے کافی دماغ سوزی کی، یہ اہم سوال تھا کہ شیطان نے کیا تکبر کیا، نزیانس کے سینٹ گریگری (St. Gregory of Nazianzus) "اپنے خطبات" مین صاف صاف لکھتے ہین کہ وہ اپنے خدا کو تسلیم کرانا چاہتا تھا،

پروڈنٹیس (Prudentius) کا بیان ہے کہ شیطان یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ خود بخود پیدا ہوگیا ہے، برخلاف اوس کے سینٹ انسلم (St. Anselm) کا خیال تھا کہ شیطان خدا بننا نہین چاہتا تھا، بلکہ جو وقت اوس کے خالق نے مقرر کیا تھا، اوس کے پہلے ہی وہ خدا کے دیدار سے مشرف ہونا چاہتا تھا، ریوپرٹ (Rupert) اور پروڈنٹیس اس رائے پر متفق تھے کہ شیطان خدا کی طرح

اپنی پرستش کرانا چاہتا تھا، عام عقیدہ یہ ہے کہ تکبر، خدا کے مثل بننے، اور ادمی کی طرح پوجے جانے کی خواہش نے شیطان کو گرایا،

شیطان کے افعال کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ پہلے اوس نے آسمان کے باشندون مین اپنے افعال شنیعہ کی ابتدا کی، اور علما، کو اس مین شبہہ باقی نہ رہا، کہ شریر فرشتون کو برائیان شیطان ہی نے سکھائین، اس خیال کی سند کتاب پیدائش مین پائی جاتی ہے، جسمین لکھا ہو کہ خدا کے بیٹون نے انسان کی لڑکیون سے شادیان کین، "کتاب اناک" (Book of Enoch) "کتاب پیدائش" کے متن کی یون تفسیر کرتی ہے کہ فرشتے ہی "خدا کے بیٹے" تھے، اس کتاب سے ہمین معلوم ہوتا ہے، کہ جن فرشتون نے شادیان کین، اُن پر خدا نے لعنت بھیجی، ٹرٹولین کا بیان ہے کہ فرشتون نے اپنی بیویون کو زیورون سے لاد دیا تھا، تاکہ خدا اُن پر غصہ کرے سینٹ سیپرین اور سینٹ ٹامس اکینس کو اس امر مین ذرا بھی شبہہ نہ تھا کہ شریر فرشتون نے عورتون سے تعلقات قائم کرلئے تھے، اور بعض کو یقین تھا کہ فرشتون نے عورتون کے ساتھ ارتکاب گناہ کیا تھا، اور اُن سے بچے پیدا ہوئے تھے،

تمام مسیحی علما اس رائے پر متفق ہین کہ شیطان کا سب سے بڑا مقصد انسان کو راہ راست سے گمراہ کرنا اور خدا سے دور کر دینا ہے، لہذا دنیا مین اوس کی سرگرمیان ویسے ہی جوش کے ساتھ قائم ہین، جیسے ہمیشہ تھین اگرچہ عام عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی وفات سے اوس کو زیر کر لیا ہے، ان علما کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ کی وفات نے شیطان کو دنیا مین گھومنے پھرنے اور شرارتین کرنے سے روک نہین دیا ہے، ان کی وفات کا تعلق خاص طور پر "گناہ اول" سے تھا، اور اوسی گناہ سے اُون کی وفات نے انسان کو بری کر دیا، حضرت عیسیٰ کے سولی پر چڑھائے جانے سے قبل کوئی روح آسمان مین داخل نہ ہو سکتی تھی حتیٰ کہ نیک آدمیون کی روح بھی روک لی گئی تھی، یہان تک کہ حضرت عیسیٰ کے خون نے اُس پر مہیب داغ کو دھو دیا، اور اُون کے باپ "کے غصہ کو فرو کر دیا،

بہت سے لوگون کا خیال ہے کہ شیطان اتنا ہی نہین کرتا کہ انسانون کو گمراہ کر کے ضلالت اور

ہلاکت کی طرف لیجائے، بلکہ جو مصائب ہمکو یہان پیش آتے ہین، ان مین سے بیشتر کا ذمہ دار بھی وہی ہے، وہی وبا، قحط، جنگ، اور دوسری آفات ارضی وسماوی کا باعث ہے،

علماے مذہب کا عقیدہ تھا کہ تمام فضا شیاطین سے پر ہے اور دنیا کے ہر گوشہ مین وہ پہنچتے رہتے ہین لوتھر (LUTHER) کہتا تھا کہ شیاطین پرشا (PRUSSIA) مین بہت کثرت سے ہین، اوس کا بیان ہے کہ اوس نے شیطان کو دیکھا بھی تھا، اور اپنی دوات اوس پر کھینچ ماری تھی،

شیطان کے متعلق اس عجیب وغریب عقیدے سے بے شمار مصائب دنیا مین پیدا ہوئے ہین یہی عقیدہ ان تمام نفرت انگیز اوہام کا باعث ہے، جسے ہم اپنے گرد پاتے ہین، لاکھون آدمی تمام عمر ان خیالی عفریتون کے خوف مین مبتلا رہے ہین شیطان کے خوف نے لاکھون کی آخری ساعت کو نہایت دہشت انگیز بنا دیا ہے، لاکھون آدمیون کو یہ الزام لگا کر کہ وہ ارواح خبیثہ سے ساز باز رکھتے ہین، سخت عقوبتین دی گئین اُس دور تعدی مین جو صدیون تک جاری تھا، ہزارون مرد اور عورتین جادوگری کے الزام مین صد درجہ ظالمانہ طریقہ سے ہلاک کردی گئین شیطان کا عقیدہ زندگی کے معیار اخلاق کو نہایت پست کر دیتا ہے جب کوئی شخص کسی فعل قبیح کا ارتکاب کرتا ہو تو پادری اس بات کا یقین دلا کر اسکی تشفی کر دیتا ہے کہ اوس فعل پر اوس کے نفس امارہ نے اوسکو آمادہ نہین کیا، بلکہ کسی شیطان نے بہکا دیا تھا، اس مخرب اخلاق عقیدہ نے ترقی کی راہ روک دی ہے، یہ عقیدہ لوگون کو بے انتہا خوف زدہ رکھتا ہے، اور وہ چالاک پادریون اور فریب دینے والون کے فریب کا شکار ہو جاتے ہین افسوس کی بات ہے کہ تمام دنیا مین جاہل اور سریع العقیدہ لوگ ابھی تک شیطان کے وجود کا یقین رکھتے ہین، امید ہے کہ معقول تعلیم کی اشاعت کے ساتھ اس عقیدہ کے قائل بھی کم ہوتے جائینگے، شیطان کو زیر کرنے کی توقع صرف سائنس ہی کی ذات سے ہے اور ہم امید کرتے ہین کہ عنقریب سائنس شیطان کو اوس کے تخت شاہی سے اتار دے گی، جس پر وہ اتنی مدت تک متمکن تھا،

(بمبی کرانکل ہفتہ وار) "ع ز"

اخبار علمیہ

زمین کا ایک نیا ہمسایہ

جرمن ڈاکٹر کارل رینموتھ (REINMUTH) نے گذشتہ ۲۰ اپریل کو چھوٹا سا ایک نیا فلکی جرم مشاہدہ کیا، اس مشاہدہ نے تمام علماء کی توجہ اپنی طرف جذب کرلی ہے، کیونکہ نظام شمسی کے اندر یہ سب سے عجیب و غریب جرم ہے، یہ آفتاب کے گرد ۲۲ دسال مین اپنا دورہ پورا کرتا ہے، اور یہ ہر مشہور دمدار ستارہ کی مدت سے بھی مختصر مدت ہے، اگر کوئی اسکے بعد قابل ذکر ہے تو وہ انکی (EENCKE) دمدار ستارہ، کیونکہ یہ تین برس چار مہینون مین سورج کے گرد اپنا چکر پورا کرتا ہے، علاوہ ازین یہ رینموتھ والا جرم زمین سے بہت ہی قریب ہے، یعنی اس مین اور زمین مین اسی لاکھ میل کی دوری ہے، اس نئے جرم کی دریافت کے بعد ہیڈلبرگ اور ہارورڈ اور یرکیز کے رصدخانون مین اوسکو دیکھا گیا، تو معلوم ہوا کہ یہ زمین کے مدار پر ۱۶ امئی کو اسی لاکھ میل دور ہوکر اوس سے گذرا، بظاہر یہ نیا جرم چھوٹے ستارون اور دمدار ستارون کی درمیانی شکل و ضخامت رکھتا ہے، اور اوس کا قطر تین میل کے قریب ہے، اور جب زمین کے قریب تر آجائے گا، تو بارہوین درجہ کے ستارون مین شمار ہوگا، اور اُس وقت بھی دوربین کے بغیر دکھائی نہ دیگا، اور یہ معلوم ہے کہ ستارہ اروس آج سے دو سال پہلے جب زمین کے سب سے قریب آیا تھا، تب بھی وہ زمین سے ایک کروڑ چالیس لاکھ میل دور تھا، اب اگر یہ نیا جرم ستارہ ثابت ہوا تو یہ پہلا ستارہ ہوگا جو سورج کے گرد گھومتے ہوئے زمین کے حدود مین داخل ہوا اور فلکی حسابات بتاتے ہین کہ یہ عنقریب زہرہ کے مدار مین داخل ہوگا جب وہ سورج سے قریب تر ہوگا،

طحال اور جگر کی تصویر

امریکا کے جارجٹن یونیورسٹی کے طبی کالج کے پروفیسرون مین سے ڈاکٹر ولیس یا یٹر (YATER) نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے طحال اور جگر کی تصویرین عکس ریز شعاعون کے ذریعہ سے کھینچنا ممکن ہوگیا ہے، اوس نے ایک اکیڈ (تھوریوم، دوم) کا ایک عرق بنایا ہے، جو شریانون مین تین دنون مین تین دفعہ پچکاری کے ذریعہ سے داخل کیا جاتا ہی جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جگر اور طحال کی موجودہ صورتین عکس ریز مین بالکل معلوم ہونے لگتی ہین، اور بآسانی پتہ چل جاتا ہے، کہ ان بیمار اعضا کی موجودہ حالت کیا ہی، اور اُن مین کہان ورم یا پھوڑا ہے، امید ہے کہ اس دریافت سے طب کا قدم کچھ اور آگے بڑھے گا،

نقشِ پا کی زبان

مسٹر لوکارد ناظر محکمۂ پولیس لیون (فرانس) کا تجربہ ہے کہ نشانِ قدم کے معاینہ پر نہ صرف پیر یا اوسکی پوشش کا پتہ چل جاتا ہے، بلکہ چلنے والے کی طرزِ رفتار بھی معلوم ہوجاتی ہے، ان نشانات کو دیکھ کر یہ بتایا جاسکتا ہے کہ وہ شخص سیدھا کھڑا ہوا تھا، چل رہا تھا، دوڑ رہا تھا، یا پیچھے کی طرف جارہا تھا، علاوہ برین ان نشانات سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے، کہ اوسکی عمر کیا ہے، مرد ہے یا عورت، کس پیشہ سے تعلق ہے، اور آیا وہ بیمار تو نہین ہے، بایان قدم عموماً داہنے قدم سے زیادہ بڑا پڑتا ہے، مجرم بھاگتے وقت سڑک پر بھی داہنی جانب مڑنا چاہتا ہے، اگر کوئی شخص جنگل مین راستہ بھول جائے تو وہ ایک دائرہ مین چکر کرے گا، اولٹے پاؤن چلنے مین قدم کے نشانات ناہموار پڑتے ہین، جب کوئی شخص چلتے ہوئے پیچھے مڑکر دیکھتا ہے، مثلاً یہ معلوم کرنے کیلئے کہ اوس کا تعاقب تو نہین کیا جارہا ہی، تو ہمیشہ وہ اُس پیر پر گھومتا ہے جو اوس سمت کے مخالف جانب ہوتا ہے، جدھر وہ اپنا سر پھیرتا ہے، یہ بات نشانِ قدم سے بہت واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے، دوڑنے کی حالت مین قدم زیادہ زور کے ساتھ لیکن کمتر مدت کیلئے زمین پر پڑتے ہین، جو لوگ اکثر دوڑتے رہتے ہین، اون کے پیر کا پورا تلوا زمین پر پڑتا ہے، جو کبھی کبھی دوڑتے ہین، اون کے تلے کا صرف سامنے کا حصّہ

زمین پر پڑتا ہے، اور ان کی ایڑی کا نشان مطلق نہیں پڑتا قدم کی لنبان سے کسی حد تک چلنے والے کی عمر کا پتہ چلتا ہے، جو لوگ گھوڑے کی سواری کے عادی ہوتے ہیں بہتے وقت اونکی ٹانگیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، اور پاؤن متوازی خطوط میں پڑتے ہیں یہی بات جہازیون میں بھی پائی جاتی ہے، جو افسر تلوار لگا کر چلتے ہیں، ان کی بائین ٹانگ ایک خاص طرح سے حرکت کرتی ہے، اور ان کے پیر کے انگوٹھے کا رخ اندر کی طرف ہوتا ہے شکاریون اور خاص کر جنگل کے رہنے والوں کے قدم عادۃً چھوٹے پڑتے ہیں، بڑے قدم انھین لوگون کے پڑتے ہیں، جو سڑکون پر چلنے کے عادی ہین

سینما کی گویا تصویرون سے درس و تدریس کا کام

شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) کے صدر نے یونیورسٹی کے جدید نصاب تعلیم سے متعلق جس تجویز کا اعلان کیا ہے، اوس کا سب سے زیادہ دلچسپ ٹکڑا یہ ہے کہ آیندہ سینما کی بولنے والی تصویرون سے تعلیم و تدریس کا کام لیا جائیگا، اس تجویز کے مطابق دنیا کے وہ اہم ترین واقعات جو صرف کتابون اور اساتذہ کے دماغون میں پوشیدہ ہین، اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ طلبہ کے سامنے سینما کے پردون پر پیش کیے جائین گے، مثلاً فراعنۂ مصر کے مقبرے آنکھون کے سامنے کھولدیے جائین گے، اور بریسٹڈ (Breasted) کی آواز ان نوادر قدیمہ کو بیان کرتی جائے گی، جو عہد عتیق کے انسانون کی یادگار ہین کسی پودے کے تمام منازل حیات چار منٹون مین دکھا دیے جائین گے اور ساتھ ہی ساتھ کوئی ممتاز ماہر نباتات اوسکے نشو و نما کی توضیح بھی کرتا جائے گا، ماہتاب، مریخ، اور دوسرے سیارے اور ستارے ان پردون پر گردش کرتے ہوئے دکھائی دین گے اور پروفیسر فروسٹ (Frost) کی آواز ان سیارون کی گردش کو بیان کرتی ہوئی سنائی دیگی، غرض یہ اور اسی قسم کی اور باتین جو اس وقت تک ممکنات مین شمار کی جاتی ہین عنقریب یقینیات کے دائرہ مین داخل ہو جائین گی، سینما کے ایسے پردے اور گویا تصویرین شکاگو یونیورسٹی کے اہتمام سے تیار کی جا رہی ہین اور اسی یونیورسٹی مین اول اول اون سے کام لیا جائے گا، لیکن دنیا کے دوسرے تعلیمی ادارے بھی برائے نام قیمت ادا کر کے انھین حاصل کرسکتے ہین [illegible] درجوت مین لکچر وغیرہ بدستور [illegible]

تصویروں کا استعمال مزید توضیح و تشریح کے لئے بطور اضافہ کے ہوگا،

معمولی سوئیوں سے علاج کا ایک مجرب طریقہ

چین میں محض سوئیوں سے علاج کرنے کا ایک حیرت انگیز طریقہ رائج ہے جس نے صدیوں سے اطبائے مغرب کو حیران کر رکھا ہے، یہ سوئیاں معمولی تانبے کی ہوتی ہیں، اور جسم کے مختلف حصوں میں چبھوئی جاتی ہیں فرانس کے ڈاکٹر سُولئے (DR. SOULLIE) کا خیال ہے کہ جسم کے جس حصہ پر سوئی لگائی جاتی ہے اور جس عضو پر اس کا اثر ہوتا ہے ان دونوں کے درمیان کوئی براہ راست تعلق ہے، چین میں جو لوگ اس فن کے ماہر ہیں، وہ اُن رشتوں سے واقف ہونے کے مدعی ہیں، جو ان دونوں کے درمیان واقع ہیں،

اس طریق علاج کے متعلق خود تجربہ کرکے ڈاکٹر سوئلے نے پیرس کے رسالہ مرکری دی فرانس "MERCUREDEFRANCE" میں بیان کیا ہے کہ کن کن امراض میں یہ مفید ثابت ہوا ہے، وہ لکھتے ہیں،

"کولے یا چہرے کا شدید درد جو اس سے قبل کسی علاج سے دور نہ ہوا تھا فوراً موقوف ہوگیا ضیق النفس کی اذیتیں چند لمحوں میں جاتی رہیں، نزلا ور زکام کے شدید دورے طویل وقفوں کے بعد پڑنے لگے، بواسیر کی شکایت ختم ہوگئی، پیٹ کا درد فوراً جاتا رہا قبض اور مثانہ کی شکایتیں دور ہوگئیں"،

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بعض صورتوں میں یہ علاج کامیاب نہیں ہوتا، پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اکثر مریضوں کو شفا ہوجاتی ہے، اور اسی لئے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی تجویز ہے، ضرورت ہے کہ اس طریق علاج کے متعلق تحقیق کی جائے، اور آیندہ اس کو حقارت آمیز بے پروائی نہ برتی جائے،

"ع"

ادبیات

ہوا

از

شمس العلما لسان الحکمۃ مولانا شاطر مدراسی،

اوصاف جلی سے تیرے آگاہ ہین سب — تو رحمتِ عامِ حق ہے، تو نعمتِ رب
احسان ترا کس متنفس پہ نہین — روشن ہے چراغِ زندگی تیرے سبب
گو مطبخِ میکائیل کے خادم ہین بہت — لیکن سب سے بڑا ہے تیرا منصب
دونون کی آبرو ہے، تیرے دم سے — تو بھاپ کو پر، سحاب کو تو مرکب
اے ناصرِ سلطانِ رسل حامیِ ہود — خوشنودیٔ انبیا ہے، خوشنودیٔ رب
یعقوب تھے خوش کہ لائی تو بوئے حبیب — تھے شاد سلیمان کہ بنی تو مرکب
تھا خصمِ خلیل کو ترا پشہ قہر — اور ابرہہ کو تیری ابابیل غضب
تیرا ہدہد تھا کیا مبارک قاصد — چمکا دیا بلقیس کا جس نے کوکب
جب کرتی ہے تو جہاز مین حشر بپا — منکر بھی پکارتے ہین یارب یارب
سن غور سے تو ہے مظہرِ محیی و ممیت — یہ صور کے نفختین کا ہے مطلب
چمکاتی تھی زندان مین مہِ کنعان کو — خورشید پرست سے ہی تو داد طلب
ہے قوسِ قزح مین بھی نہان تیرا ہاتھ — تو رنگِ نیلگونِ گردون کا سبب

بے تار کے پیغام کا تو ہے رہبر — پیغام بہار کے لئے تو مرکب
جب موسم گل مین بجتی ہے تو پھول — ہو جاتی ہے آپ آپ خود بنتِ عنب
تو بینی و گوش سے پلاتی ہے شراب — اے غیرتِ ساحری یہ افسون ہے عجب
زاہد مین بھی پھونکتی ہے جمشید کی روح — لاتی ہے پیام گل و بلبل تو جب
عاشق کے گریبان سے اگاتی ہے گل — ہین یاد تجھے شعبدہ گر کے کرتب
لیتے ہین جنون کے مزے سودائی — ہے فصلِ بہار مین تری چھیڑ غضب
تو آگ سے سینے مین لگاتی ہو آگ — تو باعثِ وجد و حال و مستی و طرب
پروِ اطراف قال مین ہین کا لج پ — ہے تری شان سرد مہری بھی غضب
ہے ایک زمین ہی تیری قدر شناس — تیرے بس مین ہین یون تو سیارے سب
شاطر ہے غلام پنجتن[رض] کے گھر کا — وہ مدح کرے : تیرا مقدّر ہے عجب !!
پانی پر چلتی ہے تو عیسیٰ کی طرح — اور مثل خضر زمین پر بے رنج و تعب
مدّاح کی بات مان لے بہرِ خدا — زمزم سے نہا دھو کے مدینے جا اب
سن اس کی طرف سے سجدہ کر سترّ بار — معصومہ[رض] کے مرقد کو بصد عجز و ادب
پھر مرقدِ عرش پایہ سے پوچھ کے آ — دفن شاطرِ بقیع مین ہوگا کب؟
ہین مریم[ع] صدیقہ و جبریل[ع] امین — معصومہ کی تقدیس سے انگشت بہ لب
تیرہ معصوم[رض] غوث پاک[رض] اور محرم[تعالیٰ سرہ][1] — اس کی نسبت پہ ناز کرتے ہین سب
وہ سیدہ کو جان گئین مان گئین — ہے قلب سلیم عائشہ[رض] دا دِ طلب
معصومہ[رض] مری نجات کی ہین ضامن — معصومہ[رض] سے حل ہوتے ہین عقدے مرے سب[2]

---

[1] شاعر کے مرشد، [2] معارف : ۔ شاعر کا فرطِ عقیدت ہے۔

لائی ہے تو مژدہ لے ہو انذر بھی ہے	نادر مضمون سروش لایا ہے اب
تو نفس ناطقہ کی ہے روح رواں	تو قوت پرواز تخیل کا سبب

وابستہ ہیں تیرے دم سے سارے مذہب
ناسوتی جبرئیل تیرا ہے لقب

زمزمۂ بقا

ترانۂ کلک جناب اسد ملتانی، بی اے،

ہے خاک تغیر کے سوا باد فنا میں	پانی جو سمندر سے اڑا ابر وہ گھٹا میں
دنیا ہے تماشا گہ نیرنگ تغیر	طوفان فنا موج ہے دریائے بقا میں
قانون فنا ڈھا لتا رہتا ہے ہمیشہ	طاقت کو حرارت میں، حرارت کو ضیا میں
اے دوست، بظاہر جو فنا ہوگئی جل کر	موجود ہیں اُس شمع کے ذرات ہوا میں
سورج نہیں معدوم اگر ڈوب چکا ہے،	اس وقت بھی ہے نصف جہاں اُس کی ضیا میں
شبنم کے وہ قطرے جو اُڑے دامن گل سے	روپوش ہوئے پر وہ آغوش صبا میں
اشعار جو نکلے کسی شاعر کی زبان سے	محفوظ ہوئے سینۂ ارباب صفا میں
ضائع نہ گئی قوت انگشت مغنی	تبدیل ہوئی جنبش مضراب صدا میں
خامی ہے سماعت کی جو ہم سن نہیں سکتے	پھرتا ہے ابھی نغمۂ داؤد ہوا میں
طے کرتے ہوئے عرصۂ ہستی کے منازل	ہم چھوڑتے جاتے ہیں نقوش اپنے فضا میں

اک بار پھر اس زیست کی تصویر مکمل
آئے گی نظر آئینۂ روز جزا میں

باب التقریظ والانتقاد

رُباعیاتِ سحابی

مُرتبہ

خان بہادر مولوی علی اوسط صاحب ریٹائرڈ جج صوبہ متحدہ (اعظم گڈہ)

ضخامت مع مقدمہ ۲۴۰ صفحات قیمت ۱۲؍ ملنے کا پتہ:۔ سرگذشت پریس علی گڈھ یا اعظم گڈھ مصنف کے نام سے

عہدہ داران سرکاری کی ۳۰ سالہ خدمات کا بہترین معاوضہ پنشن ہو لیکن اگر وہ پنشنر ہو کر قوم و ملک کی کوئی مفید خدمت کر سکین تو اس کا بہترین معاوضہ صرف وہ شہرت و عزت ہو سکتی ہے، جو اس قسم کے لوگون کو بہت کم حاصل ہوتی ہو،

اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے پنشن خوارون کی ایک خاص زندگی ہوتی ہو، اگر ان لوگون نے زمانۂ ملازمت مین کافی سرمایہ جمع کر لیا ہو، تو اب شب و روز اس کے فوائد کے حاصل کرنے مین مصروف رہتے ہین، جائدادین خریدتے ہین، مکانات بنواتے ہین، تجارتی کاروبار کرتے ہین، غرض اپنے اندوختہ کو ایسے کامون مین لگاتے ہین کہ پنشن کی رقم اور اس سرمایۂ محفوظہ کے منافع سے اس قدر آمدنی ہونے لگے، جو زمانۂ ملازمت کی تنخواہ کے برابر ہو جائے لیکن اگر بدقسمتی سے تہیدستی کی حالت مین پنشن لینی پڑی ہے، تو اب اون کا کعبۂ مقصود دیسی ریاستین ہوتی ہین، اور ان ریاستون مین ملازمت کی تلاش مین وہ ایسی ایسی گمنام ریاستون کا سراغ لگا لیتے ہین جن کا نام و نشان بھی ہندوستان کے جغرافیہ مین نہین مل سکتا، لیکن ان مین بعض بلند ہستیان ایسی بھی ہوتی ہین، جو

قومی یا علمی خدمت مین اپنی زندگی کا آخری زمانہ صرف کرنا چاہتی ہین، اور اب اون کی تاریخ زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوجاتا ہی، ہمارے دوست مولوی علی اوسط صاحب ریٹائرڈ جج صوبجات متحدہ بھی انھی بلند ترین ہستیون مین شامل ہین جنھون نے پنشنر ہونے کے بعد ایک نہایت متین و سنجیدہ علمی خدمت انجام دی ہی اور ایک برگزیدہ صوفی شاعر سحابی نجفی کی رباعیات کا ایک نہایت عمدہ انتخاب حروف تہجی کی ترتیب کی رو سے ۲۳۱ صفحات کی ضخامت مین شائع کیا ہی،

اسوقت رباعی گو شعرا مین سب سے زیادہ نامور اور مقبول عام خیام ہی، اور یورپ، ہندوستان، بلکہ مصر وغیرہ مین بھی اسکی رباعیات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہی، اور لکھا جا رہا ہے، اوسکی رباعیون کے بہت سے اڈیشن بھی شائع ہو چکے ہین اور متعدد زبانون مین اونکے ترجمے ہو چکے ہین، لیکن ہمارے نزدیک اوسکی یہ مقبولیت صرف یورپ کی کورانہ تقلید کا نتیجہ ہے، ورنہ رنگ و بو کسی حیثیت سے بھی وہ گلدستۂ بزم ادب ہونے کی قابلیت نہین رکھتین، اسلوب و بیان کے لحاظ سے اُنمین کہین بھی شاعرانہ لطافت نہین پائی جاتی، اور مطالب و معانی کے لحاظ سے وہ علانیہ رندی و سرمستی کی مخرب اخلاق تعلیم دیتا ہے، اور یہ کسقدر پر لطف بات ہی، کہ جو لوگ صرف اس جرم کی بنا پر فارسی اور اردو شاعری کو مخرب اخلاق سمجھتے ہین، وہی خیام کی رباعیون پر سب سے زیادہ سر دھنتے ہین، اگر وہ خود شراب خوار ہوتا تو کم از کم ان رباعیون مین حافظ کا سا سوز و کیفیت پیدا کر سکتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ وہ خود شراب خوار نہین ہے، بلکہ ایک باطنی ملحد ہے، اور اس پردے مین مسلمانون کو مذہب سے برگشتہ کرنا چاہتا ہی، تاہم چونکہ ایک بزدل ملحد ہے، اسلئے تصوف و اخلاق کی آڑ مین پناہ لیتا ہے، اور جا بجا زہد و تقشف توکل و قناعت اور بے ثباتی دنیا کے مضامین کو بھی شامل کر لیتا ہے، لیکن ہمارے دوست مولوی علی اوسط صاحب نے اس قسم کی کورانہ تقلید نہین کی، بلکہ رباعی گو شعرا مین ایک ایسے بلند پایہ شاعر کا انتخاب کیا، جس کا کلام اون کی متانت و سنجیدگی کے شایان شایان تھا،

سحابی کو ہندوستان مین پیش کرنیکا فخر صرف حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی کو حاصل ہوا ہے اور اونھی نے سب سے پہلے الندوہ مین اوسکی رباعیون کا تذکرہ کیا، اور اون پر تبصرہ لکھا، اس کام کی تکمیل بھی اسی سر زمین اعظم گڈھ کے ایک معزز فرزند مولوی علی اوسط صاحب نے کی ہی،

سحابی کی رباعیان تعداد مین خیام کی رباعیون سے بہت زیادہ ہین، اوران کا اکثر حصہ تصوف اخلاق اور فلسفہ کے دقیق مسائل پر مشتمل ہی، لیکن اوس نے ان دقیق اور خشک مسائل کو شاعرانہ لطافت کے ساتھ نہایت دلآویز طریقہ پر بیان کیا ہی، اسلئے اگر ان رباعیون کی ترتیب حروف تہجی کے بجائے مضامین کے لحاظ سے دیجاتی تو زیادہ مناسب ہوتا، بہرحال وہ لفظ و معنی دونون حیثیتون سے خیام سے مختلف اور ممتاز ہی اور اوسکی یہ امتیازی شان اوسکی تمام رباعیون سے نمایان ہی، چنانچہ ہر عنوان کے متعلق ہم اُس کی چند رباعیون کا انتخاب درج کرتے ہین،

(تصوّف)

تصوف کے مختلف دور ہین، اور ہر دور کی الگ الگ خصوصیتین ہین، متاخرین کے زمانے مین وہ ایک خاص فلسفہ بن گیا تھا، اور سحابی اسی فلسفیانہ تصوف کے نشے مین چور رہے، اوراس کے مسائل کواس جوش و بلند آہنگی کے ساتھ بیان کرتا ہی، کہ خیام کا نعرۂ مستانہ اوسکے مقابل مین بالکل پست ہوجاتا ہی، مثلاً

اے آنکہ زمعرفت بفرقت تاج است — با تست شہی کہ عالمش محتاج است
بکشاے نظر کہ ہر نظر دیدار یست — بردار قدم کہ ہر قدم معراج است

ہر چیز کہ جز خدائے نامے چند است — نامے چند است و بہر عامے چند است
تکلیف نماز و حج و ہر چیز کہ ہست — چوبے زپے بجستن خامے چند است

آنرا کہ بتحقیق نظر افتاد است — ہر نیک و بدے کہ میرسد دلشاد است
کج بودن زلف و راستی قامت — عاقل داند کہ کار یک استاد است

سالک کہ بفکر اہل و اموال افتد — از ہمسفران خود بدنبال اوفتد
ہر سہ قدم چیزے دگر پیش آید — مانند دانہ کو بغربال اوفتد

با ذات بہر صفت گر آید خوش است — نغمہ بہر آہنگ سراید خوش است
از بہر خدا ہیچ عمل ضائع نیست — در خانہ ز ہر در کہ درآید خوش است

در کعبۂ توحید نہ جائے بود و دوام هر کس که رسید شد درو محو تمام

مردان نکنند غیر او را تجویز جز غول نگیرد به بیابان آرام

اخلاق

متاخرین کا فلسفیانہ تصوف آزادی کا ایک سرچشمہ ہے، جسکے معنی یہ ہین کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہین اس لئے اوسکی سرحد بھی رندی و سرمستی سے مل جاتی ہے، اس لئے زاہد و عابد یعنی وہ تمام لوگ جو کسی خاص مذہب و مسلک کے پابند ہین، اوسکی زد مین آجاتے ہین، اور اس حیثیت سے سحابی کی اخلاقی رباعیان بھی خیام کی رباعیون سے مشابہ و مماثل ہو جاتی ہین، لیکن وہ جس لطیف انداز سے ان اخلاقی مسائل کو بیان کرتا ہی، خیام کو اسکی ہوا بھی نہین لگی ہے، مثلاً زاہدون کی ریاکاری کا مضمون حافظ و خیام کا ایک پامال مضمون ہی، لیکن سحابی نے جس پیرایے مین اسکو بیان کیا ہی، خیام کی رباعیون کا تمام دفتر اوس سے خالی ہی،

زاہد همه روز گوشۂ غم تائب تا خلق شود به بیذر کشتنش راغب

گفتند به عنکبوت چندی از خانہ گفتا ترسم مگس فتد من غائب

یعنی مکڑی سے لوگون نے کہا کچھ روز گھر سے ٹل جاؤ، اس نے کہا ایسا نہ ہو کہ مکھی پھنس جائے اور مین موجود نہ ہون، بعینہ اسی طرح زاہد لوگ اپنے گوشۂ عزلت مین اس لئے پڑے رہتے ہین، کہ اپنے دامِ تزویر مین شکار پھنساتے رہین،

بہرحال وہ انھی اخلاقی مسائل کو لیتا ہے، جو اس فلسفیانہ تصوف سے تعلق رکھتے ہین، اور اون کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتا ہی، مثلاً

نے دولت جم طلب، نہ جاہ گشتاسپ آدم نشود کسے بگاو و خر و اسپ

بهتر ز تو هیچ چیز در عالم نیست دست از همه باز دار بر خویش بچسپ

یعنی انسان کو صرف اس لئے بے نیاز رہنا چاہئے کہ خود اوس سے اعلیٰ تر کوئی چیز نہین اسلئے انسانیت

ہی کی تکمیل کرنی چاہئے،

ہر چند کہ ہست دولت از نعمت و بخت بار یست گران چون شد برُون از حد سخت
بسیاری مال و جاہ مرد آفت اوست انبوہ میوہ بشکند شاخ درخت

آنرا کہ زہر دو کون استغنا نیست در بارگہ عشق مقدس جا نیست
ہر جا کہ مگس پرد چہ بالا چہ پست خبر شیفتہ در بوردہ حلوا نیست

کوچک بودن بزرگ را کوچک نیست آن کوچکے از کمال باشد شک نیست
ورزانکہ پدر زبان کودک گوید عاقل داند کہ آن پدر کودک نیست

فلسفہ

جو فلسفیانہ مسائل علم کلام و تصوف مین شامل ہوگئے تھے، وہ انکو لیتا ہے، اور عمدگی کے ساتھ بیان کرتا ہے، مثلاً

این کون و مکان را کہ برانگیختہ کن بے واسطہ چند نہ سرہست نہ بن
ز اسباب برون مخواہ کارے از حق از حکمت خود حکیم را منع مکن

فلسفیانہ مسائل مین مسئلہ خیر و شر علم کلام اور تصوف دونون کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور سحابی اس مسئلہ کا فیصلہ بالکل اصول فطرت کے مطابق کرتا ہے،

ہر کس کہ دل خدا طلب ہست در و از طاعت و فسق ذکر رب ہست در و
انسان نہ بود تہی ز تقوی و فجور تا عالم ہست روز و شب ہست درو

یعنی جسطرح دنیا دن اور رات یا اندھیرے اور اجالے سے خالی نہین ہو سکتی بعینہ اسی طرح کوئی شخص خیر و شر سے خالی نہین ہو سکتا،

ان تمام رباعیون سے اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ تمام اخلاق تصوف اور فلسفہ کے اہم مسائل کو لیتا ہے،

اور ان کو تمثیل کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے، متاخرین شعرائے فارسی کے دور میں صائب اس فن کا بادشاہ سمجھا گیا ہے، لیکن سحابی کی رباعیون کے پڑھنے کے بعد ہمکو یہ تاج اوسکے سر پر رکھنا پڑتا ہے،

تمثیل کے علاوہ وہ سیکڑون شاعرانہ انداز سے اپنے مطالب کو بیان کرتا ہے، **مثلاً**

اے غرہ بجستجوے جسم فانی ، در دل ہمہ آرزوئے شہوت رانی
تا چند بہ آب خویش را پاک کنی رو پاک شو از آب اگر بتوانی

یعنی اپنے پُرشہوت جسم کو پانی سے کب تک پاک کرتے رہوگے، خود ہی پانی سے کیون نہین پاک ہوجاتے، (یعنی نطفہ سے، جو شہوت کا منبع ہے،

گر چشم حقیقی نہ کج مج باشد ، کافر بکلیسہ رود حج باشد ،
ہر چیز کہ ہست آن چنان میباید ابروے تو گر راست بود کج باشد

یعنی ہر چیز جیسی ہے، اوس کو ویسا ہی ہونا چاہیئے، مثلاً اگر کسی کے ابرو سیدھے ہون، تو یہی ان کی کجی ہے،

غرض اوسکی تمام رباعیان اخلاق، تصوف اور فلسفہ کے حقائق ومعارف سے لبریز اور شاعرانہ لطافتون سے معمور ہین اسلئے ہم مولوی علی اوسط صاحب کے ذوق سلیم کو مبارکباد دیتے ہین، کہ انھون نے پبلک کو اس گنجینۂ حقائق سے آشنا کیا لیکن افسوس ہے کہ یہ مجموعہ ذوق صحیح کو تشنہ کام رکھتا ہے، بلکہ اوسکی پیاس کو اور بڑھا دیتا ہے، ضرورت ہے کہ سحابی کی رباعیون کی طرف مزید توجہ کی جائے اور اس کا ایک ایسا مکمل اڈیشن شائع کیا جائے، جسمین اوسکی تمام رباعیان درج کیجائین، حروف تہجی کے بجائے مضامین پر اون کی تقسیم کی جائے، اور اُن کی شرح وتفسیر لکھی جائے، اگر خیام جیسے بدتمیز اور لغو گو شاعر کو بلا ضرورت اس قدر چمکایا گیا ہے تو اوسکی تلافی کی صورت صرف یہی ہے کہ سحابی کو کم از کم اس قدر ضرور چمکایا جائے کہ لوگون کو یہ معلوم ہوسکے کہ وہ اب تک ایک ایسے غلط راستے پر جا رہے تھے جس سے منزل مقصود روز بروز دور ہوتی جاتی تھی،

خیام کے متعلق مدت سے ہمارا یہ خیال تھا، اور ہم سمجھتے تھے، کہ اس معاملے مین ہمارا کوئی ہمنوا نہ نکلے گا، لیکن خوش قسمتی سے مصر مین ہمارے بعض ہم خیال موجود ہین، چنانچہ وہان کے ایک ادیب جون کے الہلال مین لکھتے ہین کہ "تراجم و تذکرہ کی کسی کتاب مین خیام کا شمار شعرا مین نہین کیا گیا ہے، بلکہ وہ ایرانیون مین صرف ایک فلسفی اور ہیئت دان کی حیثیت سے مشہور ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ اوسکی رباعیان فارسی مین بلیغ ترین رتبہ نہین رکھتین، البتہ اوس کی رباعیات مین الحاقی رباعیان اس قدر شامل ہوگئی ہین کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ ان مین خیام کی رباعیان کونسی ہین، ہم نے خیام کا غلغلۂ شہرت یورپ سے سنا ہے، ایران سے نہین جس کی وجہ یہ ہے کہ ان رباعیون کا فلسفیانہ میلان یورپ کے جدید جذبات سے ملتا جلتا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اون کا عام رواج ہوگیا ہے، اور تمام زندہ زبانون مین اون کا ترجمہ کیا گیا ہے،

اس فلسفیانہ خیال کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ایک عقدۂ لاینحل ہے، اس لئے خوب جی بھر کر اوس سے لطف اندوز ہونا چاہئے، اور جہان تک ہوسکے اوسکے مصائب کو بھلا دینا چاہئے،

ابو العلاء المعری کا فلسفہ بھی یہی تھا، لیکن وہ اس سے ایک بلند ترین نتیجہ پر پہنچا، اور دنیا کو لات مار کر زہد اختیار کر لیا، مین جب معری سے خیام کا مقابلہ کرتا ہون تو خیام کو ایسے پرندے سے تشبیہ دیتا ہون، جو ایک پنجڑے مین گرفتار ہو کر پھڑپھڑاتا اور چیختا ہے اور معری شیر کی طرح اس قید و بند کی تکلیفون کو تو محسوس کرتا ہے، لیکن اوس کی آنکھون مین الم انگیز وقار کی چمک پائی جاتی ہے، البتہ ادیب موصوف کے اس فقرہ کے متعلق کہ "اوسکی رباعیان فارسی شاعری مین بلیغ ترین رتبہ رکھتی ہین"،

ہم اتنا ضرور عرض کرین گے کہ

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

"ع"

مطبوعات جدیدہ

محمد صلعم مصنفہ مولانا عبدالرحمن ندوی نگرامی مرحوم سابق ادیب و مفسر ندوۃ العلما، حجم ۲۴ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت شاید ۲ ر ہو، پتہ:- مولوی مطلوب الرحمن صاحب نگرامی، نگرام ہوس نظیر آباد لکھنؤ۔

مولانا عبدالرحمن ندوی مرحوم کے مسودون کے ذخیرے سے یہ رسالہ "محمد" نکال کر شایع کیا گیا ہی، اس رسالہ مین اسم "محمد" کی نہ صرف ذوقی بلکہ مدلل تشریح و تفسیر بیان کیگئی ہے، اور اس اسم کے اوصاف بتا کر دکھایا گیا ہی کہ مسمی اس اسم کے اوصاف سے موصوف ہونے والا تھا، اسلئے حضرت عبدالمطلب کو آپ کے مولود مسعود ہونے ہی کے وقت یہ از خود تلقین ہوئی کہ وہ آپ کو اس اسم سے موصوف کرین، ابتدا مین مرحوم کے قلبی دوست مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے "نام نامی" کے عنوان سے ایک خاص اسلوب بیان مین چند سطرین لکھی ہین،

مزارات اولیائے دہلی مولفہ جناب مولوی محمد عالم شاہ صاحب فریدی دہلوی مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۵۲ صفحے کاغذ و لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت:- عہ ر

دہلی عہد قدیم سے اگر ایک طرف سلاطین کا پایہ تخت رہا، تو دوسری طرف بزرگان دین کی خانقاہ و مدفن، اسکی خاک مین بڑے بڑے اولیا صوفیہ مشائخ اور علما محو خواب ہین، ان بزرگون کے حالات کتب تذکرہ و تراجم مین مدون ہین، اور جن مین اون کے آرامگاہ کا صحیح نشان اور پتہ بھی درج ہے لیکن ابتدائے زمانہ سے دہلی کے حدود اربعہ بدلنے سے محلون کے نام و نشان مین بھی تبدیلیان ہوگئین، اون کا لازمی اثر تھا کہ وہ نشان وہانیان بھی امتداد زمانہ سے مشتبہ ہوتی گئین، مولوی محمد عالم شاہ صاحب فریدی نے اس ضرورت کا احساس کیا

کہ تمام مزارات کی جاے وقوع نئے سرے سے متعین کیجائے، چنانچہ "مزارات اولیائے دہلی" کے نام سے ۱۹۲۳ء میں ایک رسالہ شائع کیا، اتفاق سے یہی زمانہ تھا جب حکومت برطانیہ ہند بھی اپنا دارالحکومت نئے سرے سے دہلی کو قرار دے رہی تھی، محلون کے نام بدل رہے تھے، نئی سڑکین نکالی جا رہی تھین، کھنڈر اور ٹیلے برابر کئے جارہے تھے، ممکن تھا کہ نادانی سے کوئی بزرگ کا کوئی مزار بھی آجاتا، لیکن حکومت کے محکمۂ آثار قدیمہ نے اس رسالہ کو مستند تسلیم کیا، اور اوس کے بیان کے مطابق مزارات کی جاے وقوع کی صحت تسلیم کی، اور پھر مؤلف کی تحریک سے اکثر قبرون پر کتبے نصب کر دیے گئے، اب اوسی رسالہ کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، جو اپنے پہلے اڈیشن سے زیادہ مکمل ہے، رسالہ کی ترتیب قبرون کی جاے وقوع کی ترتیب پر ہے، اسلئے یون سمجھنا چاہئے کہ یہ رسالہ دہلی کے مزارات مشائخ، صوفیہ و علماء کے لئے ایک مستند "گائڈ بک" ہے، جس مین مختلف مستند حوالون سے صحیح طور پر اون کی جاے وقوع متعین کی گئی ہے، اور کتب تذکرہ و طبقات سے صاحب مزار کے مختصر حالات زندگی بھی درج کر دیے گئے ہین،

ارتقاء

مولفہ جناب مشتاق احمد صاحب وجدی حجم ۱۰۵ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی، قیمت مجلد ۱۲؍ و غیر مجلد ۱۰؍ ملنے کا پتہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

جناب مشتاق احمد صاحب وجدی نے اپنی یونیورسٹی کی تعلیم کے زمانہ مین مسئلہ ارتقاء پر چند مضامین لکھے تھے، اب اونھی کو ایک کتاب کی شکل مین "ارتقا" کے نام سے شایع کیا ہے، مسئلہ ارتقا پر غالباً اردو مین پہلی مستقل تالیف ہے، جو اگرچہ اپنے موضوع کے لحاظ سے تشنہ ہے، لیکن نہایت سلجھے ہوئے انداز اور سلیس بیان مین جامعیت کے ساتھ اس مسئلہ پر اس مین روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب چند ابواب پر مشتمل ہے، اولاً مسئلہ ارتقاء کی اوسکے دور قدیم سے عہد حاضر تک کی اجمالی تاریخ بیان کیگئی ہے، اور اس سلسلہ مین مختلف قومون اور ملکون کے اون خیالات کو یکجا کیا گیا ہے، جو مسئلہ ارتقا سے مربوط کیے جا سکتے ہین، اس ضمن مین عہد اسلامی کے خیالات بھی پیش کئے گئے ہین جنہین عہد عباسیہ مین یونانی تراجم کا آغاز دکھا کر مولانا روم اور ابن مسکویہ وغیرہ کے اقتباسات

درج کیے گئے ہین لیکن افسوس ہے کہ اس سلسلہ مین محض انھی فارسی شعرار سے استشہاد کیا گیا ہے ان کے علاوہ عرب فلاسفہ و متکلمین کے افکار مین سے جو اخذ کیے جا سکتے تھے ، وہ نظرانداز ہو گئے ہین پھر اسی طرح مختلف دورون سے گذر کر ڈارون اور اوسکے ہمعصرون کے کارنامون کا ذکر ہے، اور اس مین ان ارباب علم کو جن مرحلون سے گذرنا پڑا جن ترتیبون سے اس موضوع پر مضامین اور کتابین شایع ہوئین، اور خطبات دیے گئے سب کو تفصیل بیان کیا گیا ہے، اسکے بعد اصل نظریہ ارتقار کی تشریح آتی ہے، اور اس مین "ابتدائے حیات" "ارتقائے عضوی" "ابتدائے انواع" "اور تنازع للبقا" اور پھر مختلف مسائل اور نظریے "توارث" اور "تقلیب" وغیرہ کو بیان کرکے وجود انسان کا تذکرہ آتا ہے، اور انسان کے عہد بعہد کی ارتقائی شکلون کو پیش کیا جاتا ہے، اور پھر انسان کی مختلف قوتون اور مظاہرون "ذہنی قوت" "زبان" اور "اخلاق" کا ذکر آیا ہے، اور پھر اسی "اخلاق" کی بحث سے "مذہب" کا ذکر چھڑ جاتا ہے اور اس ضمن مین ہربرٹ اسپنسر کے مشہور نظریہ مادہ پرستی اور نفی الٰہیات کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے، اور پھر "تتمہ" کے زیر عنوان "فلسفہ" کی سرخی قائم کرکے برگسان کے نظریہ کے ذریعے سے اسپنسر کے اوس نظریہ کی تلخی دور کرنے کی کوشش کیگئی ہے، اور برگسان کے نظریہ مین سے "قوت حیات" یا "خدائے محض" لاان وٹال (ELAN VITAL) کے پردہ پر مولف نے ذات باری تعالیٰ کے تصور کے خطوط کھینچے ہین جناب وجدی کا یہ رسالہ اون کے عہد طالب علمی کا مرتب کیا ہوا ہے، اس لئے اخلاق اور مذہب کے عنوانون مین وہی شوخیان نظر آتی ہین جو ہر مبتدی سے کسی نئے علم کی تحصیل کے وقت سرزد ہوتی ہین، اور وہ اپنے زیر درس فن کے دلائل کو اس درجہ یقینی سمجھتا ہے، کہ اون کے سامنے دنیا کے تمام دلائل ماند پڑ جاتے ہین، اور تمام عالم اپنے ہی دلائل سے گونجتا نظر آتا ہے، ضرورت تھی، کہ جناب وجدی کم از کم ان آخری ابواب پر اشاعت سے قبل نظرثانی کر لیتے، کہ غالباً امتداد زمانہ سے خود اون کے تخیلات و تعقیلات کے عالم جوش و خروش مین ٹھنڈک پہنچ چکی ہوگی، اور وہ دیکھ سکتے کہ مذہب و اخلاق کے موازنہ اور "مذاہب" کے "اوہام و تخیلات" مین امتداد زمانہ کے اس سکون و قرار کے بعد خود اون کے دل و دماغ پر کیسے اثرات طاری ہین، افسوس ہے کہ فہرست مضامین منسلک نہین ہے،

خواب و خیال از جناب مجنون گورکھپوری بی اے حجم ۲۶۵ صفحے تقطیع چھوٹی کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ،
قیمت عہ پتہ :- منیجر صاحب ایوان اشاعت گورکھپور ،

یہ جناب مجنون کے افسانوں کا مجموعہ ہے، مجنون اُن افسانہ نگاروں مین ہین جو اپنے سامنے کوئی ایک مقصد رکھتے ہین ، اور وہی اون کے تمام افسانون کا جزو مشترک ہوتا ہے، وہ اپنے افسانون مین محبت کو ہمیشہ عورت کی جانب سے پیش کرتے ہین ، اور اس سلسلہ مین معاشرتی رسم ورواج اور اصولِ اخلاق سے کسی قدر بے اعتدالی کے ساتھ بے پروا ہو کر جذبات و توقعات کی ترجمانی کرتے ہین ، اور اس لئے اگرچہ مختلف افسانے جدا جدا پلاٹون اور نئی نئی رنگ آمیزیون سے لکھے گئے ہین ، لیکن سب کا آل اور سب کے نتائج یکسان ہین اور معلوم ہوتا ہے ، کہ ایک ہی ہیروین روپ بدل بدل کر سامنے آتی ہے ، محبت کے داغ اوٹھاتی ہے ، درد بھری کہانی سناتی ہے ، اور آخر مین اپنی بربادی کا عبرتناک منظر پیش کرتی ہے ، مجموعہ کی ابتدا ایک "انتساب" اور "پھر تم" کے خطاب سے ہوتی ہے جسمین کسی قدر واقعیت کی بو آگئی ہے ، اور پھر ناچار مسلمان شنو کے عنوان سے خود اپنے اور اپنے افسانون پر کچھ لکھا گیا ہے ، اور اس کے بعد سات آٹھ افسانے درج ہین ، جن مین سے بعض طبع زاد ہین ، اور بعض دوسری زبان کے افسانہ نگارون ہارڈی وغیرہ کے افسانون سے ماخوذ ہین ، ضرورت تھی کہ اس رسالہ کے آغاز مین رسالہ ایوانِ اشاعت کی وہ تحریر بھی شامل کیجاتی ، جو مجنون کے افسانون پر چند ماہ گذرے بطور نقد شایع ہوئی تھی ،

نرالی اردو از جناب ایم اے مغنی دہلوی بی اے حجم ۱۲۸ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی اور چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ . قیمت ۸/ پتہ :- منیجر صاحب دفتر نرالی دنیا کوچہ لکھمی رائے دریا گنج دہلی ،

جناب ایم اے مغنی دہلوی بی اے نے "نرالی اردو" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس مین دہلی کے بازارون کی مقامی بول چال کو تحریری شکل مین لائے ہین ، یہ دہلی کے اون غیر تعلیم یافتہ مسلمانون یا دیہی مزدورون کی زبان ہے ، جو بازارون اور کارخانون وغیرہ مین کام کرتے ہین ، رسالہ کی ابتدا مین جناب خواجہ

حسن نظامی صاحب اور جناب آصف علی بیرسٹر کی رائین رسالہ کے متعلق ثبت ہین، خواجہ صاحب نے اس رسالہ کو ہر اس شخص کیلئے سودمند بتایا ہی، جو زبان کے آیندہ تغیرات اور تبدیلیون پر قلم اوٹھائے گا، اور جناب آصف علی صاحب نے اس زبان کو، "کوکنی" آبادی کی زبان سے تشبیہ دیا ہے، پھر اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، جسمین مختلف عنوانون مثلاً "بابیکو پ کی سیل" "ہم نے تصبیر اچوائی" "اور شموخان کی بلی قبوتر کھا گئی" وغیرہ مین دو دو تین تین صفحون کے مضامین ہین، اور پھر رسالہ کے آخر مین اردو کے مختلف اہل قلم کی رائین درج کیگئی ہین، اس مین شبہ نہین کہ مرتب کی یہ دلچسپ جدت طرازی ہے، لیکن یہ شبہ ہوتا ہے کہ ابھی اردو رسالون کو آئے دن کی "گلابی اردو" کی تحریرون سے نجات نہین ملی ہے، اب کہین ان مین اس "نرالی اردو" کی ہوا نہ چل جائے اگر مرتب دیباچہ مین اصل اردو اور اس "نرالی اردو" کے چند چند جملون کو آمنے سامنے رکھکر دونون مین فرق دکھا دیتے اور دونون کے لب ولہجہ طریق ادا اور جملون کی نشست کے فرق کی طرف اشارات کر دیتے تو مناسب ہوتا،

اردو گلستان

از مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب سابق مالک و اڈیٹر الخلیل، ۲۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت مجلد ۱۲؍ پتہ:- دفتر اردو گلستان بجنور (یوپی)

"اردو گلستان" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شیخ سعدی کی مشہور گلستان کا اردو ترجمہ ہے، اگرچہ گلستان کے متعدد اردو ترجمے بعض معلوم اور بعض غیر معلوم اشخاص نثر کا نثر اور نظم کا نظم مین کر چکے ہین لیکن مولوی خلیل الرحمن صاحب نے اسکو نئے سرے سے موجودہ سلیس اردو مین منتقل کیا ہے، اور یہ ترجمہ بھی نثر کا نثر اور نظم کا نظم مین ہے، یہ بھی کوشش کی ہے، کہ گلستان کے ضرب الامثال فقرون کو حتی الامکان ایسے اسلوب مین ادا کرین، جو اردو کے ضرب الامثال کی ترکیبون کے مماثل ہون، ہم نے اس ترجمہ کو جا بجا سے دیکھا، اگرچہ کہین کہین لفظی ترجمہ معلوم نہین ہوتا ہے لیکن ترجمہ نہایت صاف سلیس، روان اور حتی الامکان لفظی کیا گیا ہے، ابتدا مین ایک مقدمہ ہے، جسمین گلستان کے مختلف ترجمون اور شیخ سعدی کا مختصر تعارف ہے،

"س"

جلد ۳۰ اُم	ماہ جمادی الآخر ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۲ء	عدد ۴

مضامین

شذرات

سیرۃ کی چوتھی جلد بحمداللہ کہ حسب وعدہ وسطِ ستمبر مین شائع ہو گئی، پہلا اڈیشن حسب دستور بڑی تقطیع پر چھاپا ہی، اسی تقطیع پر سیرت کی دوسری اور تیسری جلدون کے کچھ نسخے بھی دفتر مین موجود ہین، چونکہ ان نسخون کو جلد از جلد فروخت کرنا ہے، اس لیے اس تقطیع کی دوسری اور تیسری جلدون کی قیمتون مین مناسب تخفیف کر دی گئی ہے،

ما لشت ے حرف ن سرت ا

پنجاب کے اہل علم اصحاب نے "ادارۂ معارفِ اسلامیہ" کے نام سے ایک خالص علمی مجلس کی بنیاد ڈالی ہے جس کے مقاصد یہ ہین (۱) ہندوستان کے تمام محققینِ علوم اسلامیہ کے درمیان اشتراکِ عمل، اتحاد ذہنی و اجتماعی، اور وسائلِ امداد باہمی کے قیام مین سہولتین بہم پہنچانا، (۲) محققین کی ایسی مشکلات کو جو بسا اوقات ان کے مشاغل علمیہ مین پیش آتی ہین، حتی الامکان رفع کرنے کی کوشش کرنا، (۳) محققین کو نتائج تحقیقات علمیہ کی اشاعت کی غرض سے جمع کرنا، (۴) بیرونی ممالک کے مستشرقین کو وقتاً فوقتاً افادۂ علمیہ کی غرض سے دعوت دینا، (۵) ارتقاے تمدن اسلامی کے سلسلہ مین اسلام کی مختلف خدمات کو منظر عام پر لانا (۶) عام طور پر اسلامی تحقیقات کے لیے قوم مین تحریص و تشویق کی تحریک جاری رکھنا، (۷) آمدنی کافی ہونے پر ایک دار الکتب، ایک دار الاشاعت اور مشرقیات کا ایک دار النفائس (میوزیم) کھولنا،

اس ادارہ کی وسعتِ کار حسب ذیل دائرون پر مشتمل ہوگی، ادبیات و لسانیات، اخبار و آثار، جغرافیہ و سیاحت، مذہبیات، فلسفہ، عمرانیات، فنون لطیفہ، علوم حکمیہ، صنعت و حرفت، اور قومیات، ان تمام علوم و فنون کے الگ الگ دائرے ہونگے، اور انکے متعلق تحقیق و تلاش کا کام ہوگا، اور مجوزہ کتبخانہ مین اس کے متعلق کتابین اور سامانِ تحقیق مہیا ہونگے،

اس وقت تک اسمین لاہور کے اورنٹیل کالج، ٹرننگ کالج اور اسلامیہ کالج کے مسلمان پروفیسرون نے شرکت کی ہے، اور سر اقبال اور سر عبدالقادر نے انکی رہنمائی اور سربراہی قبول کی ہے، رکنیت کے لیے پانچ روپیہ سالانہ اور اس کے کسی عام علمی جلسہ مین شرکت کی فیس دو روپیہ ہوگی، مجلس نے امراے اسلام کے دستِ کرم کو اپنی امداد کے لیے جنبش دی ہے اور سب سے پہلے اسکی اعانت کے لیے وہ ہاتھ اٹھا ہے، جو ہمیشہ اس قسم کے کامون کے لیے اٹھا کرتا ہے، یعنی اعلیٰ حضرت سرکار نظام خلد اللہ ملکہ نے اس کیلئے دو ہزار سالانہ کی اعانت منظور فرمائی ہے،

مجلس کا ارادہ ہے کہ آیندہ ماہ فروری ۱۹۳۳ء مین لاہور مین اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرے، اور تمام اہل علم اور ماہرین علوم اسلامیہ سے درخواست کی ہے کہ وہ اس مین شرکت کرین اور کسی مسئلہ پر اردو مین یا عربی و فارسی یا انگریزی مین کوئی تحقیقی مقالہ پیش کرین، خط و کتابت کا پتہ پروفیسر شیخ محمد اقبال اورنٹیل کالج لاہور،

ناگری پرچارنی سبھا بنارس، ہندی کی اشاعت کی مشہور انجمن ہے، جسکا مقصد تمام ہندوستان مین ہندی کا پرچار کرنا، بلکہ اپنی کوششون سے ہندی کو اس ملک کی عام مشترک زبان بنانا ہے، اس کے ایک کارکن نے ہندی کی پچیس برس خدمت کرنے کے بعد عزلت گزینی اختیار کی ہے، اس کارکن کی یادگار، اور اس کے خدمات کے اعتراف مین سبھا نے یہ طے کیا ہے کہ اس کے نام پر ہندی اور قدیم ہندوستان کے متعلق محققانہ مضامین کی ایک جلد تیار کرے، اور اس کی تالیف کی وسعت مین ہندو مسلمان دونون کو شریک کرنا چاہا ہے،

ہم نے کسی پچھلے مہینہ کے شذرات مین ہندو مسلم نااتفاقیون کی ذمہ داری عدالتون اور کالجون کے کارفرماؤن کے سر ڈالی تھی، اس سے متاثر ہو کر ہمارے مخلص دوست پروفیسر شیخ عبدالقادر (پونہ) نے اپنے ہم پیشہ احباب (استادانِ کالج) کی طرف سے اس الزام کو دور کرنا چاہا ہے، اور تجویز کی ہے کہ الزام و شکایت

کے بجائے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی صحیح اسلامی تاریخ کی تحقیق و ترتیب کے لیے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی جائے ہم آیندہ پروفیسر موصوف کا مضمون اور اپنا اس کے متعلق خیال پیش کرینگے،

دیسی زبان مین اعلیٰ تعلیم کا خیال بحمد اللہ کہ اب خیال کی دنیا سے نکل کر عمل کی دنیا مین قدم رکھ رہا ہے، چنانچہ ہندوستان کی سب سے پرانی انگریزی تعلیم گاہ کلکتہ یونیورسٹی کے ارکان نے یہ طے کیا ہے کہ آیندہ میٹرک تک کی تعلیم دیسی زبان مین دیجائیگی، اس مبارک خیال کی جس قدر تائید کی جائے وہ کم ہے، لیکن اس دیسی زبان سے مقصود کیا ہے؟ غالبًا بنگالی ہے، اور اب شاید اسی طرح دوسرے صوبون کی یونیورسٹیان اپنے اپنے صوبہ کی زبانون مین تعلیم کا دروازہ کھولینگی، ادھر سیاسی و انتظامی اسکیم کے مطابق ہر صوبہ کی حکومت خودمختاری کی کوششون مین مصروف ہے، اب ایسی حالت مین جب کہ سیاسی و انتظامی اور نیز زبان کی حیثیت سے بھی ہر صوبہ الگ ہوگا، تو مشترکہ ہندوستان کے اشتراکاتِ عمل اور رشتہ ہائے اتحاد کے لیے کیا چیز باقی رہ جائے گی؟ کیا اگر اہل ہند کسی مشترکہ نظامِ حکومت پر انگریزون کی مداخلت کے سبب غور نہین کر سکتے، تو کیا کسی مشترکہ نظامِ تعلیم اور متحدہ زبانِ تعلیم کے مسئلہ پر بھی غور نہین کر سکتے،

پروفیسر رامن نے جنکو نوبل پرائز امسال ملا ہے، گذشتہ ماہ اگست مین بمبئی یونیورسٹی کے جلسۂ اسناد کی صدارتی تقریر کے سلسلہ مین کتبخانہ اسکندریہ کی اس مشہور داستان کو کہ وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے جلا کر خاک کیا گیا، اس طرح ادا کیا کہ لوگون کو ہنسی آگئی، ہمین یہ معلوم ہے کہ پروفیسر موصوف سائنس کے ماہر ہین، اور انھین تاریخ سے دور کا بھی واسطہ نہین، تاہم انکی جیسی ہستی کے لیے یہ زیبا نہ تھا کہ اُن کے سنجیدہ خطبہ مین یہ مضحکہ انگیز فقرہ شامل ہو، کیا اس جھوٹ کی وہ عالمگیر تردید جو خود یورپ مین محققین نے بارہا کی ہے، اسکی صدائے بازگشت ابھی بنگال کے دار التجربہ مین نہین پہنچی ہے،

مقالات

ایمان وعمل،

از چودھری غلام احمد صاحب پرویز، ہوم ڈیپارٹمنٹ شملہ،

(۲)

ممکن ہے کہ سورۂ بقرہ کی اُس آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ہَادُوْا الآیۃ جس کا حوالہ نمبر۵ مین گذرا ہے یہ شبہ ہو کہ جب پہلے ان الذین اٰمنوا آچکا ہے (یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ہین) تو بعد مین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر، کی ان کے لیے کیا ضرورت پیش آگئی، واضح ہو کہ قرآن کریم مین تائید اور استقامتِ ایمان کیلئے ایسا اکثر آیا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے،

۱۴- یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ و رسولہ . . . (النساء ع۲۰)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر . . . . . .

اور مومن کی تعریف ہی یہ بتائی گئی ہے کہ

انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا . . . . صدقون (حجرات ع۱۵)	مومن صرف وہ ہین جو اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان لائے اور پھر انھین کوئی شک وشبہ نہ رہا، اور اللہ کے راستہ مین مال وجان سے جہاد کیا، یہ لوگ ہین سچے،

بعض لوگون سے ایک اور اعتراض بھی سنا گیا ہے، قرآن کریم مین ہے،

۱۵- وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصرٰی	یہ لوگ (یہود ونصاریٰ) کہتے ہین کہ یہودی یا نصرانی کے سوا اور کوئی جنت مین داخل نہین ہو سکیگا

. . . . یہ ان کی بیجا امنگین ہین، ان سے کہئے کہ اگر بیچے

. . . . صدقین ﴿۱﴾ ہین تو کوئی دلیل (اپنے دعوی کے اثبات مین) لاؤ

اعتراض کیا جاتا ہو کہ جب جنت کی ٹھیکہ داری، یہود و نصاریٰ کے لیے ناجائز قرار دیگئی ہے تو یہی چیز مسلمانون کے لیے کس طرح جائز ہوسکتی ہے، اس اعتراض کے دو پہلو ہین، پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر یہی اعتراض ہے کہ جو چیز یہود و نصاریٰ کے لیے ناجائز قرار دیگئی ہے، مسلمانون کے لیے کس طرح جائز ہوسکتی ہو، تو یہ اعتراض تو اس سے بڑھکر اور کئی چیزون پر عائد ہوسکتا ہو، مثلاً یہود و نصاریٰ کی شریعت کو قرآن نے غیر مکمل کہا ہے، اور قرآنی پیغام کو خدا کا آخری کلام کہا گیا ہے، یہود و نصاریٰ کے پیغمبرون کے بعد باب نبوت بند نہین کیا گیا، لیکن "مسلمانون" کے نبی صلعم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے، اگر ہر امتیازی تفوق قابل اعتراض ہو تو یہ امتیازات تو اس سے بھی بڑھکر ہین ان پر بھی اعتراض وارد ہوسکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اعتراضات نفس "اسلام" سے ناواقفیت کی بنا پر کئے جاتے ہین، یا تو یہ لوگ یہ سمجھتے ہین کہ مسلمانون کی جماعت نے "اپنے دین" کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کی خاطر قرآن مین یہ کچھ داخل کر دیا ہے، یا اللہ تعالیٰ ہی کو (نعوذ باللہ) کچھ خاص رعایت مقصود ہے گویا ایک مارکٹ مین مختلف دوکاندار بیٹھے ہین، اور ہر ایک کی خواہش ہے کہ دوسرون کی چیزون مین نقص نکالکر اپنا مال بڑھا چڑھا کر پیش کرے تاکہ گاہک زیادہ آئین یہ دونون باتین ہی غلط ہین، قرآن مین تحریف کا تو خیال ہی کفر ہے، مذہبی اور تاریخی ہر دو حیثیت سے، اور دوسری چیز کی خود قرآن تردید کر رہا ہے، پچھلے صفحات مین یہ دکھایا گیا ہے کہ لوگون سے اسلام منوانے مین اللہ یا اس کے رسول صلعم کو کوئی ذاتی فائدہ مقصود نہین ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ فرمادیا کہ یہ لوگ اگر مسلمان ہونے سے آپ پر کوئی احسان رکھتے ہون تو ان سے کہدیجئے کہ یہ ان کا کوئی احسان نہین ہے، بلکہ اس سے تو اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے، کہ انھین نور ہدایت سے مستنیر فرمایا، خود رسول اکرم صلعم جب کبھی کج بحثی کرنے والون کی ہٹ دھری پر ملول خاطر ہوتے (اسی طرح جسطرح ایک رقیق القلب، شفیق اور غمخوار ڈاکٹر بے سمجھ مریض کی بدپرہیزی اور ہٹ دھری پر کبیدہ خاطر ہوجاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ یہ کہکر ان کی تسکین کرتا کہ آپ

تو صرف اسی قدر فرض ہے کہ بَلِّغْ مَآ اُنزِلَ اِلَیک یعنی جو آپ پر نازل کیا جاتا ہے اسے ان تک پہنچا دیجئے اور بس
اس کے بعد، لست علیھم بمصیطر، آپ اُن پر کوئی داروغہ تھوڑے ہی مقرر کئے گئے ہین، ان کو عقل
و شعور دیا گیا ہے، پھر انا ھدینٰہ السبیل، ان کو راہ راست دکھا دیا ہے، قد تبین الرشد من
الغی گمراہی اور ہدایت ایک دوسرے سے بالکل واضح ہوگئی ہے، اب یہ ان کی اپنی مرضی ہے کہ فاما شاکراً و اما
کفوراً، چاہے ایمان لے آئین چاہے منکر ہو جائین، واللہ غنی عن العالمین اللہ تمام مخلوقات سے مستغنی ہے، ا
اس سے یہ واضح ہوگیا کہ اسلام پیش کرنے مین یا اسکی اشاعت مین خود خدا یا خدا کے رسول صلعم کی کوئی ذاتی غرض مضمر
نہین بلکہ اللہ کی اپنی مخلوق کے ساتھ رافت و ہمدردی اور بے لوث شفقت کا ثبوت ہے، اس کے بعد دیکھنا یہ ہے
کہ آیت متذکرۂ صدر کا مطلب کیا ہے، قرآن نے اسلام کے متعلق کہا ہے کہ کوئی نئی چیز نہین ہے بلکہ دین فطرت
ہے، جو انسان کی آب و گل مین ودیعت کرکے رکھا گیا ہے،

۱۴- فاقم وجھک للدین حنیفا، فطرت	پس دین حنیف (سیدھے دین) کی طرف اپنا
اللہ التی فطر الناس علیھا ۔ ۔ ۔ ۔	رخ کر لو (کون دین) وہ (دین) فطرت جس پر اللہ
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لایعلمون	نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اللہ کی خلق مین کوئی
(روم - ۴)	تبدیلی نہین، یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ اسے سمجھتے نہین،

جناب آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک مختلف انبیاء عظام کی وساطت سے یہ پیغام لوگون تک آتا رہا،
کتاب شریعت کے مختلف ابواب ہر زمانے مین ہر قوم پر علحدہ علحدہ حصص مین نازل ہوتے رہے، اور ہر قوم کو صاف
طور پر بتایا جاتا رہا کہ یاد رکھئے تمھاری شریعت نامکمل ہے، اور اسکی تکمیل خدا کے آخری پیغام سے ہونے والی ہے، اسی
طرح ہر نبی کو بتایا جاتا رہا کہ انکی نبوت اس سلسلہ کی آخری کڑی نہین ہے بلکہ اسکو مکمل کرنے کے لیے سرزمین عرب مین
ایک نبی امیؐ (صلعم) مبعوث کئے جائینگے، اور ان کے اتباع سے آخری نجات ہوگی، حضرت موسیٰؑ کی دعا کے جواب مین
آنے والے نبی صلعم کے وعدہ کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے، جناب عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن مین مذکور ہے کہ انھون نے

اپنی قوم سے کہا کہ

... ومبشراً برسول میں تمھیں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے

یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصف) بعد آئیگا اور اس کا نام احمد ہوگا،

اسی طرح قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی موجود ہے، تو گویا صراحت سے یہ کہدیا جاتا تھا، (اور یہود و نصاریٰ کے متعلق تو کوئی شک و شبہہ ہی نہ رہا کہ ان سے واقعی ایسا کہدیا گیا تھا،) کہ ان کے نبی کے بعد ایک نبی آخر الزمان آنے والا ہے، اس وقت نجات اس کے اتباع ہی سے ہوگی لیکن جب وہ نبی اپنی کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تو سب سے پہلے انھی لوگوں نے اسے جھٹلا دیا، چنانچہ اوپر والی آیت کا باقی ماندہ حصہ ہے

فلما جاءھم بالبینٰت قالوا ھٰذا سحر پس جب وہ اپنی کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تو یہ

مبین، ومن اظلم ممن افتری کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے (انسے کہئے کہ) اس سے

... الاسلام زیادہ ظالم اور کون ہوگا کہ جو اللہ پر افترا باندھے

(صف - ۱) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو،

ایک جگہ مذکور ہے کہ یہ اس رسول (صلعم) کو اس طرح سے پہچانتے ہیں، کمایعرفون ابناءھم جس طرح اپنے بیٹوں کو آدمی پہچان لیتا ہے لیکن دیدہ و دانستہ اسے جھٹلاتے ہیں چنانچہ یہود و نصاریٰ کو مختلف پیرائے میں سمجھایا گیا ہے کہ دیکھو تمھیں پہلے بتا دیا گیا تھا کہ ایسا نبی آنیوالا ہے، تمھاری کتابوں میں اس کا ذکر ہے لیکن تم اب اس سے انکار کرتے ہو، ایک جگہ آتا ہے،

ولقد اٰتینا موسٰی الکتاب وقفینا یقیناً موسیٰ کو ہم نے کتاب دی تھی، اور اس کے بعد ہم نے

من بعدہ الرسل ... یکے بعد دیگرے اور نبی بھی بھیجے، اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم

... کو کھلی کھلی نشانیاں دیں اور اسے روح القدس سے تقویت

... دی، پس جب (یہ) پیغمبر آیا ساتھ اس چیز کے جسے تمھارا دل

. . . . نہیں چاہتا پس تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا، ایک جماعت

. . . تقتلون، (بقرہ ۸۷) کو تم نے جھٹلایا، اور دوسرے کے قتل کا منصوبہ باندھنے لگے

اسی طرح مختلف جگہ یہود و نصاریٰ کو ان کا وعدہ یاد دلایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہی وہ نبی ہے جو ان تمام صحائف کی تصدیق کرتا ہے جو تم پر نازل کئے گئے تھے اور جنہیں تمہیں کہہ دیا تھا کہ یاد رکھو نجات اسکے اتباع سے ہی ہو گی لیکن وہ ہر بات کو جھٹلاتے، اور صاف صاف کہدیتے کہ نہیں! نہیں! لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصاریٰ، جنت میں تو یہود و نصاریٰ ہی داخل ہونگے، اس نئے آنے والے کے اتباع کی ضرورت نہیں، قرآن ان کے اس دعویٰ کو جھٹلاتا اور کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو اس کے لیے کوئی دلیل لاؤ، دلیل کہاں سے لائیں، انکی کتابوں میں تو اس کا ذکر موجود تھا کہ آخری نبی آنے والا ہے، اس لیے قرآن نے علی الرغم ان کے دعوے کی تردید کر کے کہا ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے یہود اور نصاریٰ ہونا نہیں، بلکہ جیسا تمہیں کہا گیا تھا،

بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے (اسلام

محسن . . . . لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو اسکا اجر اسکے اللہ کے پاس

یحزنون ۔ (بقرہ ۱۱۲) ملیگا، اور اسے کوئی خوف و حزن نہیں ہوگا،

لفظاً اور معنیً یہی وہ چیز ہے جسے اسلام کہتے ہیں، اسی اسلم سے لفظ اسلام نکلا ہے، جس کے معنی تسلیم و رضا یا امن و سلامتی کے ہیں، تمام پیغمبروں کا یہی دین تھا، بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تو کئی بار اس کا ذکر آیا ہے، اور مسلم نام بھی پہلے پہل انہی کا رکھا ہوا ہے، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ مسلم تھے (مائدہ ۔ ۴۴) اور واضح طور پر کہدیا گیا ہے کہ

ان الدین عند اللہ الاسلام تحقیق دین، اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے،

(آل عمران ۱۹)

اس سے اب واضح ہو گیا ہو گا، کہ صرف اسلام کو ذریعہ نجات قرار دینے میں کسی خاص "جماعت" کی رعایت

مقصود نہین بلکہ ایک اصولی چیز کو بیان کیا گیا ہے، ایک سچے مسلمان کے لیے تو بہترین نصرانی اور بہترین یہودی ہونا بھی ضروری ہے، تو یہ کہنا کہ یہود و نصاریٰ کو جنت سے محروم کر دیا گیا ہے، غلط ہے، ایک یہودی یا نصرانی سچا مسلمان ہو جائے، جنت کے دروازے اس پر بھی کھل جائینگے، یہودیت اور نصرانیت تو وقتی اور عارضی اصطلاحین تھین بعد مین موقوف ہوگئین، اور اُن کی بجائے ایک عالمگیر اصطلاح "مسلم" رائج کردیگئی،

وہ لوگ جو قرآن کو قرآن مانتے ہین، امید ہے سطور بالا سے اُن پر واضح ہوگیا ہوگا کہ قرآن کے رو سے نجات کے لیے ایمان و عمل دونون کی ضرورت ہے، اور ایمان کے لیے اس شکل کا ہونا لازمی ہے جس شکل مین نبی اکرم صلعم نے اسے پیش کیا ہے، اس کے سوا جو تعلیم ہے، وہ کم از کم قرآنی تعلیم نہین، اور کچھ ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایمان کو عمل سے جدا کیا ہی نہین جاسکتا، اعمال جوارح کے بھی ہوتے ہین اور قلب کے بھی، اور ایمان نام ہے قلب کے عمل کا، اور علم نفسیات کے ماہر اُسے بخوبی جانتے ہین کہ اصل شے اعمال جوارح ہوتے ہین یا اعمالِ قلب، حقیقت یہ ہے کہ عمل نام ہے اس "فعل ارادی" کا جو کسی مقصد کے حصول کے لیے انسان سے سرزد ہو، کوئی عمل فی ذاتہ نہ برا ہوتا ہے نہ اچھا، بلکہ یہ اس مقصد پر موقوف ہے، جس کے حصول کے لیے یہ عمل صادر ہو، مقصد کے یقین کے لیے ظاہر ہے، سب سے پہلے قلب کا ایک جذبہ محرک ہوگا، اسی کا نام شریعت کی زبان مین نیت ہے، قرآنی تعلیم کی رو سے ہر عمل کا مقصد پیش نظر حصول رضائے الٰہی ہونا چاہئے، اس عمل کو عملِ صالح کہین گے، اور اس کے محرک جذبہ کا نام "ایمان" ہوگا، اب ظاہر ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل شریعت کی رو سے صالح ہو ہی نہین سکتا اور جو اعمال بظاہر صالحہ یا جو اخلاق حسنہ نظر آتے ہین وہ حقیقت نہین سراب ہے، نظر کا دھوکا ہے، معیار کا فریب ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم مین کفار کے اعمال کے لیے حبطت اعمالھم آیا ہے، کہین ایک جگہ بھی حبطت حسناتھم نہین آیا، کیونکہ ان کے اعمال پر حسنات کا اطلاق ہی نہین ہوسکتا، کفار تو ایک طرف، خود مسلمانون کو مخاطب کرکے فرمایا ہے

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن (بقرہ)	یہی نیکی نہین ہے کہ مغرب کی سمت منہ کرین یا مشرق کی سمت، بلکہ اصل نیکی تو ایمان ہے

اور یہی تقوی ایمان ہے، جس کے بغیر کسی عمل کی کوئی قیمت نہین، فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا،

آج مسلمان صرف اپنے ایمان کو درست کرلین، اور پھر دیکھین کہ وہی فلاح و بہبود کا دور آجاتا ہے یا نہین

آج اُن کے اعمال و افعال مین جو برکت نظر نہین آتی، اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ انھون نے صحیح ایمان کو چھوڑ رکھا ہے، اور ایمان کے بغیر اعمال سے نتائج مرتب کرنا تلک امانیھم،

سیرۃ النبی جلد چہارم (منصب نبوت)

جس مین اوّلاً

مقدمہ مین منصب نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہے، پھر قبل از اسلام دنیا کے متمدن ممالک اور خصوصاً عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے،

اور اس کے بعد

نبوت محمدی نے دنیا اور عرب کے لیے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اس کا اجمالی بیان ہے، اصلاح کی مشکلات، ان کا انسداد، تبلیغ و دعوت، اور اس کی کامیابی، عرب کے عقائد کی اصلاح، شرک کے ہر پہلو کی تردید، توحید کی تکمیل، اسلامی عقائد کی تشریح، خدا اور اس کے صفات کاملہ، ملائکہ، انبیاء، کتب الٰہی، روز جزا، اور تقدیر پر ایمان کے مباحث، اور ان کے ضمن مین متعدد اہم مسائل کی تشریح،

اگر آپ کو

اسلام کی اُس اصل حقیقت کو سمجھنا ہے، جو وحی محمدی مین بیان کیگئی ہے، تو سیرۃ کی اس جلد کا مطالعہ فرمائین،

یہ

۱۵ ستمبر ۱۹۳۲ء کو شائع ہوگئی

ضخامت ... صفحے تقطیع کلان، قیمت قسم اعلیٰ آٹھ روپیہ (عہ)، قسم دوم چھ روپیہ (للعہ) محصول ڈاک ایکروپیہ بارہ آنے (عہ) پیکنگ وغیرہ معاف،

"منیجر"

عہدِ عالمگیری کی ایک غیر معروف کتاب

مرآۃ الخیال اور اوسکا مؤلف

از

جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی،

فارسی کے قدیم و جدید شعرا کے حالات مین جتنے تذکرے لکھے گئے ہین ان مین تذکرۂ مرآۃ الخیال کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، بادی النظر مین یہ ایک سرسری تذکرہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اپنے مختلف اور متنوّع موضوعات کے لحاظ سے وہ ایک علمی وفنی، ادبی اور تاریخی کتاب ہے جسکی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے شعرائے متقدمین ومتاخرین کے حالات کے علاوہ ضمنی مباحثِ علمیہ اور ذخیرۂ معلومات کے لحاظ سے وہ فارسی زبان کی ایک دائرۃ المعارف کہی جاسکتی ہے، خود مؤلف اپنی کتاب کی نسبت لکھتا ہے کہ اوس نے ایک جلد مین ایک پورا کتاب خانہ جمع کر دیا ہے[۱]،

مابعد کی تصانیف مین اس کتاب کا ذکر آیا ہے چنانچہ آزاد بلگرامی نے خزانۂ عامرہ کے مآخذ مین اس کو شمار کیا ہے[۲] اسی طرح سروِ آزاد مین بھی بعض جگہ اس کا حوالہ دیا ہے[۳] سہ نثر ظہوری کے مرتب نے مقدمات مین موسیقی سے متعلق مرآۃ الخیال کا ایک طویل اقتباس (تقریباً ۳ صفحے) نقل کیا ہے اور اسی کتاب سے ظہوری کے حالات نقل کئے ہین[۴]

غیاث الدین نے اپنے لغت مین ہفت اقلیم پر جو مفصل مضمون لکھا ہے، اوس کے مآخذ مین مرآۃ الخیال

[۱] مرآۃ الخیال صفحہ ۲ طبع بمبئی [۲] خزانۂ عامرہ صفحہ ۶ طبع لکھنو مؤلف کتاب اور آزاد دونون ہمعصر ہین [۳] سروِ آزاد صفحہ ۷۱، ۷۲، طبع حیدرآباد، [۴] مقدمات ظہوری صفحہ ۴۰۲ اور صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۵ طبع نولکشور،

کا بھی ذکر کیا ہے[1]، مستشرقین یورپ مین سے بلینڈ (Bland) نے رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل[2] مین اس کتاب پر تبصرہ لکھا ہے، ڈاکٹر اسپرنگر (Sprenger) نے اودھ کیٹلاگ[3] مین، اور اومر (Aumer) نے میونخ کی فہرست کتب[4] مین اس کا ذکر کیا ہے، ڈاکٹر ریو (Rieu) نے عجائب خانہ لندن کی فہرست مخطوطات فارسی[5] مین اس کے مضامین کی فہرست دی ہے اور اس کے چار[6] قلمی نسخون (۲۳۱ع، ۱۶۷۴ع، ۱۶۷۵ع، ۱۶۷۹ع) کا ذکر کیا ہے جن مین سے ایک نسخہ ۱۱۰۳ھ کا لکھا ہوا ہے، جو تالیف کتاب کی تاریخ سے ۱۴ برس بعد کا ہے، طامس ولیم بیل نے اس کے مؤلف شیر خان لودی کا مختصر حال لکھا ہے[7]، علامہ شبلی نے اپنا ایک مضمون "جدید معلومات قدیم کتابون مین"[8] مسئلہ تجاذب اجسام پر اس کتاب سے ایک اقتباس نقل کیا ہے، اسی طرح اپنی معرکۃ الآرا تصنیف شعر العجم کے ماخذ مین اسکو درج کیا ہے،

مطبوعہ نسخہ

ہندوستان اور یورپ کے کتبخانون مین مرآۃ الخیال کے قلمی نسخے اکثر پائے جاتے ہین اور کوئی سو سال پہلے یہ کتاب ۱۸۳۱ء مین ٹائپ کے حروف مین کلکتہ سے شایع بھی ہو چکی ہے، اور جیسا کہ بمبئی اڈیشن کے خاتمہ مین مرقوم ہے آقا محمد جعفر تاجر شوستری معروف بہ مولا نے اسکو چھپوایا تھا، اسکے بعد ۱۳۲۳ھ مین اس مطبوعہ نسخہ پر سے بمبئی کے مشہور کتب فروش ملک الکتاب میرزا محمد خان شیرازی نے اپنے مطبع مظفری سے اس کا دوسرا اڈیشن شایع کیا، اور جیسا کہ آخر کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اوسکو مہاراجہ مدار المہام بہادر عین السلطنہ مشیر خطۂ دکن" کے نام سے منسوب کیا ہے، مدار المہام سے مراد غالبًا سر کشن پرشاد وزیر اعظم حیدر آباد ہین،

یہ نسخہ متوسط تقطیع کے ۳۴۴ صفحات مین معمولی کاغذ پر چھپا ہے، جو ایک دو جگہ سے کچھ ناقص[9] اور بعض مقامات پر غلط ہے، تاہم غنیمت ہے، اور اس وقت مطبوعہ صورت مین موجود ہے اور صرف عہ مین ملجاتا ہی،

---

[1] غیاث اللغات ص ۵۵۲ مطبوعہ رزاقی پریس کانپور، [2] جلد نہم صفحہ ۱۴۳، [3] صفحہ ۱۱۵، [4] صفحہ ۳، [5] جلد اول ص ۳۶۹ تا صفحہ ۳۷۰، [6] ۵۲، [7] اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری صفحہ ۳۸۰، [8] دیکھو الندوہ بابت ستمبر ۱۹۱۰ء، [9] صفحہ ۳۴۴، سطر ۱۶ کے بعد سے بعض سطور غائب ہین.

موضوع کتاب شروع مین ۴ چار صفحون کا ایک دیباچہ ہے، جو حمد و نعت پر مشتمل ہے، اس کے بعد صفحہ ۴ سے ۱۱ تک ایک مبسوط مقدمہ ہے، جسمین شعر کے جواز پر مذہبی حیثیت سے بحث کی گئی ہے، اس کے بعد کتابت اور خطاطی کا مختصر تذکرہ ہے، اور اس مین بہت سی مفید معلومات جمع کر دی ہین، پھر حروف، الفاظ، اور اعراب پر بحث کی ہے، اس کے بعد متقدمین شعرائے فارسی کے مختصر حالات رودکی سے لیکر آصفی تک (ص۲۱ تا ص۷۶) لکھے ہین، پھر متاخرین شعرا مین عہد مغلیہ کے بعض ایرانی اور ہندی شعرار کا تذکرہ ہے، (ص۷۶ تا ص۲۹۴) پھر عہد مؤلف کے بعض معاصر شعرا و ادبار کے حالات ہین، آخر مین شاعر عورتون کا تذکرہ اور ان کے کلام کے نمونے دئے ہین،

قدیم شعرا کے حالات کے خاتمہ پر مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ تاریخ اور تذکرہ کی کتابون سے لئے گئے ہین، اس کے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خود مولف کے قلم کا نتیجہ ہے[1]،

اسی طرح دیباچہ مین بھی مؤلف نے تصریح کی ہے کہ

"در ایراد احوال قدما باختصار پرداخت چہ آن اخبار از مواضع متعددہ معلوم میگردد وانیجا بجز نقل چارہ نبود، اما در ذکر متاخرین باندازہ طبع ناقص خویش جولانگری کلک خوش خرام خواہد نمود[2]"

دیباچہ مین مؤلف نے اپنی کتاب کا موضوع بیان کرتے ہوئے اس بات کی تصریح کردی ہے کہ اسکو مرتب کرنے مین مؤلف کا مقصد دوسرے تذکرہ نویسون کی طرح بادشاہون اور سلاطین وقت کی مدح سرائی نہین ہے، اور چونکہ اس کتاب کی تالیف مین اُس کا مقصد اور تھا، اسلئے تذکرہ شعرا کے علاوہ کئی باتین خارج از موضوع بھی اوس نے نقل کی ہین، چنانچہ رقمطراز ہے:-

"چون راقم حروف را از تحریر و ترتیب این گلدستہ بہارستان خیال مقصدی دیگر درپیش است و شائبہ جہت ملوک و خوانین پیرامون خاطرش غرض راہ ندارد و بنا علیہ احوال ارباب سخن را دست آویز قوی در عذر من صنف فقد استہدف نمودہ بایراد مقدمات خارج کہ مناسب مقام افتد گرہ کشائی

[1] ص ۵۷، [2] ص ۲،

رشتہ ترئین خواہد گردید[۱]"،

ضمنی مباحث کتاب کے ضمن مین مؤلف نے معمولی اور ادنی رعایتِ کلام کی بنا پر مختلف علوم و فنون کی طرف گریز کی ہے، اور کئی ضمنی مباحث درج کر دئے ہین چنانچہ ذیل کے موضوعات پر اس نے ایک ایک علٰحدہ رسالہ قلمبند کیا ہے، جو اپنی مفید معلومات کے لحاظ سے نہایت کار آمد ہے :-

(۱) عروض و قافیہ، (ص ۹۴ تا ص ۱۱۱)

(۲) صنائع و بدائع، (ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۸)

(۳) علم النفس، (ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۶)

(۴) موسیقی، (ص ۱۵۱ تا ص ۱۷۱)

(۵) علم تعبیر خواب، (ص ۱۷۵ تا ص ۱۹۸)

(۶) علم فراست، (قیافہ) (ص ۱۹۸ تا ص ۲۰۴)

(۷) جغرافیہ (احوال اقالیم سبعہ بحار و انہار) (ص ۲۰۶ تا ص ۲۰۹)

(۸) علم اخلاق (ص ۲۱۰ تا ص ۲۲۴)

ان کے علاوہ کئی فوائد علمیہ درج کئے ہین، مثلاً فن تفسیر (ص ۱۳۱، ص ۱۳۴) استعاذہ (ص ۱۳۴ - ص ۱۳۹) ذکر خفی و جہری (ص ۱۴۷، ص ۱۴۹) وجود جنیات (ص ۲۰۸، ص ۲۱۴) عشق (ص ۲۱۶ - ص ۲۲۴) بیان خمر (ص ۲۲۵ - ص ۲۳۱) شرح جامی بر بعض اشعار قصیدۂ خمریۂ ابن الفارض رح (ص ۲۳۱ - ص ۲۳۳) علم طب (ص ۲۶۱ ص ۲۶۳)

ان مضامین متنوعہ و موضوعات مختلفہ کے لحاظ سے دیکھا جائے، تو یہ کتاب چھوٹی سی انسائیکلوپیڈیا ہے،

ماخذ کتاب، اثنائے تالیف مین مؤلف کو مختلف علوم و فنون کی مختلف کتابون کا مطالعہ کرنا پڑا ہے جیسا کہ ان کتابون کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے اس کتاب کے ماخذ مین مؤلف نے ۵۰ کتابون کا ذکر کیا ہے، ان مین

[۱] ص ۲۱

وہ متعدد دواوین شامل نہین ہین جن سے شعراء کا کلام نقل کیا گیا ہے، ان مآخذ کی تعداد موضوعات کے لحاظ سے حسب ذیل ہے:-

۱۰ تفسیر،
۱۵ تصوف و اخلاق،
۱ حدیث،
۶ تاریخ،
۱۲ جغرافیہ،
۲ موسیقی،
۴ تذکرۂ شعراء،
۲ عروض و قوافی،
۴ شعر و ادب،
۳ منفردات،

ان مین بعض کتابین ایسی ہین جو بالفعل نایاب ہین، مثلاً رسالہ مقامات اجمال، تفسیر ملا شاہ، تاریخ شاہرخی، حوض الحیات (موسیقی) رسالہ مادھونل مصنفہ شیخ عالم (موسیقی ہند) گل اورنگ، تحفۃ الولایات (جغرافیہ) وغیرہ اس سے مؤلف کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

تاریخ تصنیف جیساکہ خاتمۂ کتاب مین مؤلف نے قطعۂ تاریخ مین تصریح کی ہے، یہ کتاب ۱۱۰۲ھ مین اتمام کو پہنچی:

این چمن زار یکہ مرآۃ الخیالش خواندہ ام ۔۔۔ دارد از حسن معانی یک جہان رنگ کمال
صورت تاریخ انجامش توان بے "پردہ" دید ۔۔۔ گر تامل پردہ بردارد ز "مرآۃ الخیال"

یعنی مرآۃ الخیال کے اعداد ۱۳۱۳ مین سے "پردہ" کے عدد ۲۱۱ منہا کردئے جائین تو ۱۱۰۲ھ کی تاریخ نکلتی ہے،

خود مولف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے یہ کتاب اپنے بڑے بھائی عبد اللہ خان کی وفات (۱۰۸۱ھ) کے بعد لکھنی شروع کی تھی اور اس وقت اسکی عمر ۳۰ سے تجاوز کر چکی تھی، چنانچہ لکھتا ہے کہ

"در اوایل قرن دوم ورقی چند گرد آوردہ بعضی از زادۂ طبع متقدمین و برخی از آوردۂ فکر متاخرین ثبت نمودہ"[1]

[1] ص ۲۴۰،

تاریخی اہمیت

مذکورۂ بالا خصوصیات کے علاوہ اس کتاب کی ایک خاص تاریخی اہمیت بھی ہے، مؤلف (بقول خود) عہدِ شاہجہانی مین پیدا ہوا، مدتون شاہجہان آباد (دہلی) مین رہا، عالمگیر کی تخت نشینی کے زمانہ مین سنِ تمیز کو پہنچ چکا تھا، اس کا باپ شہزادہ شجاع کی نوکری مین تھا، اکثر امرا، عمائدین سلطنت، حکام اور شعراے دربار کے ساتھ مؤلف کے مراسم تھے، اسلئے ممکن ہے کہ اس عہد کے اکثر واقعات اسکی نظرون کے سامنے وقوع پذیر یا معتبر ذرائع سے اسکے گوش زد ہوئے ہون، لیکن چونکہ یہ تاریخی موضوع پر کوئی خاص کتاب نہین ہے اس لئے ہمین مؤلف سے یہ توقع بھی نہین ہوسکتی، کہ وہ اس مین اپنے عہد کے تمام حالات و واقعات سے بھی بحث کرے گا، البتہ اس نے بطور خود جستہ جستہ بعض تاریخی اور اپنے عہد کے جزئی امور کا تذکرہ کیا ہے جن سے شاہجہان اور عالمگیر کی سیرت کے بعض پہلوؤن اور اس عہد کے بعض تاریخی امور پر روشنی پڑتی ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب تاریخی استناد کا درجہ بھی رکھتی ہے، لیکن جہان تک ہمین معلوم ہے، اس مقصد کیلئے کسی نے اسکو استعمال نہین کیا،

یہان ہم بعض تاریخی امور بقید صفحات نقل کرتے ہین، :-

(۱) مغل فرمانرواؤن کی علمی قدردانیان، ان کے انعام و اکرام، اور داد و دہش مشہور ہین جن سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا، چنانچہ مؤلف نے مشہور فارسی شاعر محمد جان قدسی کے حالات مین لکھا ہے کہ اوس نے ایک رنگین قصیدہ بادشاہ کی مدح مین لکھ کر پیش کیا، تو اوس کے صلہ مین بادشاہ نے مختلف قسم کے جواہرات منگوا کر اسے سات مرتبہ اس کا منہ بھر دیا[۱]، اس سلسلہ مین شاہجہان کی تعریف کرتے ہوئے مؤلف لکھتا ہے :-

بخششہائے بیدریغ صاحبقران ثانی و آدم شناسی و ہوشیاری و لشکرکشی و ملک گیری و طراحی عمارات و عیش و کامرانی و رعیت پروری و خدا ترسی و شیوۂ عدل و داد بر ساکنان ربعِ مسکون پوشیدہ نیست اکثرے از ثقات

[۱] آزاد بلگرامی (سرو آزاد صفحہ ۶۲) لکھتے ہین، کہ شاہجہان نامون کے مؤلف ملا عبد الحمید لاہوری اور ملا علاء الملک تونی اور صاحبِ عمل صالح نے بادشاہ کے مفصل حالات لکھے ہین، مگر اس واقعہ کے تذکرہ سے خاموش ہین، لیکن مؤلف بھی قدسی کا معاصر ہے اسلئے ممکن ہے، کہ کسی ذریعہ سے اسکو یہ حال معلوم ہوا ہو،

برآنند کہ در تیموریہ ہیچ پادشاہے جامع این صفات مستحسن بظہور نیامدہ[1]

اسی طرح میر رضی دانش کے تذکرہ مین لکھا ہے کہ اوس نے ایک غزل شاہزادہ داراشکوہ کی خدمت مین پیش کی، شہزادہ نے اس حسن مطلع کے صلہ مین ایک لاکھ روپیہ انعام دیا،[2]

تاک را سیراب کن ای ابر نیسان در بہار   قطرہ تا مے می تواند شد چرا گوہر شود

خاندان مغلیہ کی شعر فہمی اور قدرشناسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے،

(۲) ملا شیدا نامی شاعر کے حالات مین لکھا ہے کہ جب اس کا یہ مطلع:۔

چیست دانی بادۂ گلگون مصفا جوہرے   حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

شاہجہان کے کانون تک پہنچا تو فوراً اوس کو ممالک محروسہ سے نکال دینے کا حکم دیا، آخر ملا شیدا نے معذرت مین ایک قطعہ لکھ کر پیش کیا، ۷ شعر کا یہ قطعہ مولف نے نقل کیا ہے[3]

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ بادشاہ کو مذہب کا کسقدر پاس ادب تھا، کہ وہ ایک مسلمان شاعر کے منہ سے ایسے گستاخانہ الفاظ نہین سن سکتا تھا لیکن جب شاعر نے معذرت چاہی اور اپنے اس فعل سے نادم ہوکر توبہ کی کہ

کنون ز توبہ بعذر خطا پذیر آئم   بوصف می نکشایم لب از رہ تقریر

تو اوس کی خطا معاف کر دی،

(۳) اسی طرح ایک اور واقعہ اس بادشاہ کی غیرت مذہبی کا منقول ہے، کہ چندربھان نامی برہمن باشندۂ اکبرآباد (آگرہ) جو داراشکوہ کی سرکار مین منشی گری کے عہدہ پر مامور تھا، اور نظم و نثر لکھنے مین دستگاہ رکھتا تھا، اس کا ایک شعر داراشکوہ کو بہت پسند آیا چنانچہ شہزادہ نے دربار کے حاشیہ نشینون سے ملکر بادشاہ کی خدمت مین عرض کی کہ منشی چندربھان نے ایک عجیب شعر کہا ہے، بادشاہ نے اس کو حاضر کرنے کا حکم دیا، جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ

---

۱ ص ۸۶، ۲ ص ۱۶۵، ۳ ص ۱۶۹، ۴ ص ۹۲

"درین ایام شعرے کہ بابا داراشکوہ) از تو پسند کردہ است بخوان"

چندربھان نے وہ شعر پڑھا:۔

مرا دلے ست بکفر آشنا کہ چندین بار

بکعبہ بُردم و بازش برہمن آوردم

اس شعر کو سن کر بادشاہ بہت برافروختہ ہوا اور کہا کہ کوئی ہی جو اس کافر کو جواب دیسکے؟ امرا عظام مین سے افضل خان نے دست بستہ عرض کی کہ اگر حضور کا حکم ہو تو آج سے چار سو برس پیشتر کے ایک استاد کے کلام سے اس کا جواب عرض کرون، اور سعدی کا یہ شعر پڑھا،

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود

گر بیاید ہنوز خر باشد

بادشاہ باغ باغ ہوگیا، افضل خان کو انعام و اکرام عطا کیا، اور شاہزادہ کو منع فرمایا کہ آیندہ سے ایسے لغویات حضور مین نہ پیش کرائین اور چندربھان کو نکال دیا[1]۔

اس موقع پر بادشاہ کے یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ لحاظ ہین:۔

"خاطر مبارک بادشاہ شگفت و شکر بجا آوردہ گفت:- از تصرفاتِ دین محمدی این قسم جواب رسید

الامن از غصہ ہلاک می شدم"

(۴) شاہجہان نے اپنے لئے "تختِ طاؤس" کے نام سے ایک مرصع تخت بنوایا تھا، جس پر بیش قیمت ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے، بقول مؤلف اس پر تین کروڑ روپیہ کی لاگت آئی تھی[2]، جب وہ بنکر تیار ہوگیا تو ایک دن جشنِ تخت نشینی مقرر کیا، اور اس پر جلوس فرمایا، اس تقریب مین پایہ تخت کے شعرا نے تہنیت و

[1] صفحہ ۱۳۹۔ ۱۴۰، [2] لیکن شاہجہان نامہ مین علاوہ کاریگرون کی تنخواہون اور اخراجات کے صرف جواہرات و دیگر اشیا کی قیمت ایک کروڑ بتائی گئی ہی، یہ عہد مغلیہ کا روپیہ ہی، جسکی قیمت تقریبًا موجودہ سکہ مین ۱۲؎ کے برابر ہے،

مدح مین قصائد لکھ کر نذر گذرانے، جنمین سلطان شادمان کی یہ غزل بہت پسند کی گئی:-

صبحدم کز فیض گشتم ہمنشین آفتاب نقش نام شاہ دیدم در نگین آفتاب

اس موقع پر اس اسلامی تاجدار نے اپنے جذبۂ خداپرستی اور جوشِ عبودیت کا جو ثبوت دیا ہے، اس کی نظیر ملنی دشوار ہے، چنانچہ مؤلف رقمطراز ہے:-

"آوردہ اند کہ پادشاہ دیندار ساعتے بر آن سریر مکلف بکمال حشمت و نہایت تجمل نشستہ فرود آمد و دوگانہ بخضوع وخشوع تمام بجا آوردہ زمانے دراز در سجدہ بود چون سر بر داشت فرمود کہ در روایت ارباب سیر آمدہ کہ تختِ فرعون از عاج و آبنوس بود، او بر آن تخت دعوی خدائی میکرد گواہ باشید کہ من برین تخت مرصع دعوی بندگی دارم، حضارِ مجلس از فضلا و امرائے عالی مقدار متفق اللفظ بدعائے ازدیادِ عمر و شکر توفیق بادشاہ اسلام زبان بکشادند"[۵]

(۵) اسمین کسی کو مجال انکار نہین ہے کہ عالمگیر اپنے مذہب کا بکا پابند در امور شرعیہ کا محافظ تھا، چنانچہ اسکے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد ہی رسوم اکبری و جہانگیری اور بدعاتِ داراشکوہی و مراد بخشی کا خاتمہ ہو گیا، ایک طرف اگر وہ احکامِ شرعیہ کے اجرا اور ان پر عمل کرانے کی کوشش کرتا تھا، تو دوسری طرف اپنی انتہائی دور اندیشی اور سیاست دانی سے اپنے حریفون کو نیچا دکھاتا تھا،

عالمگیر پر جہان بھائیون کے قتل کرانے کا الزام ہے، وہان اس کے دامنِ دینداری پر سرمد کے "خون ناحق" کا دھبہ بھی مخالفین کی طرف سے ایک "بدنما داغ" بنا کر چمکایا گیا ہے، واقعہ کے صحیح ہونے مین کلام نہین لیکن اسباب و علل پر غور کئے بغیر کسی کو موردِ الزام ٹھہرانا انصاف سے بعید ہے، اسباب خواہ مذہبی ہون یا سیاسی مگر اسمین شک نہین کہ ان پر جسقدر زیادہ غور و تامل کیا جائے گا اسی قدر یہ جرم ہلکا نظر آئے گا، مذہب و سیاست مین اپنے حریفون کے ساتھ ذرا سی رعایت بھی خطرۂ جان ثابت ہوتی ہے، اولاً سرمد سے داراشکوہ کو خاص ارادت تھی،

[۵] صفحہ ۱۶۵

ثانیاً سرمد کی ظاہری حالت (کہ باطن کا علم خدا ہی کو ہو سکتا ہے) خلافِ شرع تھی، پھر اس کے بعض اقوال سے شریعت غرّا کے بعض مسلّمہ عقائد پر زد پڑتی تھی، عالمگیر کے لئے یہ وجوہ بہت اہمیت رکھتی تھیں، مؤلف کے عہد میں قتلِ سرمد واقع ہوا ہے اسلئے اسکے وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"سرمد ہموارہ برہنہ زیستی و بول و غایط در نظرِ خلق کردی، چون خاطر سلطان دارا شکوہ بجانب مجانین میل داشت صحبت با دی درگرفت و مدتی با ترصیفات او سرخوش بود تا آنکہ روزگار طرح دیگر انداخت و در سنہ ہزار و شصت و نہ اورنگ خلافت و جہانداری بوجود فیض آمود ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ مزین گردید، و آوازۂ خدا پرستی جہان را فرا گرفت .... درین ہنگام خجستہ آغاز فرخندہ انجام کہ ہر روز دین مبین را رونقی تازہ و ہر ساعت ملّت بیضا را جلائے بے اندازہ است سرمد را تکلیف لباس کردند و او از سودا مزاجی تن نداد و فی شہور سنہ الف و اثنین و سبعین (۱۰۷۲) بتیغ امر شریعت غرا مقتول گردید و عمدہ در کشتن سرمد این رباعی بود کہ ازان شائبہ انکار معراج لازم می آید،"

آنکو بسر حقیقتش یاور شد — خود پہن تر از سپہر پہناور شد
ملّا گوید کہ بر شد احمد بفلک — سرمد گوید سپہر در وے در شد"،

(۶) سریر فرمانروائی پر عالمگیر بادشاہ جب حفظِ قرآن کی دولت لازوال سے بہرہ ور ہوا تو میرزا رضی متضمیر شاعر نے تہنیت میں یہ رباعی لکھ کر پیش کی:۔

محی الدین و مصطفےٰ حافظ تو — صاحب سیفی و مرتضےٰ حافظ تو
تو حامی شرعی و حامی تو شارع — تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو،

[1] صـ ۱۴۱، صـ ۱۴۲، سرمد کے حالات و واقعۂ قتل کی نسبت عاقل خان رازی نے اپنی تاریخ (صـ ۸۹ ـ صـ ۹۰) مین لکھا ہے، سرمد کے مفصل حالات کے لئے دیکھو دبستان المذاہب (صـ ۱۹۴، صـ ۱۹۶) اسکے قتل کے وجوہ کے لئے دیکھو مآثر الامراء ج ا صـ ۲۲۶ ـ صـ ۲۲۷

اس کے صلہ مین سات ہزار روپیہ مرحمت ہوا[۱]

(۷) عالمگیر ایک عملی آدمی تھا، خوشامد اور تملق سے اُسے نفرت تھی، سلاطین مغلیہ کے دربار مین مدح گو شعرا کی کمی نہ تھی، سخن فہمی اور شعرا کی قدردانی اس خاندان کا ایک امتیازی وصف تھا، اور اگرچہ عالمگیر خود اعلیٰ درجہ کا شعر فہم اور سخن شناس تھا، لیکن شعرا کی مبالغہ آمیز مدح سرائی سے اوسکی طبیعت نفور تھی اور یون بھی پابندی شرع متین کی بنا پر اس طرح کی خوشامدانہ اور مبالغہ آمیز شاعری وہ پسند نہین کرتا تھا، چنانچہ مؤلف لکھتا ہے، کہ جب عالمگیر تخت فرمانروائی پر جلوہ افروز ہوا تو سلطان شادمان نامی شاعر نے اس کی مدح مین ایک قصیدہ لکھ کر سنایا، :-

آن کیست کو زحقہ لعلت نشان دہد　　　　درخواب اگر دہد بطریق گمان دہد الخ

بادشاہ کو اس قصیدے کے بعض اشعار بہت پسند آئے تو اون کو دوبارہ پڑھنے کی فرمایش کی لیکن

"ازآنجا کہ این شاہ مستقیم الاحوال بنا بر پاس مراتب شریعت بشعر میل ندارد و این صنعت را فعل عبث می شمارد فرمود ما بدولت نمیخواہیم کہ بعد ازین گرد این اندیشہ بگرد خاطر تو گردد"،

سلطان شادمان نے فوراً پائے مبارک پر ہاتھ رکھ کر اس کام سے توبہ کی اور عمر بھر فکر سخن مین منہ نہیں کھولا[۲]

(۸) عالمگیر کے اپنے مدحیہ قصائد و اشعار نہ پسند کرنے کی تائید مین ایک اور واقعہ لیجئے، امرائے عالمگیری مین ملا شفیعا المخاطب بہ دانشمند خان ایک عالم و فاضل شخص تھا، اس کی تحریک سے محمد علی ماہر نے بادشاہ کی مدح مین ایک مختصر رسالہ رنگین نظم و نثر مین لکھکر "گل اورنگ" سے موسوم کیا تھا اسکی نسبت مؤلف کا بیان ہے کہ،

"ہر کس کہ آن رسالہ را مطالعہ نمود باشد انصاف درستی طبعش تواند داد ولیکن ازانجا کہ این بادشاہ دین پناہ را بنا بر پاس مراتب شریعت باشعر و ارباب آن التفات کمتر است و مذہب مصنف نیز در نظر بود، بدیدن و شنیدنش میل نفرمود"[۳]

(۹) اوائل ایام سلطنت مین عالمگیر نے حکم نافذ کیا تھا کہ دیوان حافظ کو لوگ اپنے کتبخانون سے علیحدہ کردین

---

[۱] ص ۱۵۱ (دیکھو تذکرہ خوشنویسان ہند ص ۱۰۱) [۲] ص ۱۶۵ اس قصیدہ کے ۲۲ شعر مؤلف نے نقل کئے ہین، [۳] ص ۲۰۷،

اور ممالک محروسہ کے معلمین اور اساتذہ طلبہ کو اس دیوان کا درس نہ دیں، با اینہمہ دیوان حافظ بادشاہ کے مطالعہ خاص میں رہا کرتا تھا، اس پر مقربین بارگاہ نے عرض کی کہ دیوان تو ہمیشہ حضور کے مطالعہ میں رہتا ہے، پھر اسکی ممانعت مین کیا راز ہے تو ارشاد ہوا،

"ہر کس را قدرت فہم رموز این کلمات نیست لیکن کہ ارباب غفلت بر ظاہر عبارت حمل نمودہ در ورطۂ بیباکی و عصیان فرو روند و برائے شرب خمر و شاہد پرستی دست آویز بدست آوردہ بہ بادیۂ خذلان منہمک گردند"[1]

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ بادشاہ کو اپنی رعایا کے اخلاق و عادات کی حفاظت کا کس قدر خیال تھا، ہمارے زمانہ کی حکومت نے فحش اور مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت کو ممنوع قرار دینے کے لئے جو قانون نافذ کیا ہے اس سے تین سو برس پہلے اس نیک نہاد اسلامی تاجدار نے اس کا انسداد کر دیا تھا،

(۱۰) مؤلف نے عالمگیر کے ایام شاہزادگی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جو اس کی خانگی زندگی سے تعلق رکھتا ہے والعہدۃ علی الراوی،

گویند در ایام شاہزادگی یکے از پرستاران خاص کہ در شیوۂ دلبری و مزاج دانی بے نظیر بود و در نغمہ سنجی بر تبۂ کہ ہر روز نقشے تازہ بآہنگ دلفریب بسمع مبارک می رسانید بقضائے آسمانی رحلت نمود و مفارقتش بر خاطر آن حضرت نہایت دشوار گردید روز دیگر بجہۃ شکار بر آمدند نواب عاقل خان در جلو بود چون مردم بہر جانب منتشر گردیدند و خلوت یافت بعرض رسانید کہ با این ہمہ بار اندوہ و ملال کہ بر خاطر مبارک فرود آمدہ است سواری شکار فرمودن چہ حکمت خواہد بود؟ آن حضرت در جواب این بیت اشارہ نمود:۔

نالہ ہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست   در بیابان میتوان فریاد خاطر خواہ کرد

عاقل خان این بیت از اشعار خود بخواند:۔

عشق چہ آسان نمود آہ چہ دشوار بود   ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

[1] صفحہ ۲۲۵۔

آن حضرت را بے اختیار رقت افتاد و زمانے در آنجا بود، چون افاقت یافت پرسید کہ این شعر از کیست گفت از شخصات کرنی خواہد بحضور بندگان حضرت بنام شاعری موسوم گردد، آن حضرت تبسم نمود و بکرات و مرات این بیت را استماع فرمودہ یاد گرفت، و از ان روز نظر تربیت بیش از پیش بحال وے بگماشت تا آنکہ بمنصب چہار ہزاری رسانید، امروز کہ دوازدہ سال[1] است حضرت ظل الٰہی بتنبیہ مفسدان دکن توجہ دارند بمین تدبیر و برکت صوبہ داری وے مردم شاہجہان آباد و نواحی راجمعیتے کہ در حضور بادشاہ بود حاصل است"[2]

بعض فوائد علمیہ ان تاریخی امور کے علاوہ اس کتاب مین کئی مفید اور کار آمد باتین درج ہین جنمین سے بعض ذیل مین بیان کی جاتی ہین،

(۱) فردوسی کی نسبت مشہور ہے کہ اوس نے شاہنامہ کے علاوہ ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی تھی، مگر موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دراصل کسی دوسرے شاعر کی ہے اور فردوسی کے نام سے منسوب کردی گئی ہے،[3] مولف کا بھی یہی خیال ہے کہ شاہنامہ کے سوا اس کی کوئی دوسری تصنیف نہین ہے، چنانچہ لکھتا ہے:-

---

[1] عاقل خان ۱۰۹۰ھ / ۱۶۸۰ء سے ۱۱۰۷ھ / ۱۶۹۶ء تک دلی کا صوبہ دار تھا، اس لحاظ سے اس کتاب کی تالیف کے وقت اوس کو ۱۲ سال ہو چکے تھے،

[2] ص ۲۳۹ - ۲۴۰، یہ واقعہ غالباً ہیرا بائی عرف زین آبادی بیگم سے متعلق ہے، جس کے ساتھ عالمگیر کے تعشق کا اسطورہ بعض نام نہاد مورخین نے اس افسانہ طرازی کے ساتھ وضع کیا ہے، کہ خود تاریخ کو اس پر تعجب ہے، کہ ایک مشرقی شہزادہ کا تعشق کوئی امر محال یا ناممکن الوقوع نہین ہے، حیرت صرف ان درشت یا قیوں پر ہے جو اپنے صریحی تناقض، اختلاف تاریخی اور انتہائی مبالغہ کے ساتھ تاریخ کے نام سے پیش کی جاتی ہین، (ملاحظہ ہو احکام عالمگیری مرتبہ جدو ناتھ سرکار) اس واقعہ کی نسبت مولف کا ماخذ غالباً عاقل خان رازی یا اوسکی تاریخ ہے، مآثر الامراء (ج ۱ صفحہ ۷۹۲) مین یہ واقعہ بعینہ منقول ہے لیکن چونکہ مآثر بعد کی تصنیف ہے اسلئے صاحب مآثر نے یہ واقعہ عاقل خان کی تاریخ سے لیا ہوگا، یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ عالمگیر دوسری مرتبہ دکن کا صوبہ دار تھا، اسوقت اوسکی عمر ۳۵ سال کی تھی لیکن پروفیسر جدو ناتھ سرکار اوسکی نسبت ریمارک کرتے ہین کہ عالمگیر اس وقت ۶ بچون کا باپ ہو چکا تھا، اور جذبۂ شباب لبریز نوجوان نہ تھا، بلکہ اسکے لئے دنیا مین تعشق کا زمانہ رخصت ہو چکا تھا، (ترجمہ احکام عالمگیری صفحہ ۴۰) [3] دیکھو رسالہ اردو مین پروفیسر شیرانی کا مضمون

چون از واردات فرودسی غیر از تنا ہنا مہ چیزی دیگر گوش نرسیدہ بتحریر احوالش اکتفا نمودہ شد[۵۱]

(۲) لفظ "موسیقی" کے متعلق کہ یہ کس زبان کا لفظ ہے اور کیا معنی رکھتا ہے، بہت کچھ اختلاف ہے، بعض نے اسکو "موسیقار" نامی پرندہ سے منسوب کیا ہے، اور بعض نے اسکو یونانی زبان کا لفظ بمعنی لحن بتایا ہے، اسکے متعلق مولف کی تحقیق یہ ہے کہ

موسیقی لفظ سریانی است، موو در اصطلاح این طائفہ ہوا را گویند وسیقی بمعنی گرہ آمدہ یعنی صاحب این فن برہوا گرہ می زند[۵۲]

(۳) ارتقاء انسانی کے مسئلہ سے بھی مولف باخبر تھا، چنانچہ لکھتا ہے، :-

"نشأۃ انسانی کہ بر جمیع اطوار محیط است و بر تمام مراتب بتیار چہ او لاً در بدو وجود از رتبہ جمادی بمرتبہ نما رسیدہ و از نما بمرتبہ حیوان و از انجا بمرتبہ انسان انجامید[۵۳]"

(۴) تجاذب اجسام کے مسئلہ کی نسبت مولف لکھتا ہے، :-

"در کتب قدیمہ آمدہ کہ حال آسمان یا زمین چون حال مقناطیس است با آہن چہ آسمان از جمیع اطراف زمین را برابر جذب می کند از ین سبب با اینہمہ ثقال بر ہوا ایستادہ است[۵۴]"

(۵) حکماء نے تمام روے زمین کو "ربع مسکون" لکھا ہے، مگر مولف کو اس کی صحت مین تردد ہے، چنانچہ لکھتا ہے :-

"آب و خاک را این ہمہ وسعت حصہ ہائے تساوی نمودن بکدام دلیل خواہد بود چہ بر ہمہ کس ظاہر است کہ دریائے محیط را کنارہ دوم ناپیدا است و با آنکہ بادشاہی مثل اسکندر ذوالقرنین با ہمہ حکمائے یونان کہ ہمراہ داشت، ہر چند تلاشہا کرد، جہازہا فرستاد و مطلقاً چیزے از ان کنار ہا نیافت و الیضاً در حقیقت زمین نوشتہ اند

---

۵۱ صفحہ ۲۷، ۵۲ صفحہ ۱۵۱، ۵۳ صفحہ ۳۱۲، ۵۴ ص ۲۰۰ طبع کلکتہ ہم نے یہ عبارت الندوہ مین علامہ شبلی کی منقولہ عبارت سے نقل کی ہے، جو انھون نے غالباً کلکتہ کے مطبوعہ نسخہ سے لی ہے بمبئی کے اڈیشن مین یہ عبارت نہین ہے،

کہ دریائے محیط گرداگرد آن در آمدہ است الا در جنوب مغرب و شمال مشرق ہیچکس بدریا نرسیدہ چہ بنا بر بخارات کثیفہ وجبال شاہقہ واشجار متراکمہ کہ بوہ و مغاک پی ہم آدمی را عبور بر آن دو سمت میسر نباشد ولیکن از قیاس تخمیناً گویند کہ در آن حدود ہم دریا خواہد بود و ہمچنین از حقیقت ظلمات کسے آگاہ نگردید کہ در آنجا آب یا خاک چہ مقدار بودہ باشد و این صورت زمین نیز غیر معلوم الاحوال ست پس این دو چیز نا معلوم را چہار حصہ مساوی نمودن و از انجملہ زمین را یک حصہ قرار دادن چہ معنی داشتہ باشد"[1]

تذکرۂ مؤلف | مضامین کتاب کو بیان کرنے کے بعد اب ہم مؤلف کے حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

مؤلف کا تذکرہ سوائے ایک آدھ کتاب کے اور کہیں نہیں مل سکا، طامس ولیم بیل نے اس کی نسبت چند سطرین لکھی ہیں، جو زیادہ تر اوس کے نام و لدیت اور موضوع کتاب پر مشتمل ہیں[2] البتہ خود مؤلف نے اپنی اس کتاب میں جابجا اپنے بعض حالات کی طرف اشارات کئے ہیں، جن سے اوسکی زندگی کے بعض پہلوؤن پر روشنی پڑتی ہے، اور انھی کی مدد سے ہم نے اس کا یہ تذکرہ مرتب کیا ہے،

نام اور ولادت | مؤلف کا نام شیر خان لودی ہے، اور اوسکی ولادت عہد شاہجہانی میں ہوئی تھی چنانچہ اپنی کتاب میں اس نے دو مرتبہ اسکی طرف اشارہ کیا ہے[3] ایک جگہ (صفحہ ۱۲۰) مؤلف نے اپنے سلسلۂ تعلیم کو بیان کرتے ہوئے سنہ ۱۰۶۸ھ میں اپنے اوستاد کی تاریخ وفات لکھی ہے، اور اس وقت اپنی "صغر سنی" کا ذکر کیا ہے، اس لحاظ سے اس وقت اسکی عمر ۱۳ سال کی فرض کر لی جائے، اور دوسری جگہ (صفحہ ۱۵۱) سنہ ۱۰۷۰ھ میں اوس نے اپنے "سن تمیز" کو پہنچنے کا تذکرہ کیا ہے، اسوقت اسکی عمر تخمیناً ۱۵ سال کی فرض کر لی جائے، تو اس حساب سے اسکی تاریخ ولادت ۱۰۵۵ھ میں قرار پاتی ہے، بہرحال خود مؤلف کی تحریر سے تاریخ ولادت کی تعیین ۱۰۵۰ھ اور ۱۰۵۵ھ کے مابین کیجا سکتی ہے،

خاندان | مؤلف کے باپ کا نام علی احمد خان لودی تھا، جو شہزادہ شجاع کے ساتھ بنگال میں ملازم تھا، اور وہین اس نے سنہ ۱۰۷۰ھ میں[4] شب شنبہ ۱۴ شعبان[5] کو وفات پائی، شیر خان کے چند بھائی بھی تھے اور وہ خود سب بھائیون سے

[1] صفحہ ۲۸۹ - ۲۹۰، [2] اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری صفحہ ۳۸۰ [3] صفحہ ۱۲۰ و ۱۵۱ [4] صفحہ ۳۴ [5] صفحہ ۱۷۳،

چھوٹا تھا[۱] اُن میں سے بڑے بھائی عبداللہ خان نامی نے [illegible]ھ میں کابل کے پہاڑون میں جام شہادت نوش ۱
کیا[۲] اس کا ایک چچا بھی تھا جس کا نام ناصر خان تھا، اور جس نے ۱۰۷۳ھ میں وفات پائی، ابوطالب کلیم سے اس کی
دوستی "موزونیت طبع سخن فہمی، نکتہ یابی اور لطیفہ گوئی" کی وجہ سے اسکی ہر دلعزیزی کا تذکرہ مولف نے کیا ہے، اور لکھا
ہے کہ "مجموعۂ خوبیہا بود"[۳]

اس کا باپ علی امجد خان بھی ایک ذی علم اور قابل آدمی تھا، جیسا کہ خود مولف نے اس سے تحصیل علم کرنے
اور اہل علم کے ساتھ صحبت رکھنے کا جا بجا تذکرہ کیا ہے،[۴]

تعلیم و تربیت علی امجد خان جب بنگال میں شہزادہ شجاع کی ملازمت میں (۱۰۴۳ھ تا ۱۰۶۸ھ) تھا، تو اسی
زمانہ میں شیر خان اپنے دوسرے بھائیون کے ساتھ اس کے فیض تربیت سے مستفید ہوتا رہا، اسی اثنا میں جبکہ وہ
ہنوز طفل مکتب تھا، اوس نے ہرات کے ایک فاضل شخص ملا فرخ حسین ناظم سے جو اپنے وطن مالوف سے نکل کر
بنگال مین آپڑے تھے، اور جہانگیر نگر یا ڈھاکہ میں مقیم تھے، تحصیل علم شروع کی، ابھی فارسی اور عربی کی چند مختصرات
پڑھنے پایا تھا کہ ملا صاحب ۱۰۶۶ھ میں عاشورہ کے دن عین حالت نماز سحر میں اپنے معبود حقیقی سے جا ملے، اسکے
بعد بنگال میں قحط الرجال کے سبب سے کوئی ایسا معلم اسکو میسر نہ آیا، ان کی وفات کے بعد شیر خان نے کچھ صرف و نحو
پڑھی، اور اسکے بعد وہ اپنے باپ اور اوس کے احباب کے فیض صحبت سے [illegible] تحصیل علم کرتا رہا، یہان تک کہ
کہ بیرحم پنجۂ اجل نے ان سب کو اس سے علیحدہ [illegible] اس لئے [illegible] ہمارے مولف کی تحصیل علم
کا زمانہ بہت طویل رہا،

ملازمت باپ اور بھائی کی وفات سے ہمارا مولف بہت دل برداشتہ اور پریشان خاطر رہا، اس حالت میں اسکو
دور دراز کے سفر پیش آئے اور تکالیف شاقہ برداشت کرنی پڑین[۶] آخر کو ۱۰۹۰ھ میں شکر اللہ خان فوجدار سرہند
کی خدمت میں پہنچا[۷] جو اوس سے لطف و عنایات سے پیش آیا چنانچہ شکر اللہ خان کی عنایات اور فیض صحبت کے تذکرہ میں مولف طب اللسان نعمت اللہ خان نظم

---

[۱] ص ۱۲۰، [۲] ص ۲۴۰، [۳] ص ۱۲۰، [۴] صفحات ۱۷۰، ۱۵۰، ۱۶۷، ۲۴۱، ۲۰۴، [۵] ص ۱۲۰، [۶] ص ۲۴۴، [۷] ص ۱۲۱، [۸] ص ۲۴۶

علمی و فنی قابلیت مؤلف کی علمی قابلیت معلوم کرنے کیلئے اسکی یہ کتاب ایک بہت بڑا ذریعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر علوم و فنون مین اس کا مطالعہ نہایت وسیع تھا، فنِ موسیقی کی نسبت خود اس کا بیان ہے کہ معتبر موسیقی دانون سے نیز اس فن کی کتابون کے مطالعہ سے اوس نے خاصی واقفیت حاصل کی تھی (۱۹۱) علم طب کے مطالعہ مین وہ کہتا ہے کہ اوس نے کتب طبیہ کا مطالعہ کیا تھا، (صفحہ ۲۶۱)

فنِ شعر مین اُس نے اپنے زمانہ کے مشہور شعراء سے استفادہ کیا تھا، جیسا کہ اوسکی عبارت ذیل سے متبادر ہوتا ہے:

"این مسافر گذرگاہ ہستی و مقیم کوئے تہیدستی کہ بنا رسائی رنگ استعداد و فقدان جوہر والا و عدم فطرت بلند داشت در اواخر قرن اول از عمر مستعار قلندرانہ گستاخ کشان کشان بحقایقکدہ و زمستگاہ تلامیذ الرحمن کہ فیض پذیران انوار قدسی و مقتبسان شعاشع لمعات قدسی اند آورد، در اول حال چندی اہتمام در حافظۂ خویش نمودہ کاغذ را از قلم و قلم را از دست بیگانہ می داشت و سفینہ و بیاض را کہ در معرض تلف و زوال است لایق محرمیت نمی انگاشت ہموارہ نقوش این کلمات قدسی بر لوح سینہ ثبت نمودی و بتکرار و تذکار آن مشغوف بودی"، (صفحہ ۲۷۹ صفحہ ۲۴۰)

لیکن پوری کتاب مین اسکی شاعری کا کوئی نمونہ ہماری نظر سے نہین گذرا، سوا چند اشعار کے جو اپنے باپ اور بھائی کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے لکھے ہین، یا وہ اشعار جو تتمہ کتاب مین مرقوم ہین، لیکن ان کی نسبت بھی یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ خود اسی کے کہے ہوئے اشعار ہین لیکن اسمین شک نہین ہے کہ تمام کتاب کا تاریخی قطعہ یقینا اسکا طبعزاد ہے،

مؤلف کے طرزِ تحریر و انشا کا اندازہ مرآۃ الخیال کے مولہ بالا اقتباسات سے بخوبی ہو سکتا ہے،

مذہبیت مؤلف مذہبًا اہلِ تسنن اور صحیح العقائد معلوم ہوتا ہے، اوس کا مشرب زیادہ تر صوفیانہ ہے، اکثر صوفیائے کرام مثلًا امام ابن العربیؒ، امام غزالیؒ وغیرہ بزرگون کی تصانیف اوسکے پیشِ نظر رہی ہین، اسکے اہل دل ہونے کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ وہ تین بار خواب مین دیدار نبوی سے مشرف ہو چکا ہے، اس رویائے صادقہ کی مفصل کیفیت اس نے بیان کی ہے، اور تینون مرتبہ حضور کا اشکال مختلفہ مین نظر آنا اوس نے لکھا ہے، اسکے متعلق کسی بزرگ سے اُس نے استفسار کیا تو اونھون نے فرمایا کہ مبتدیون کو ایسا ہی نظر آتا ہے مگر جو منتہی ہوتے ہین

ان کو جمال نبوت اپنی شکل اصلی مین دکھائی دیتا ہے[۱]،

معاصرین | مؤلف نے اپنے زمانہ کے چند شعراء کے حالات لکھے ہین[۲] اور بعض کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کا ذکر بھی کیا ہے، شکر اللہ خان کا ذکر اوپر آچکا ہے، جو عہدِ عالمگیری کے حکام مین سے شعر و سخن مین مہارت رکھتا اور خاکسار تخلص کرتا تھا، اسکے ساتھ مولف کو انتہائی عقیدت ہے، چنانچہ اوسکے فیوض سے متمتع ہونے کا تذکرہ کیا ہے[۳]،

اپنے عہد کے مشہور اور ممتاز شاعر ناصر علی سرہندی کے ساتھ جبکہ مؤلف سرہند مین مقیم تھا، اوسکے دوستانہ مراسم قائم ہوگئے تھے، اور اکثر اسکی صحبتون مین شریک ہوا کرتا تھا، چند روز ملاقات نہ ہوسکی تو ایک مختصر رقعہ (۲۱ سطر کا) ناصر علی کے نام لکھا جس مین شکایت کی ہے کہ

"ہمو این تشنہ لب دیدار را در سراب انتظار داشتن آئین کجاست، پابندان سلسلۂ محبت را وقفِ تغافل کردن رسم کدام شہر"

زہجرت بنوعی جگر خستہ ام کہ مصداقِ این بیت برجستہ ام

بر آن ناتوان صید باید گریست کہ در دام از یاد صیاد رفت[۴]،

ناصر علی نے اس کا جواب دیا ہے جسمین اپنی عدم فرصت اور پریشانیون کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"ملاذا! ماہ متصل میگذرد کہ نیاز مند شما فرصت چشم واکردنی ندارد کہ حوادث ناگوار رقد کشیدن و سوانح ناملائم گرم از پے ہم رسیدن اند"

دلِ غمدیدہ دارم مپرس از گرد کلفتہا صدا در کوہ چون رگ ماندہ از سنگینی آہش،

میرزا محسن ذوالقدر، (ذوالقدر ترکون کے ہان بے خطا تیر انداز کو کہتے ہین) مولف کا معاصر تھا، اور اس کے ساتھ مدتون تک اسکے دوستانہ تعلقات رہے تھے، اسکی ایک غزل بھی اس نے اپنی کتاب مین درج کی ہے چنانچہ لکھتا ہے،

"راقم حروف را بعد از مدتہا ے آشنائی این غزل بخط خود عطا فرمود"،

اس سے زیادہ مؤلف کے حالات کا پتہ نہین چلتا، اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ اوس نے کس سنہ مین وفات پائی، البتہ تاریخ تصنیف کتاب کی بنا پر اس قدر یقینی ہے، کہ وہ ۱۱۰۲ھ تک زندہ تھا،

---

[۱] صفحہ ۱۸۰، [۲] صفحہ ۲۳۰ تا صفحہ ۲۶۱، و صفحہ ۲۷۹ تا صفحہ ۳۰۵، [۳] صفحہ ۲۴۷، [۴] صفحہ ۲۹۳،

اخلاقیات،

از

مولوی سید ابوالقاسم صاحب سرور، دار الترجمہ عثمانیہ،

نفسیات کا تیسرا شعبہ اخلاقیات ہے، اخلاقیات مین بری بھلی عادات وخصائل انسانی کی علیحدہ علیحدہ فہرستین مرتب کی جاتی ہین، حیات انسانی کا کارخانہ بہت سی قوتون کی ہم آہنگی سے چل رہا ہے، امیال وعواطف، خواہشات ومیلانات، مختلف احتیاجات وغیرہ یہ سب اسی کارخانے کے کل پرزے ہین،

انسان ایسی مصروف کار ہستی ہے کہ وہ منتہائے حیات تک کچھ نہ کچھ کرتی اور کسی نہ کسی کام مین مصروف رہا کرتی ہے، ایک حد تک وہ ذی اختیار بھی ہے، ترتیب وانتظام مین اس کا عزم وارادہ اور افعال کا پروگرام اسی کی خواہش ومیلان کا تابع ہے، اپنے ہم جنسون کے ساتھ سلسلۂ معاشرت مین رہ کر منفعت ومضرت مین سے جس نہج کو چاہے اختیار کر سکتا ہے، اس مین ایک ایسی بسیط قوت ہے جس کے اختیار کی باگ اسی کے عزم وارادہ کے ہاتھ مین رہتی ہے، یہ اپنے اختیار سے کام لیکر اگر چاہے تو جفاکش، مستعد، محنتی بھی بن سکتا ہے، اور کاہلی کی پوٹ بھی، اہم اور پرپیچ معاملات کی گتھیان سلجھانے کی بھی اس مین استعداد ہے اور سطحی ورسمی باتون مین الجھکر رہ جانے کی بھی،

مگر عزم انسانی کی کوئی نہ کوئی غایت ہونا لازمی اور ضروری ہے، کیونکہ تنہا ارادہ کا وجود بغیر کسی غایت ومقصد کے ہو ہی نہین سکتا، انسان جس نصب العین کی طرف ارادہ کی باگ پھیرتا ہے جس مقصود وغایت تک افعال کی مدد سے پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، اخلاقیات اسی مقصد وغایت کی نوعیت کو جانچتی اور اسی کی ٹوہ مین رہتی ہے، اخلاقیات ہی سے انسان یہ سبق حاصل کرتا ہے کہ کس قسم کی رفتار سے شاہراہ حیات طے کرنا چاہئے

اور زندگی کا مقصود کس چیز کو قرار دیا جائے، اخلاقیات کو نوعیتِ عمل کی تعیین اور تشکیلِ حیات کی تخصیصی تعلیم و تربیت کا ایک مہتم بالشان کا رج کہین تو نامناسب نہین،

فکرِ انسانی یہ وہ اعجوبہ زا قوت ہے کہ جس سے وہ خود اپنی کنہ و ماہیت کی نسبت تفتیشی اُدھیڑ بن مین منہمک ہونے کے لائق بنجاتا ہے اور اسی قوت کی بدولت انسان اپنی ہستی کی غرض و غایت کے معلوم کرنے کی قابلیت پیدا کرلیتا ہے، اسی سے درست نا درست افعال مین امتیاز کرتا ہے اور اپنے افعال وکردار کی رہبری کے لیے اصول و قوانین معین کرتا ہے، ان قوانین و قواعد کے معلوم کرنے کے واسطے اُسے غیر معمولی دقتِ نظر سے کام لینا پڑتا ہے اور کافی غور و خوض کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی قسم کے سوچ بچار کے مجموعہ کو **علم الاخلاق** کہتے ہین،

انسانی افعال کے ماخذ اور محرکات، ارادی افعال اور ان کے ماخذ، اخلاقی احکام اور وجدانات قوانین و مقاصد کی تحقیق وغیرہ ان مین سے ہر ایک کا جانچنا پرتالنا بحث کرنا علم الاخلاق سے متعلق ہے، وہ کون سے محرکات ہین جن سے بعض اوقات اس وقت و حالت کے مدِ نظر انسان مین ایک خاص طرز پر کام کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے. خیر و شر کا علم انسان کو کونسی راہ اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے، اور اس معلومات کی سوغات انسان کے پاس کہان سے آتی ہے؟ علم الاخلاق تو اس قسم کے استفسارات و سوالات کے جوابات دیتا ہے،

ایک مہذب انسان بجائے خود محسوس کرتا ہے کہ اسی مین ایک صدائے مستتر یا ایک صوتِ پنہان ایک ندائے مخفی کا ایسا مستقل وجود ہے، جو صواب و خطا مفید و غیر مفید، اخلاقی اور غیر اخلاقی افعال مین حدود و امتیاز کھینچتی اور نوعیتِ عمل پر نظر ڈال کر ایک معین طریقۂ عمل اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے، اس قسم کی صوت یا **ضمیر**[1] کے نام سے موسوم ہے، یہ اطلاعِ باطن خارجی اقتدار کے قیود سے یکسر بے نیاز ہے، حاسۂ اخلاق اس وقت سے انسان کا رفیقِ حیات ہے جب فلسفیانہ دقیقہ رسی نے اخلاقی مسائل کو ہاتھ تک نہین لگایا تھا، مگر اس وقت بھی حاسۂ اخلاق ہی کے معین کئے ہوئے طرقِ اعمال پر انسان عمل پیرا ہونے کے لیے مجبور تھا،

---

[1] شریعت اس طرح کی صوت ضمیر کو «لطفِ خفی» سے تعبیر کرتی ہے، ۱۲

احساسات وجدان، اور تصورات مذہبی اس کے ماخذ تھے یا ایسے فیصلے جنھین عملی اغراض کے واسطے کسی جماعت انسانی نے چند ضابطے اور قاعدے ترتیب دیدیئے تھے، اس طرح کے قواعد کی نوعیت سرتاسر رواجی ہی رواجی تھی، جن کی اغراض عملی پر بنیاد تھی اور قانون خارجی کے تابع تھی، کثرت استعمال نے ان قواعد کو مستند بنایا اور آگے بڑھ کر یہ ضروری اور لازمی ہوگئے، انھین سے رسم و رواج اور عادت کی کونپلین پھوٹین اور ارتقا کی روئیدگی کا قدم آگے بڑھا، یہانتک کہ انھین کی پابندی خوش اخلاقی ٹھہری، اور خلاف ورزی بداخلاقی،

فلسفۂ اخلاق کا کام کیا ہے، رسم و رواج اور عادات کو یکجا کرکے ترتیب دینا، رواج اور ضوابط کی تفتیش وتحقیق کے بعد ان کو پسند یا ناپسند کرنا، اخلاقیات، اخلاقی سرمایہ کو فراہم کرکے اس سے ایسے قاعدے اخذ کرتی ہے کہ جو افعال انسانی کو افراط و تفریط سے بچا سکین، اور یہی اخلاقیات انسان کو اس امر کی تعلیم دیتی ہے کہ اسے اپنی حیات مین کس طرح عمل پیرا ہونا چاہیئے،

تجربۂ عام کی یادداشت دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف انسان کو اپنی مرضی کے مطابق عمل اختیار کرنا چاہیئے، بلکہ اس کے خلاف بسا اوقات اسے اس قسم کے افعال سے جو اس کے لیے انبساط آور ہین احتراز کی ضرورت بھی پیش آتی ہے، اور دوسرون کی خواہش کی متابعت کرنی پڑتی ہے، اس بنا پر انسان مجبور ہے کہ انسان اپنے عزم و ارادہ کا نقشہ ماحول اور اقتضائے حالات کے موافق مرتب کرے، خیر و شر، نیک و بد یہ الفاظ جس طرح پہلے اخلاق کا مرکز تھے اسی طرح اب بھی بدستور سابق اسی حد پر قائم ہین، وقت و مقام، صورت اور حالات ایک ہی فعل کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہین، ایک صورت مین وہی ایک فعل اچھا اور دوسری صورت مین وہی اچھا برا خیال کیا جاتا ہے، کسی وقت و مقام سے ایک فعل محمود اور اس کی تبدیلی سے پھر وہ محمود نہین رہتا بلکہ بالعکس مذموم شمار کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خیر و شر کے تصورات کی تجدید کی ضرورت اخلاقیات کو پیش آتی رہتی ہے، اور اس قسم کے تصورات کا تغیر زمانی کے ساتھ تغیر پذیر ہونا اور ترقی پانا یا ان کے عدم تغیر وغیرہ کی نسبت کافی تحقیق و ثبوت اسے مہیا کرنا پڑتا ہے،

اخلاقیات انسان مین حیاتِ اخلاقی کا نمایان شعور ظاہر کرتی اور وہ تصورات اخلاقی جن کی مروجہ رسم و رواج نے تشکیل دی ہے، ان کی صحت و سقم کے جانچنے اور پرکھنے کے لیے معیار معین کرتی ہے، منتہائے اصول اخلاق کی تفہیم یا قواعد اخلاق کے ترک و اختیار کرنے کا صحیح مشورہ اور انسانی میلانات و افعال کی تنقید اعمال انسانی کی نوعیت کا اظہار اور حیاتِ انسانی پر کردار کی نوعیتِ اثر، عزم انسانی کی رہبری، وجود اشیائے کی دلیل اخلاقی کی سراغرسی اور اس قسم کے اشیار کی قدر و منزلت کی تعیین جنکا انحصار انسان کے ارادہ پر ہے، تشکیل حیاتِ انسانی کی نوعیت اور انضباط افعال انسانی، یہ جملہ فرائض اخلاقیات ہی انجام دیتی ہے اخلاقیات ہی کی تعلیم سے انسان مقصدِ حیات کا تعین کر سکتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کتنے حیات کے اجزا کو کس طرح ترتیب دینا چاہئے اور افعال کے سلسلہ کو کس طرح مسلسل بنایا جائے تاکہ حصولِ مقصد مین کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے،

افلاطون اور خاصکر ارسطو نے حقائقِ اخلاق پر غور و خوض کی ابتدا کی، اس کے یہ معنی نہین کہ ان دونون مین سے کوئی اخلاقیات کا موجد ہوا، نہین اس سے بہت پیشتر ذہن انسانی افعال کی تنقید، خیر و شر اور اخلاقی غیر اخلاقی افعال مین امتیاز کرنے کا خوگر ہو چکا تھا، واقعات و مواد کو یکجا کرکے ان کے اسباب و محرکات کی نوعیت کو عقل بشری نے معلوم کرنے کی کوشش کی، مثلاً قتل و خونریزی، رہزنی، غارتگری، یا افعال کیون اچھے نہین، دروغ گوئی کس لیے مذموم ہے، صداقت و راستی کس بنا پر اچھی ہے،

ذیل کے خیال سے فلسفۂ اخلاق کا یونان مین آغاز ہوا، ایک خیر برتر جلوہ گر ہے جس کے تجسس مین انسان سراسیمہ پڑا پھرتا ہے، اس خیرِ برتر کی حیثیت ذریعہ و آلہ کی سی نہین، یعنی یہ کسی اور شے کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہین، بلکہ اس خیرِ برتر کی حیثیت ایک مہتم بالشان مقصد کی ہے، یہ ایسا مقصد وحید ہے جسے عمل کے ذریعہ سے انسان پا سکتا ہے، اس کے حاصل کرنے کے لیے افعال انسانی کی تنظیم کی ضرورت ہے، یہ خیر مسرت کے نام سے نامزد کیجاتی ہے، جسے کردار انسانی بہ طور ایک اعلیٰ مقصد کے جس کے تمام اغراض و مقاصد تابع ہین

حاصل کرنے کی خواہشمند ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ اور بڑی سے بڑی انفرادی مسرت انتہائی خیر ہے، اسے ماننے کے بعد یونانی فلسفۂ اخلاق نے یہ اہم استفسار پیدا کیا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ انتہائی مسرت کونسی ہے، کیا ہے، اور اسکے حصول کے امکانی ذریعے کیا کیا ہیں، اس کے جوابات مختلف طور پر دئے گئے،

سقراط کہتا ہے کہ بڑی سے بڑی مسرت "علم صداقت" میں مضمر ہے، علم وہ نیکی ہے جو بہ امعان نظر مطالعہ سے کسب کیجاتی ہے، سقراط اس امر کی تعلیم دیتا تھا کہ کوئی شخص جب تک اس کو علم نہ ہو جائز عمل و ناجائز طریقہ کا استعمال عمداً نہیں کرسکتا، اگر ایسا شخص کسی فعل ناروا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا سبب محض عدم علم ہے، کیونکہ وہ اس سے بالکل ناواقف ہے کہ صاف اور سیدھا راستہ کونسا ہے، ذی ہوش و ذی عقل شخص ہی نیک کردار اور مسرت حاصل کرسکتا ہے کیونکہ وہ مقصد علم سے بخوبی آشنا ہے اور حقیقۃً یہ علم ہی اعمال انسانی کا مقصد اعلیٰ اور فضیلت و نیکی کے ہم معنی ہے، مگر فضیلت و عدل، علم و فکر کی شرکت کے بغیر محض تربیت و عادت کی بنا پر حاصل ہوں، تو یہ طریقہ اس بنا پر چنداں محمود نہیں قرار پاسکتا کہ عمل کی سلسلہ جنبانی علم کے بغیر گھٹا ٹوپ تاریکی میں کسی چیز کے ٹٹولنے کے مساوی ہے، اس میں کلام نہیں کہ کبھی اتفاق سے یہ طرز ٹھیک اور سیدھے راستہ پر بھی لگا دیتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ سے تسکین باطن اور طمانیت خاطر نصیب نہیں ہوتی، یہاں پہنچکر تصور خیر کی صحیح تعریف معلوم کرنے کی ضرورت ہے،

افلاطون اور اس کے ہمنوا کہتے ہیں کہ **خیر** وہ ہے جو سرمایۂ مسرت عطا کرتا ہے، اور **عدل** وہ ہے جس کی تحصیل کی انسان میں قوت مخفی و پنہاں ہے، افلاطون کے نزدیک عدل اور خیر رائے سے آزاد اور تصور الٰہیت کے مماثل ہیں، افلاطون نے اپنے نظام اخلاقیات کی بنیاد مابعد الطبیعیات پر رکھی، اسی کی یہ تعلیم ہے کہ فن کردار انفرادی اور اجتماعی حیات انسانی میں اس قسم کی ترتیب و موافقت پیدا کرنے کی سعی پر مشتمل ہے جو اس عالم کے صفات اساسی میں داخل ہیں، اور اس خیر برتر سے تشابہ پیدا کرنا، جس سے روح انسانی اپنی حیات ارضی سے پہلے دولت نظارہ حاصل کرچکی تھی، اس کے حصول کے لیے فضائل چہارگانہ کا اکتساب ضروری

اور لازمی ہے، یعنی:۔

حکمت، عفت، شجاعت، عدالت،

مملکت کی تنظیم و تشکیل سے عدل پایۂ تکمیل پر پہنچتا ہے، ان فضائل چارگانہ مین مقدم الذکر یعنی حکمت اور مؤخر الذکر یعنی عدالت، انھین دو فضیلتون کی بہت زیادہ اہمیت ظاہر کیگئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ سب سے بڑھکر حکمت اور عدل کے مطابق انسان کو عمل پیرا ہونے کی سخت ضرورت ہے، آگسٹے کامٹ کا بیان ہے کہ ارسطا طالیس حقیقت پسند مفکرین کا سرخیل اپنی اخلاقیاتی تحقیق کی ابتدا افلاطون کے اس سوال سے کرتا ہے کہ انسانی زندگی کا اعلیٰ اور انتہائی مقصد و غایت کیا ہے، کونسی انتہاے خیر کے حاصل کرنے کی انسان کو خواہش ہے، اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اعضاء والی ہستیون مین صرف ایک انسان ہی ایسی ممتاز و نمایان ہستی ہے کہ جو احساس و خواہش کے علاوہ عقل بھی رکھتی ہے تنزل اس کا حیوانیت سے ہمدوش ہے، اور اس کی عقل و فہم خداے برتر سے تشابہ رکھتی ہے، حیوانی اور عقلی قوتون کی قربت و اتصال سے انسان اخلاقی ہستی بنجاتا ہے، اس لئے حیوانی و عقلی عنصرون کے اتحاد و باہم ہمآہنگی ہی اخلاق کے نام سے موسوم ہے، محض تخیل کی بستیان بسانے والے پر اخلاق کا اطلاق نہین کیا جاسکتا، بلکہ حقیقی طور پر اس کا مصداق وہ شخص ہوسکتا ہے جو فکر کے ساتھ تدریجاً سراپا عمل ہو، اور خواہشات و ترغیبات سے متاثر ہوتا ہو، اس لیے صراط مستقیم کے اختیار کرنے کے لیے اُسے قوت تمیزی، عقل اور عزم آزاد کو حیز عمل مین لانے کی ضرورت پیش آتی ہے، اخلاقی فضائل عزم و عقل انسانی کی موافقت و اتحاد سے وجود مین آتے ہین، اور انھین مسرت، انتہائی خیر یا مقصد حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے،

سقراط فضیلت کی نسبت کہتا ہے کہ یہ عادت و تربیت کا حاصل نہین بلکہ نتیجۂ عقل ہے، جس کی بنا حکمت عملی اور اخلاقی بصیرت پر قائم ہوتی ہے، مگر ارسطو کی نظر مین مشق و مزاولت، عادت و تربیت، کی ایک خاص اہمیت ہے اور ان کا ہونا ضروری ہے، ارسطو کے نزدیک اخلاقی فضائل مخصوص و معین عادات کے نتائج ہین جو عقل و حکمت کی رہبری کی بدولت رونما ہوتے ہین، سقراط کا خواہش کے مقابلہ مین عقل کو مرجح اور غالب قرار

دنیا، زینو کی تعلیم کا مرکز اور مبدء ہے، سقراط کے اسی خیال سے زینو نے متاثر ہو کر یہ خیال پیدا کیا کہ نیکی مین شان احتیاج نہین، وہ ہر شے سے بے نیاز ہے، ایک دانشمند فقیرون کے سے پھٹے پرانے کپڑون مین مست رہتا ہے، ترکِ مطلب سے بے نیازانہ طور پر نہایت سادہ اور آزاد زندگی بسر کرنے کا خوگر ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ فطرت کی تبدیلی اس کے بس کی بات نہین، اس قسم کا یقین اسے فطرت کی متابعت کی دعوت دیتا ہے اور وہ بطیبِ خاطر فطرت کے سامنے سرِ تسلیم جھکا کر اسی کا متبع بنجاتا ہے، بخلاف ایک سفیہ اور نادان کے کہ وہ اپنی جہالت اور نادانی سے بے سوچے سمجھے بات بات پر فطرت سے لڑتا جھگڑتا اور آخر مین ہار جھک مار کر اور اپنے مین تابِ مقاومت نہ دیکھکر مجبوراً فطرت کے روبرو اپنے ہتھیار ڈالدیتا ہے،

رواقیین کسی چیز سے اثر نہین لیتے، وہ اس بات کے قائل ہین کہ احکامِ فطرت کے مطابق قیام اشیا رہا کرتا ہے۔ اور اسی کو تقدیر کہتے ہین، ابیقورین کا ماحصل تعلیم یہ ہے کہ حیات انسانی کی انتہائی غایت اور مقصد جو بھی ہے وہ صرف مسرت ہی مسرت ہے، اس اکتسابِ مسرت مین عقل معین و مددگار ہوتی ہے اور یونانی فلاسفہ کے مثل اخلاق کو مسرت کے مماثل ماننے مین یہ بھی انھین کے ہمخیال ہین، اور نیز فنِ کردار کی نسبت یہ تسلیم کرنے مین بھی ان کے ہمنوا ہین، کہ اطمینان اور سکون کی نوعیت تحصیل کی تعلیم فنِ کردار سے حاصل ہوتی ہے صحیح طریقہ پر کسی شخص کی غرض و غایت اور دلچسپی معلوم کرنا اس طبقہ کے نزدیک معیار اخلاق بس یہی ہے، لذات کی خواہش پر اور خلافِ فطرت عمل اختیار کرنے پر قربانی اور ایثار منحصر نہین، بلکہ حقیقۃً ایثار اور قربانی یہ دونون کے دونون فکر و غور کے ماحصل اور اسی کے نتائج ہین، ذی فکر ہستی ہونے کے لحاظ سے مستقبل کی آنے والی لذائذ سے بہرہ ور ہونے کے لیے انسان موجودہ لذات سے دستکش ہو سکتا ہے، قیام پذیر، عسیر الفنا، طمانیت و سکون اور لذائذ ذہنی جن سے کارگاہِ حیات کے آلام و مصائب انقلاب کے دہشتناک منظر انسان کی نظر مین ذرا بھی نہین جنچتے، انھین ذہنی لذتون کی ڈھارس سے معرکۂ حیات مین ثابت قدم رہ کر کڑی سی کڑی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کیا کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ان دیرپا ذہنی لذتون کے سامنے سریع الفنا لذتین بالکل بے حقیقت

اور سراسر فریب نظر سے زائد نہین،

خواہشِ لذت کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اُسے عقل کی نگرانی اور اسی کی زیردستی مین رکھا جائے اس بنا پر کہ بعض اوقات بعض لذتون کا سلسلہ الم آفرین فضا کی جانب لیجاتا ہے، عقل کی نگرانی مین اس قسم کی بیراہہ روی کا احتمال باقی نہین رہتا جسم کی صحت، نفس کا سکون، اور اس سے مسرت وانبساط کا پایۂ کمال پر پہنچنا یہ سب باتین اسی طریقے کے برکات اور اسی کے نتائج ہین، مہذب انسان کے لیے منازلِ حیات کا اس طرح قطع کرنا کہ اصول حیات دانش آموزی اور عزت وعدل کی فضیلت سے یکسر خالی ہون قطعاً ناممکن ہے، اسی طرح محض عزت وعدل کی زندگی بسر کرنا جس مین لذت کا شائبہ تک نہ ہو یہ بھی غیر ممکن اور محال، گریزپا اور زوال پذیر اذیت وتکلیف برداشت کرنا دوامی لذائذ سے متمتع ہونے کا انسان کو مستحق بنا دیتا ہے ایسی سکون آفرین اور اطمینان بخش کیفیت جو زندگی کی دشواریون، اذیتون اور تلخیون سے انسان کو بچاتی ہے، ابیقوریین لذت سے یہی مراد لیتے ہین، اس قسم کے احساسات حاشا ان کے مطمح نظر نہین جو گذرنے مین دھوپ چھاؤن سے زیادہ گریزپا ہین،

فلسفہ کی دقیقہ آفرینیان جب روح انسانی کے لیے سرمایۂ طمانیت فراہم کرنے سے عاجز آجاتی ہین تو مذہب تسلّی اور تسکین کا اندوختہ لیے ہوے سامنے آتا ہے، اور فلسفہ کو ہٹاکر اس کی جگہ اپنا کاروبار پھیلا دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ادوارِ پیشین مین قدیم یونانی فلاسفہ کی جگہ عیسائی اولیا کی مسندین بچھی نظر آتی ہین، مسیحیت نے کوچۂ فکر مین جس قسم کی کایاپلٹ کی نوع انسانی کے کارنامون مین وہ ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، اس انقلابِ فکر کے سامنے یونانی نظریون کی کچھ پیری نہ چل سکی، اخلاقیات کا چشمہ ملحدانہ خس وخاشاک سے پاک وصاف کر دیا گیا، اس کو نٹشے نے تجدید قدرت سے تعبیر کیا ہے،

عیسائیت کو نظر غائر سے دیکھنے پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے جو تعلیم دی وہ ایک حد تک یہودیون کی تعلیم کا نشر واحیا تھا، اس سے یہ ہوا کہ مغربی فضا قدیم زمانہ کے نظریات اخلاق سے گونج اٹھی یہودیون کی اخلاقیات کی

عمارت دینیات کے ستونون پر قائم تھی، اور اسکی بنیاد مذہبی رنگ کے اصول پر یہودیت نے آئین و قانون تنظیم الٰہی کا خلاصہ، ماحصل نتیجہ، یا اوامر ایزدی کی تعمیل مفہوم اخلاق کو قرار دیا تھا، اور اسی بنا پر یہ خیال پھیل گیا کہ کردار انسانی کی رہبری کے لیے ربانی وضع کردہ آئین و قواعد کی پیروی لازم و واجب ہے، از روئے اخلاق جس شے پر خیر کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس سے خدائے عز وجل خوش ہوتا ہے، یا آئین خداوندی اور قانون اخلاقی یہ دونون ایسے توام تصورات ہین کہ جنھین باہم جدائی نہین ہو سکتی، خلاق مطلق کی محض نسبت آفرینش ہی کسی شے کی اچھائی کا سبب نہین، بلکہ خود اس شے کا اچھا ہونا ہی اس کی پیدایش و آفرینش کا سبب قوی ہے، چونکہ وہ شے خود اچھی تھی اس لیے وہ پیدا کیگئی، اس لئے کہ ایک عنصر قوی، ایک مرکز زبردست، ایک ہمہ گیر مقصد، ایک عالمگیر مدعا جو بھی ہے وہ صرف اخلاق ہی ہے، جرمن فلسفی ہرمن لوٹزے کا قول ہے کہ عمل اجتماعی اور ردعمل اس سے اقتدار اخلاقی کے شعور مین نمایان بالیدگی ظاہر ہوتی ہے، یہودیت اسی اقتدار کو ایزدی عزم و ارادہ کی صورت مین دیکھنا پسند کرتی ہے، یعنی یہودیون کے مسلک مین یہی اقتدار ربانی ارادہ کی ماہیت مین دکھائی دیتا ہے، اس اقتدار کی متابعت اختیار کرنے کے لیے ربانی الاصل سلطنت کے زیر سایہ بسر کرنیوالی قوم اور افراد قوم کا میلان باطنی اور عمل خارجی ان سب کی ضرورت ہے، اس کے اصول اساسی جن کے واسطے عدل و نکوکاری اختیار کرنا لازمی ہے وہ تین ہین محبت الٰہی، محبت مخلوق باری، اطاعت اوامر ایزدی، حیات انسانی کی غایت اصلی اور مقصد انتہائی کیا ہے؟ ذات انسان کا درجۂ کمال پر فائز ہونا اور اس ا... ب تکمیل کا سامان کیا ہے؟ فطری قوتون کا استعمال صحیح، جس کا مآل مسرت سے ہم آغوشی ہے، یونانی اخلاقیات کی تعلیم کا ماحصل اور خلاصہ یہی ہے جو نظر سے گذرا، لیکن مسیحی اخلاقیات نے خواہشات فطری و جسم کو پست و فروتر قرار دیکر ان دونون پر روح کی فرمانروائی قائم کی اور اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواہشات فطری اور جسم پر روح کو غالب رکھنے کی دُھن مین حیات فطری اور اس کے اغراض و مقاصد سے طبیعتین بیزار ہونے لگین، عزلت گزینی اور خواہشون کے ترک کرنے کی نسبت میلان و رجحان نے قدم بڑھایا، تجرد، رہبانیت،

مرتاضیت کے اعتکاف کی طرف لوگ جھک پڑے اور یہان سے لیکر وہان تک حیاتِ غیر فطری سبھون کا نصب العین بنکر رہ گئی، اکتسابِ روحانیت کے جوش وخروش سے عبادتگاہون کے خلوتکدے ہروقت معمور رہنے لگے، اور اس ہروقت کی ریاضت نے آگے بڑھ کر ایک یہ نئی اپج پیدا کی کہ طبعًا انسان معصیت مین گرفتار ہے، اسکی ذاتی جدوجہد انتہائی خیر کی بلندی تک اسے نہین پہنچا سکتی، آلودۂ معاصی انسان کے منہ پر اسکی بالطبع معصیت کی وجہ سے ابوابِ نجات بالکل مسدود ہین، لیکن عطیۂ نجات محض رحمتِ باری ہی اُسے مرحمت کر سکتی ہے، یا کبھی اتفاق سے اسی عطاے جزیل کو کلیسا کا اقتدارِ روحانیت بھی عنایت کرتا ہے، اسی قسم کے خیال نے عیسائیت کی تعلیم اصلی اور اس کے نظریات کو پایۂ اعتبار سے گرایا اور لطف یہ کہ گھر والے ہی اس کی تضحیک وتشہیر کے باعث ہوئے، موجودہ عیسائیت اور یہودیت فکر وعمل مین حسن اخلاقی کے نشوونما سے غافل اور رسومِ ظاہری کی بندشون مین پھنسی ہوئی ہے،

خسرو باغ الہ آباد

از مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی، مؤلف "حیات جلیل"، الہ آباد

تعارف

مغلوں کے زمانہ میں بادشاہزادے، عموماً سلطان کہلاتے تھے اسی لیے شاہزادہ خسرو بھی "سلطان خسرو" کہلاتا ہے، وہ شہنشاہ جہانگیر کا بڑا بیٹا، جے پور امبیر کی راج دولاری راجکماری رانی مان بائی مخاطب بہ شاہ بیگم کے بطن سے تھا، اکبر اعظم کے سے نامور دادا کے سایۂ شفقت میں پرورش و تربیت پائی، دربار شاہی میں مرزا راجہ مان سنگھ اس کا ماموں اور خان اعظم مرزا کوکلتاش اس کا خسرو دو زبردست حامی و معاون موجود تھے، جہانگیر کو محروم کرکے خسرو کو تاج و تخت دلانے کا ولولہ دونوں کے دلوں میں موجزن تھا، یہ تو اکبر کو بھی کبھی کبھی ماننا پڑا تھا کہ باپ سے زیادہ بیٹا فرمانروائی کی استعداد و قابلیت رکھتا ہے، اس کے فیصلۂ قطعی اور اعلان کے موقعے بارہا پیش آئے اور ٹلتے رہے، بالآخر تقدیر الٰہی نے کارفرمائی کی، جب وقت آیا تو جہانگیر آگرہ میں تخت پر بیٹھا، اس نے شاہزادہ اور اس کے واسطہ داروں کی اسم ... ودلداری اور عزت افزائی میں حتی الوسع دریغ نہیں کیا، مگر جو ہونا تھا ہو کر رہا، خسرو اپنے بندی خانہ یعنی قلعۂ آگرہ کے شاہ برج سے بھاگا، بغاوت کی، بادشاہی فوجوں نے تعاقب کیا، لاہور پہنچکر مقابلہ ہوا، بیٹے نے شکست کھائی، گرفتار ہوا، مدۃ العمر قید و بند میں رہا، کبھی پدری شفقت کا دریا موجزن ہو جاتا، کبھی سیاست کا جذبہ غالب آتا، انھیں شدائد و مصائب میں وہ اپنی زندگی قید و بند میں گذارتا رہا، چھوٹے بھائی شاہجہان کی تمام تدبیریں اور سازشیں خسرو کو پامال کرنے

اور راستہ سے ہٹا کر تخت پر پہنچ ... نے کی کارگرو کامیاب نظر آنے لگین، خورم مہم دکن پر بھیجا گیا، خون کے جوش اور مہر و محبت کے دعوی اور دردرسی و پرداخت کے حیلے سے بڑے بھائی کو ساتھ لیکر چلا، خسرو کا انجام سب کے پیش نظر تھا، محلات شاہی اور بیگمات مین کہرام برپا ہوا، امرائے دربار و ارکان سلطنت حزین و غمگین خاموش کھڑے تھے، سرمست جہانگیر کی صرف آنکھین نہین، کان بھی نہ تھے، بےبس و بیکس اسیر قفس خسرو، دکن مین اپنے صاحب تقدیر باتدبیر، قوت باز و شاہجہان کے حکم و اشارہ سے ہلاک کر دیا گیا، زمانہ ساز و زمانہ شناس مورخ تو لنج کا درد اور قضائے الٰہی کی مشیت بتاتے ہین، ممالک غیر کے سیاح کچھ اور لکھتے ہین ... جو کچھ تحقیق ہو ... تذکرۂ خسرو مین مفصل حوالہ قلم کر دیا ہے، نعش برہان پور (دکن) مین سپرد خاک کر دیگئی، چھ مہینہ بعد جہانگیر کے حکم سے نکالی گئی، نتیجہ تحقیقات کے بارہ مین سب خاموش ہین، الزامات و شبہات ثابت ہوے یا رفع کر دئے گئے؟ دیکھ بھال کی گئی، جراحی اور تشریح اعضا بھی عمل مین آئی ہوگی، پھر براہ آگرہ جنازہ الہ آباد بھیج دیا گیا، فرسودہ و بوسیدہ ہڈیون نے ماں (شاہ بیگم) کی آغوش محبت یا قبر کے قریب جگہ پائی، خسرو باغ آج انھین دونون کی بدولت آباد ہے اور مظلوم شاہزادہ کا نام روشن کر رہا ہے

مرحوم دل بھی کیا تھا، کیا حسرتین تھین اس مین
اب تک کچھ اس کی باتین میری زبان پر ہین،

"مقبول"

بیابان محبت، دشت غربت بھی، وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی، آشیانہ بھی، چمن بھی ہے،

اس کرۂ آب و گل کے جس زندان خانہ مین شاہزادۂ خسرو کا پیکر خاکی اس وقت محفوظ ہے، وہ اکبر کے مشہور و بےنظیر قلعہ سے ایک کوس پچھم واقع ہے، شہر الہ آباد مین آبادی سے بعض سمت ملا ہوا، اور بعض سمت جدا، ایک نہایت وسیع و پرفضا فرحت افزا باغ ہے، جس کو جاننے والے "خسرو باغ" کے نام سے جانتے اور

پکارتے ہین، وجہ تسمیہ کسی اہل قلم نے نہین لکھی، خواہ اس وجہ سے کہلاتا ہو کہ خسرو کی ماں وہان دفن ہوئی یا خسرو نے اپنی غمناک واندوہگین زندگی کے کچھ دن کبھی یہان کاٹے تھے، یا اس سبب سے کہ سواتین سو برس سے یہ باغ خسرو کی دائمی خوابگاہ ہے،

پینتالیس[1] سال ہوئے جب مین اس باغ کو پہلے پہل دیکھنے گیا تھا، اس کے متعلق تاریخی سرمایہ فراہم کرنا چاہا تو ان پیران گمراہ سے بھی، جو رہنما یا گائڈ کہلاتے ہین معلومات حاصل کرنا چاہے، ارشاد ہوا کہ یہ جگہ بہت پرانی ہے، پراچین زمانہ کی، پہلے یہان پراگ جی مہاراج کا مندر تھا، جنھون نے یہ شہر بسایا ہے، ایک طالب علم کی تشفی وطمانیت کسی کتابی سند کے بغیر دشوار تھی، اس لیے ورق گردانی شروع ہوئی، مطالعہ وتحقیق کے دوران مین جنرل کننگھم کی رپورٹ محکمۂ آثار قدیمہ[1] سے پتہ چلا کہ پراگ دراصل ایک برہمن کا نام تھا، جو اکبر بادشاہ کے عہد مین گذرا ہے، وہ ایک بے حقیقت وکم مایہ شخص تھا، اس کی یا اس کے نام کی شہرت کا راز صرف اس قصہ مین مرکوز ومذکور ہے کہ جب اکبر کے حکم سے قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی تو سمت دریا کی دیوارین بار بار بنائی جاتی، اور گرجاتی تھین، عملاً تعمیرات کی کوششین بے کار ثابت ہوئین، تو بعض واقف کار و دانشمند لوگون کے مشورہ و صوابدید سے بادشاہ کو اطلاع کی گئی کہ جب تک بنیاد مین کسی انسان کا خون بھرا نہ جائیگا، بنیادین قائم نہین رہ سکتین، چنانچہ اعلان عام کیا گیا، اور ایک برہمن جس کا نام پریاگ تھا، بخوشی خاطر از خود سامنے آیا، اور اپنی جان اس شرط پر نذر کی کہ قلعہ کا نام اس کے نام پر رکھا جائے،

سر ہنری ایلیٹ کی بحث وتحقیق جو الہ آباد کی قدامت کے متعلق ان کی کتاب سپلی منٹل گلاسری مین مندرج ہے[2]، مندرکے اس واقعہ کی تردید کرتی ہی،

انگلستان کا مشہور جوہری اور جہاندیدہ سیاح ٹیورنیر جو دسمبر ۱۶۶۵ء مین الہ آباد آیا تھا[3]، اور یہانکی بہت

---

[1] محکمۂ آرکیالوجی کی رپورٹ بابتہ ۶۳-۱۸۶۲ء حصہ اول، صفحہ ۳۰۰۔ وڈسٹرکٹ گزیٹر الہ اباد، مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۶۱ (جلد ہشتم)۔

[2] صفحہ ۲۶۹ [3] بحوالہ سیاحت نامہ وتذکرہ سی مین، حصہ دوم، صفحہ ۲۲۵،

سی باتین، اچھی بری کہہ گیا ہے، اس بارہ مین کیون خاموش ہے :

اس قسم کی زبانی روایات کی لغویت کا ثبوت ایک اور ملتا ہے،

سر ولیم سلی مین نے ایک موقع پر دعوی کیا تھا کہ "اس ملک مین مسلمانون نے جیسے ہی قدم رکھا اور اپنے وسیع فتوحات کا دائرہ پھیلایا تو ہندوؤن کے شہر ویران اور اوجڑ ہونے لگے" مگر اس کا شافی جواب خود انھین کی کتاب کے مرتب اور مصحح ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے اسی جگہ دیدیا، وہ اپنے نوٹ مین لکھتے ہین کہ "یہ بیان بہت زیادہ عمومیت رکھتا ہے، بنارس، الہ آباد (پریاگ) اور بہت سے اور بڑے بڑے قصبے اور اہم شہر ہندوؤن کے تو کبھی ویران نہین ہوئے، باوجود تمام انقلابات کے آباد و بارونق قائم رہے ہین، یہ صحیح اسی قدر ہوگا کہ خاص خاص مندر اکثر مقامات پر ضائع یا خراب کر دیئے گئے اور زیادہ تر مسجد بنا دیئے گئے،

اس جگہ مندر یا کسی پرانی عمارت کا کوئی نشان پایا نہین جاتا، بخلاف اس کے یہ واقعہ پیش نظر آجاتا ہو کہ یہ عہد تو اکبر کا تھا جس نے مسٹر نویل اور ان کے گزٹیر (سلسلۂ جدید ۱۹۱۱ء) کی روایت کے بموجب "الہ آباد کے پرانے مندرون کو بھی قائم رکھا، کوئی دست اندازی نہین کی" اور قلعہ بھی تعمیر ہوگیا، اس سے بڑھکر کوئی نمایان اور قابلِ تقلید مثال اس نیک نفس بادشاہ کی مذہبی رواداری اور اعتدال پسندی کی کیا ہو سکتی ہو:

ڈاکٹر فوہرر کی روایت سے بھی اس کی کچھ اصلیت پائی نہین جاتی، وہ لکھتے ہین کہ "اکبر نے یہان قلعہ بنایا یا شہر بسایا، الہ آباس نام رکھا، جو بعد کو الہ آباد ہوگیا، ورنہ پریاگ پرانا نام اور پرانا مقام ہے، مشہور چینی سیاح ہیوین تسانگ جو ساتوین صدی مین آیا تھا یہی نام لکھتا ہو، جو گمان غالب اشوک کے وقت سے چلا آتا ہو"

ا؎ ریمبلس اینڈ ری کلکشنس جلد دوم ص ۱۰۲ ؎ نوٹ ذیل صفحہ بالا ؎ صفحہ ۱۴۱ ؎ ممالک مغربی و شمالی اودھ کے صنادید قدیمہ نامی کتاب صفحہ ۱۳۱ ؎ اس نامور شخص کی سیاحت ۶۲۹ء مین شروع ہوئی تھی، اس نے ہمارے ملک کی ہر چیز کو غور و احتیاط سے دیکھا ہو، اور اس زمانہ کے زاویۂ نظر اور نقطۂ نگاہ کے مطابق ضروری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، فاضل مورخ الفنسٹن نے اپنی تاریخ کے ضمیمہ و جلد چہارم مین اسکے مفصل حالات تحریر کئے ہین، نیز اور اہل قلم نے پرانے ڈسٹرکٹ گزیٹر کا صفحہ ۱۴۳ بھی ملاحظہ ہو، ؎ ہندوستان کا مشہور منتظم فرمانروا اشوک جناب مسیح سے دو سو چالیس سال پیشتر گذرا ہی، اسکا ہمعصر انطیاکیس تھا (ص ۱۴۳ مذکور)

مسٹر سی ڈی اسٹیل پرانے ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں تحریر کرتے ہیں[۱] کہ "الہ آباد کا موجودہ نام اکبر نے رکھا تھا، اُس وقت تک اس کا نام پریاگ چلا آتا تھا، یہ نام اغلباً پورو نے رکھا تھا جو بودھ کی نسل سے چھٹویں پیڑھی میں تھا، مشہور ہو کہ اسی نے پرانے شہر کی بنیاد حضرت عیسیٰ سے اکیس[۲۱] صدی پیشتر ڈالی تھی"،

باایں ہمہ مسٹر ولسن کو اختلاف ہو، اپنی کتاب "ہندوستان" میں فرماتے ہیں[۲] کہ "جب تک اکبر نے اسکو شہر نہیں بنایا الہ آباد یا پریاگ کوئی شہر نہ تھا"، موصوف کا خیال شاید اکبرنامہ کی طرف نہیں گیا، جس سے "قصبہ پیاگ" کی موجودگی ثابت ہوتی ہو،

کچھ دن ہوئے ایک ممتاز دانش آموز نے الہ آباد اور الہ باس کی بحث ایک کثیر الاشاعت مقامی اخبار[۳] میں چھیڑی تھی، اور اپنی نازک خیالی اور بلند نظری کے ساتھ اس کو بڑھانا چاہا تھا، لیکن جہاں تک مجھے علم ہے، اہل علم نے اعتنا نہیں فرمایا اور ساکت رہے، میں بھی اس کو ترد بیجا سمجھتا ہوں،

یہ قصہ آج کا نہیں، بہت پرانا ہے، خلاصۃ التواریخ[۴] میں مرقوم ہے کہ اکبر نے قلعہ تعمیر کرایا، الہ باس نام رکھا، شاہجہان نے الہ آباد کر دیا، مسٹر بیل اکبرنامہ شیخ ابو الفضل کے حوالہ سے مفتاح التواریخ میں راوی ہیں کہ یہ شہر الہ آباد آباد ہو گیا تو الہ باس[۵] نام رکھا گیا، دوسرے موقع پر نقل کرتے ہیں[۶] کہ نام الہ باس رکھا گیا تھا، شاہجہان کے عہد میں الہ آباد مشہور ہوا، غالباً ان کی سند خلاصۃ التواریخ کی تحریر ہے،

شمس العلماء آزاد دہلوی دربار اکبری میں فرماتے ہیں کہ "خلاصۃ التواریخ کا لکھنے والا ہندو ہو، (صفحہ ۵۱۹)" پھر لکھتے ہیں کہ "بٹالوی صاحب خلاصۃ التواریخ نے ملک پنجاب میں بیٹھکر کتاب لکھی، اور شاہجہان اور عالمگیر کا زمانہ پایا، (صفحہ ۵۲۰)" یہ اکبر کی جدت پرستی اور ہندو پسندی تھی کہ منشیان دفتر الہ آباد کو بھی الہ باس لکھتے تھے، (صفحہ ۸) وہ اس سے پیشتر بھی لکھ چکے تھے[۷] کہ "۲۰ سنہ جلوس میں عمارت کا کام ختم ہوا تھا، پھر وہ الہ آباد سے الہ باس ہو گیا"۔

---

۱ مطبوعہ ۱۸۸۴ء جلد ہشتم صفحہ ۱۷۱، ۲ تعمیر اول صفحہ ۲۰۷، ۳ اخبار لیڈر مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء، ۴ قلمی موجودہ کتبخانہ مولوی حکیم سید مظفر احمد مرحوم، واقع قصبہ صمدن پور ضلع فرخ آباد، صفحہ ۲۴۴، ۵ صفحات ۱۹۶ و ۱۹۷، ۶ صفحہ ۱۹۷، ۷ دربار اکبری صفحات ۱۲۲ - ۱۲۳،

آپ نے لالہ سجان رائے بھنڈاری "منشی المناشی" سرکاری کے قول پر اعتماد کریں، نہ جناب آزاد کے کہنے پر، بلکہ خود اکبر اور اس کے ارکان حکومت اور مقربین عالی منزلت کے طریق عمل پر نظر ڈالیں، جب یہاں قلعہ بنا اور شاہزادوں اور امرائے دولت کے لئے محلات و قصور تعمیر ہوئے، تو ٹکسال بھی قائم ہوئی، اسی ٹکسال سے اکبر کے الہ آباد نام رکھنے کا ثبوت ملتا ہے، جس کے سکوں پر شریف سرمدی کا یہ شعر منقول ہو کر منقوش ہوا تھا،[1]

ہمیشہ چون زرخورشید و ماہ روشن باد — بہ شرق و غرب جہان سکۂ الہ آباد

واضح رہے کہ آئین اکبری میں پرانا پرگنہ "الہ باس باحویلی" مندرج ہے، باوجودیکہ کڑے کی اہمیت اس وقت تک باقی اور نمایاں تھی، اور حویلی کڑا و بلدۂ کڑا "آئین اکبری میں موجود ہے،

قرینہ ہے کہ اس کے بعد الہ آباد سے الہ باس ہوا ہوگا، کیونکہ اقبال نامۂ جہانگیری میں بالعموم الہ باس ملتا ہے،[2] اور تزک جہانگیری میں الہ باس اور الہ آباد دونوں،[3] منشی سجان رائے نے باوجودیکہ شاہجہانی فرمان اور دربار اور خود اتبادلہ نام سے آگاہ تھے، اپنی تاریخ میں بالالتزام ہر جگہ الہ باس لکھا، اور بدنصیب و بدنام اورنگزیب نے مواخذہ و تعرض بھی نہیں فرمایا،

باوجود سعی مفرط و توجہ بلیغ، پروفیسر کونسل کشور "الہ باس" کے صحیح اور واقعی معنی معلوم کرنے، اور اس (شاید سنسکرت نژاد) "الا" کے ماخذ و اصل کی تحقیق سے قاصر رہے، وہ اس کو ایک چیستان مان کر اہل ذوق و تلاش کو صلائے کرم دیتے ہیں، "اس دعوت خاص میں مقبول بے نوا ہی ممدوح کا ہم آہنگ و ہم نوا ہے" ان کے نزدیک یہ اُس "الا" کی طرف بھی منسوب ہو سکتا ہے جس کا تذکرہ "پرانوں" میں ہے، اور جو بنی آدم کا ابو الآباء تھا، یا یوں کہئے کہ حقیقۃً اس کی فطرت و جنسیت مشتبہ ہے، کیونکہ بعض اس کو ام الامہات بھی کہتے اور بتاتے ہیں، نیز گنگا کے ایک تیرتھ کا نام "ایل" ہے، قیاس پہنچا ہے کہ اسی "ایل" کے مشتقات کو معنی

[1] دربار اکبری، صفحات ۱۲۲ و ۱۲۳، [2] صفحات ۱۷۰ و ۱۷۲، ۲۳۵، [3] الہ باس، صفحات ۳۲۶ و ۳۲۸ و ۳۳۱ و الہ آباد، صفحات ۲۷۳ و ۲۸۰،

سے "الاہے، نکتہ نواز و دقیقہ رس پارگیٹر صاحب اسی "ایل تے آریا" کو ماخوذ اور اس جہت سے اگر تمام نوع بشری کا نہین، تو از کم کل اصناف و اقوام آریا" کا مہد و گہوارہ الہ آباد کو سمجھتے ہین،

مجھے تسلیم ہے کہ آسان طلبی و سہل انگاری کے موجودہ دور مین الہ آباد کو الہ باس بنانے کی تحریک محض بے سود ثابت ہو گی، اس لئے ایسی چھوٹی چھوٹی باتون کے چھیڑنے سے جو جماعتی اختلافات اور تلخیون کو بڑھائین، احتراز لازم ہے،

کہنا پڑا ایسے پئے الزام پسند گو، وہ ماجرا جو قابلِ شرح و بیان نہین

کسی تاریخ سے یہ بھی پتہ نہین چلتا ہو کہ باغ کب نصب ہوا تھا، کس نے نصب کیا تھا، ابتداءً نام کیا رکھا گیا تھا، البتہ یہ مشہور و زبان زد عام ہے کہ باغ بہت پرانا ہو جسکی پیدایش (لغوی معنی مین) اکبر کے قلعہ کے ساتھ ہوئی تھی، اور اکثر مورخ اس بارہ مین متفق ہین، کہ قلعہ کی بنیاد[۱] اکبر کے اکیسوین سال جلوس (۹۸۱ھ) یا حسب روایت ڈسٹرکٹ گزیٹر ۱۵۷۵ء مین پڑی تھی، اوراقِ تاریخ اس باغ کو اہم بتاتے ا:ر امتیاز خاص دیتے ہین، کبھی یہ ایک سادی سی جگہ فرحت و سیر کی تھی، اس کی زمین، اس کے چمنون اور روشون نے اس وقت بھی اکبر کے قدم چومے تھے، اس کے پھولون اور غنچون نے اس عظیم الشان شہنشاہ کے دماغ کو معطر کیا تھا، شاہزادہ دانیال جب الہ آباد کا گورنر[۲] تھا تو یہان اکبر لطف اندوز ہوتا تھا جہانگیر اس کے درختون کے سایہ مین تکان دور کرتا تھا، تعب سیر و شکار کے بعد آرام و راحت پاتا تھا، وہ مدت تک[۳] یہان رہا تھا، سلطنت کی ضرورتون یا اپنی ہنگامی شوریدہ سری کے تقاضے سے کبھی باہر بھی جانا چاہتا تو یہان کی دلچسپیان عنان گیر ہوتین، جلد کھینچ کر واپس لے آتین، جہانگیر کو منانے اور سمجھانے

---

[۱] منتخب اللباب حصہ اول، صفحہ ۲۳۶ و ڈسٹرکٹ گزیٹر ۱۸۸۴ء صفحہ ۷۰، و دربار اکبری صفحہ ۱۲۲، و مفتاح التواریخ صفحہ ۱۹۶، [۲] منتخب اللباب حصہ اول، صفحہ ۲۲۴ و ایاق مغل، صفحہ ۱۱۴۰ و گزیٹر ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۶۹،

[۳] گزیٹر مذکور صفحہ ۱۶۹،

کے لئے جب اس کی والدہ یعنی، مہد مقدس سلیمہ[۱] سلطان بیگم الہ آباد آئی تھی تو جہانگیر نے دو[۲] منزل بڑھکر استقبال کیا، اور ملکۂ عالم و عالمیان کو یہاں اتارا تھا، تاریخ کا ایک اندوہگین واقعہ بھی اسی مقام سے وابستہ ہے، اکبر کے دانشمند اور یہ ہر فن کامل و ماہر مشیر شیخ ابو الفضل علامی کا سر کاٹ کر راجہ نر سنگ دیو (یا انگریزوں کی متفقہ تحقیق سے بیر سنگھ دیو) بوندیلہ نے جہانگیر کے حضور میں الہ آباد[۳] بھیجا تھا، تو اسی جگہ پیش کیا گیا تھا،

زمانہ حال کا ایک ممتاز انگریز مولف (جس کا نام میں ادباً و احتراماً لینا نہیں چاہتا) خسرو باغ کو ایک اور شرف دینا چاہتا اور لکھتا ہے، کہ "جب جہانگیر ۱۵۸۸ء کے قریب الہ آباد کا گورنر تھا، تو اس کا بیٹا جو تخت نشین ہو کر شاہجہان ہوا، نیز اس کا بڑا بھائی "خوش رو" نام وہیں پیدا ہوئے تھے، اسی دوسرے نام یعنی "خوش رو" سے "خسرو باغ منسوب ہے" یہ صاحب اپنے ماخذ اور ذریعۂ معلومات کا حوالہ نہیں دیتے، خسرو کو خوش رو قرار دینا اور اپنے اہل زبان کو اس کے معنی "فیر فیس" (اچھے چہرے والے) بتانا ذہانت و نکتہ آفرینی کی ایک عجیب و نازک اختراع ہی، بہت ممکن ہے کہ ان کو ملا غیاث الدین رام پوری کی تحقیقات و موشگافی سے یہ خیال پیدا ہوا ہو، جنھوں نے اس لفظ کے متعلق غیاث اللغات[۴] میں اچھی خاصی بحث کی ہے، اور مولف بہار عجم اور ان کے استاد کے حوالہ سے یہ خوشگوار فیصلہ کیا ہو کہ صحیح لفظ خسرو ہے، زیر کے ساتھ نہ کہ پیش سے، اور یہ خُسرو کا معرب ہے

---

۱ سلیمہ سلطان بیگم، مرزا نور الدین محمد سے گلرخ بیگم کی بیٹی، بابر کی نواسی تھی یعنی ہمایوں کی بھانجی اور اکبر کی پھوپھی زاد بہن، ہمایوں نے اس کی نسبت بیرم خان، خانخانان سے ٹھہرا دی تھی، شادی کی تقریب ۹۶۴ھ (۱۵۵۷ء) میں اکبر کے ہاتھوں انجام پائی، بیرم خان کے مرنے پر ۹۶۸ھ (۱۵۶۱ء) میں خود اکبر نے اس سے نکاح کر لیا، شاہزادہ خانم ایک بیٹی اور سلطان مراد ایک بیٹا اس کے بطن سے تھے، بڑی خوش سلیقہ، خوش بیان، شیریں کلام، حاضر جواب، اہل علم و ہنر کی قدر نواز تھی، شعر و سخن سے بھی بہرہ کامل رکھتی تھی، عہد جہانگیری میں ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۲ء) میں اس دار فانی سے رخصت ہوئی، باپ خواجگان کا شتر سے ایک خاندانی شخص تھا، نیز مآثر الامرا صفحہ ۱۳۔ ۲ ملاحظہ ہو منتخب اللباب حصہ اول ص ۲۲۳ ۳ سیر المتاخرین ج ۱ ص ۲۰۰، ۱۵ امرائے ہنود ص ۹۴۴، و دیباچہ تزک جہانگیری صفحہ ۱۰، ۴ فصل خائے معجمہ مع سین مہملہ،

جس کے معنی خوبرو ہیں، بہرحال میں موصوف کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ خسرو کوئی بناوٹی کیا ہوا لفظ نہیں ہے، اس کی نسبت ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ نے سر ولیم سلی مین کے سیاحت نامہ میں لکھا اور اس کا یونانی املا گریک فارم (CHOSROES) بتایا ہے[1]،

رہا خسرو باغ الہ آباد شاہجہان کی ولادت، اس بارہ میں اسی قدر لکھ دینا کافی ہو کہ شاہجہان کے مقرب اور درباری مورخ عبد الحمید لاہوری نے اس کے زائچہ کی نقل وصراحت کے ساتھ یہ اضافہ کیا ہے کہ شاہجہان دار السلطنت لاہور میں پیدا ہوا تھا[2]، مسٹر بیل بھی اس کی تائید کرتے ہیں[3]، شاہزادہ خسرو کے مفصل تذکرہ میں گذارش کر چکا ہوں کہ خسرو کے مولد ہونے کا فخر بھی لاہور[4] کو حاصل ہے، الہ آباد اس شرف سے محروم ہے،

ڈسٹرکٹ گزیٹر کی یہ روایت[5] کہ "زمانہ قیام و سکونت الہ آباد میں یہ باغ جہانگیر کا نزہت گاہ تھا" واقعات و تحریرات سے صحیح معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا دوسرا جزو کہ "جہانگیر کے بعد اس کے باغی بیٹے خسرو کو دیدیا گیا تھا" ماننے کے قابل نہیں، اس داد و دہش کی تائید نہ تاریخ کے صفحات سے ہوتی ہے، نہ قرائن و قیاسات سے، اکبر کے جیتے جی خسرو اس کے پاس آگرہ میں رہتا تھا، اس کے تمام معاون اور حامی امرا موقع مناسب کے انتظار میں تھے، وہاں گھیرے رہتے تھے، جہانگیر کے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی خسرو نظر بند کر لیا گیا، شاہ برج میں مقید تھا، چھ مہینہ بعد بھاگا، لڑا، پکڑا گیا، اور پھر زندگی بھر اس کو رستگاری و مخلصی نصیب نہیں ہوئی،

یہ مختصر سی ہے میری سوانح عمری ہمیشہ وقفِ ستم ہائے روزگار رہا

مسٹر فرینو اپنی دلچسپ و عالمانہ کتاب "گلمپسز آف انڈیا" میں لکھتے ہیں[6] کہ "شاہزادہ سلیم جو اکبر کا بیٹا تھا، اور بعد کو مشہور شہنشاہ جہانگیر ہو گیا تھا، وہ بھی اپنا وقت یہاں (خسرو باغ میں) صرف کرنے

---

[1] ریمبلس اینڈ ری کلکشنس، جلد اول، صفحہ ۱۲۶ تعلیق تحتی، [2] بادشاہ نامہ جلد اول، دور اول، صفحہ ۶۱ نیز ابو الفضل، [3] اورینٹل بیاگرفیکل ڈکشنری صفحات ۳۵، ۲۰۴، ۲۰۵، [4] نیز مفتاح التواریخ صفحہ ۲۲۳، [5] سلسلہ قدیم ۱۸۸۴ء صفحہ ۵۰ سلسلہ جدید ۱۹۱۱ء جلد ہفتم، صفحہ ۲۰۲، و ڈاکٹر فوہرر کی تاریخ یادگار ہائے قدیمہ جلد دوم ص ۳۰، [6] مطبوعہ فلیڈلفیا (امریکا) ۱۸۹۵ء ص ۳۲۰۔

کا شوقین تھا"

شاہ عالم کا قیام[1] بلکہ سکونت الہ آباد مین ۱۷۷۱ء تک رہی تو وہ بھی خسرو باغ کا دلدادہ اور حاضر باش تھا"

مرزا جہانگیر جو اکبر شاہ ثانی، بادشاہ دہلی کا بڑا بیٹا، اور ولی عہد سلطنت تھا جس نے ۱۸۰۹ء مین مسٹر سین ریزیڈنٹ متعین دہلی پر تپانچہ (پستول) کا فائر کیا تھا، اور اسیر سلطانی کی حیثیت سے الہ آباد بھیج دیا گیا تھا، یہان خسرو باغ مین کئی سال رہا تھا، اس نے اکتیس سال کی عمر مین ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۱ء) مین وفات پائی، شاہزادہ کے سالہائے عمر کے شمار سے، دفن کے وقت، قلعہ الہ آباد کی فصیل سے اکتیس ضرب توپ کی ماتمی شلک سر کی گئی، وہ اسی باغ مین سپرد خاک کیا گیا، مگر بعد کو معمر بادشاہ کی خواہش اور اصرار پر ۱۸۳۲ء مین لاش نکال کر دہلی منتقل کر دی گئی، اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار کے صحن مین دفن ہوئی[2]

نکالی جا رہی ہین ہڈیان کچھ قید خانے سے ہوئی ہے ختم میعاد آج پابند سلاسل کی

سر ولیم سلی مین نے ۱۸۱۶ء مین شاہزادہ کو یہان دیکھا تھا، وہ مسٹر ہیل کی طرح اس کو ولی عہد اور اکبر دوم کا فرزند اکبر (اول) نہین بتاتے، لیکن اپنے سیاحت نامہ و تذکرہ مین لکھتے ہین[3] کہ "یہ شاہزادہ الہ آباد مین اسیر و حبس کی حالت مین نہ تھا، صرف دہلی واپس جانے کی ممانعت تھی، اس کا مکان شاندار تھا، آمدنی معقول تھی اور اس کے مرتبہ و شان کے حسب حال تمام اعزاز برقرار تھے"۔

(باقی باقی)

[1] گزیٹر سابق، صفحہ ۱۴۶، و حال صفحہ ۱۸۲، [2] ایضاً [3] اور نیل بیاگرفی کل ڈکشنری، صفحہ ۱۲۸، [4] ... [5] جلد دوم صفحہ ۱۶۷،

بہمنی عہدِ حکومت کا ایک دکھنی شاعر

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی مولف یورپ مین دکھنی مخطوطات

اب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ بہمنی دور (۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ) مین دکن مین اردو یا دکھنی کا رواج تھا، اور نہ صرف عام طور سے بول چال اور کام کاج مین اس کا استعمال تھا بلکہ اوس نے تحریری مدارج بھی طے کر لئے تھے، چنانچہ اوسکی نثر کے کئی نمونے دستیاب ہوئے ہین جنہین سے خواجہ بندہ نواز متوفی ۸۲۵ھ کے تصانیف اور ان کے شاگرد سید محمد عبد اللہ حسینی کا رسالہ نشاط العشق کا ترجمہ مشہور ہی،

لیکن اس عہد کی نظم کے صحیح نمونے ہنوز دستیاب نہین ہوئے تھے، نظم کا جو صحیح نمونہ ملا ہے، وہ ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ھ تا ۹۸۹ھ) کے دور کے شاعر **وجہی** کا کلام ہے جس نے سلطان عبد اللہ قطب شاہ متوفی ۱۰۸۳ھ کے دور مین انتقال کیا تھا،

آج ہم ایک ایسے شاعر کا تعارف کراتے ہین، اور اوس کے کلام سے ناظرین کو روشناس کراتے ہین، جو عہدِ بہمنی سے تعلق رکھتا ہے! اوس کا تخلص نظامی ہی، اوسکی ایک نامکمل مثنوی ہمارے دوست مولوی لطیف الدین[1] ادریسی صاحب کے پاس ہے جنھون نے ہم کو مطالعہ کیلئے مستعار دی ہے، اور ان کی اجازت سے اوس کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔

[1] موصوف مدرسۂ دار العلوم مین ہمارے ہم جماعت تھے، کتاب شناسی مین خوب مہارت رکھتے ہین، قدیم اور نایاب قلمی ذخیرہ فراہم کرکے فروخت کرتے ہین، حیدر آباد ہی مین سکونت ہے،

مثنوی ناقص ہے، درمیانی اور آخری حصہ نہیں ہے، جو اشعار موجود ہین، ان کی تعداد تقریباً (۱۰۶۵) ہے

اس مثنوی کو کدم راؤ و پدم راؤ سے موسوم کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان ہی دو شخصون کا قصہ منظوم ہوا ہے، شاعر کے تخلص کی تصدیق حسب ذیل اشعار سے ہو سکتی ہے،

جو اوا تھین نہ چلی یو ن کو ئی　　نظامی کدھین سن برس نہ ہوئی

نظامی سے دہر وکہ کیون رادھے　　کرپن ورت کن بات دھن سودھے

کہون سد ساجی نظامی دھرم　　پدم سب سنے بات بانچی کدم

نظامی کہنہار جس بار ہوئے　　سہنار سن نغز گفتار ہوئے

اس مثنوی کو دور بہمنی کی مثنوی قرار دینے کی وجوہات حسب ذیل ہین:-

(الف) اشعار ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بہمنی دور کی پیداوار ہے،

شہنشہ بڑا شاہ احمد کنوار　　پرتپال سینسا کرتار اوھار

دھنین تاج کا کون راجا ابہنگ　　کنور شاہ کا شاہ احمد بھجنگ

لقب شہ علی آل بہمن ولی　　دی تہین بہت بدہ بدا کلھی کہ

(ب) مثنوی مین مختلف عنوانات ہین جن مین سے ایک عنوان حسب ذیل ہے،

"مدح سلطان علاء الدین بہمنی نور اللہ مرقدہ"

(ج) زبان کے لحاظ سے نہایت قدیم اور ابتدائی دکھنی کہی جا سکتی ہے، کیونکہ اب تک قدیم سے قدیم جو کلام دستیاب ہوا ہے، اس سے بھی اس کی زبان زیادہ مشکل ہے،

(د) رسم الخط کے لحاظ سے بھی یہ نہایت قدیم مثنوی قرار دی جا سکتی ہے،

اس کے بعد اب یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ مثنوی کس سنہ مین تصنیف ہوئی ہے، اس کے متعلق جو کچھ ہمارے معلومات ہین، وہ صرف یہ ہین کہ یہ مثنوی علاء الدین بہمنی کے انتقال کے بعد لکھی گئی ہے اور اس کے شہزادہ کا نام

احمد شاہ تھا، لہذا اب اس امر کی تحقیق ہونی چاہیے، کہ بہمنی خاندان مین سے کن کن بادشاہون کا نام علاؤالدین تھا،

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان بہمنی مین پانچ بادشاہ علاؤالدین کے نام سے گذرے ہین یعنی:-

(۱) علاؤالدین بہمن شاہ	بانی خاندان	۷۴۸ھ تا ۷۵۹ھ
(۲) علاؤالدین مجاہد شاہ	تیسرا حکمران	۷۷۷ھ تا ۷۸۰ھ
(۳) علاؤالدین احمد شاہ ثانی	دسوان حکمران جو احمد شاہ کا لڑکا تھا،	۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ
(۴) علاؤالدین ہمایون شاہ	گیارھوان حکمران	۸۶۲ھ تا ۸۶۵ھ
(۵) علاؤالدین	سولھوان حکمران	۹۲۷ھ تا ۹۲۹ھ

ان مین سوا نمبر ۴ کے کوئی ایسا نہین ہے جسکا شہزادہ احمد ہو صرف وہی ایسا حکمران ہے جس کا لڑکا احمد شاہ ثالث تھا، اور وہ ۸۶۵ھ مین تخت نشین ہوا، اور ۸۶۷ھ مین فوت ہوا، اوسکو اگرچہ مصنف تاریخ فرشتہ نے نظام شاہ سے موسوم کیا ہے، مگر جو سکے ۸۶۵ھ سے ۸۶۷ھ تک مضروب ہوئے ہین ان پر بادشاہ کا نام احمد شاہ ہے[1] اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ مثنوی اسی عہد میں تصنیف ہوئی ہے، اس قیاس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ شاعر بادشاہ کا مصاحب تھا، اور شاہی دربار سے اسکو تعلق تھا، چونکہ بادشاہ کا لقب عام طور سے نظام شاہ تھا، اس لئے بہت ممکن ہی، کہ شاعر نے اپنا تخلص بادشاہ کے نام پر نظامی قرار دیا ہو،

احمد شاہ ثالث علاء الدین ہمایون شاہ کا لڑکا تھا، صرف آٹھ سال کی عمر مین سریرآرا ہوا، اوس کی والدہ نرگس خانم تھی، جو مخدومہ جہان کے لقب سے تاریخ مین مشہور ہے، اوسکی عقلمندی اور فراست سے بادشاہ کے صغیر سن ہونیکے باوجود نظم و نسق سلطنت مین کوئی خرابی آئی اور نہ دشمنون نے قلمرو بہمنیہ سے فائدہ اوٹھایا، اگرچہ محمود شاہ گجراتی نے

[1] اردوئے قدیم طبع ثانی ص ۳۴ حاشیہ

سلطنت بہمنیہ پر حملہ کیا تھا، مگر ناکام رہا، مخدومۂ جہان نے محمود گاوان اور خواجہ جہان ترک کو مختار کل بنا رکھا تھا اور ان دونوں کے حسن انتظام سے سلطنت کا کاروبار چلتا رہا،

احمد شاہ کے انتقال کے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی بادشاہ کی شادی ہوئی، اور شب زفاف کو آدھی رات کے وقت کمرہ سے شور ہوا کہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا، ممکن ہے قلب کی حرکت موقوف ہونے سے یہ موت واقع ہوئی ہو،

مصنف مثنوی نظامی کے متعلق ہمارے معلومات کچھ نہیں ہیں، اس مثنوی سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے، کہ یہ بادشاہ کے دربار کا شاعر تھا اور کسی فخر الدین سے اوسکو بڑا اتحاد تھا،

مثنوی میں پہلے حمد ہے، اس کے بعد نعت، اسی میں منقبت صحابہ بھی ہے، پھر علاء الدین بہمنی کی تعریف اسکے بعد اصل قصہ شروع ہوتا ہے، ہر نیا مضمون نئے عنوان سے شروع ہوتا ہے، عنوان سرخی سے لکھا گیا ہے،

اس امر کا ذکر ہو چکا ہے، کہ مثنوی کی زبان نہایت مشکل ہے، اس میں عربی اور فارسی کے بجائے ہندی الفاظ زیادہ ہیں، جیسا کہ عام طور سے اس زمانہ میں دستور تھا، ذیل میں مثنوی سے نمونۂ کلام پیش کیا جاتا ہے،

ابتدا بسم اللہ کے ساتھ:-

گسائین تہین ایک وو نہ جگ ادار برو برو نہ جگ تہین دنہار
اکاس انچپہ پاتال دھرتی تہین جہان کچھ نہ کوئی تھا سے تہین

نعت:-

تہین ایک ساجا گسائین امر، سری دوی تین جگ نورادگر
بھٹایا امولک رتن نور دھر، کرتی وکیہ بلکت کرن راج کر
امولک مکت سیں سنسار کا کرے کام نر دھار کرنار کا،

محمدؐ جرم ادم ہنسیا د نور — د دسبی جگ سری نے پوسا د نور

مدح سلطان علاء الدین بہمنی نور اللہ مرقدہٗ،

بڑا شاہ وہ شاہ جس شا جگ — وہین سیوتی جرم تسے پاے لک
انھین نہ کیا شادر کھن دہرن — گگن دل دہرت دل مسخر کرن
عطارد مسخر ھوا اے قلم ؛ — مسخر کیا سور دے بہت علم ؛
علم گارہ کہن سور چل سرا چاؤ — طبل دھول پر خون بدل تون بچاؤ
چمکنے لگے جب کتک ہستیر — چرہا واکیا دھرت اکاس پر
چمک بجلی یتون علم مجھ جیون — علم سنگ تون گرج کہن جیوتون

. . . .

شہنشہ بڑا... الخ

بعض دیگر مقامات سے نمونہ ملاحظہ ہو،

کدم راؤ رتھی رن و نہ آدھر ؛ — کہ رہن بات سن بات بک بت دھر
سنیا تھا کی ناری دھری بہت چھند — سومین آج دیتیا تری چھند بند
دھنی جسند جب مین وستیا جگ مین — نتی ول تھے تہین ہون پر بارک مین
سجات ایک ناگن کجات ایک سانپ — اسنکت دھنی کھلین لا تب جھانپ
جو کرتار مجکون کیا ہوے راذ ؛ — اسنکت کہ کیون دیکھ سکون انیاو

پدم راؤ رہتیا مہا کردین — کندل پیراؤ بھا ہوا سروین ؛
کپیرا تیر ھو جسیون رھیا تھا ادھل — کمان ھو پر بانکہ کی پاے تل ؛
اجا سیس باہر کے یکہ بنا ست ، — نیون کوئی بنوی نہ نا کہ جات

کر تون ساچ میرا گسائین کدم　　پدم راؤ تجھ پاؤ کیرا پدم کدم

جہان تو دھر پاؤ صو رسر دہرون　　اپس سار کی کت ترای کرون

کھراسوی جو بات مین را نحمہ　　کی کو تو ایون کہ مجھکون بچمہ

اگر جو رواہ جری با ہوے سپاہ　　پکر کون تس بہتر کھوری باہ

نکر بان جی لوہے کرا کا نتہ سنگ　　نہ ہوتا کدھن کا نتہ کو نہ بھنگ

اس مثنوی کا خط نسخ ہے، اعراب بھی دے گئے ہین، گ ج اور ڈ کیلئے کوئی علامت نہین ہے، اور یائے معروف او مجہول مین کوئی فرق نہین ہے،

چونکہ مثنوی ناممکل ہے اس لئے سنہ کتابت اور نام کاتب وغیرہ کا پتہ نہین ملتا، قصہ کی تفصیل بھی دشوار ہے، کیونکہ اول تو ناقص ہی آخری اور درمیانی اوراق نہین ہین اور پھر زبان اس قدر مشکل اور دشوار ہے کہ اوس کا سمجھنا ضرور کسی قدر دقت طلب ہی، برین ہم اس مثنوی کے دیکھنے سے پایا جاتا ہی، کہ نظامی اپنے عہد کا باکمال شاعر تھا اور اپنے فن مین استادانہ مہارت رکھتا تھا،

تلخیص و تبصرہ

انجمن ادبی افغانستان

افغانستان دنیاے اسلام کے اون آتش فشان پہاڑون کا نام ہے جن کے شعلے طوفانِ حوادث سے کبھی سرد نہین ہوے، اوس کا عہد تنزل عبارت اس سے ہے کہ وہ شعلے خود باشندگانِ ملک کے دامن کو جلانے لگے اور اوس کا زمانہ ترقی وہ ہے جب وہ ملک سے باہر ادھر اودھر پھیل گئے تو پھر نہ تو اوکو دریاے آمون کی روانی سرد کرسکی اور نہ ہمالیہ کی پہاڑ دیواری اون کی تیزی کو سست کرسکی،

احمد شاہ سے لیکر امیر عبدالرحمن خان اعظم تک اوسکی پراگندگی کا جو عالم رہا وہ تاریخ کی آنکھون کے سامنے ہے، عبدالرحمن خان نے جس شجاعت و تدبیر سے اس دیو کو اپنے قابو مین کیا، وہ دوست دشمن ہر ایک کی تحسین و آفرین کا مستحق ہے، امیر حبیب اللہ خان اور شاہ امان اللہ خان نے اپنے اپنے دورِ سیاست کو جس طرح تمام کیا، اوسکی نسبت دو رائین ہوسکتی ہین، مگر اس سے کوئی انکار نہین کرسکتا کہ ان مین سے ہر ایک نے ملک کی علمی و تعلیمی ترقی کی سمت راستہ کھولا، اور نئی تعلیم نے وہان فروغ پایا،

مگر اب تک جو کچھ ہوا تھا وہ سرتاپا حکومت کی کوششون کا نتیجہ تھا، مگر اب غازی نادر شاہ کے عہد میمون کے برکات کے سلسلہ مین جو چیز نادر تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حکومت کے علاوہ خود اہل ملک کے اندر ترقی کے احساسات و اقدامات کارفرما نظر آتے ہین، ان مجاہدات مین سب سے اہم کارنامہ افغانستان مین **انجمن ادبی** کابل کا قیام ہے،

یہ انجمن افغانستان مین ایک سال سے قائم ہے، اس کا مرکز پایۂ تخت کابل ہے، اوس کا مقصد افغانستان مین

جدید علمی و ادبی روح پھونکنا ہے، افغانستان مین ایک کتبخانہ قائم کرنا، افغانستان کی نئی تاریخ کو ترتیب دینا، وہان کے شعروادب کو دنیا مین روشناس کرنا، نئے موضوعات پر نئی کتابین تالیف و ترجمہ کرنا اور چھپوانا، اور نوجوانون مین علم وادب کی نئی سرگرمی پیدا کرنا ہے،

یہ انجمن ایک صدر، ایک ناظم، ایک مددگار، اور گیارہ ممبرون سے مرکب ہے جن کے نام یہ ہین،

۱- عالی جناب آقای محمد نوروز خان امیرمنشی حضور ہمایونی رئیس انجمن ادبی،

۲- شہزادہ محمد علی خان درانی، مدیر انجمن ادبی،

۳- آقای غلام جیلانی خان اعظمی، مددگار

۴- آقای میر غلام محمد خان غبار، رکن

۵- شاعر مشہور جناب عبدالعلی خان مستغنی رکن

۶- آقای سرور خان گویا، رکن

۷- آقای عبدالغفور خان، رکن

۸- آقای عبدالباقی خان لطیفی رکن

۹- محمد سرور خان پویا۔ رکن

۱۰- غلام جان خان۔ رکن

۱۱- محمد اکبر خان فارغ۔ "

۱۲- آقای امین اللہ خان، "

۱۳- آقای محمد یعقوب خان، "

۱۴- آقای سرور خان جویا، "

انجمن کے ان کارپردازون مین جناب عبدالعلی خان مستغنی کے علاوہ سب نوجوان افغان اہل قلم ہین،

جنھون نے یہ تہیہ کیا ہے کہ اپنے ملک کی علمی وادبی سطح کو ہر ممکن طریق سے بلند کرین،

اس کے لئے اونھون نے حسب ذیل طریقے اختیار کئے ہین، ایک کتبخانہ کی تاسیس تالیفات وتراجم کے سلسلہ کا قیام، ایک ماہوار علمی رسالہ کی اشاعت انعامی مضامین کا اجراء،

کتبخانہ اس سلسلہ مین کسی یکسالہ انجمن سے کوئی بڑی توقع نہین کی جاسکتی، تاہم معلوم ہوا ہے کہ علمی، تاریخی اور ادبی کتابین اوس نے تھوڑی بہت فراہم کی ہین، اور فارسی، عربی، ترکی، انگریزی اور فرانسیسی زبانون کی کتابون کی فراہمی کی کوششین کی ہین، اور ہندوستان ایران، مصر، لندن، پیرس، اور برلن کے کتب فروشون سے کتابین منگوانے کا انتظام کیا ہی،

اسی سلسلہ مین انجمن کے ارباب بست وکشاد سے یہ عرض بیجا نہ ہوگی کہ اگر وہ اپنے ملک کے نج کے کتبخانون اور پرانے خاندانون سے قلمی کتابین جو غالباً تلف ہورہی ہون گی، اون کو حکومت کی امداد سے و ہ یکجا کرنیکی کوشش کرین تو وہ علم کی بہت بڑی خدمت انجام دین گے، اور عجب نہین کہ چند سال کی محنت مین انجمن کا کتبخانہ دنیا کے مشہور کتبخانون مین شمار کیا جائے اگر اب بھی افغانستان نے ادھر توجہ نہ کی، تو روسی ترکستان کی طرح یہان کی قلمی نادر کتابین بھی مشرق سے مغرب کو منتقل ہوجائین گی،

تالیفات وتراجم اس راہ مین بھی انجمن نے چند قدم اوٹھائے ہین، چنانچہ **اخلاقِ عسکری** کے نام سے ایک کتاب آقای غلام جیلانی مددگار ناظم انجمن نے دو جلدون مین لکھی ہی، اس کی ایک جلد اس عرصہ مین چھپ چکی ہے اور دوسری زیر طبع ہے، **قرأتِ فارسی** کے نام سے دو ابتدائی رسالے ابتدائی مدارس کے چوتھے اور پانچوین درجون کے لئے لکھے گئے ہین، چھپے ہین، ان کی تالیف کا کام آقای محمد انور خان بسمل سابق ناظم انجمن اور آقای برہان گویا رکن انجمن نے انجام دیا ہے،

باقی حسب ذیل کتابین زیر تالیف ہین،

استاریخ افغانستان، تالیف آقای میر غلام محمد خان غبار۔

۲۔ تاریخ ادبیات افغانستان، بتالیف آقائے غلام جیلانی خان،

۳۔ تذکرۂ مشاہیر افغانستان ایضاً " "

دوسری زبانون سے حسب ذیل کتابین ترجمہ کی گئی ہین،

۱۔ آثار عتیقۂ بامیان موسیو گودار و موسیو ہاکن، فرانسیسی یک جلد ۱۱۶ صفحے، ترجمہ آقائے احمد علی خان مترجم فرانسیسی،

۲۔ نگارش و نگارندگان شامی اہل قلم کرد علی کی عربی کتاب (الانشاء والمنشؤن) کا فارسی ترجمہ از آقائی سرور خان گویا،

۳۔ جلال الدین خوارزم شاہ، نامق کمال بے ترک ادیب کے افسانہ کے (سید سجاد حیدر صاحب کے) اردو ترجمہ سے فارسی ترجمہ از شہزادہ احمد علی خان درانی ناظم انجمن،

۴۔ خرمہرۂ طلائی، تالیف ویدگرایلن پو (امریکن) ترجمہ شہزادہ احمد علی خان درانی، انگریزی سے،

۵۔ شرح حال سید جمال الدین افغانی تالیف ابراہیم علاء الدین (ترکی) ترجمہ آقائی میر غلام احمد لطیفی،

۶۔ امان اللہ خان کے افغانستان کی راہ سے تالیف سہراب. کے ایچ کاتراک پارسی ترجمہ آقائی عبدالباقی خان لطیفی (انگریزی سے)

۷۔ دنیا مین اسلامی سلطنتون کی مختصر تاریخ، ہندی سے اضافون کے ساتھ ترجمہ بقلم آقائی غبار،

۸۔ مولانا شبلی نعمانی کی شعر العجم جلد دوم کا اردو ترجمہ از آقائی سرور خان گویا،

۹۔ گیتان جلی ٹیگور کا اردو سے ترجمہ از شہزادہ احمد علی خان درانی،

۱۰۔ تاریخ افغانستان مصنفہ ملسن (انگریز) کا انگریزی سے ترجمہ بقلم آقائی محمد حسن خان مترجم انگریزی۔

۱۱۔ اصول نامہاے اساسی افغانستان، افغانستان کی مجلس شوری و دستور کا فارسی سے پشتو مین ترجمہ،

بقلم آقای امین اللہ خان،

ان کے علاوہ انجمن نے تین سالے، اور ایک جلد اخلاق عسکری کی اور منتخبات بوستان چھاپ کر شائع کی، علاوہ ازین حسب ذیل کتابین جو انجمن سے باہر ترجمہ کی گئی، یا لکھی گئی تھین، انجمن نے اپنی اصلاح و تنقید و تبصرہ سے مزین کیا،

۱۔ الفاروق مولفہ مولانا شبلی نعمانی، مترجمہ مرحومہ علیا جناب حرم اعلیٰ حضرت حبیب اللہ خان شہید اردو سے آقای محمد بشیر خان منشی زادہ اور آقای امین اللہ خان نے فارسی زبان کی لفظی اصلاح کی،

۲۔ تاریخچہ مختصر ادبی تالیف استاد قاری عبداللہ خان تصحیح آقای غبار،

۳۔ رہنمای فراہ و چخانسور تالیف محمد یعقوب خان فراہی (جغرافیہ و تاریخ)،

۴۔ جغرافیۂ افغانستان تالیف آقای محمد علی خان،

۵۔ تاریخ مسلمانان مورد رابین ترجمۂ آقای حبیب اللہ خان طرزی، (انگریزی سے) زیر تصحیح آقای گویا،

اس سلسلہ مین ہمکو اپنے افغان رفقا سے یہ گذارش کرنی ہے کہ وہ ایک حاکم نجیب و ترقی خواہ ملت کے افراد ہین، اون کو کتابون کے انتخاب مین اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہئے، کہ اون کو اپنی قوم کی دماغی و ذہنی تربیت لئے کس قسم کی کتابون کی ضرورت ہے، ابھی متین و سنجیدہ علوم و فنون سے اونھین کہان فرصت کہ تفریح و تماشا کی کتابون کی طرف توجہ فرمائین، ابھی افغانستان کی "جدیت" کا عہد ہے، بہتر ہے کہ منزل رسیدہ اقوام کی "ہزلیت" کی خوشنمائی کی طرف اون کو متوجہ ہونے کا موقع نہ دیا جائے،

رسالہ "کابل" انجمن کی طرف سے "کابل" نام ایک علمی، ادبی، اجتماعی، تاریخی ماہوار رسالہ ایک سال سے نکل رہا ہے، اس وقت اس کے سال دوم کا پہلا پرچہ ہمارے سامنے ہے، خوبصورت ٹائپ مین، نہایت خوشنما لوح و تصاویر، و نقاشی کے ساتھ عمدہ کاغذ پر بہترین علمی و ادبی مضامین پر یہ مشتمل ہے، ۱۲۰ صفحون کی ضخامت

اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان ظاہری و باطنی خوبیون کا رسالہ جس ملک کے نوجوان بھی نکال سکتے ہین اوسکے علمی مستقبل کی درخشانی مین شک وشبہ کی گنجایش نہین، اس رسالہ کے شروع مین ایک افغانی نقاش و مصور آقائی عبد الغفور خان نے حافظ کے اس شعر،

مزرع سبز فلک دیدم و داس مہ نو　　　یادم از کشتۂ خویش آمد وہنگام درو

کو جس طرح مصور ومجسم کیا ہے، وہ اردو کے اون رسالون کے لئے قابل رشک ہو، جو بازاری تصاویر کو چھاپ چھاپ کر نوجوانون کے شریف اخلاق کا خون کیا کرتے ہین،

ہمکو پوری امید ہے کہ اگر انجمن ادبی یون ہی اپنے کامون مین مصروف رہی، تو عنقریب اوسکی حیثیت وہ ہوجائے گی، جو ترقی یافتہ ملکون کی شاہی علمی سوسائٹیون اور کتبخانون کی ہو،

"س"

اسلامی عمارتین عہد بنوامیہ مین،

کپتان کرسویل یورپ کی جنگ عظیم کے زمانے مین شام مین محکمۂ پرواز کے ایک عہدہ دار تھے اور اوس زمانے مین اون کو اسلامی عمارتون کے جو حیرت انگیز مناظر آئے، اوس نے اون کے دل مین یہ خیال پیدا کیا کہ تاریخ اور فن تعمیر کی خدمت کے لئے ان آثار کے متعلق علمی حیثیت سے تحقیقات کیجائے چنانچہ اوسی وقت سے وہ ایک کتاب کی تدوین وترتیب مین مصروف ہوے، اور اب یہ کتاب مطبع آکسفورڈ کی جانب سے شائع ہو کر پبلک کے سامنے آگئی، کتاب انگریزی زبان مین ہے، جو ۴۰۲ صفحات کی ضخامت مین شایع ہوئی ہو، کتاب مین ۱۴۰ آثار وعمارات کے عکسی فوٹو دئے گئے ہین، کپتان کرسویل نے یہ کتاب شاہ فواد کی خدمت مین بھی پیش کی ہو، اور وہان سے اوسکو حسن قبول حاصل ہوا ہے،

اس کتاب مین ابتدائے اسلام سے تیسری صدی تک کی عمارات اسلامیہ پر بحث کی گئی ہے، اور اس زمانے مین اہل عرب کے فن تعمیر پر ایران وروم کا جو اثر پڑا اسکو نمایان کیا گیا ہے، اس کے بعد اہل عرب کے

اوس مستقل طرز تعمیر کو دکھایا گیا ہے جب اہل عرب نے تمام ممالک کو فتح کر لیا اور اون کی سلطنت کو استقلال حاصل ہوا اور اوس طرز تعمیر کے بعد اسلامی عمارات کو جو امتیازی خصوصیات حاصل ہوئین اونکو نہایت خوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے،

کپتان موصوف نے تاریخی حیثیت سے حسب ذیل امور پر نہایت دقت نظری کے ساتھ بحث کی ہے۔

(۱) جو تعمیری یادگار باقی رہ گئی ہے اوسکی تفصیلی تاریخ۔

(۲) ہر عمارت کے انجینیری اصول پر بحث۔

(۳) ان کے ماخذون پر بحث اور ہر عمارت کی الگ الگ تصویر،

لیڈی مارگریٹ نے جو عربی فن آثار کی بڑی ماہر ہین، بیت المقدس کے قبہ صخرہ اور دمشق کی جامع مسجد کی پچہ کاری پر ایک طویل مضمون لکھا ہے، اور یہ بھی اس کتاب مین شامل ہے، اس بحث کے لئے نوے تصویرین ... کر لی گئی ہین، جو ۳۰ صفحے مین آئی ہین جن مین ۶۸ تصویرین پچہ کاریون کی ہین، اور اس بحث سے یہ کتاب مکمل ہو گئی ہے۔

کتاب جس تحقیق سے لکھی گئی ہے اوس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تمام مباحث مین نہایت کثرت سے تاریخی ماخذون سے استناد کیا گیا ہے، مثلاً قبہ صخرہ کی بحث کے ماخذ ۳۷، الجامع اموی کے ۴۷، جامع قرطبہ کے ۱۴، جامع عمرو کے ۱۰، مقیاس النیل کے ۴، جامع ابن طولون کے ۷، ہین، اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کی تالیف مین مصنف نے بڑا وقت صرف کیا ہے، اور کافی دقت نظر سے کام لیا ہے،

"ع"

اخبار علمیہ

نخلستان خارغا کے آثار قدیمہ

مصر کے شمالی حصہ مین مس کیٹن ٹامسن (CATON THOMPSON) نے بعض آثار دریافت کئے ہین جو تین ہزار سال قدیم خیال کئے جاتے ہین، الکسر سے مغرب کی جانب سَو میل کے فاصلہ پر خارغا کا نخلستان ہے، وہان اثریات کی یہ ماہر خاتون ہر سال چار مہینے قیام کرتی ہے اور دو سَو آدمیون کو کام پر لگا کر ریگستان اور پہاڑون کو کھودواتی ہے، اس کھودائی مین سنگ چقماق کے ایسے آلات برآمد ہوئے ہین، جو اب سے ہزارون سال پیشتر وہان مستعمل تھے، لیکن سب سے زیادہ اہم انکشاف جو مس ٹامسن نے کیا ہے، وہ بعض چشمے ہین جو لاپتہ ہوگئے تھے، مس ٹامسن کی ایک ہمسفر مس گارڈنر کا بیان ہے کہ "ہم ایسے چشمون کا پتہ لگانا چاہتے تھے جنکی نسبت ہمین یقین تھا کہ وہ پہلے وہان موجود تھے، اور ہم نے نہ صرف اُن چشمون کو معلوم کرلیا، بلکہ اُن آدمیون کے تمام حالات بھی بہت کچھ دریافت کرلئے، جو زمانہ قبل تاریخ مین وہان آباد تھے، تاریخ مصر کے قدیم ترین دور سے بھی بہت پہلے لوگ صحرائے لیبیا سے آکر ان چشمون کے کنارے ٹھہرتے تھے، وہ زراعت کے طریقون سے ناآشنا تھے، اور پتھر کے بھدے آلات بنا سکا کر کے اپنی زندگی بسر کرتے تھے، پیلیولتھک (PALEOLITHIC) عہد مین یہ نخلستان بہت سیراب رہا ہوگا، کیونکہ وہان کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقام ایک مدت تک آباد تھا، کوئی انسانی ڈھانچہ نہین ملا، اس لئے یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ لوگ کس قسم کے تھے، اوس کے بعد نیولتھک (NEOLITHIC) عہد مین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چشمے

خشک ہونا شروع ہوئے اور کچھ دنون بعد بالکل خشک ہوگئے، اس وقت سے چھٹی صدی قبل مسیح تک اون کے حالات سے ناواقفیت ہے، اس صدی مین ایرانیون نے وہان پہنچکر ایک کنوان کھودا اور پھر اہل روم بھی آئے؛

نقص بصارت کا علاج

امریکہ کے ڈاکٹر بیٹس (Dr BATES) نے بارہا تجربہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ بینائی کی کمی عینک کی مدد کے بغیر بھی پوری ہو سکتی ہے، نقص بصارت کے علاج پر جو کتاب اونھون نے لکھی ہے، اُس مین اوسکے مختلف طریقے بیان کئے ہین، جنمین سے چند حسب ذیل ہین:-

(۱) جلد جلد پلک مارنا، یہ طریقہ نظر کے لئے مفید ثابت ہوا ہے، بار بار بند کرنے سے آنکھون کو آرام ملتا رہتا ہے، اگر بغیر پلک مارے ہوئے کوئی چیز دیکھی جائے یا کوئی عبارت پڑھی جائے تو صاف نظر نہ آئے گی،

(۲) قوت بینائی کی جانچ کے واسطے جو حروف جلی خط مین لکھے ہوتے ہین، اونھین دس فٹ سے بیس فیٹ تک کے فاصلے سے ہر روز پڑھنا چاہئے، ایسا کرنے سے نہ صرف آنکھ کی روشنی قائم رہتی ہے، بلکہ بہتر بھی ہو جاتی ہے،

(۳) گہرے رنگ کے شیشہ کی عینک سے آنکھون پر بہت زور پڑتا ہے، ایسی عینک استعمال کرنے والون کی آنکھون سے جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے، آنکھون کو اپنی قوت باقی رکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے، جو لوگ معمولی روشنی بھی نہین برداشت کر سکتے، اونھین چاہئے کہ روز صبح کو پلک بند کر کے پانچ سے پندرہ (۱۵) منٹ تک اپنی آنکھین آفتاب کے مقابل رکھین، ایسا کرنے سے شکایت جلد رفع ہو جائے گی،

(۴) بینائی کی کمزوری دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ پلک بند کر کے آنکھون پر ہتھیلی رکھی جائے لیکن لیکن اس طرح کہ تپلیون پر کسی طرح کا بار نہ پڑنے پائے، پھر کسی خوشگوار شے کا تصور کیا جائے، مثلاً پھول آنکھون کو یون پانچ منٹ تک بند رکھا جائے، اوسکے بعد وہی جلی حروف پڑھے جائین، یہ حروف بہت صاف نظر آئینگے، لیکن جلد ہی وہ دھندلے معلوم ہونے لگین گے، جب پھر دھندلے معلوم ہونے لگین، تو آنکھون کو اوسی طرح پانچ

منٹ تک پھر بند رکھا جائے کم سے کم پانچ بار ایسا ہی کیا جائے، یوں کچھ دنوں کے بعد روزانہ مشق کرنے سے نظر اپنی اصلی حالت پر آجائے گی،

اکس رے "غسل"

نیویارک کے میموریل ہسپتال میں اکس رے "غسل" کا ایک طریقہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے ایک طویل عرصہ تک مریض کے تمام جسم پر اکس رے کی شعاعیں پڑتی رہتی ہیں، یہ طریقۂ علاج ان لوگوں کے لئے ایجاد کیا گیا ہے، جو تورڑی (TUMOURS) کے مریض ہیں، اس ہسپتال میں ایک اکس رے مشین کے گرد چار پلنگ رکھے گئے ہیں، یہ مشین ہمہ وقت کام کر سکتی ہے، مریضوں کو پلنگ پر لٹا کر ان شعاعوں سے "غسل" دیتے ہیں، ڈاکٹر فائلا (DR.FAILLA) کا جنھوں نے امریکہ کی انجمن ترقی سائنس کے سامنے اس طریق علاج کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، خیال ہے کہ ابھی اسکی کامیابی کے متعلق کوئی صحیح رائے نہیں قائم کی جاسکتی، تاہم تجربے سے اتنا معلوم ہوا ہے، کہ جن مریضوں کو معمولی اکس رے کے علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا، انھیں اس جدید "غسل" سے شفا ہوگئی، انسانوں کے علاوہ جانوروں پر بھی یہ طریقہ استعمال کیا گیا، اور مفید ثابت ہوا، چنانچہ بعض چوہوں کو جنھیں تورڑی کی شکایت تھی، چند ہفتہ تک ان شعاعوں کے سامنے رکھا گیا، جس سے اون کو بہت فائدہ ہوا،

دوسو پچاس (۲۵۰) میل فی منٹ کی پرواز،

جرمنی میں پروفیسر کٹش بیک (KUTSCHBACK) نے ایک راکٹ پلین (ایک نئے قسم کا ہوائی جہاز) ایجاد کیا ہے، جس کے متعلق اون کا دعوی ہے، کہ وہ دوسو پچاس (۲۵۰) میل فی منٹ کی رفتار سے پرواز کرے گا، یعنی برلن سے نیویارک تک پندرہ (۱۵) منٹ میں پہنچ جائے گا، معترضین کا خیال ہے کہ ایسے ہوائی جہاز پر سفر کرنے والے زندہ نہ رہ سکیں گے، اگر یہ (۲۵۰) میل فی منٹ کی رفتار سے روانہ ہوا تو مسافر کو بالکل

بے حس وحرکت کردے گا، یہ سات سو میل کی بلندی پر پرواز کرے گا، لیکن اگر اسی رفتار سے پست تر فضا مین اُترے گا تو مختلف فضاؤن کی رگڑ سے بیحد گرم ہو جائے گا، اور انسان کو بالکل جلا ڈالے گا، علاوہ برین (۲۵۰) میل کی رفتار سے اگر یہ جہاز زمین پر اترے گا، تو اس کا ہر مسافر نیست ونابود ہو جائے گا، موجد نے ان اعتراضات کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ جہاز نہ تو اپنی انتہائی رفتار سے روانہ ہوگا، اور نہ اس رفتار سے زمین پر اُترے گا، روانگی اور اوترنے کے وقت یہ اپنے دو بازو پھیلا دے گا، جس سے رفتار کم ہو جائے گی، نیز اوترنے کے وقت، اُس کی ناک سے گیس بھی خارج ہوتی رہے گی، جس سے رفتار اور کم ہو جائے گی، پروفیسر موصوف کی طرح جرمنی مین اور لوگ بھی اس قسم کے ہوائی جہاز کی تیاری مین مصروف ہین، دوسرے ممالک مین بھی درجنون آدمی راکٹ پلین کے مسئلہ پر غور کر رہے ہین، اور ایسے راکٹ پلین تو تیار بھی ہوگئے ہین جو زمین سے ساٹھ میل کی بلندی پر دو منٹ سے کچھ ہی زیادہ مدت مین دو سو میل پرواز کر چکے ہین،

دستورِ عشاق کا ایک قلمی نسخہ

برٹش میوزیم مین مخطوطاتِ مشرقی کے شعبہ نے حال مین "دستورِ عشاق" کا ایک نایاب قلمی نسخہ حاصل کیا ہے، جہان تک معلوم ہے محمد یحییٰ نیشاپوری کی مثنوی کا یہ تنہا قلمی نسخہ ہے، جو اب تک محفوظ ہے، محمد یحییٰ زیادہ تر اپنے تخلص فتاحی سے مشہور ہین، یہ کتاب محمود بن محمد النیریزی خوشنویس کے ہاتھ کی نہایت خوبصورت خط مین لکھی ہوئی ہے، سنہ کتابت ۸۶۲ھ ہجری مطابق ۱۴۵۲ء ہے، اس نسخہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے انتقال کے ۲۵ ہی سال بعد کا لکھا ہوا ہے، "دستورِ عشاق" کے متعلق صرف اسی قدر معلوم ہو سکا ہے کہ اوس کا ایک خلاصہ نثر مین ہوا ہے، اور بعض ترک شعرا نے اس کے مضمون سے اخذ کیا ہے،

"ع ز"

ادبیات

پیام اقبال بہ ملت کہسار

ڈاکٹر سر اقبال نے حسب ذیل نظم ملت کہسار (افغانستان) کے نام ۲۴ مارچ ۱۹۳۲ء کو لکھ کر بھیجی تھی، اور یہ جون ۳۲ء کے رسالہ "کابل" میں چھپکر شایع ہوئی ہے، اور ہم اوسکو معاصر موصوف سے مستعار لے کر یہاں شایع کرتے ہین،

صبا بگوے بافغان کوہسار از من — بمنزلے رسد آن ملتے کہ خودنگر است
مرید پیر خراباتیان خود بین، شو — نگاہ او، ز عقاب گرسنہ تیز تر است
ضمیر تست کہ نقش زمانہ تو کشد — نہ حرکت فلک است این کہ گردش قمر است
وگر بسلسلۂ کوہسار خود بنگر — کہ تو کلیمی و صبح تجلی دگر است
بیا بیا کہ بدامان نادر آویزیم — کہ مرد پاک نہاد ست و صاحب نظر است
یکے است ضرب اقبال و ضرب فرہاد — جز این کہ تیشۂ ما را نشانہ بر جگر است

کلام طاہر

از

جناب شمس العلماء سیفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان صاحب طاہر بھوپال ہاؤس لکھنؤ،

ولا کے شوق دل مبتلا نے لوٹ لیا — دکھا کے راہ مجھے رہنما نے لوٹ لیا

شکیب و ضبط کسی کی حیا نے لوٹ لیا ۔ جو بچ رہا تھا وہ ناز و ادا نے لوٹ لیا
دل رمیدہ کو زلف دوتا نے لوٹ لیا بچھا کے دام بلا کو بلا نے لوٹ لیا،
نہ بن پڑی کوئی تدبیر دل بچانے کی حیا نے چھوڑ دیا تھا، ادا نے لوٹ لیا،
ہر اک قدم پہ رہ عشق مین رہا ناکام مجھے تو اس دل بے مدعا نے لوٹ لیا
ادھر تو ہم ہے تاثیر آہ پر نازان، ادھر اثر کو عدو کی دعا نے لوٹ لیا
اب آنسوؤن مین کہان خون دل کی رنگینی تمام رنگ کو دزد حنا نے لوٹ لیا
ہنوز ہونے نہ پائے تھے مہربان مجھ پر نگاہ لطف کو شوق جفا نے لوٹ لیا

رہا نہ پرسش روز جزا کا غم طاہر،
مرے گناہون کو لطف خدا نے لوٹ لیا

کلام شاد

از

حضرت شاد عظیم آبادی مرحوم۔

ترے انتظار مین جب مری چشم باز ہوگی وہی دن طویل ہوگا وہی شب دراز ہوگی
یہ ادا یہ اون کا ملنا یہی کہہ رہا ہے مجھسے کہ جفا بھی اب جو ہوگی تو بشکل ناز ہوگی
یہان خون کرے شب غم کہ ستائے دل ہزارون وہان ہوگا دور اسی کا یہی سرفراز ہوگی
نہ کمی کرین گے آنسو نہ ملیگا اب وہ کوچہ، نہ وضو تمام ہوگا نہ مری نماز ہوگی
یہ غضب کی قید دیکھو کہ جو بات بر ملا ہو مرے کان تک پہنچکر وہی بات راز ہوگی
تمہین دیکھتا ہون جو دم تم مرے لئے ہو نعمت کہین جا کے مدتون پر یہی چشم باز ہوگی
اسی آرزو مین اب تک مین جفائین سہہ رہا ہون کہ جفا جو ہوگی ایسے تو وہ دل نواز ہوگی

آثارِ علمیہ و ادبیہ

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک مکتوب گرامی

از مولنا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب، سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور،

اوراقِ پارینہ کی جستجو اور تلاش کا یون تو پہلے ہی سے شوق تھا لیکن اب ان کرم خوادہ اوراق کی قدر ومنزلت اور بھی بڑھ گئی ہے، خاندانی اور پرانے گھرون مین اتنک، سیکڑون ایسی چیزین موجود ہین جنکو اگر منصۂ شہود پر لایا جائے تو یقیناً صاحبِ تحقیق و تدقیق کے لئے اضافۂ معلومات نیز نئے ابواب پر بحث و تجسس کے دروازے کھل جائین، اور ایسی بہت سی یادگارین جو ہمارے بزرگون کے لئے سرمایۂ فخر و دانش تھین، اور جنکے نہ ہونے سے اسلاف کے تاریخی حالات تاریکی مین پڑے ہوئے ہین، انکا انکشاف و اظہار دونون کے لئے باعثِ تعریف و تشکر ہے، لیکن اس خیال کے لوگ ہین بھی تو معدودے چند اور اگر کہین نظر بھی آگئے تو وہ ان نادر مجموعون کی اشاعت تو علیحدہ چیز ہے، کسی کو دکھانا تک پسند نہین فرماتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نادر کتابین اور خطوط الماریون اور صندوقون مین پڑے پڑے کرم خوردہ ہوکر دریا یا آگ کی نذر ہو جاتے ہین،

یون تو ہمارے ہان کے نادرات بھی تلف ہوگئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ مین ہوش سنبھالتے ہی ان قابل قدر یادگارون کو سینے سے لگانے لگا، قلمی کتابین اور پرانے خطوط جہان بھی پایا بحفاظت تمام رکھ چھوڑتا، رفتہ رفتہ وہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے، اور آخر کار ان قدیم کتابون اور خطون کا کافی ذخیرہ مہیا ہوگیا، چنانچہ انھین ذخائر مین ایک تاریخی خط بھی مل گیا، جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے،

یوں تو مراسلہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہے کہ جو کچھ بھی آپ کی تصنیف و تالیف کا ملجائے ہم لوگوں کیلئے باعث صد نازش ہے چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جس کے عمل کی وجہ سے صوفیائے کرام کا گروہ ہدف ملامت ہوتا آرہا ہے، آپ جیسے متقدمین و متبحر فاضل و محدث کا لکھا ہوا خط جس میں وہ اپنے عمل اور معمولات کو ظاہر کرتے ہیں کیوں نہ قابل قدر و لائق عمل ہو،

اس لیے میں ارباب اثر و تفحص کی دلچسپی کے لیے اس نمیقۂ انیقہ کو درج ذیل کرتا ہوں:-

نقل خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ بنام احمد یار خان صاحب ساکن کشن گنج کھگڑا

"از فقیر عبدالعزیز بعد سلام مسنون مکشوف ضمیر ذکا تخمیر باد، کہ عنایت نامۂ سامی بار دیگر در مقدمۂ مرثیہ خوانی وغیرہ وصول نمودہ، آنچہ درین باب معمول فقیر است می نویسد از ہمین جا قیاس باید کرد در تمام سال دو مجلس در خانۂ فقیر منعقد میشود، یکے مجلس ذکر وفات شریف، دوم مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام و مردم روز عاشورا یا یکروز دو روز پیش ازین قریب چہار صد یا نصد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس فراہم می آیند و درود میخوانند بعد ازان کہ فقیر می برآید و می نشیند ذکر فضائل حسنین علیہ السلام کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید و آنچہ در احادیث اخبار شہادت این بزرگان و بد مآلی قاتلان ایشان وارد شدہ نیز مذکور میشود و باین تقریب بعضے شد اندکہ بر جناب ایشان گذشتہ از روے احادیث معتبر بیان کردہ میشود، و ہم درین ضمن مرثیہ ہا یکہ از مردم غیر یعنی جن و پری حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدند نیز مذکور میشود، بعد ازان ختم قرآن و پنج آیت خواندہ، بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید، و درین وقت اگر شخصے خوش الحان سلام میخواند یا مرثیۂ مشروع شروع میکند، اتفاق شنیدن می شود، و ظاہر است کہ درین اکثر حضار مجلس را و این فقیر را ہم رقت و بکا لاحق می شود، پس اگر این چیزہا نزد فقیر بہمین وضع جائز نمی بود اقدام بران اصلا نمی کرد، و آنچہ امور دیگر نامشروع است تا حاجت بیان ندارد و امام شافعیؒ می فرماید لو کان رفضاً حب آل محمد فلیشہد

المتقلان الی رافضی زیادہ بجز توفیق حسنات چہ برنگارد،

مہر | ۱۱۸۹ هوالعزیز الولی الرحیم

نواب احمد یار خان صاحب کون بزرگ ہین اس کا مجھے پتہ نہ ملا اور نہ اس کی تحقیق کی چندان ضرورت ہی، مقصد تو ایک مقدس ہستی کے خط اور عمل سے ہے، جو اس مکتوب گرامی سے ظاہر ہو رہا ہے، کہ آپ کے ہان مجلس عزا اور مجلس وفات ہر سال قائم ہوتی تھی جسمین محدث علیہ الرحمۃ خود بنفس نفیس بیان فرماتے تھے، نیز سلام اور مرثیہ مشروعہ بھی سنتے تھے،

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اسمین ان رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشار اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشار کا حال اور انشار کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشار اس کی تاریخ کے ماخذ، اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے، لکھائی، چھپائی، کاغذ نہایت عمدہ ضخامت ۴۸۰ صفحے، قیمت:- ۔صہ

مکاتیب شبلی

مولانا شبلی مرحوم کے دوستون، عزیزون، شاگردون کے نام خطوط کا مجموعہ جس مین مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، ادبی نکات ہین، درحقیقت مسلمانون کی تیس برس کی تاریخ ہے طبع دوم

قیمت:- جلد اول ۱۲ - جلد دوم ۱۲

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

ترجمان القرآن جلد اوّل

تالیف مولانا ابو الکلام ضخامت ۴۵۵ صفحے قیمت چھ روپے، پتہ :- دفتر ترجمان القرآن دریا گنج دہلی، یا ۱۹۳ اسٹور روڈ کلکتہ،

واقعات کی رفتار پر جن لوگون کی نظر ہے، ان کو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون مین روز بروز قرآن مجید اور اور خالص قرآن مجید کی طرف توجہ بڑھتی جاتی ہے، اور اسکو سمجھنے اور اس مین غور و فکر کرنیکا میلان ترقی کر رہا ہے، مگر ایک طرف اگر قرآن صرف عمل اور نصیحت پذیری کے لئے پڑھا جائے، تو وہ نہایت آسان ہے لیکن دوسری طرف اگر نکتہ آفرینی اصول فہمی اور استنباطِ مسائل کے لئے پڑھا جائے تو وہ نہایت دقیق و عمیق ہے گو عام مسلمانون کیلئے صرف پہلی حیثیت سے اوس کا پڑھنا اور سمجھنا کافی ہے، مگر نکتہ آفرین اور کاوش و تفسق کے خوگر مسلمان اپنی تسکین و تشفی کے لئے ہر حکم کی گہرائی اور ہر آیت کی تہ تک پہنچنا چاہتے ہین، مگر ظاہر ہے کہ

یہ منصب بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہان

آج کل افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض کوتاہ نظر مسلمانون مین یہ خیال پیدا ہو گیا ہے، کہ قرآن حکیم نہ صرف نصیحت پذیری کیلئے بلکہ نکتہ آفرینی اور استنباطِ مسائل کے لئے بھی نہایت آسان ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہر کہ و مہ قرآن کی ہر آیت کے متعلق بکمال جرأت داد تحقیق دینے کیلئے تیار نظر آتا ہے اور اوراق کی سیاہی مین اپنے دل کی

سیاہی کا مظاہرہ کرتا ہے،

ہمین کوئی شبہہ نہین ہو کہ نوجوان مسلمانون مین قرآنِ پاک کا ذوق مولینا ابو الکلام کے الہلال والبلاغ نے پیدا کیا، اور جس اسلوب بلاغت کمال انشاء پردازی اور زورِ تحریر کے ساتھ اونھون نے انگریزی خوان نوجوانون کے سامنے قرآنِ پاک کی ہدایت کو پیش کیا، اوس نے اون کے لئے ایمان و یقین کے نئے نئے دروازے کھول دیے، اور اون کے دلون مین قرآنِ پاک کے معانی و مطالب کی بلندی اور وسعت کو پوری طرح نمایان کر دیا،

ضرورت تھی کہ اسی مؤثر قلم سے قرآنِ پاک کی پوری تفسیر شایع ہو تاکہ عربی سے نابلد مسلمانون کے لئے نور بینش اور افزایش بصیرت کا سر و سامان اردو مین میسر آئے، ۱۹۱۲ء سے شایقین کا اصرار تھا، اور خود مولانا کی بھی خواہش تھی کہ وہ قرآنِ پاک کا ایک ترجمہ اور ایک تفسیر لکھین، اور مجھے یاد آتا ہے کہ ۱۹۱۳ء مین سب سے پہلے مین ہی نے مولانا کے سامنے ترجمہ و تفسیر دونون کے درمیان کی چیز "تفسیری ترجمہ" کی تحریک کی یعنی ایک ایسا مطلب خیز ترجمہ جو گو بالکل لفظی نہ ہو لیکن لفظون سے الگ بھی نہ ہو، اور ساتھ ہی حسب موقع توضیحی و تشریحی الفاظ بھی اوس کے ساتھ ساتھ ہون، یہ چیز الفاظ و عبارت اور ضخامت اور مولانا کی قلت فرصت کے لحاظ سے مختصر اور ممکن بھی تھی، اور شائقین کی بصیرت اور فہم قرآن کے لئے بھی بس کرتی تھی، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے اس مشورہ کو قبول کیا، اور "تفسیری ترجمہ" کی طرف توجہ کی، لیکن ساتھ ہی ساتھ بڑی تفسیر البیان لکھنے کا خیال بھی اُن کے دل سے محو نہین ہوا، لیکن جنگ عظیم (۱۹۱۴ء) کے اعلان کے بعد ہی سیاسی دار و گیر کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس نے اون کے جیسے آزاد کو بارہا گرفتار اور بارہا آزاد کیا، اس سلسلہ قید و حبس مین اون کے کاغذات و مسودات بھی بارہا قید و نظر بند ہوئے آخر ان پے در پے حوادث کے باد تند نے ان اوراق کو پراگندہ اور منتشر کر دیا، مصنف کو جب کبھی جیل کے اندر یا باہر یکسوئی نصیب ہوئی، اوس نے ان اوراقِ پریشان کو از سرِ نو ترتیب کرنا چاہا، اور عجب نہین کہ مولانا حالی کا یہ شعر اوس وقت ان کی زبان پر ہو،

مین آج بیٹھا ہون ترتیب دینے دفتر کو
ورق کو جب کہ اوڑا لے گئی ہوا ایک ایک

بہرحال گذشتہ سال وہ مبارک وقت آیا، کہ مولانا نے اپنے ترجمہ وتفسیر کی پہلی جلد بنام ترجمان القرآن مرتب کرکے شایع کی، اس جلد مین سورۂ فاتحہ کی پوری مکمل تفسیر اور سورۂ بقرہ وآل عمران ونساء ومائدہ وانعام پانچ سورتون کا (جو آٹھ پارون پرمشتمل ہیں) تفسیری ترجمہ ہے،

مسلمانون نے قرآن پاک کی تفسیرین بہت لکھین، اور شاید ایک بھی نہین لکھی، شاید اسلئے کہتا ہون کہ سلف کی تفسیرین ناپید ہین، اس لئے اون پرحکم لگانا احتیاط کے خلاف ہے، بہرحال کتب تفسیر اور علما کی تفسیری تصنیفات جہان تک نظر سے گذری ہین، علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور خاص ادب واعجاز کے لحاظ سے ابوالفتح عبدالکریم موصلی (مصنف المثل السائر) اور متاخرین مین حضرت شاہ ولی اللہ سے بہتر قرآن کے محقق نگاہ مین نہیں جچے،

علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی مستقل تفسیرین تو ناپید ہین، لیکن یون اون کی ہر تصنیف قرآن پاک کی تفسیر کا ایک ٹکڑا ہے، علاوہ ازین علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر سورۂ اخلاص معوذتین اور سورۂ نور الگ بھی چھپ گئی ہین، اور حافظ ابن قیم کی اقسام القرآن مفتاح دار السعادۃ، اور ابھی حال مین بدائع الفوائد چھپ گئی ہے، ان کتابون سے ان بزرگون کی طرز تفسیر کا پتہ بخوبی چلتا ہے،

بات یہ ہے کہ عموماً تفسیرین دو ہی قسم کی لکھی گئی ہین، یا محض روایتی ونقلی جیسے ابن جریر طبری، ثعالبی، قرطبی، بغوی، ابن کثیر وغیرہ، یا تمامتر عقلی جیسے تفسیر کبیر ابومسلم نیشاپوری، راغب اصفہانی امام رازی نیشاپوری، مدارک وبیضاوی وغیرہ، لیکن ایسی تفسیر جس مین عقل ونقل کی پُراحتیاط آمیزش ہو، اور جسمین اگر روایتین ہون تو وہ بھی روایت ودرایت سے پوری اور عقلیات ہون تو افلاطون وارسطو کی پیروی سے آزاد، اگر لکھی گئی تو علمائے اسلام مین یہ سعادت علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے سوا کسی اور کو نصیب نہین ہوئی، علما، روایت پسند ہوے، تو اسرائیلیات کے شکار ہوے اور علما، عقلیت پسند ہوے، تو یونانیون کے مزخرفات کے اسیر دیا بند، یہ دو بزرگ اسلام مین ایسے ہین، جو اگر ایک طرف روایات کے ناقد ومبصر ہین، تو دوسری طرف یونانیات کے نقاد اور اون کے حق وباطل کے واقف کار ہین، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اون کے دل ان سب سے ماورا، حکمت محمدی کے ذوق چشیدہ اور

اون کے سینے معارف نبوی کے گنجینہ ہین، اون کی تفسیر تمام تر حکمت و مصلحت اور حقیقت و مغز پر مشتمل ہوتی ہو، مگر وہ حکمت نہین جو یونان کے خم کدہ سے اوچھلی ہو، بلکہ وہ جو حجاز کی نہر کوثر سے بہکر نکلی ہو، یا جو فطرت انسانی کے ربانی چشمون سے ابلی ہو،

مصنف ترجمان القرآن کی یہ دیدہ وری داد کے قابل ہے کہ اونھون نے وقت کی روح کو پہچانا، اور اس فتنۂ فرنگ کے عہد مین اُس طرز روش کی پیروی کی، جسکو ابن تیمیہ اور ابن قیم نے فتنۂ تاتار مین پسند کیا تھا، اور جس طرح اونھون نے اس عہد کے مسلمانون کی تباہی کا راز فلسفۂ یونان کی دماغی پیروی کو قرار دیا، اسی طرح اس عہد کے مسلمانون کی بربادی کا سبب ترجمان القرآن کے مصنف نے فلسفۂ یونان و فرنگ کی ذہنی غلامی کو قرار دیا، اور نسخۂ علاج وہی تجویز کیا کہ کلام الٰہی کو رسول کی زبان و اصطلاح اور فطرت کی عقل و فلسفہ سے سمجھنا چاہیے،

پیش نظر کتاب دو حصون پر منقسم ہے، حصہ اول مصنف کی تفسیر البیان مین سے سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے، اور حصہ دوم سورۂ فاتحہ سے لیکر انعام تک کا تفسیری ترجمہ ہے، مصنف کی دیدہ وری اور نکتہ رسی کا اصلی جولانگاہ پہلا حصہ ہے، یہ درحقیقت نصف کتاب ہے اس مین سورۂ فاتحہ کے ایک ایک لفظ کی ایسی دلنشین تشریح، اور بصیرت افزا تفسیر ہے، کہ اوس سے اس سورہ کے ام الکتاب (اصل قرآن) ہونے کا مسئلہ مشاہدۃً معلوم ہونے لگتا ہے، اور اسلام کے تمام مہمات مسائل اور اصول دین پر ایک تبصرہ ہو جاتا ہے، خصوصًا قرآن پاک کے طرز استدلال، خالق کائنات کی ربوبیت و رحمت کے آثار و دلائل اتنی تفصیل سے لکھے ہین، کہ مصنف کی وسعت علم و نظر کی داد بے اختیار دینی پڑتی ہے، اور امام غزالی نے الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ مین اور ابن قیم نے مفتاح دار السعادۃ مین اس بحث پر جو کچھ لکھا تھا، اوس سے زیادہ بسط و تشریح مقتضیات زمانہ کی مطابقت سے ترجمان القرآن مین بحث کی گئی ہے چنانچہ توحید اور دلائل توحید نیز تخلیق بالحق، الہدیٰ اور الدین کی مصنف نے جو قرآنی تشریحین کی ہین، وہ اگر ایک طرف نکتہ پرور ہین، تو دوسری طرف ایمان پرور ہین،

سرسید کے وقت سے لے کر آج تک جس لفظ نے ہوا پرستون کو سب سے زیادہ گمراہ کیا ہے وہ فطرۃ اللہ

کا لفظ ہے، ضرورت تھی کہ مولانا اسکی حقیقت کو بھی واضح فرماتے، اور یہ بھی دل چاہتا تھا، کہ مصنف نے آثار ربوبیت اور آثار رحمت پر جیسے سیر حاصل اور پر معنی مباحث لکھے ہین ویسے ہی یوم الدین اور ملک یوم الدین پر بھی ایک موثر بحث ہوتی، تاکہ ترازو کے دونون پلے برابر رہتے،

سورۂ بقرہ سے لیکر انعام تک کی تفسیر نہین، بلکہ تفسیری ترجمہ ہے، اور اسی کا نام ترجمان القرآن ہے، اسمین مترجم نے یہ کیا ہو کہ اول ہر مضمون کو اختصار کے ساتھ حاشیہ مین ایک کنارہ لکھ دیا ہی پھر اوپر آیت لکھ کر نیچے صفحہ مین تفسیری ترجمہ لکھا ہی، معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کے لئے شاہ عبد القادر صاحبؒ کا ترجمۂ قرآن پیش نظر رہا ہے، یہ تو مشکل ہے کہ ہر شخص دوسرے سے ہر مقام پر اتفاق رائے کر سکے، تاہم بحیثیت مجموعی ترجمہ صحیح دلنشین، موثر اور باوقار ہے،

ترجمان القرآن وقت کی اہم چیز ہے، ضرورت ہے کہ اوسکو گھر گھر پھیلایا جائے، اور نوجوانون کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے، اور ہر اسلامی دار المطالعہ مین اوس کا ایک نسخہ منگوا کر رکھا جائے، مولانا سے بھی عرض ہے کہ وہ اس ضروری تالیف کی تکمیل کو اپنی عمر کا اہم کارنامہ سمجھین، اور دوسرے کامون سے وقت بچا کر سب سے پہلے اوسکو انجام تک پہنچائین، اور ہمین اون کے ایک گرامی نامہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بقیہ جلدین بھی کتابت اور طبع کے لئے حوالہ کی جا رہی ہین،

"س"

الجہاد فی الاسلام

اس کتاب مین اسلامی جہاد کی حقیقت بتائی گئی ہے، اسلام کے قوانین صلح و جنگ کی تفصیل کرکے دوسرے قومون کے قوانین جنگ سے ان کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور موجودہ یورپین قوانین جنگ پر تبصرہ کرکے ان پر اسلامی قانون کا تفوق ثابت کیا گیا ہے، اور مخالفین کے تمام شکوک و شبہات زائل کئے گئے ہین، ضخامت ۴۹۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ قیمت للعہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

یورپ مین دکھنی مخطوطات - از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی حجم ۴۸۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت غیر مجلد للعہ مجلد صہ، مؤلف سے تلجا گوڑہ ترپ بازار، حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکتی ہے،

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی اردو علم ادب کی تاریخ کی ایک کڑی "دکن مین اردو" پیش کرکے اردو کے قدردانون سے خراج تحسین وصول کرچکے ہین، موصوف نے اوسی تالیف کی تکمیل کیلئے دکھنی زبان کے مخطوطات پر معلومات جمع کرنا شروع کئے، اور اسی سلسلہ مین اونھین اون دکھنی مخطوطات کی تفصیلات معلوم کرنے کا شوق ہوا جو یورپ کے مختلف کتب خانون مین محفوظ ہین اور جن کا سب سے پہلا تذکرہ معارف کے صفحات پر مولینا سید سلیمان صاحب ندوی نے اپنے سفر انگلستان کے زمانہ مین کیا تھا، چنانچہ مؤلف نے حکومت سرکار نظام حیدرآباد سے امداد لے کر یورپ کا سفر کیا، اور وہان کے مشہور کتب خانون سے دکھنی مخطوطات کا عطر کشید کیا، اور اب یہی کشید اس مجموعہ "یورپ مین دکھنی مخطوطات" کی شکل مین پیش کی گئی ہے، افسوس ہے کہ مولف کو وہان قیام کا مزید موقع نہ مل سکا، کہ وہ جرمنی وغیرہ کے کتب خانون سے بھی استفادہ کرتے اور یہ مجموعہ صحیح معنون مین "یورپ مین دکھنی مخطوطات" سے موسوم ہو سکتا، کتاب مین سب سے پہلے ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری کا ایک مختصر مقدمہ ہے، پھر مولف کا دیباچہ ہے اور اس کے بعد مخطوطات کا تذکرہ آتا ہے، جو مختلف تاریخی دور "قطب شاہی" "عادل شاہی" "دور مغلیہ" "میسور" "ارکاٹ" اور "دور آصفی" وغیرہ مین تقسیم کرکے تاریخ وار لکھے گئے ہین، ان مین سے اکثر مضامین "خاور نامہ" "عادل شاہی عہد مین دکھنی مخطوطات" اور "ارکاٹ کے دکھنی مخطوطات"

وغیرہ وقتاً فوقتاً معارف کے صفحون مین شائع ہوتے رہے ہین، اس لئے اس کتاب کے بہ کثرت نمونون سے ناظرین معارف پہلے سے آگاہ ہین، کتاب کے آخر مین مختلف فہرستین بہ ترتیب حروف تہجی منسلک کیگئی ہین، جناب ہاشمی نے اپنی ان تحقیقات واکتشافات سے اردو تاریخ کی بڑی خدمت انجام دی ہے،

پنجاب کی فصلین وسبزیات ۔ مترجمہ جناب چودھری ظفر عالم صاحب، بی ایس سی اگریکلچرل اسسٹنٹ زراعتی کالج لائل پور، حجم ۸۵ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸؍ پتہ ۔ سول اینڈ ملیٹری گزٹ پوسٹ بکس نمبر ۳۰۳، لاہور،

مسٹر ڈی مِلن سی، ای، ای، آئی ٹی ایس، ڈائرکٹر محکمۂ زراعت پنجاب اور جناب خانصاحب علی محمد آئی سی اسسٹ بائنسٹ حکومت پنجاب لائل پور نے باہمی اشتراک سے ایک کتاب انگریزی زبان مین "فیلڈ اینڈ گارڈن کراپس آف دی پنجاب" لکھی تھی، جناب چودھری ظفر عالم صاحب بی ایس سی نے ان مصنفین کے ایمار سے اسکو اردو مین "پنجاب کی فصلین و سبزیات" کے نام سے منتقل کیا ہے، کتاب چند بابون مین تقسیم ہے، جن مین اولاً مختلف موسمون کی مختلف فصلین بیان کی گئی ہین، پھر غلون، ترکاریون اور سبزیون کی کاشت کے طریقے اور نگہداشت وغیرہ کے معلومات وہدایات درج ہین، اس کے بعد ایک زراعتی کیلنڈر مرتب کیا گیا ہے جس مین غلون اور ترکاریون پر مختلف فصلون مین جو مختلف عمل کئے جاتے ہین، اون کا ماہانہ نقشہ مرتب کیا گیا ہے، پھر فصلون اور ترکاریون کو جو مختلف بیماریان لگ جاتی ہین، اون کی اصلاح کے مختلف نسخے اور طریقے درج کئے گئے ہین، سب سے آخر مین ایک باب متفرقات ہے، جس مین مختلف زرعی معلومات طاقت روئیدگی کی دریافت کا طریقہ، زرعی آلات اور کلین، زرعی اشیاء کے اجزائے کیمیائی، اور اسی طرح مختلف ضروری اوزان اور پیمانے اور مختلف مفید اعداد و شمار درج کئے گئے ہین، اس مین شبہہ نہین کہ یہ زرعی معلومات کا ایک اچھا مجموعہ ہے، اور فن زراعت کے مستند ماہرین پر اسکی صحت کی ذمہ داری ہے، اس لئے اس سے فائدہ اوٹھانا چاہئے، ترجمہ صاف، سلیس اور روان ہے، لیکن فصلون، ترکاریون کے نامون اور زرعی اصطلاحون کو کہین کہین پنجابی نامون اور اصطلاحون مین ادا کیا گیا ہے، اگرچہ یہ رسالہ خصوصیت سے باشندگان پنجاب کے لئے لکھا گیا ہے، تاہم اگر قوسین مین اون کے اردو نام

واصطلاحات بھی درج کئے جاتے تو زیادہ سہولت ہوتی، لیکن پھر بھی ایسے خالص پنجابی ناموں اصطلاحوں کی تعداد نسبتہً زیادہ نہیں ہے، انکا مفہوم اس کے باوجود بھی واضح ہوجاتا ہے، اس لئے ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے زراعت پیشہ اصحاب اور زراعت سے دلچسپی رکھنے والے اشخاص بھی اس سے فائدہ اوٹھا سکتے ہیں،

گناہ کی دیوار:۔ از جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی حجم ۷ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت درج نہیں، پتہ :۔ مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

"گناہ کی دیوار" ایک سبق آموز ڈراما ہے، حسین ایک اعلی تعلیم یافتہ، شاعر مزاج، اور حساس نوجوان نرمل نام اپنی شادی کے بعد اپنی بیوی کو ایک شاعر خیال عورت ہونے کے بجائے ہندوستان کی ایک معصوم دیبی پاتا ہے اور اسکی طرف مائل نہیں ہوتا، نرمل کے بعض احباب کامنی کو فریب سے نکال لے جاتے ہیں، اور ایک چکلہ میں فروخت کرتے ہیں، اور پھر ایک اصلاحی انجمن کا ایک ممبر اوسکو آزاد کراتا ہے، نرمل اخبارات میں روداد دیکھ کر کامنی کو لینے آتا ہے، اور وہ "گناہ کی دیوار" حائل ہونے کی وجہ سے ساتھ جانے سے انکار کرتی ہے، فسانہ کا پلاٹ دلچسپ اور سبق آموز ہے، اگرچہ اختصار مد نظر ہونے کے باعث کہیں کہیں سے تشنہ رہ گیا ہے، ڈراما اخلاقی اور ازدواجی حیثیت سے پڑھنے کے لائق ہے،

اربعین عندلیب از مولوی محمد عبد الوہاب صاحب عندلیب حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت درج نہیں، پتہ دفتر رسالہ واعظ حیدرآباد دکن،

"اربعین عندلیب" ایسی چالیس حدیثوں کا مجموعہ ہے، جو کھانے پینے اور دعوت وضیافت سے متعلق ہیں، مرتب نے احادیث کے مفہوم کو اردو میں نظم کیا ہے، جو ہر حدیث کے نیچے مکتوب ہے،

ہمارا دین مولفہ جناب سید نواب علی صاحب رضوی ایم اے جونا گڈھ حجم ۴۴ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت ۱ر پتہ :۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی،

مصنف نے اس میں تو مسلموں کو آسان طریقے سے اسلام کی حقیقت سمجھائی ہے، جس میں پہلے "کلمہ طیبہ" پھر ایمان مفصل "برکات اسلام" اور "تعلیم اسلام" کے عنوانوں سے اسلام کی تعلیمات اور اوس کے ارکان خمسہ کو عام فہم اور سلیس

زبان میں لکھا گیا ہے،

دربارِ رسالت از مولوی فضل اللہ حبیب خان شاہجہانپوری، ناظم مدرسہ ہاشمیہ بمبئی حجم ۱۲۶ صفحے تقطیع چھوٹی،

کاغذ اچھا، اور لکھائی چھپائی بچون کے مناسب قیمت ، ر مولف سے مدرسۂ ہاشمیہ بمبئی نمبر ۸ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

اس رسالہ مین آنحضرت صلعم کے سوانح مبارک عام فہم اور سلیس انداز مین اسلامی مدارس کے طلبہ کیلئے لکھے گئے ہین، رسالہ کی ترتیب اچھی ہے، اولاً اسلام سے پہلے عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت وغیرہ بیان کی گئی ہے پھر آنحضرت صلعم کی پیدائش سے وفات تک کے حالات ہین، اس کے بعد ایک باب مین اخلاق نبوی کا تذکرہ ہے اور پھر اسلامی تعلیمات اور اسکی حقیقت و حکمت بیان کی گئی ہے، اور سب سے آخر مین "آنحضرت صلعم اغیار کی نگاہون مین" کے عنوان سے مختلف غیر مسلم اکابر کی رائین آپ کے متعلق درج کی گئی ہین، کتاب مدارس مین پڑھانے کے لائق ہے،

شروط الائمۃ الستہ (عربی) تصنیف حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی حجم ۲۴ صفحے مجلس اشاعۃ العلوم شبلی گنج حیدرآباد دکن،

زیر نظر رسالہ مین حافظ مقدسی نے ائمۂ ستہ یعنی امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ کے وہ شرائط بیان کئے ہین، جن کے ماتحت اون کی کتابون مین حدیثین اخذ کی گئی ہین، اور اسی سلسلہ مین اون مختلف ائمہ کے مختلف شرائط کے باہمی فرق کو بھی دکھایا ہے، یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے، لیکن علم حدیث کے طلبہ و اساتذہ کیلئے اس کا مطالعہ مفید اور مناسب ہوگا،

الوسیلۃ العظمی (عربی)، از مولوی سید غلام محمد برہان الدین قادری حجم ۱۲۶ صفحے، قیمت مہر مجلس اشاعۃ العلوم شبلی گنج حیدرآباد دکن

رسالہ الوسیلۃ العظمی مجلس میلاد مین ذکر ولادت کے وقت قیام کرنے کے اثبات مین لکھا گیا ہے، جس مین اولاً قیام کرنے کے خلاف بیان کردہ دلائل کی تردید کی گئی ہے، اور پھر اپنے نقطۂ نظر سے قیام کے اثبات کے دلائل دیے ہین،

"س"

جلد بست و ششم ۲۶ | ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۹ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۰ء | عدد پنجم ۵

مضامین

الصّلوٰۃ علیٰ ترجمان القرآن

آہ! مولٰنا حمید الدّین!

الصّلوٰۃ علیٰ ترجمان القرآن (مفسرِ قرآن کی نماز جنازہ) وہ صدا ہے جو آج سے ساڑھے چھ سو برس پیشتر مصر و شام سے چین کی دیواروں تک ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی نمازِ جنازہ کے لیے بلند ہوئی تھی، حق ہے کہ یہ صدا آج پھر بلند ہو اور کم از کم ہندوستان سے مصر و شام تک پھیل جائے، کہ اس عہد کا ابن تیمیہ ۱۱ر نومبر ۱۹۳۰ء (۱۹ر جمادی الثانیہ ۱۳۴۹ھ) کو اس دنیا سے رخصت ہوگیا، وہ جس کے فضل و کمال کی مثال آیندہ بظاہر حال عالم اسلامی مین پیدا ہونے کی توقع نہین، جس کی مشرقی و مغربی جامعیت عہدِ حاضر کا معجزہ تھی، عربی کا فاضلِ یگانہ اور انگریزی کا گریجوایٹ، زہد و ورع کی تصویر، فضل و کمال کا مجسمہ، فارسی کا بلبلِ شیراز، عربی کا سوقِ عکاظ، ایک شخصیتِ مفرد، لیکن ایک جہانِ دانش! ایک دنیاے معرفت! ایک کائناتِ علم! ایک گوشہ نشینِ مجمعِ کمال، ایک بینوا سلطانِ ہنر، علوم ادبیہ کا یگانہ، علوم عربیہ کا خزانہ، علوم عقلیہ کا ناقد، علوم دینیہ کا ماہر، علوم القرآن کا واقفِ اسرار، قرآنِ پاک کا داناے رموز، دنیا کی دولت سے بے نیاز، اہل دنیا سے مستغنی، انسانون کے ردّ و قبول اور عالم کے داد و تحسین سے

بے پروا، گوشۂ علم کا معتکف، اور اپنی دنیا کا آپ بادشاہ، وہ ہستی جو تیس برس کامل قرآن پاک اور صرف قرآن پاک کے فہم و تدبّر اور درس و تعلیم مین محو، ہر شے سے بے گانہ، اور ہر شغل سے نا آشنا تھی، افسوس کہ اُن کا علم اون کے سینہ سے سفینہ مین بہت کم منتقل ہو سکا، مسودات کا دفتر چھوڑا ہے، مگر افسوس کہ اُس کے سمجھنے اور ربط و نظام دینے کا دماغ اب کہان، جو چند رسالے چھپے وہ عربی مین ہین، جن کے عوام کیا علما تک نا قدرشناس، اون کی زندگی ھمارے لیے سرمایۂ اعتماد تھا، اور اُن کا وجود دار المصنّفین کے لیے سہارا تھا، افسوس کہ یہ اعتماد اور یہ سہارا جاتا رہا، اور صرف اوسی کا اعتماد اور سہارا رہ گیا، جس کے سوا کسی کا اعتماد اور سہارا نہین، اس سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ یہ ہستی آئی اور چلی گئی، لیکن دنیا اُن کی قدر و منزلت کو نہ پہچان سکی اور اُن کے فضل و کمال کی معرفت سے نا آشنا رہی،

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح
باز پس رفتی و کس قدرِ تو نشناخت دریغ

زندگی گمنامی مین گذاری، مرنے کے بعد بھی گمنامی کا گوشہ تلاش کیا، متھرا مین جہان اپنے ایک ہموطن ڈاکٹر سے جو دس برس سے اُن کے معالج خاص تھے، علاج کرانے تشریف لے گئے تھے، وہین انتقال فرمایا، عمر شریف ۶۸ برس کے قریب تھی، مگر دائمی دردِ سر کی شکایت کے سوا قویٰ بہت اچھے تھے، ہم گنہگار اون کی مغفرت کی دعا کیا مانگین، کہ اُن کے انفاس متبرکہ ہمہ تن یادِ خدا، صبر و رضا، شکر و تسلیم مین صرف ہوتے تھے، اون کی نماز ہمہ تن

لطف محویت ہوتی تھی، اُن کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، اپنی زندگی ہی مین اپنی مغفرت کے کئی خواب دیکھے تھے،

خداوندا! ہمین توفیق دے کہ اُن کے نقش قدم پر چل کر ہم بھی تیری مغفرت کے سزاوار و مستحق ٹھہرین، اور مرنے والے کو اپنی رضا و محبت کی بہشت عطا فرما، کہ وہ اسی کا طالب تھا،

او اخر عمر مین مرحوم کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ چند مستعد طلبہ کو اپنے مذاق کے مطابق تیار کرین، چنانچہ کم از کم دو طالب العلمون کی خاص طور سے اُنھون نے دماغی تربیت کی، ہم سب کی دعا ہے کہ وہ مدرسۂ اصلاح المسلمین کو سنبھال لین، جو مرحوم کی سب سے بڑی مادی یادگار ہے، تفسیر کے اجزا جو مکمل ہونگے اُن کی اشاعت کی فکر کیجائے گی، مگر آہ! کہ اس ناقدرشناس دنیا مین ان جواہر ریزون کی کون قدر کرے گا، اور کون سرمایہ بہم پہنچائے گا،

رحمۃ اللہ علیٰ ذاتِ الحمید

مقالات

عرب اور فنِ زراعت

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

اسلامی فتوحات کی ابتدا میں مجاہدین کی خواہش تھی کہ مفتوحہ ممالک کی آراضی اوسی طرح مالِ غنیمت کے طور پر باہم تقسیم کر دیجاے، جیسے اشیائے منقولہ کو تقسیم کر دیا جاتا تھا، اور خلافت صدیقی تک تقریباً اسی پر عمل درآمد جاری رہا،

لیکن جب عہد فاروقی آیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے یہ روش پسند نہین فرمائی اور بعض کبار صحابہؓ کی مخالفت کے باوجود فوج کے درمیان تقسیمِ آراضی کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا، اور حقِ خدمت کے معاوضہ مین بیت المال سے وظیفے اور تنخواہین جاری ہوگئین جس کی وجہ سے آراضی کے پچھلے قابضین بیدخل ہونے سے محفوظ ہوگئے[1]،

اس کے بعد مفتوحہ ممالک مین زراعت اور کاشتکاری سے کنارہ کش رہنے کیلئے مسلمانون پر اسقدر قیود عائد کئے گئے کہ ابن عساکر کے بیان کے مطابق جب کوئی ذمی (غیر مسلم رعایا) اسلام قبول کرتا تو اسکی تمام آراضی اُسی مقام کے غیر مسلمونکے قبضہ مین دیدیجاتی اور وہی اس کا خراج ادا کرتے، اور اس نومسلم کو فوجی خدمت سپرد کیجاتی، اور اس کے معاوضہ مین بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوتا[2]،

---

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسف طبع مصر ص ۱۴، ۱۵، ۲۹ [2] بحوالہ المجمع العلمی العربی ج ۷، ص ۱۰۷ مقالہ تاریخ الزراعۃ فی بلاد العالم العربی

عربی مدنیت یا اسلام کی ابتدائی تاریخ مین فن زراعت کا یہ پہلا دور تھا بعض مستشرقین یورپ عربی حکومت کے اس ابتدائی طرز عمل سے اُس پر الزام لگاتے ہین کہ مسلمانون نے کاشتکاری کے پیشہ کو ذلیل سمجھ کر ترک کر دیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ مکہ کے قریش جو تاجر و سوداگر تھے وہ کاشتکاری کو بہت ذلیل سمجھتے تھے[1] لیکن اسلام نے آکر اُن کے اس خیال کو بدلا، اور اُس کو ایک نیکی کا کام بتایا، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی کوئی پودا نصب کرتا ہے تو ہر وہ پرند جو اُس سے کھاتا ہے اور ہر وہ شخص جو اُسکے سایہ مین آرام پاتا ہے اسکا ثواب اُس کے بونے والے کو ہوتا ہے[2]، حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی فتوحات کا دائرہ ایک عظیم ترین مقصد کو پیش نظر رکھ کر وسیع کیا جاتا تھا، اسلام کے گرد و پیش ایسے حالات جمع ہوگئے کہ اسکو بیک وقت دنیا کی عظیم ترین طاقتون سے اعلان جنگ کرنا پڑا، اس کے ساتھ یہ بھی امر واقع تھا کہ جانثاران اسلام کی تعداد نہایت قلیل تھی، اگر وہ مفتوحہ علاقون مین داخل ہوکر زراعت اور کاشتکاری مین مصروف ہوجاتے تو چند ہی دن بعد ان کے آگے بڑھنے کا سلسلہ موقوف ہوجاتا، آج بھی متمدن حکومتین اپنے مصالح کے لحاظ سے اپنے سپاہیون پر ہر قسم کے قیود (ازدواجی زندگی سے الگ رہنا وغیرہ) عائد کرتی ہین، اسی طرح عربی حکومت نے بھی ابتداً اپنے مصالح کے لحاظ سے یہی قانون نافذ کیا،

ورنہ عربی حکومت کے اس ابتدائی دور مین بھی جہانتک زراعت پر توجہ کرنے کا تعلق ہے پوری توجہ منعطف کی گئی، حضرت عمرؓ کے عہد حکومت مین تمام ممالک مفتوحہ کا نئے سرے سے بندوبست ہوا اور منصفانہ طریقہ سے خراج (لگان) کی تعیین کی گئی، بلکہ مسلمانون کو قانوناً کاشتکاری سے الگ رکھنے کی وجہ سے ممالک مفتوحہ کے باشندون کو یہ اہم فائدہ پہنچا کہ ملک کی تمام آراضی اوبھی قدیم غیر مسلم زمیندارون کے قبضہ مین رہی، اس کے ساتھ اُن کی حقیت وملکیت و دیگر تمام حقوق و اختیارات بدستور قائم رہے، نیز افتادہ (پڑتی) زمینون کے متعلق عام حکم جاری کیا گیا، کہ وہ آباد کرنے والون کی ملکیت تسلیم کیجائیگی،

[1] صحیح بخاری غزوۂ بدر قتل ابی جہل [2] صحیح مسلم باب الغرس،

چنانچہ اسلامی قانون کی یہ ایک نہایت مشہور دفعہ ہے کہ

من احیا أرضا مواتا فھی لہ — جس نے پڑتی زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ہے[1]،

پھر حکومت نے آبپاشی پر خاص توجہ کی تمام ممالک مفتوحہ مین نہرین جاری کی گئین، بند باندھے گئے، تالاب کھودے گئے، نہرون کو شاخ در شاخ پھیلایا گیا، چنانچہ آبپاشی کے صرف ان صیغون پر صرف مصر مین ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے[2]، اسلئے درحقیقت حضرت عمرؓ کے اوس امتناعی حکم کے باوجود کہ مسلمان ممالک مفتوحہ کی زراعت میں حصہ نہ لین، ممالک مفتوحہ کی زرعی ترقی مین روزبروز اضافہ ہوتا گیا، کیونکہ لوگ از خود جلب منفعت کے لئے زراعت مین حصہ لیتے اور ملک کی زرعی ترقی کو آگے بڑھاتے،

علاوہ ازین عہد فاروقی مین زمین کے محصول مین بھی نمایان اصلاح کی گئی، رومی وایرانی عہد مین خراج کا جو طریقہ رائج تھا اس مین ترمیم کرکے عام ملک کی پیمایش کی گئی، پھر رقبہ اور پیداوار کے لحاظ سے خراج عائد کرنے کے لئے تخمینے تیار کئے گئے، چنانچہ عثمان بن حنیف نے اسی عہد مین رقبۂ زمین، قسم پیداوار اور اس کے خراج کا ایک مندرجۂ ذیل نقشہ تیار کیا۔

قسم پیداوار،	رقبۂ زمین،	شرح خراج
گیہون،	فی جریب (جو تقریباً پون بیگہ پختہ ہوگی)	۴ درہم سالانہ
جو،	″ ″	۲ درہم ″
انگور	″ ″	۱۰ درہم ″
کھجور	″ ″	۸ درہم ″
نیشکر	″ ″	۶ درہم ″

[1] کتاب الخراج ص ۳۶، [2] خطط مصر مقریزی ج ۱ ص ۷۶،

ترکاریان	"	"	۳ درہم "
روئی	"	"	۵ " "

جب حضرت عثمان بن حنیف نے زمین کی پیمایش کے بعد یہ نقشہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا تو آپنے اس کے قبول کرنے مین اسلئے پس وپیش فرمایا کہ شاید کاشتکارون پر اون کی حیثیت سے زیادہ بار دیا گیا ہو، لیکن جب حضرت عثمان رضنے یہ کہتے ہوئے یقین دلایا کہ آپ اس سے زیادہ میری زمین پر مالیہ عائد کر سکتے ہین اور وہ میرے لئے گران نہ ہوگا، تو پھر آپنے بعض کاشتکارون کی مزید اطمینان دہی کے بعد اس کو رائج کیا لیکن یہ مندرجۂ بالا نقشہ بھی تمام آراضی کے لئے نہین تھا، جن جن مقام پر زمین مین جو استعداد تھی، اوسی مناسبت سے لگان لگایا گیا، یہ نقشہ ایک ایسی زمین کا ہے جو بہتر سے بہتر کہی جا سکتی تھی؛ ورنہ مختلف مقامات پر خراب قسم کی زمینون پر اس سے بہت ہی کم مالیہ عائد کیا گیا، جس کی پوری تفصیل کتاب الخراج امام ابو یوسف مین جابجا ملتی ہے[۱]،

لگان کی اس شرح کی آسانی سے ملک مین عام زرخیزی و سرسبزی پیدا ہوگئی، لوگ مختلف مشاغل اور پیشے ترک کرکے زراعت مین مصروف ہوگئے، اس دور کی زرعی ترقیون کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرضؓ کے عہد حکومت مین صرف ایک ملک عراق کی سالانہ مالگذاری ۱۰ کرور ۲۸ لاکھ درہم وصول ہوتی تھی[۲]،

اس کے ساتھ زراعت سے عربون کی اس علحدگی کے معنی یہ بھی نہین ہین کہ وہ اس پیشہ سے قطعاً محروم کر دئے گئے ہون، بلکہ کبھی کبھی انھین وہ سرکاری آراضی جو قدیم شاہی جاگیردارون، زمیندارون، مفرورون اور باغیون کی عدم موجودگی سے اسلامی حکومت کے قبضہ مین آجاتی تھین، مسلمانون کو زراعت کے لئے دیجاتی تھین[۳]، اس لئے عربون کی ایک جماعت گو کہ وہ بہت چھوٹی تھی، اس عہد مین بھی

---

[۱] کتاب الخراج ص ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۸ وغیرہ [۲] معجم البلدان یاقوت رومی ج ۵ ص ۱۴۲ [۳] کتاب الخراج ص ۲۹ وغیرہ،

زراعت پیشہ تھی،

اس کے بعد جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، عرب کے بعد شام، عراق، مصر، ایران اور شمالی افریقہ پر عربی پرچم لہرانے لگے تو رفتہ رفتہ مسلمانون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا گیا، اسلئے زراعت سے مسلمانون کو جو عام بے تعلقی قائم ہو گئی تھی، وہ زیادہ دنون تک قائم نہین رہی، اور ان مین ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جو لڑائیون کی شرکت، مشاغل تجارت اور صنعت وحرفت سے الگ تھی، کیونکہ دائرۂ فتوحات کی وسعت کے ساتھ ساتھ ایسی افتادہ آراضی روز بروز بڑھتی گئی جو رومی وایرانی دورِ حکومت مین حکومت وعمالِ حکومت کے قبضہ مین تھی، اور جس پر اب اسلامی حکومت کے مستولی ہونے کے بعد کسی کا حقِ ملکیت قائم نہین تھا، علاوہ ازین ایسی اراضیان بھی خالی پڑی تھین جنکے مالک انقلابِ حکومت کے باعث یا تو ترکِ وطن کر چکے تھے یا لڑائیون مین کام آچکے تھے، اور ان کا کوئی والی و وارث حقدار موجود نہ تھا، چنانچہ امیر معاویہ والیٔ شام نے خلافتِ عثمانی مین اس قسم کی اراضی کے نظم ونسق کے متعلق بارگاہِ خلافت سے استصواب کیا، اور یہ اراضیان حضرت عثمانؓ کی اجازت سے مسلمانون مین تقسیم کیگئین، اور نہین سے اسلامی مقبوضہ علاقون مین عربون کی کاشتکاری کا دور شروع ہوتا ہے"

پھر جب عام طریقہ سے مسلمانون کی کاشتکاری کا آغاز ہو گیا تو اُن سرکاری زمینون سے گذر کر ملک کی بنجر زمینون پر نظر پڑی، اور ان کو قابلِ زراعت بناکر نہایت تیزی سے آباد کرنا شروع کیا، اور پھر تو رفتہ رفتہ بقول ایک شامی اہلِ قلم عربی زراعت کو ممالک مفتوحہ مین اسی طرح فروغ حاصل ہو گیا جیسے عربی زبان دوسری ملکی زبانون یونانی، سریانی، لاطینی، فارسی اور قبطی پر حاوی ہو کر رواج پذیر ہو گئی[1]"

لیکن اسکا یہ مقصد نہین کہ عربون نے اس دور مین زمین کے قدیم قابضون کو اُن کی آراضی سے

[1] المجمع العلمی العربی ج ۲، ص ۱۰۸،

بیدخل کر دیا ہو، کیونکہ اس کے باوجود عربون کو بالعموم وہی آراضیان دیجاتی تھین، جو حکومت کی ملکیت مین ہوتی تھین، اسلئے اسلامی مملکت مین آراضی کی دو قسمین ہوتی تھیں، ایک "عشری" کہلاتی تھین، اور دوسری "خراجی"، عشری آراضیان مخصوص مسلمانون کی ملکیت ہوتی تھین، اور اُن پر وہی لگان ہمیشہ قائم رہا جو عرب مین مسلمان کاشتکارون پر عائد ہوا تھا،

اسلامی قانون مین معاشی واقتصادی حیثیت سے عشری آراضی کا قانون خاص طور سے قابل ذکر ہے، "عشر" پیداوار کے اس دسوین حصہ کا نام تھا، جو مسلمان کاشتکار حکومت اسلامی کو زمین کا لگان ادا کرتے تھے، اس کے ساتھ خصوصیت یہ تھی کہ جن آراضیون کی آبپاشی قدرتی ذرائع بارش، دریا اور قدرتی نہرون سے ہوتی تھی اون کی پیداوار کا دسوان حصہ وصول کیا جاتا تھا، لیکن جو زمینین مصنوعی وسائل مثلاً مصنوعی نہر، کوئین، اور کھودے ہوے تالابون سے سیراب کیجاتین، یعنی جن کی آبپاشی مین کاشتکار کو غیر معمولی مشقت برداشت کرنی پڑتی، انکا لگان عشر کا نصف یعنی پانچوان حصہ ہوتا[1]، نیز اُس کے ساتھ یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ یہ قانون اپنے دونون دفعات کے ساتھ صرف اُسی وقت نافذ العمل ہوتا، جب زمین کی پیداوار زمین سے کم از کم ۵ ترش یعنی ۳۰۰ صاع (ایک صاع مساوی ۲۰۷ رطل) کاشتکار کے گھر مین آجاتا، جو اپنے تناسب کے لحاظ سے سال بھر کے خرچ سے فاضل ہوتا، ورنہ کاشتکار لگان سے بری کردئے جاتے، اسی طرح اگر کسی آراضی پر کوئی آفت ارضی وسماوی آجاتی تو اسکی لگان معاف کردیجاتی[2]، اس رعایت کا حقیقی فائدہ کاشتکارون کو اُسوقت حاصل ہوتا جب ملک مین قحط اور خشک سالی ہوتی تو اسوقت پورا ملک لگان سے واگزار ہوتا،

مسلمانون کے ساتھ یہ رعایت خصوصیت سے اسلئے تھی کہ اسلامی حکومت کی طرف سے ان پر بعض ایسے محصول عائد تھے، جو غیر مسلمون پر واجب الادا نہین تھے، مثلاً مسلمانون کے مویشیون، گھوڑون،

[1] کتاب الخراج ص ۲۱ [2] الجامع الصغیر امام محمد بہامش کتاب الخراج ص ۲۱ و ۲۲،

اور نقد رقم پر زکوٰۃ واجب تھی، حالانکہ ملک مین غیر مسلمون کے پاس بھی مویشی، گھوڑے اور نقد دولت موجود تھی، لیکن اون کی ان ملکیتون سے حکومت کو کوئی سروکار نہ تھا اس موقع پر جزیہ کی اوس رقم سے اشتباہ نہ ہو جو خصوصیت سے صرف غیر مسلمون پر عائد تھی، یہ رقم دراصل غیر مسلمون کو فوجی خدمت سے سبکدوش کرنے اور اُن کے جان مال اور املاک کی حفاظت کے عوض وصول کی جاتی تھی، جیسے کہ ترکی حکومت عہد عثمانی مین اور شاید دور حاضر کی جمہوریت مین بھی ایسے تمام مسلم و غیر مسلم باشندون سے جو اپنے کو جبری فوجی خدمت سے مستثنیٰ کرانا چاہتے تھے یہ رقم وصول کرتی تھی، لیکن چونکہ اسلامی عہد حکومت مین کوئی مسلمان فوجی خدمت سے قانوناً سبکدوش نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لئے یہ رقم صرف غیر مسلمون ہی کے ذمہ عائد ہوتی تھی، اور اسی لئے جزیہ کی رقم سے غیر مسلمون مین سے بوڑھے، بچے، عورتین، اندھے، اور لاچار جو فوجی خدمت انجام دینے کی صلاحیت نہین رکھتے تھے قانوناً مستثنیٰ تھے،[۱]

علاوہ ازین عشری آراضی مخصوص طور پر وہی تھی، جو حکومت اسلامی سے کسی مسلمان کو ملتی تھی، ورنہ اگر کوئی مسلم کسی غیر مسلم کی آراضی کو کرایہ پر لیکر کاشت کرتا تو اس پر بھی وہی خراج واجب لادا ہوتا جو اوس زمین کے مالک پر عائد کیا جا چکا تھا،[۲]

اس کے بعد جیسے جیسے ممالک اسلامیہ کی زرخیزی بڑھتی گئی، خراج کے طریقون مین بھی تغیر و تبدل ہوتا گیا، عرب مورخین مین سے فخری، بلاذری، طبری، اور ابن اثیر وغیرہ نے مختلف دور کے مختلف حالات لکھے ہین، جن سے ہر عہد کی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے، لیکن ان کا تذکرہ نہایت طویل ہوگا،

مگر مجموعی طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اضافے کاشتکارون کے لئے گران ہونے کے بجائے خوش آیند ثابت ہوتے تھے، کیونکہ حکومت لگان کے اضافہ کے ساتھ ملک کی زرخیزی و سرسبزی کا بھی سامان بہم

---

[۱] کتاب الخراج ص ۶۹، ۷۰، [۲] ایضاً ص ۳۵،

پہنچاتی تھی، کاشتکارون کی ضروریات کا مخصوص لحاظ کیا جاتا، غلون کا نرخ متعین ہوتا، ممالک محروسہ مین ہر جگہ جاسوس اور خفیہ پرچہ نویس ہوتے جو غلہ کے نرخ کے تغیر و تبدل اور کاشتکارون پر عمالِ حکومت کی دست اندازی وغیرہ سے مرکزی حکومت کو مطلع کرتے، اور حکومت ایسے موقعون پر تحقیقات کرکے مناسب تدارک کرتی تھی؛

اسلامی عہدِ حکومت مین زراعت کی ترقی کا پتہ حکومت کی اوس آمدنی سے بھی چلتا ہے، جو اوسکو ممالک محروسہ سے حاصل ہوتی تھی، کیونکہ خراج کا بیشتر حصہ زمین ہی کی مالگذاری پر مشتمل تھا، مثلاً ابن خلدون کے بیان کے مطابق صرف مامون کے عہدِ حکومت مین حکومت کی مجموعی آمدنی ۳۹۰۸۵۵۰۰۰ درہم تھی؛

مگر اس موقع پر اس حقیقت کو گو وہ ہمارے لئے نہایت تلخ ہو، فراموش نہین کیا جاسکتا کہ جب امتدادِ زمانہ سے مسلمانون کی حکمران جماعتون سے اسلام کی حقیقی روح (اسپرٹ) فنا ہو گئی، اور اسلامی حکومتون کا اصل مطمحِ نظر محض بادشاہی و حکمرانی باقی رہ گیا، تو اسلام کے نافذ کئے ہوئے اصول و قوانین کا نہایت غلط استعمال ہونے لگا، اور اگرچہ قوانین کے دفعات اپنے ظاہری الفاظ کے ساتھ اس دور مین بھی نافذ رہے، مگر ان قوانین مین جو حقیقی روح تھی، وہ رفتہ رفتہ جاتی رہی، اور اس کا اثر ممالک اسلامیہ کی زراعت و کاشتکاری پر بھی نہایت گہرا پڑا، چنانچہ اس دور مین ممالک محروسہ کی آراضی کا بیشتر حصہ عملاً مسلمانون کی کاشتکاری مین آگیا، گو قوانین کے ظاہری الفاظ کی پابندی کرتے ہوئے مسلمانون کو وہی آراضیان عطا کی گئین، جو اسلامی مملکت کے قبضہ مین آگئی تھین، مگر اسلام کی سلف و خلف حکومتون میں تدریجی طور پر یہ نمایان فرق پیدا ہو گیا کہ عہدِ اول میں اسلامی حکومت کے قبضہ مین صرف وہی زمینین تھین، جو ممالک مفتوحہ کے قدیم حکمرانون کی ملکیت ہوتیں یا لاوارثون، مفرورون اور باغیون کے ذریعہ سے حکومت کے قبضہ مین داخل

۵؎ ابن اثیر ج ۶ ص ۳۱۳ ۵۳؎ بحوالہ التمدن الاسلامی جرجی زیدان،

ہوتین، اور وہی مسلمانون مین "عشری" بناکر تقسیم کیجاتین، لیکن اسلام کی خلف حکومتون نے اس کے ماسوا ایک جدید شکل بھی اختیار کرلی، اور وہ "فتوحات کی نوعیت" تھی،

یعنی جب کسی ملک مین اسلامی حکومت قائم ہوجاتی، اور رفتہ رفتہ فوجی پیش قدمیون سے جو نومفتوح شہر قبضہ مین آتے جاتے، وہ جس نوعیت سے فتح ہوتے، وہان کے باشندون سے جس قسم کے معاہدے اور صلحین ہوتین، اوسی لحاظ سے وہان کی زمینین حکومتِ اسلامی کے قبضہ مین داخل ہوتین، چنانچہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ اہلِ شہر اسلامی لشکر کا نہایت شدت سے مقابلہ کرتے، اور جب اسلامی لشکر بزورِ شمشیر شہر کے دروازے کھول لیتا تو اسکا پورا علاقہ بھی ضبط کرلیا جاتا اور وہ اسلامی حکومت کی ملکیت قرار پاتا، لیکن جو شہر صلح و آشتی سے زیرِ اقتدار آتے انکی آراضیان واگذار ہوتین؛

اسکو بھی اصول قانون کے روسے توکسی قدر صحیح کہا جاسکتا ہے لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اسلامی حکومتون کے اس آخری عہد مین کبھی کبھی ایسا بھی پیش آیا ہے کہ اہلِ شہر اپنی مدافعت مین شہر سے شمشیر بکف نکلے، اور تابِ مقاومت نہ لاکر صلح و آشتی کا پیغام دیتے، تو وہ صرف اسی قانون سے فائدہ اُٹھانے کے لئے رد کردیا جاتا کہ شہر کی تمام مزروعہ زمین اسلامی حکومت کے قبضہ مین آجاتی ہے،

چنانچہ مختلف اسلامی حکومتون کے نظام مین دیکھا جاتا ہے کہ فوج کی تنخواہین بصورت زر ادا کرنے کے بجائے بصورت زمین دیجاتی تھین، فوج کے معزز عہدہ دار ایک ایک علاقہ پر قابض ہوتے، انکا ایک منصب مقرر ہوتا اور ان کے فرائض مین یہ داخل ہوتا کہ حسب طلب ایک مقرر تعداد مین فوج لے کر دربارِ حکومت مین حاضر ہون، چنانچہ وہی عہدے دار زمیندار کی حیثیت رکھتے، اور وہان کے باشندے عام کاشتکار ہوتے، لیکن اس کے ساتھ اس کا تذکرہ بھی نہ کرنا ناانصافی ہوگی کہ وہ ملکی باشندے جو "کاشتکار" کی حیثیت سے زمین کی خدمت کرتے، مسلمان زمیندار ایک مقرر اصول کے ماتحت انھیں اسقدر حقِ محنت عطا کرتے تھے کہ کاشتکارون کا طبقہ پوری طور پر مطمئن رہتا تھا، اور نیز یہ تصریح بھی ضروری ہے

کہ ملک مین ایسے عہدے دار دن کی مثالین بہت کم ہوتی تھین اور نہ کسی ایک ملک کے کسی ایسے نظامِ حکومت پر تمام ممالکِ اسلامیہ کو قیاس کیا جا سکتا ہی، یہ صرف چند ملکونکا دستور تھا اور خود ان ملکون میں بھی ان عہدے دار مسلمان زمیندار دن کے علاوہ مسلم و غیر مسلم ایسے بہ کثرت زمیندار و کاشتکار ہوتے تھے، جن کا تعلق کسی درمیانی واسطے کے بغیر براہ راست حکومت سے ہوتا تھا، اور خراج کے انھی قوانین کے ماتحت جنکا ابھی تذکرہ کیا گیا ہے، وہ حکومت کو لگان دیا کرتے تھے،

اسلامی عہدِ حکومت مین رفتہ رفتہ مسلمانون کو زراعت کا ذوق اسقدر پیدا ہو گیا کہ ممالکِ محروسہ کی وسعت کے باوجود ملک کی آراضیان ناکافی ہوگئین، اور قابلِ کاشت وافتادہ زمینون سے گذر کر جنگل کے جنگل صاف کرکے قابلِ زراعت بنائے گئے، بے آب و گیاہ چٹیل میدانون مین پانی پہنچا کر انکو قابلِ کاشت بنایا جاتا،

اس موقع پر صقلیہ کی مثال نہایت عمدہ ہو سکتی ہے کہ یہان عربون کی صرف تقریباً ڈھائی سو سال تک حکومت رہی، لیکن انھون نے اسی قلیل مدت مین اسکو اسقدر زرخیز بنا دیا کہ میدانون سے گذر کر پہاڑون پر سرسبز و بارآور درخت جھومنے لگے اور پہاڑون کے نشیب مین گیہون، جو اور دوسرے غلون کے کھیت لہلہانے لگے، یہان تک کہ خود عرب سیاح جب دوسرے ممالک سے یہان آئے تو وہ یہان کی زرعی ترقیون پر اپنے تعجب کا اظہار کئے بغیر نہین رہ سکے، ابن حوقل نے جو اسلامی عہدِ حکومت مین صقلیہ پہنچا تھا اپنے جغرافیہ مین ایک سے زیادہ مقام پر صقلیہ کے عربون کی زرعی کوششون کا نمایان طور پر تذکرہ کیا ہے، اسی طرح ابن جبیر یہان کے پہاڑون کے متعلق تعجب کے ساتھ لکھتا ہے کہ

"یہان کے پہاڑون پر بھی زراعت اور کاشت ہوتی ہے، اور بارآور درخت سے سب کے سب سرسبز نظر آتے ہین"،

اسی طرح مسٹر اسکاٹ لکھتا ہے:-

پہاڑون کے اوپر انھون نے اخروٹ، صنوبر، چلغوزے، اور سرو کے جنگل

لگا دئے، اُن کی لکڑیاں جہازون کے بنانے کے لئے بڑی کارآمد ہوتین، اور اچھی قیمت پاتی تھین"

جزیرہ مین آبپاشی کے جو قدرتی وسائل موجود تھے، اُن کے علاوہ پورے جزیرے مین شاخ در شاخ نہرون کا ایک جال بچھا دیا گیا تھا، دور دراز مقامون پر پانی پہنچانے کیلئے دریا مین بنگیان قائم تھین، اور آبادی کا بیشتر حصہ زراعت مین مصروف رہتا تھا اور یہان کے عربون کا پیدا کیا ہوا غلہ ایک طرف اٹلی کے راستے یورپ جاتا اور دوسری طرف شمالی افریقہ اور مصر بھیجا جاتا[1]،

یہ ممالک اسلامیہ مین سے ایک ایسے ملک کی زرعی ترقیون کا ایک اجمالی خاکہ ہے، جہان قدرت نے عربون کو صرف چند دن کے لئے بھیج دیا تھا، لیکن اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عرب جن زمینون کی صدیون خدمت کرتے رہے ہون، انھین کس حال سے کس حال مین لے آئے ہون گے،

زراعت پر عربون کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھون نے دنیا کے مختلف حصون کی مختلف پیداوار غلون، پھلون اور پودون کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا کر اس خوبی سے لگایا کہ وہ گویا وہین سرزمین کی مخصوص پیداوار ہے، عربی حکومت شام، عراق، ایران سے گذر کر ہندوستان تک پہنچی، پھر مغرب مین مصر ہوتی ہوئی شمالی افریقہ آئی، اور یہان سے بحرِ روم کے تمام ساحلی علاقہ اور جزائر مین پھیل گئی، اور پھر اسی راستہ سے اسپین اور سسلی مین داخل ہوئی،

وہ جہان جہان رہے ان کی زراعت کا ذوق نمایان رہا، اگر ان کے ہاتھون ایرانی پودے ہندوستان مین آکر بارآور ہوئے تو یہ کچھ زیادہ تعجب انگیز نہین، زیادہ تعجب خیز چینی اور ہندی پودون کا مصر، شمالی افریقہ اور پھر اسپین اور سسلی پہنچنا ہے، یورپ کے مورخون کو خود اعتراف ہے کہ روئی کا درخت سرزمین یورپ مین سب سے پہلی مرتبہ عربون ہی کے ہاتھون پہنچا، اسپین اور سسلی مین روئی کا سب سے پہلا پودا نصب ہوا،

---

[1] رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۴، کتاب الاقالیم اصطخری در ببلوتھیکا اماری ص ۳، کتاب المسالک ابن حوقل در ببلوتھیکا ص ۴، معجم البلدان ج ۵ ص ۴۷۴، اخبار الاندلس ج ۲ ص ۶۰،

اوریہین بار آور ہوکر اٹلی اور پرتگال ہوتا ہوا، اندرون یورپ پہنچا، عربون نے نیشکر کی زراعت چینیون سے حاصل کی، اور انھی سے شکر نکالنا سیکھا جسکو وہ اپنے ساتھ مصر، اسپین اور سسلی لے گئے، یورپ مین نیشکر کی زراعت اور شکرسازی کا یہ پہلا موقع تھا، انھی سے یہ صنعت سب سے پہلے پرتگالیون نے حاصل کی، اور پھر اونکے توسط سے سارے یورپ مین رائج ہوئی،

اسی طرح مشرقی ایشیا کے بہت سے درخت بحر روم کے جزائر مین لیجا کر نصب کیے گئے، مثلاً شیرین اور ترش لیمون کے درخت وہ تیسری صدی ہجری مین ہندوستان سے لیگئے، اور اسکو تمام اسلامی ممالک عراق، شام، شمالی افریقہ، اندلس اور صقلیہ مین پہنچادیا، اہل یورپ نے خربوزہ، کشمش، اور آخروٹ کی کاشت عربون ہی سے حاصل کی، اور اسی طرح ایسی بہت سی طبی دوائیں ہین، جو مخصوص ہندوستان کی پیداوار تھین، وہ سب انھی کے توسل سے افریقہ اور یورپ کی سرزمین مین بار آور ہوئین[1]،

فرانسیسی مستشرق موسیو سدیو کہتے ہین:-

عربون سسلی مین شام سے کپاس کے درخت لے گئے، طرابلس الغرب سے نیشکر لائے، اور وہان دونوں کی کاشت کی، نیز درد ار اور پستے کے درخت لاکر لگائے گئے[2]"

مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین:-

"سسلی مین عربون کے عہد مین روئی، نیشکر اور سن نہایت کامیابی سے پیدا ہونے لگے، اور زیتون خود انھی کے زمانہ مین اس قدر کثرت سے ہونے لگے، کہ وہ خاص اس جزیرہ کی پیداوار سمجھے جانے لگے[3]"

زرعی حیثیت سے عربون کا ایک اہم کارنامہ اس موضوع پر اُن کی علمی وفنی موشگافیان ہین، ابتدا

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۴۳۸ والمجمع العلمی العربی ج ۷ ص ۱۱۲ [2] تاریخ عرب موسیو سدیو ص ۲۴۴ [3] اخبار الاندلس ج ۲ ص ۲۰۰،

جب دوسری زبانون کی کتابین عربی مین ترجمہ ہونا شروع ہوئین، تو طب و فلسفہ کے ساتھ فن زراعت کی کتابون کا ترجمہ بھی شروع ہوا، اور یونانی او رنبطی زبان کی اہم کتابین عربی مین منتقل کر لی گئین، جن مین غالبًا سب سے اہم کتاب قوثامی کی "فلاحت نبطیہ" ہے، پہلے اس کے متعدد ترجمے ہوئے، پھر خلاصے تیار کئے گئے، اور اس کے بعد اسی پر حواشی و استدراک لکھے گئے، اسی طرح قسطا بن لوقا بعلبکی کی کتاب "فلاحت رومیہ" بھی قابل ذکر ہے،

جب ترجمہ کا دور ختم ہوا تو تالیف و تصنیف کا زمانہ آیا، اور لوگون نے اس موضوع پر قابل قدر کتابین تالیف کین، جن مین ثابت بن قرہ، اسحاق بن سلیمان، ابو حنیفہ دینوری، رازی، حاج غرناطی، اور ابو الخیر اشبیلی کے نام قابل ذکر ہین،

علماے فلاحت مین سب سے اہم ترین کارنامہ چھٹی صدی کے ابن العوام اشبیلی کا ہے، اسکی کتاب الفلاحت شہرۂ آفاق حیثیت رکھتی ہے، فرانسیسی مستشرق رنگلمان کہتا ہے:-

> "ابن العوام اشبیلیہ مین رہتا اور بلند پہاڑون پر (جہان کاشت ہوتی تھی) اپنے تجربے حاصل کرتا، اسکی کتاب صرف فصاحت و بلاغت کا مظہر نہین، بلکہ ان تمام زرعی مباحث و معلومات کا مجموعہ ہے جو کاشتکاری کے متعلق نبطی، یونانی اور رومی زبانون مین موجود تھے، اور جن کے بتائے ہوئے طریق کاشت کے اصول پر اندلس مین زراعت ہوتی تھی"

ماہر فن زراعت انٹونی پاسی اپنے ایک خطبہ مین جو اس نے ۱۸۵۳ء مین فرانس کی ایک زرعی کانفرس مین پڑھا تھا، لکھتا ہے:-

> ابن العوام کی کتاب کی صرف یہ خوبی نہین، کہ وہ قدیم فنون زراعت پر حاوی ہے، جن کے اصول کے بموجب مدت تک اندلس مین زراعت ہوتی رہی، بلکہ یہ کتاب اس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہے کہ عربون کو علوم طبعیات و کیمیا مین خاص دستگاہ حاصل تھی، درحقیقت یہ کتاب ان تمام تجربون اور

طریقِ کاشت پر حاوی ہے، جو زمانہ قدیم سے بارہوین صدی عیسوی تک دنیا مین رائج رہے اور آج بھی اوسی طرح قابلِ عمل ہین[۱۵۱]،،

یہ کتاب سنہ۱۸۰۲ء مین مستشرق بنکوری کے اپنی ترجمہ کے ساتھ میڈرڈ سے سب سے پہلی مرتبہ شایع ہوئی، اور مسرت ہو کہ اب دولتِ آصفیہ نظام کی قدردانی کی بدولت ہمارے ایک لائق و محترم دوست کے ہاتھون سلیس ترجمہ کے ساتھ اردو مین بھی منتقل ہو رہی ہے، اور اس کی پہلی جلد گذشتہ سال شایع ہو چکی ہے،

افاداتِ مہدی

اُردو کے مشہور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم جن کے طرزِ انشا کے متعلق مولانا شبلی کی یہ راے تھی کہ حاؔلی اور محمد حسین آزاد کی مجموعی رُوح نے ایک قالب مین جنم لیا ہے" اُن کے مضامین کا مجموعہ "افاداتِ مہدی" کے نام سے چند سال ہوئے کہ چھپا تھا، اور شایقین ادب نے ہاتھون ہاتھ لیکر بہت جلد اوسکو ختم کر دیا تھا، اب دوبارہ مطبع معارف مین بعض اضافون کے ساتھ چھپا ہے، اُردو ادب کے یہ انمول موتی ہین جو کسی اور خزانۂ ادب مین نہین مل سکتے ؛۔

قیمت :۔ عہ

منیجر

---

۱۵۱ المجمع العلمی العربی ج ۷، ص ۱۱۳،

"گنجینۂ تحقیق"

از

جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ایڈوکیٹ اعظم گڑھ

(۱)

" اس کتاب پر اکتوبر کے معارف میں تبصرہ ہو چکا ہے، مگر ہمارے دوست اور خواجہ تاش مولوی اقبال احمد صاحب سہیل نے اس پر اس رنگ میں ریویو لکھا ہے، جس کو ہم بجائے خود ایک گنجینۂ تحقیق کہہ سکتے ہیں، اس لیے ایک مزید تبصرہ کے بجائے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے ہم اس کو شائع کرتے ہیں، جناب سہیل کی شگفتگوئی کے ساتھ اون کی سخن سنجی و سخن فہمی بھی ہماری مدح و ستایش سے مستغنی ہے، اُنھوں نے جس قلتِ فرصت کی تمہید سے اپنے اس کثیر الاوراق مضمون کو شروع کیا ہے، بحیثیت ایک شاہد کے ہم بھی اُس کی تصدیق کرتے ہیں، مگر اس تصدیق کے ساتھ اس تصور کو بھی ملایئے کہ یہ پورا مضمون جو شاید معارف کے کئی نمبروں میں آئے تعطیل عدالت کے دوران میں جو ہر وکیل کے لیے موسم بہار کا حکم رکھتا ہے، ایک سفر میں صرف دو دن کے اندر اس طرح لکھا گیا ہے کہ سوائے "علم سینہ" کے کوئی سفینہ اُن کے پاس نہ تھا، اس سے اربعہ متناسبہ کا یہ حساب بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ اگر مہینہ میں ایک دفعہ بھی وہ ایک دو گھنٹے کا وقت نکالیں تو آٹھ دس صفحون کا مضمون وہ بے تکلف لکھ سکتے ہیں، اور ہمیں شکایت کا موقع نہ ہے،،

اڈیٹر

حضرت بیخود موہانی پروفیسر شیعہ کالج کا نام نامی دنیائے ادب میں کسی تعریف اور تعارف کا محتاج نہیں ہے،

لیکن ایک معروف وکیل ،، وہ بھی اعظم گڈھ جیسے کوردہ اور دور افتادہ گوشہ کا رہنے والا جو ادبیت کش ماحول مین بسر کرتا ہے اسکو علم اور اہل علم سے کیا واسطہ؟ یہی وجہ تھی کہ حضرت تجو کی نسبت اس شہرت و کمال کے باوجود مجھے صرف اتنی واقفیت تھی کہ بعض ادبی پرچون مین اُن کی ایک آدھ غزل کبھی کبھی نظر سے گذری تھی اور یہ حسن ظن قائم ہو گیا تھا کہ ایک خوش گو، خوش مذاق اور صاحب فن شاعر ہین، اور دورِ حاضر کے اُن شہرت پسند اصحاب سے یقیناً بلند تر ہین جن کی سعی بلند آہنگی اور بھی اُن کی کورسوادی و بدمذاقی کا راز فاش کرتی ہے،

بہرحال سخن گوئی اور سخن فہمی دو جداگانہ مراحل ہین جنکا اجتماع لازمی نہین ہے، سخن گوئی کے لئے محض طبیعت کی مناسبت اور ذوق سلیم کافی ہے مگر سخن فہمی کے لئے اُن امور کے علاوہ وسعت معلومات اور امعان نظر کی ضرورت ہے اور آج کل کے دور سطحیت پرستی مین جبکہ سرزمین ہند کے بعض شاداب خطے ہر برسات مین ایک نبی اور ساتھ ہی اس کے امتیون کی ایک بڑی جماعت پیدا کر سکتے ہین ، کسی شخص کے چند مطبوعہ اشعار سے اس کی بصیرت علمی اور ژرف نگاہی کے متعلق رائے قائم کرنا بہت مشکل ہے، اور کوئی رائے قایم بھی ہو تو اس کی صحت پر وثوق نہین ہوتا، روز کا تجربہ ہے کہ کسی ادبی پرچہ مین کسی نظم یا غزل کے چند اشعار پڑھکر آپ مصنف کے متعلق اچھی رائے قائم کر لیتے ہین، مگر یا تو اسی نظم کے کسی حصہ مین یا اسی شاعر کی کسی دوسری نظم مین آپکو کوئی ایسی فاش غلطی ملجاتی ہے، جس سے قابلیت کا سارا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے، آج ہی ایک مشہور مجلۂ ادبی مین ایک غزل نظر سے گذری جس کے ابتدائی اشعار اچھے خاصے تھے، اور مقطع یہ تھا:۔

"جلیل عہد جنون کی شوخیان سب یاد ہین اب تک　　طبیعت تھی قیامت کی سکون ناآشنا میری

چونکہ کسی کی تنقیص مقصود نہین ہے اسلئے مین نے تخلص بدل کر دوسرا ہم وزن لفظ رکھدیا ہے، شاعر صاحب کوئی نومشق نوجوان معلوم ہوتے ہین، اور اچھا خاصہ کہہ لیتے ہین، مگر محض ناواقفیت

یا سہل انکاری کی وجہ سے یہ غلطی سرزد ہوگئی ہے کہ تخلص کا آخری حرف یا لفظ عہد کا مین تقطیع شعر کر جاتا ہی، اگر فاضل مدیر خود اصلاح کر دیتے یا اس شعر کو حذف کرکے بقیہ اشعار غزل شائع کر دیتے تو مصنف کی عروضی بیمائیگی کا پتہ چلانا دشوار تھا، اسی پرچہ کی ایک نظم مین "خون آشامی" فاعلاتن فا" کے وزن پر اور دوسری نظم مین شورش طوفان بہ اعلان نون شایع ہوتا ہے اور ایک نہایت عمدہ نظم مین "روپ دھارا" ہے اختیار کیا ہے یا بھرا ہی" کے معنی مین استعمال ہوا ہے، مقدم الذکر اغلاط ذرا سی توجہ سے درست ہوسکتی تھین اور آخر الذکر بے معنی ایجا دسے بچنے کے لئے تھوڑی سی احتیاط کافی تھی اور ناظرین بآسانی مبتلائے فریب کئے جا سکتے تھے، یہان مین نے قصداً بہت خفیف قسم کے لفظی یا عروضی سامحات دکھائے ہین، ورنہ آج کل تو نہایت شرمناک قسم کی لغوی اور معنوی غلطیان جو بہ اصطلاح شرع ادب کبائر معاصی مین شمار کی جانے کے قابل ہین، اس کثرت سے بیباکانہ زبان زد ہو رہی ہین کہ اُن کے استقصا کے لئے ایک دفتر چاہیے، کہین خزائن مسروقہ کے بل پر اظہار تفاخر ہے، تو کہین متاع مستعار کی بدولت شوق تجتر، صحیح الفاظ کا غلط استعمال مثلاً تظلم بہ معنی ظلم اور قلمکار بہ معنی اہل قلم تو اس دور جہالت مین ایک عالمگیر مرض تھا ہی، مگر اب تو اختراع تراکیب اور ابداع مضامین سے گذر کر کچھ ذہن سے تخلیق الفاظ جدید کا ایک بے پایان سلسلہ جاری ہے جس کے لئے کسی صرفی یا نحوی قاعدہ کی پابندی لازمی نہین ہے آج ہی ایک پرچہ مین ایک لفظ "الوہیانہ" نظر پڑا، خدا جانے یہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس اصول پر وضع کیا گیا ہے اسی طرح شناسایانہ کی جگہ پر شناسانہ، خندان جبینی کے معنون مین خندہ پیشانی، ہندزاد یا ہندی نژاد کی جگہ پر ہندی زاد، اچھے اچھے اخباری ادیب لکھنے کے خوگر ہین، تانیث کی بجائے تذکیر اور تعدیہ کی بجائے لزوم تو ایک وبائے عام ہے، جس سے بڑے بڑے بھی محفوظ نہین، مثال کے طور پر ایک نہایت مشہور ادیب عصر کی ایک فارسی غزل کا مقطع لکھتا ہون یہ غزل آج سے آٹھ، دس سال پہلے ایک پرچہ مین شایع ہوئی ہے، مین نے تخلص کو بدل کر اس کی جگہ "رشید" کر دیا تاکہ ناظرین کا ذہن

مصنف کی طرف منتقل نہ ہو سکے، اسی خیال سے کئی برس پہلے کی مطبوعہ نظم سے شعر لیا گیا ہے جو ناظرین کے حافظہ سے یقیناً محو ہو چکا ہوگا تا کہ مصنف کی شہرت کمال یاد عاے ہمہ دانی پر حرف نہ آئے، شعر یہ ہے،

چہ گونہ وار ہدم آستان حسن "رشید" ازین گناہ عظیمے کہ من جبین دارم

یہاں اس سے بحث نہیں کہ مضمون کیا ہے، کیسا ہے، اور کس کا ہے، اور ان الفاظ سے ادا بھی ہو سکا ہے یا نہیں، آجکل ان باتوں کا ذکر ہی کیا؟ مجھے تو اس موقع پر صرف ایک لفظ کے استعمال غلط کی طرف توجہ دلانی ہے، ایک طالب علم جس نے صرف آمدنامہ سمجھ کر پڑھا ہو اتنا جان سکتا ہے کہ وارستن مصدر لازم ہے جس کے معنی ہیں آزاد ہونا، متعدی یعنی "آزاد یا بری الذمہ کرنیکا" مفہوم اس سے ادا نہیں ہو سکتا، پھر "وارہد" کے ساتھ میم مفعولی کیسی؟ یہ نمونہ ہے اُس شخص کے زور قلم کا جو آج دنیاے ادب میں نبوت سے گذر کر خدائی کا مدعی ہے اور خدا جانے کتنے بندگان خدا اس پر ایمان بھی لا چکے ہیں،

اس اظہار حق سے حاشا و کلا مجھے کسی کی پردہ دری تشہیر یا تحقیر مقصود نہیں ہے بلکہ غرض یہ ہے کہ طمع کے اس رواج عام نے زرِ خالص کی بھی وقعت کھو دی، اور جسطرح اشتہاری دواؤں پر اعتماد نہیں رہا ہے اسی طرح اخباری ادیبوں کی نسبت بھی حسن ظن پیدا ہونا بہت دشوار ہو گیا ہے اور اس طوفانِ بے تمیزی میں اگر کوئی اکا دکا صاحبِ فن بھی سامنے آجاتا ہے تو امتیاز مشکل ہوتا ہے، رہ رہکر اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ بھی فریب نظر نہ ہو، لیکن اگر مسلسل تجربات اور پیہم امتحانات کے بعد کوئی کامل العیار ہستی ملجاتی ہے تو پھر سرور کا عالم نہ پوچھئے، زبان سے بے اختیار صداے تحسین نکل جاتی ہے، اور وہی سماں ہوتا ہے، جیسے صحراے افریقہ میں فریب سراب کے کسی ستمزدہ کو اتفاقاً آب رواں کا چشمہ ملجائے،

غالباً تین چار سال ہوئے میرے ایک غائبانہ کرمفرما جناب شوق سندیلوی نے اپنی ترتیب دی ہوئی کتاب "اصلاحِ سخن" کے ابتدائی اجزا، ریویو کے لئے بھیجے، یہ بھی مصنف کا حسن ظن تھا ورنہ میں نہ تو کسی ادارۂ احتساب ادب کا رکن ہوں، نہ کسی اخبار یا رسالہ کا مدیر، نہ اپنے مشاغل سواتنی

فرصت، بہرحال تقریظ لکھنا یا نہ لکھنا تو بعد کا سوال تھا مگر تعمیلِ ارشاد کے لئے پہلے کم سے کم ایک مرتبہ کتاب کا پڑھ لینا ضروری معلوم ہوا، اور کتاب بھی خود اس درجہ دلچسپ کہ ناتمام چھوڑی بھی نہ جا سکتی تھی، اس طرح یہ سلسلۂ مطالعہ عرصہ تک رہا، شوق صاحب کی یہ تالیف کاہے کو ہے شعراے عصر کی دماغی ساخت کا ایک زندہ عجائب خانہ ہے، مصنف نے اپنے ابتدائی مشق کا کلام تمام مشاہیرِ عصر کی خدمت میں اصلاح کے لئے بھیجا تھا اور جو اصلاحیں ہوئیں یا اس کے متعلق جتنی خط و کتابت ہوئی تھی وہ کل شائع کر دی ہے، یہ خطوط کیا ہیں اچھے خاصے زعفران زار ادب ہیں، فاضل مصنف نے ایک شعر میں لفظ "محشرستان" باندھا تھا، اس ایک لفظ نے وہ قیامت برپا کر دی کہ الامان، ایک مدعی استادی نے جو غالباً منشعب کے منتہی معلوم ہوتے ہیں فوراً اعتراض جڑ دیا کہ محشر بروزن مَفْعَلُ اسم ظرف کا صیغہ ہے جس کے معنی خود جاے حشر کے ہیں پھر یہ "ستان" کیا، شوق صاحب پڑھے لکھے آدمی ہیں اور غالباً اس اعتراض کی سطحیت سے واقف ہوں گے، مگر ستم ظریفی دیکھئے، انھوں نے دوسرے اساتذہ کا بھی امتحان لینا چاہا اور اس اعتراض کے متعلق ہر ایک سے استفسار شروع کر دیا، اور لطف یہ ہو کہ اُن میں سے اکثر باکمالوں نے معترض کی تائید فرمائی، صرف چند نے اختلاف کیا، ازانجملہ اطہر صاحب ہاپوڑی نے قدما کے کلام سے "محشرستان" کی سندیں بھی پیش کر دیں، لیکن اصل اعتراض اور لفظ محشر کے صحیح مفہوم کی جانب انھوں نے بھی توجہ نہ فرمائی، اب یہ تمام قضیہ بطور مرافعۂ ثانیہ قول فیصل کی غرض سے اس ادیبِ عصر کی خدمت میں پیش ہوا جس نے اپنی ہمہ دانی کا صور اس بلند آہنگی سے پھونک رکھا ہے کہ آرمیدگانِ خاک کی نیندیں بھی اچٹ گئی ہیں، اس فاضلِ عصر نے نہایت متبحرانہ اور ملہمانہ انداز میں حکم ناطق دیدیا کہ محشرستان غلط ہے اور اساتذۂ قدیم کے لکھ دینے سے غلط لفظ صحیح نہیں ہو سکتا، جہل مرکب کا یہ مظاہرہ اور انانیت کا یہ طوفان دیکھ کر پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور جی میں آیا کہ شوق صاحب کو لکھ دوں کہ محشر مصدرِ میمی اور حشر کا مترادف ہے اس کو اسم ظرف کس نے کہا؟ پھر خیال ہوا کہ بھلا

وہ اتنا بھی نہ جانتے ہون گے، حالانکہ اتنا علم تو اس طفل مکتب کے لئے بھی ضروری ہے جس نے یہ شعر سمجھ کر پڑھا ہو"، "در محشر کہ جانگداز بود + اولین پرسش نماز بود" ممکن ہے کہ یہ سارا قصہ شوق صاحب کا ایک سنجیدہ مذاق ہو، اور اس کتاب کی ترتیب و اشاعت کا مقصد ہی موجودہ مدعیان کمال کی پردہ دری ہو، پھر اگر مین نے بھی سنجیدگی کے ساتھ مفتی ادب کا منصب قبول کر لیا تو شوق صاحب کو اپنے مذاق کی کامیابی مین شک کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اس خیال کے آتے ہی مین نے لکھا لکھایا خط پھاڑ ڈالا، اس واقعہ کے چند ہی روز بعد شوق صاحب نے کتاب کے بقیہ اجزا بھی بھیجدئے، انھین مین جناب نجو د موہانی کا وہ خط بھی تھا جسمین لفظ محشرستان کے متعلق انھون نے اپنی رائے دی ہے، یہ خط پڑھنے کے بعد مین نے اطمینان کی سانس لی کہ بارے اتنے بڑے خرمن مین ایک دانہ تو ہے،

یہ پہلا واقعہ تھا کہ جس سے جناب نجو د کے متعلق میرے حسن ظن کو تقویت پہنچی اور غالباً اسی کے چند سال بعد مین نے نیرنگ خیال مین پروفیسر نجو د کا وہ مضمون پڑھا جس کا عنوان ہے" آرگس بے حجاب بجواب غالب بے نقاب"، یہ مضمون تنقید ادبی کا ایک شاہکار اور اردو ادب مین ایک قابل قدر اضافہ ہے، مین نے اسکو شروع سے آخر تک بالاستیعاب پڑھا، اور بے ساختہ جی چاہا کہ صاحب مضمون کہین ملتے تو جی بھر کے اُن کی حق گوئی اور نکتہ رسی کی داد دیتا، اتفاقاً ایک مشاعرے کے سلسلہ مین امسال وہ اعظم گڈھ آئے اور مجھے اس فریضۂ ادبی کی ادائیگی کا موقعہ ملا، جناب ممدوح نے اس سپاس گذاری کا صلہ مزید احسان کی شکل مین دیا اور اپنے پانچ بیش بہا تنقیدی مضامین کا مجموعہ جو گنجینۂ تحقیق کے نام سے حال مین شایع ہوا ہے مرحمت فرمایا، مین پہلے ہی سے مصنف کا عقیدت مند تھا اور اس مجموعہ نے تو اور بھی جناب ممدوح کی وسعت مطالعہ، دقت نظر، صحت فہم، دوق اصابت رائے، قدرت ادا، اور دیانت تنقید کا معترف بنا دیا، ناسپاسی تھی اگر اسکے بعد بھی مین خاموش رہتا اور زبان اُردو پر جو احسان جناب نجو د نے اپنے ان مضامین کے ذریعہ سے کیا ہے اس پر اظہار خیال نہ کرتا،

یہ ہی تقریب اُن سطور کی جو ذیل مین نذر ناظرین کیجائنگی، آپ اسے تمہید سمجھین یا اعتذار، مگر گریز سے پہلے یہ تشبیب اس لئے ضروری تھی کہ یہ نیاز مند بھی کہین پیشہ ور تبصرہ نگار نہ سمجھا جائے، حالانکہ ایک طرف تو مکروہاتِ دنیا سے اتنی فرصت نہین کہ ہر کرمفرما کی تعمیلِ ارشاد کی جائے، دوسری جانب مصیبت یہ ہے کہ اگر سچ لکھو تو شکایت اور جھوٹی مداحی کرنا چاہو تو اسکا سلیقہ نہین،

تنقید ادب کی دو قسمین ہین، ایک اجمالی و اصولی، دوسری جزئی اور تفصیلی، ایک مین اصل فن اُس کی تدریجی نشو و نما، مختلف ادوار مین مختلف تغیرات، اور اُن تغیرات کے تاریخی، جغرافیائی، اور معاشری اسباب سے بحث ہوتی ہے، پھر فلسفیانہ حیثیت سے کسی ادبی تخلیق کے جمالیاتی نفسی اور اجتماعی پہلو پر نظر کی جاتی ہے، وھلم جرا

دوسری قسم تنقید مین اصولی اور عمومی مباحث سے اگرچہ قطع نظر ممکن نہین ہے مگر زیادہ توجہ جزئیات پر صرف کی جاتی ہے اور کسی مصنف کے نتائجِ فکر کو لیکر اُس کے معانی و مطالب کی توضیح اور محاسن و معائب کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایک ایک خط و خال سامنے آجائے، مثلاً الفاظ کی فصاحت یا ثقل، تراکیب کی چستی و روانی یا تنافر و تعقید، تخیل کی بلندی یا پستی، طرزِ ادا کی ندرت یا سوقیت ایک ایک کرکے دکھائی جاتی ہین اور بعض اوقات دوسرے اساتذہ کے ہم رنگ کلام سے موازنہ کیا جاتا ہے یا دوسرے ناقدین کے آرا و خیالات پر محاکمہ ہوتا ہے،

زبان اردو تنقید ادبی کے اعتبار سے اب تک تہی مایہ ہے، صرف چند کتابین ہین جو انگلیون پر گنی جاسکتی ہین اور وہ بھی چندان قابلِ ذکر نہین ہین، البتہ شعر العجم اور حیات سعدی اپنے اپنے رنگ مین بے مثل کتابین ہین اور جناب بیخود کا یہ مجموعۂ مضامین بھی ایک جدید اضافہ ہے، پہلا مضمون آئینۂ تحقیق دیوان غالب کی اردو کی شرحون پر ایک سرسری نظر ہے جس مین فاضل مصنف نے غالب کی ایک غزل بطور نمونہ لے کر اس کی شرح کی ہے اور ضمناً جناب شوکت میرٹھی مرحوم، حضرت طباطبائی و جناب حسرت موہانی کی

شرحون پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے، اس مضمون کی تردید اودھ پنچ لکھنؤ مین "نقد الانتقاد بیخودی" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی جس مین جناب بیخود کی تحریر اور توضیح مطالب پر نکتہ چینی کی گئی تھی اور لگے ہاتھون غالب مرحوم پر بھی اعتراضات کی بوچھار رکھی، اس مضمون کا جواب نہایت متانت کے ساتھ مدلل اور محققانہ انداز مین جناب بیخود نے دیا ہے، یہ جوابی مقالہ "سرمۂ تحقیق" اس مجموعہ کا دوسرا مضمون ہے، تیسرا مضمون "سرمایۂ تحقیق" یا "نرگس بے حجاب" بھی غالب ہی کے متعلق ہے اور اس مضمون کا جواب ہے جو کسی معشوق نے اہل نظر کے خوف سے نرگس کا نقاب ڈالکر "غالب بے نقاب" کے عنوان سے "نگار" مین شایع کیا تھا اور جس مین پردۂ زنگاری کے آڑ سے فریب خوردگان سیمیا کو یہ دکھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ غالب کے تمام بہتر اشعار دراصل بزرگان سلف کی متاع مسروقہ ہین، حالانکہ خود یہ مضمون بھی یا تو جناب یاس عظیم آبادی کے اُس مضمون کا چربہ ہے جو آج سے چند سال پیشتر معتقدین غالب سے انتقام لینے کے لئے شایع کیا گیا تھا، یا جناب آسی کی شرح دیوان غالب کی صداے بازگشت، حضرت بیخود نے اپنے مذکورۂ بالا مضمون مین نہایت سنجیدگی سے استدلال نرگس کے تمام تار و پود بکھیر کر رکھدئے ہین اور ضمناً سہا صاحب کے جوابی مضمون پر نظر ڈالی ہے،

اس طرح پر اس مجموعہ کے تین مقالات غالب کے دیوان اردو یا اس کے شارحین و معترضین سے متعلق ہین، چوتھا مضمون "مایۂ تحقیق" خاقانی کے ایک قصیدے پر تین پروفیسر صاحبان یعنی مولانا نامی الہ آبادی، جناب شادان بلگرامی اور حضرت شاد تمان لکھنوی کی شرحون کا محاکمہ ہے اور سب سے آخری مضمون جو "آیۂ تحقیق" کے نام سے موسوم ہے، جناب حکیم ناطق لکھنوی کے تبصرۂ اصلاح سخن کی تنقید ہے،

غرض کہ ان مضامین کا موضوع بحث زیادہ تر نقد التنقید یا محاکمہ رادی ہے، اس طرح کے مضمون اگر ذاتیات سے علحدہ ہوکر صحیح تنقیدی معیار کے مطابق لکھے جائین، تو منتہیون کے لئے بہترین دماغی تفریح اور مبتدیون کے لئے مفید ترین درس بصیرت ہوسکتے ہین، مگر ملک کی بدقسمتی سے ابتک اس نوعیت کی جتنی تحریرین نظر سے گذری ہین وہ بیشتر نہ تو آشناے فن ہوکر لکھی گئی ہیں، نہ لب و لہجہ مین وہ متانت باقی

رہ گئی ہے جو اس طرح کے علمی مضامین کے لئے سب سے زیادہ ضروری عنصر ہے، بیجا تعصب، اپنی بات کی پچ، مخاطب کی تحقیر، ذاتیات سے بحث، انداز بیان مین مجادلانہ خشونت اور بسا اوقات سفیہانہ سب و شتم سے بھی گریز نہین ہوتا،

جس کی تعریف پر اتر آئے اسکو آسمان تک اچھال دیا جبکی مخالفت شروع کر دی اس کے محاسن کو بھی معائب کا رنگ دیدیا، مختصر یہ کہ تنقید یا تو مدحیہ قصیدہ بنجاتی ہے، یا طومار ہجو و دشنام رہجاتی ہے، خدا کا شکر ہے کہ جناب بیخود کا یہ مجموعۂ مضامین ان معائب سے بالکل پاک ہے، شروع سے آخر تک آپ کو ایک حرف بھی ایسا نہ ملیگا جس مین مناظرانہ تلخی پائی جاتی ہو یا سنجیدگی و متانت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا ہو، حد سے زیادہ اشتعال انگیز مواقع پر بھی انتہائی ضبط اور بلند نظری سے کام لیا گیا ہے، نہ تائید مین بیجا پاسداری کی گئی ہے نہ تردید مین تحقیر اور دل آزاری کا پہلو اختیار کیا گیا ہے، معاصرین یا متقدمین کا جہان کہین نام لیا ہے انتہائی ادب و احترام ملحوظ رکھا ہے، بلکہ مین تو یہ کہونگا اس میں ایک حد تک غیر ضروری مبالغہ کیا گیا ہے اور لفظ "علامہ" کا استعمال اکثر مقامات پر بے محل اور موجودہ اخباری دنیا کی تقلید پر مبنی ہے،

اتنی احتیاط اور سنجیدگی سے بسا اوقات تحریر کی شگفتگی باقی نہین رہتی اور یا تو مولویانہ ثقاہت پیدا ہو جاتی ہے یا فلسفیانہ یبوست، جو ایک ادبی مضمون کے لئے کسی طرح بھی موزون نہیں ہے مگر حضرت بیخود کے سحر کار قلم نے انتہائی تہذیب و متانت کے باوجود ان مضامین کا دامن ظریفانہ بذلہ سنجیون اور ادیبانہ گلکاریون سے خالی نہین چھوڑا ہے اور "آر گس بے حجاب" والا مضمون تو سرتاپا لطافت و رنگینی ہے، خصوصاً تمہید کے چند ابتدائی صفحات دید کے قابل ہین، ملاحظہ ہو،

"دنیا! ہنگامہ پرست دنیا!۔ دنیا! امارہ پرست دنیا تو ہمیشہ کافرماجرائیون کا طلسم نظر آئی، خندۂ امت گریۂ نوح کا ہم آہنگ ٹھہرا، تعلیم کلیم کے ہوتے گوسالہ پرستی نے زور پکڑا، چراغ مصطفوی کے

آگے شرار بولہبی نے، اُٹھایا، وحی ربانی کے سامنے مسیلمہ کے لایعنی اقوال کا حکم پڑھا گیا، اور یہ سب ایک طرف قادر مطلق خدائے لاشریک کی موجودگی مین پتھر کی مورتون کو سجدہ کیا گیا پھر آج جو ہو رہا ہے اس پر حیرت کیسی، اگر کچھ ذرہ ہائے زمین گرد خاکِ پستی تحت الثریٰ کی کھینچ رہی ہے۔ لفاظی کی آندھیون کے زور سے نقطۂ عروج آفتاب تک پہنچائے جارہے ہین تو حیرت کا محل نہین، اور اگر کچھ ستارہ ہائے فلک سیر کمند فریب کے بل پر اوج ثریا سے خاک نمناک کی طرف لائے جارہے ہین تو استعجاب کا مقام نہین، نہ وہ کوشش کامیاب ہے نہ یہ سعی مشکور، ہان عامۃ الناس کے گمراہ ہوجانے کا خوف زبان کو ساکت اور قلم کو گوشہ گیر نہین رہنے دیتا، . . . .

جب صعود کی ٹھانتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ کوئی پیغمبر اُولو العزم محو خطبہ خوانی ہے، جب کچھ اور بلند ہوجاتے ہین تو گمان ہوتا ہے کہ معاذ اللہ رب ہر حقیقت سراپردۂ قدس سے سرگرم لنترانی ہے، . . . .

"مدیر نگار" کے وہ احباب جن کی آنکھون پر کور سوادی یا محبت نے پردہ ڈال رکھا ہے، وہ اس جلوۂ نیرنگ یا نیرنگ جلوہ پر سجدۂ حیرانی بجا لاتے ہین اور اسکو اُن کی ہمہ دانی، روشن خیالی، ہمہ رنگی اور خدا جانے کن کن نامون سے یاد فرماتے ہین،

. . . .

آپنے ٹھان لی ہے کہ خدانے جن سرون پر تاج کرامت رکھا ہے، اُن کو برہنہ کردین، مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ایسے سرون کا کھل جانا انتقام قدرت کی خبر دیتا ہے، اور انتقام قدرت خدا کی پناہ،

اس موقع پر مین یہ عرض کردینا اپنا فرض سمجھتا ہون کہ اس مجموعۂ مضامین مین بعض مقامات پر مثلاً "آئینۂ تحقیق" کے دیباچہ مین رنگینی حد اعتدال سے تجاوز کرگئی ہے جس سے تکلف اور تصنع کی بو آتی ہے

اور بعض مقامات پر عبارت مقفیٰ ہو گئی ہے، جس سے فسانۂ عجائب کا رنگ جھلکتا ہے، حالانکہ میرے خیال ناقص میں علمی مضامین کے لئے اتنی رنگینی نہ صرف غیر ضروری بلکہ نامناسب بھی ہے،

اب لگے ہاتھوں لطیف بذلہ سنجیوں کے بھی چند نمونے بطور رشتے از خروارے ملاحظہ ہوں،

ص۱۰۴ جناب آرگس ارشاد فرماتے ہیں "کیا الہامی کتابوں کے بعض الہامات بھی مستعار ہوتے ہیں"، اس ارشاد سے بھولے پن کی ادا نکلتی ہے، بندہ پرور حقائق بدلا نہیں کرتے اور الہامی کتابوں میں الہامات مستعار ہوتے ہیں مگر الہامی کتابوں سے ماوشما کی ہفوات سے نہیں اور الہامی کتابیں تو خیر الہامی کتابیں ہیں، وحی ربانی بھی متوارد ہوتی ہے،

ص۱۰۸ جناب آرگس اس وقت اپنے کمالوں کو مٹانے کا بیڑا اٹھا رہے ہیں جب دتیہ اپنے کمالوں کو اچھالنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار

ص۱۰۹ اس نگاہ اولین کے صدقہ جائے اگر نگاہ آخرین ہوتی تو خدا جانے کیا قیامت ڈھاتی،

ص۱۳۲ خدا بصیرت حضرت آرگس کو سو کی جگہ دو آنکھیں دے مگر ایسی جن سے دکھائی دیتا ہو،

سب سے بڑی خوبی ان مضامین کی دیانت نقد ہے، جو کچھ لکھا ہے منصفانہ لکھا ہے اور جو بات کہی ہے محققانہ کہی ہے، غرضکہ ہزاروں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ اور ایک عمر کی غور و خوض کا ماحصل چند سطروں میں یکجا کر دیا ہے، غالب کے متعلق اس سے بہتر مضمون اب تک میری نظر سے نہیں گذرا، مشکل اشعار کے حل میں دقت نظر کے ساتھ ساتھ ادائے مطالب کے لئے پیرایۂ بیان اتنا دلکش اختیار کیا ہے کہ عبارت کی شگفتگی اور روانی زبان حق گو سے خراج تحسین لیکر رہتی ہے اور دقیق سے دقیق نکتۂ بلاغت بھی حسن بیان کے طفیل میں ذہن نشین ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہ شرح کی عبارت شعر سے زیادہ چیستان بن کر رہ جائے اور ایک مبتدی کے ذہن میں نفس مطالعہ سے جو دھندلا سا خاکہ مفہوم شعر کا آیا ہو وہ بھی شرح کی ژولیدہ بیانی کی بدولت محو ہو جائے۔

مین یہ نہین کہتا کہ ان مقالات خمسہ مین جو کچھ کہا گیا ہے وہ اپنے مبحث پر لفظ مختتم ہے جس مین کسی رد و بدل یا حک و اضافہ کی گنجایش نہین ہے تاہم اس مین بھی کوئی شبہہ نہین ہے کہ کہ اشعار غالب و خاقانی کے حل مین اکثر مقامات مین جو لکھ دیا ہے وہ اپنے موضوع بحث پر قول فیصل ہے، اور اس سے زیادہ جو کچھ کہا گیا ہو یا کہا جائے وہ محض شارح کی خیال آفرینی اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہوگی، لیکن اسکے یہ معنی نہین کہ حضرت بیخود دام معصوم سمجھے جائین بڑے بڑے اکابر ادبا سے سامحات ہوئے ہین ہوتے ہین اور رہون گے، مگر واقعہ یہ ہے کہ مجموعۂ مضامین اپنی جگہ پر بحیثیت مجموعی اردو زبان کے سرمایۂ ادب مین ایک گرانقدر اضافہ ہے، چند صفحات مین نکات ادبی کا ایک بے بہا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے جو اہل نظر کے لئے دلچسپی او طلبہ کے لئے ترقی استعداد کا باعث ہوگا،

اگر یونیورسٹیون کے ارباب حل وعقد کو واقعۃً طلبہ مین ذوق مطالعہ کی پرورش، قوت آخذہ کی تربیت، صیانت فکر کی نشو و نما، اور اصابت رائے کی ترقی مدنظر ہے تو اس کتاب کو یقیناً داخل نصاب کر دینا چاہئے، کیونکہ ان مقاصد کے حصول مین اس سے ایک بڑی حد تک مدد ملے گی، اور طلبہ یہ معلوم کر سکین گے کہ لفظون کے ذرا سے الٹ پھیر مین بلاغت کے کتنے نکات اور معانی کے کتنے خزاین مخفی ہو سکتے ہین،

جی چاہتا تھا کہ اس اجمالی تبصرہ کے بجائے زیادہ تفصیل سے کام لیتا اور ناظرین کو پروفیسر بیخود کی نکتہ آفرینیون کے نمونے دکھاتا مگر اندیشہ ہے کہ ناظرین طول بیان سے گھبرا جائینگے، علاوہ برین نقد التنقید پر تفصیلی تبصرہ سے بجز مشق سخن کوئی فائدہ نہوگا اور وہی علم کی شرح در شرح اور تعلیق بر تعلیق کا نمونہ پیش نظر ہو جائے گا، اس لئے مقالات زیر نظر کے ان حصص کے متعلق جن مین یہ ناچیز جناب مصنف کا ہم نوا ہے، سطور بالا پر اکتفا کی جاتی ہے، البتہ جن امور سے اختلاف ہے اُن کی نسبت اظہار خیال ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(باقی)

خاور نامۂ دکھنی

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی ایف، آر، اے، ایس (لندن)

یہ ایک دکھنی رزمیہ مثنوی ہے، جو بعہد عادل شاہ بیجاپور (سنہ ۱۰۳۷ھ تا سنہ ۱۰۶۷ھ) تصنیف ہوئی ہے، چونکہ یہ فارسی خاورنامہ کا ترجمہ ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، اولاً اصل فارسی کتاب کے متعلق صراحت کی جائے،

خاورنامہ فارسی ابن حسام کی تصنیف اور سنہ ۸۳۰ھ مین مرتب ہوئی ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین اور دو نسخے انڈیا آفس مین موجود ہین، برٹش میوزیم کا نسخہ باتصویر ہے، جو ۹ رمضان سنہ ۱۰۰۹ھ مین لکھا گیا ہے، اس کا ذکر فارسی قلمی نسخون کے کیٹلاگ کے صفحہ (۶۴۲) نمبر (۱۹۷۶۶) پر درج ہے، اس کو مول چند ملتانی نے نواب کمال الدین خان کے لئے لکھا ہے،

انڈیا آفس کا ایک نسخہ باتصویر ہے، جس کا سنہ کتابت درج نہین ہے، دوسرا نسخہ بلاتصویر ہے، یہ جمادی الاول سنہ ۹۶۵ھ کا لکھا ہوا ہے، کاتب محمود بن عبد الرحمٰن ہے،

ابن حسام کو بعض اصحاب حسام الدین اور بقول بعض محمد حسام کہا جاتا ہے، یہ قہستان کا باشندہ اپنے زمانہ کا نامور باکمال عربی اور فارسی کا شاعر تھا، خاورنامہ کے علاوہ اس کی دیگر تصانیف بھی ہین، بعہد عمر مرزا ابن تیمور گورگان سنہ ۸۷۵ھ مین اس کا انتقال ہوا، "خوسف" مین مدفون ہے،

اس نے خاورنامہ کو شاہ نامہ فردوسی کی تقلید مین لکھا ہے، اس لئے اس کو فردوسی ثانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے، ابن حسام نے خاورنامہ مین فردوسی کی تعریف کی ہے،

اس کتاب مین کسی بادشاہ کی مدح نہین ہے، اور مصنف نے ظاہر کیا ہے، کہ صرف ایک روٹی پر گذر ہوتی تھی، چنانچہ لکھتا ہے :۔

بیک قرص تاشب از بام گاہ — قناعت کنم چو خورشید و ماہ

خنکم چون بیک نان توان کرد سیر — نکش منتِ سفرۂ اردشیر

ایتھے انڈیا آفس کے کیٹلاگ کے مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب کا مواد ایک عربی کتاب سے لیا گیا ہے۔ تصنیف کی تاریخ خود مصنف نے بیان کی ہے :۔

چو بر سال ہشتصد بیفزود سی — شد این نامہ تازیان پارسی

مرا این نامہ را خاوران نامہ نام — بنا دم بر آنکہ کردم تمام

انڈیا آفس کے باتصویر نسخہ مین علی ابراہیم خان نے ۱۱۹۵ھ مین کتاب اور مصنف کے متعلق مختصر فارسی نوٹ درج کیا ہے، جو حسب ذیل ہے :۔

"نام این کتاب خاور نامہ، نام مصنف این کتاب ابن حسام است، کہ فاضل و شاعر کامل ساکن قہستان من اعمال خراسان بود، اشعار در عربی و فارسی بسیار گفتہ است، اینکہ خاوران نام ولایتی از خراسان و مسکن مصنف این کتاب از توابع خراسان است و نیز بسبب اینکہ خاوران در لغت مشرق و مغرب را گویند و بقول مصنف این فسانہا در مغرب زمین رو دادہ بنا برین خاور نامہ نام نہاد و این خاور نامہ در مملکت ایران خاصہ در اصفہان و خراسان شہرت داد، اگرچہ اصل این حکایتہا از صورت راستی معرا است، ابن حسام مصنف خاور نامہ مذکور در وقت شیخ عمر مرزا ابن امیر تیمور بسال ہشتصد ہفتاد و پنج ہجری وفات یافت و در قصبہ خوسف من اعمال قہستان خراسان مدفون شدہ"

الحال کہ سال یکہزار ہفتصد و ہشتاد و [illegible] سنہ عیسوی ست بحساب سال ہجری فوت ابن حسام

"مصنف خاور نامہ را سہ صد و بست و ہشت سال گزشتہ و مجموعہ ابیات خاور نامہ بست و سہ ہزار ہفتصد و سی و پنج بیت بشمار آمدہ و مجموعہ تصویرات این کتاب یکصد و پنجاہ و بست صفحہ (؟) اوراق است و مجموعۂ اوراق این کتاب سہ صد و ہشصت و دو ورق است، و اغلبکہ این کتاب بفرمائش بادشاہ یا امیر والا جاہ تیار شدہ باشد، کتبہ علی ابراہیم خان در ۱۷۹۰ء"

کتاب مین کس قصہ کو بیان کیا گیا ہے، اس کا ہیرو کون ہے؟ ان امور کی صراحت آگے کیجائے گی، جیسا کہ قبل ازین مین نے لکھا ہے "خاور نامہ دکھنی" اس فارسی خاور نامہ کا ترجمہ ہے جس کو رستمی نے بیجاپور مین کیا ہے،

جہان تک میرا خیال ہے، اس کتاب کا کوئی نسخہ ہندوستان مین نہین ہے، اس لحاظ سے اس کتاب کے متعلق جن جن اصحاب نے صراحت کی ہے، وہ اصل کتاب کے علم کے بغیر صرف کیٹلاگون کے معائنہ سے کی ہے، اور بعض جگہ قیاسات کو بھی دخل دیا گیا ہے، جو واقعات کے خلاف ہوتا ہے، مثلاً بیان کیا گیا ہے، کہ "اس مین محاربات حضرت علی علیہ السلام مذکور ہین" اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاید حضرت علیؓ کی خلافت کے جنگون کا ذکر ہوگا، حالانکہ ایسا نہین ہے،

رستمی کے تخلص کے متعلق بھی غلط فہمی ہوئی ہے، اور بجائے رستمی کے "رسمی" خیال کیا گیا ہے، حالانکہ رستمی ہی صحیح ہے،

یہ کتاب کس نے لکھی؟ کب لکھی؟ کیون لکھی؟ ان امور کی صراحت مین اپنے الفاظ مین کرنے کے بجائے، اس فارسی عبارت کو درج کرنا مناسب خیال کرتا ہون جو اسی کتاب کے آخر مین درج ہے، اور جس کے مواد سے مرتبین کیٹلاگون نے استفادہ کیا ہے:۔

"سبب منظوم کردن خاور نامہ دکھنی آن بود کہ علیا جناب خورشید نقاب قدر افزای دیہیم عفت مسند آرای کشور عصمت زینت بخش حجلیای مخدرات مجلس آرای حجرات طاہرات والا مرتب

سمو مناقب خدیجہ سلطان شہر بانو الملقب بڑی صاحب دامت عفتہا و عصمتہا، کہ بصدق و یقین و یقین صدق خود را کنیزک پنج تن پاک حضرت بہترین انام پیشوای عظام مفتدل اکرام حضرت دوازدہ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام، و حضرت فاطمہ زہرہ رضی، خدیجہ کبریٰ و چہارہ معصوم پاک کرد(؟) ......

درج شرفناک و نیر اعظم برج لولاک اندخوانده و صبیہ طیبہ شاہ گردون بارگاہ، قطب فلک عزوجاہ سلطان محمد امین قطب شاہ ابن قطب شاہ است و خواہر نیکو سیر شاہ گیتی پناہ کسری کلاہ سلطان عبد اللہ قطب شاہ ابن قطب شاہ است، و زوجہ شاہ سلیمان بارگاہ جم قدر سکندر سپاہ خاقان فریدون فر قیصر دارا منظر سلطان دین پناہ ابو المنصور سلطان محمد غازی عادل شاہ ابن ابراہیم عادل شاہ است، و والدہ صالحہ ارشد ارجمند کامگار موید منصور بختیار قرہ ناصرہ دولت و اقبال غرہ ناصیہ حشمت و جلال سعادت مند ابدی و ازلی شاہزادہ عالم و عالیان شاہ علی مدعمرہ را چنین بخاطر رسید کہ خاور نامہ فارسی اگر بزبان دکھنی منظوم شود بہتر است پس فرمود ...... (؟) ...... کہ این کتاب خاور نام را بزبان دکھنی منظوم کند، او را بمراحم گوناگون شاہانہ و عواطف بوقلمون خسروانہ ممتاز فرمودہ، از ابنائے زمان و سخنوران دوران سرفراز گردانم، بنابران محرمان سراپردہ عظمت تفحص بسیار و تردد بیشمار درین مژدہ بہجت افزا و بشارت دل کشا بہ کمال خان ابن اسمٰعیل خطاط خان دبیر کہ دبیر قدیم شش کرسی درگاہ عدالت پناہ است و بزرگانش بخطاب خطاط خان نوازش یافتہ اند و طبع نقادش در فن شاعری مہارتے تمام دارد و در سلک نظم و نثر در ناسفتہ را سفتہ آورد، در اشعار تخلص خود رستمی کردہ و در قصائد و غزلیات فارسی و دکھنی بلاغت از حد بردہ رسیا نند(؟)

رستمی حسب الفرمودہ ملقیس زمان و صنوف اعطاف بے کران قبول این سعی گشتہ رستانہ رخش فصاحت فارسی را بمیدان بلاغت دکھنی جولان دادہ ہر بیت بیت فارسی را بہ بیت بیت دکھنی انتظام دادہ نامش خاور نامہ دکھنی کردہ از تائید ربانی و از فیض سبحانی بست و چہار ہزار بیت

درمکیسال ونیم تسوید نمودہ ترقیم وترتیب کتاب نمود از توفیق الہٰی باتمام رسید،

امیدوار درگاہ مجیب الدعوات اند کہ کارفرمائی این کتاب را از نخل بخت وعمر برخوردار گردانید

برادودل بر سپاند، مولف ونویسندہ وسامعہ وخوانندہ را نیز از فضل خویش بی بہرہ نگذارد،"

بیان مندرجۂ بالاسے بخوبی واضح ہے، کہ کمال خان کا تخلص رستمی صحیح ہے نہ کہ رستمی جیسا کہ بعض صحاب کا خیال ہے،

اشعار مین بھی متعدد جگہ جہان تخلص آیا ہے، وہان رستمی ہی لکھا گیا ہے چنانچہ کہتا ہے:-

کیا ترجمہ دکھنی ہور دلپذیر بولیا معجزہ یو کمال خان دبیر
اور
خلق کہتی ہے مجھ کمال خان دبیر تخلص سو ہے رستمی بے نظیر،

کیا رستمی اس وقت یو کتاب بندیا بات کی کو مران بےحساب

خاورنامہ دکھنی کیتا ہون تام ہوا خاوران پر قصہ سب تمام

دے اوے جو مستی اچھے مجھ مدام کرے رستمی کون او عالی مقام

رستمی کے تخلص کے متعلق فیلن نے بھی دھوکہ کھایا ہے، مگر اس کا دھوکہ کھانا ناگزیر تھا کیونکہ گارسی ڈی تاسی کا تذکرہ اس کے پیش نظر تھا جس مین رستمی مذکور ہے، اسپرنگر کے کیٹلاگ اور اسٹوارٹ (STEWART) کی کیٹلاگ مین یہ کتاب شریک نہین ہے،

یہ کتاب جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے سلطان محمد عادل شاہ ابن ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد مین مرتب ہوئی ہے، سلطان کا زمانۂ حکومت ۱۰۳۷ھ سے ۱۰۶۸ھ تک ہے،

محمد عادل شاہ اپنے باپ کے بعد مالکِ تخت وتاج بنا، باپ کی طرح یہ بھی اربابِ کمال کا قدردان

اور اہل علم کا سرپرست تھا، اس کے دربار کے شاعر حکیم آتشی نے خمسہ نظامی کا جواب لکھا تھا، سلطان کے حکم سے نواب خان بابا نے رفیع الدین حسین شیرازی کی کتاب احوال السلاطین دکن کو مکمل کیا، حکیم آتشی کے سوا ابراہیم خان دوسرا مشہور شاعر تھا، جو قصائد اور غزلیات مین ید طولیٰ رکھتا تھا، سید نور اللہ مرزا مقیم، مرزا دولت شاہ دوسرے شعرا تھے[1]

سلطان کی طرح اس کی ملکہ بھی علم و فن کی قدردان تھی، جس کی بہترین دلیل خاور نامہ ہے، ملکہ خدیجہ سلطان شہربانو گولکنڈہ کے حکمران سلطان محمد قلی (۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ) کی پوتی اور سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ) کی دختر اور سلطان عبد اللہ قطب شاہ کی بھتیجی تھی،

۱۰۴۳ھ مین محمد عادل شاہ ابن ابراہیم عادل شاہ بیجاپور سے بیاہ گئین، جس کے بطن سے علی عادل شاہ ثانی جیسا علم و فضل کا ماہر اور شعر و سخن کا دلدادہ فرزند تولد ہوا،

کمال خان رستمی، اسمٰعیل خان کا لڑکا تھا، اس کو اور اس کے بزرگون کو سلاطین عادل شاہی کی جانب سے خطاط خان کا خطاب عطا ہوا تھا، رستمی اپنے عہد کا نامور ادیب با کمال شاعر تھا، فارسی کے ساتھ ساتھ دکھنی مین بھی ید طولیٰ رکھتا تھا، صرف خاور نامہ اس کی قابلیت اور لیاقت کی بین دلیل ہے، اس نے قصائد اور غزلیات بھی کہے تھے، مگر افسوس اب وہ سب ناپید ہین،

خاور نامہ جیسا کہ بیان کیا گیا، ڈیڑھ سال مین لکھا گیا، اشعار کی تعداد چوبیس ہزار ہے، اسکی ترتیب ۱۰۵۹ھ مین ہوئی ہے، خود مصنف کہتا ہے، ؎

نبی کی جو ہجرت تھی کہتا خیال　　　ہزار پر پچاس اور نو کی تھی سال

کیا رستمی اس وقت یو کتاب　　　بندیا بات کی کو مران بے حساب

خاور نامہ دکھنی فارسی کا ترجمہ ہے، مگر ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ ترجمہ نہین معلوم ہوتا، بلکہ اصل تصنیف معلوم ہوتی ہے، اور یہی اصلی خوبی ہے، یہ رزمیہ مثنوی ہے، اس کی جو خوبیان ہین ان مین

[1] بساتین السلاطین،

سے بعض حسب ذیل ہین:۔

(الف) یہ اردو کی سب سے پہلی ضخیم مثنوی ہے، نہ تو اس سے پہلے اور نہ آج تک ایسی ضخیم مثنوی اردو مین لکھی گئی،

(ب) یہ سب سے پہلی رزمیہ مثنوی ہے، اور پھر پہلی ہی نہین، بلکہ آخری بھی کیونکہ ایسی ضخیم رزمیہ مثنوی اردو مین کوئی نہین ہے،

(ج) ضخیم ہونے کے باوجود اس کا تسلسل بھی نظر انداز نہین کیا جا سکتا،

(د) سلاطین عادل شاہی کے رزم و بزم کا اندازہ ہو سکتا ہے، کیونکہ ترجمہ مین ان امور کا داخل ہونا ناگزیر تھا، جو اس وقت کی معاشرت اور تمدن کے لوازمات تھے،

(و) مثنوی مین کئی سو تصاویر ہین جن مین سے بعض کی صراحت حسب ذیل ہے:۔

(۱) بروج آسمان، (۲) حضرت آدمؑ فرشتون کو تعلیم دے رہے ہین، (۳) مسجد النبیؐ (۴) فردوسی اور بہشت، (۵) آنحضرت صلعم معہ صحابہؓ، (۶) ابو المحجن و سعد وقاص، (۷) کوہ نور، (۸) جنگ نوادر از سعد، (۹) مقابلہ نوادر و سعد، (۱۰) شکست سپاہ نوادر (۱۱) سوداگران و حضرت علیؑ، (۱۲) حضرت علیؑ و بادشاہ زنگیان، وغیرہ،

ان تصاویر سے بعض تو پورے صفحہ پر ہین اور بعض نصف اور ربع صفحہ پر، بعض مقامات پر ایک صفحہ پر دو دو تصویرین ہین، کل تصویرون کی تعداد (۳۰۷) ہے، ان مین مختلف رنگون کا استعمال کیا گیا ہے اور رنگ مین خصوصیت بھی رکھی گئی ہے، مثلاً شب خون حملہ کی تصویر ہو تو زمین سیاہ دکھئی ہے، دریا کا منظر ہو تو نیلگون رنگ استعمال کیا گیا ہے، آنحضرت صلعم اور حضرت علیؑ کی تصویر جہان دکھئی ہے وہان چہرہ ظاہر نہین کیا گیا ہے، بلکہ ہر جگہ ایک نقاب سے گردن تک پوشیدہ کر دیا گیا ہے، ان تصاویر سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے، ان مین سے چند کی صراحت کی جاتی ہے،

(الف) جو لباس ان تصاویر مین استعمال کیا گیا ہے، اس سے عادل شاہی تمدن کا اندازہ ہوتا ہے،
مسلمان مرد عورتون کا لباس کیا تھا، ہندو مستورات اور مرد کس قسم کا لباس پہنا کرتے تھے، اس کا پتہ چلتا ہے۔ کہ بعض داڑھی صاف کرواتے تھے کسی کی مونچھ زیادہ لمبی ہوتی تھی، ہندو مرد دھوتی کا استعمال کرتے تھے، ہندو عورتین ساڑی کو پیچھے ٹوپ دیا کرتی تھین، مسلمان مرد لمبی قبا تنگ آستین کی استعمال کرتے تھے بعض اوقات ایک نیم آستین قبا اس پر ہوتی تھی، پائجامہ کبھی تنگ اور کبھی گھردار استعمال ہوتا تھا، عام طور پر عمامہ باندھا جاتا تھا جس کو کبھی پینے بھی ہوا کرتے تھے، جنگ کے وقت خود استعمال ہوتا تھا، عورتون کے لباس مین لہنگا دامنی اور چولی کا رواج تھا، پیٹ صاف طور پر نظر آتا ہے، آج تک جنوبی ہند (مدراس) مین غریب مسلمانون کا یہی لباس ہے،

مسلمانون مین عام طور پر نماز اور عبادت کا دستور تھا، مذہب کو زندگی کا جز لاینفک تصور کرتے تھے، دعا مانگی جاتی تھی، اور اس کو اثر پذیر خیال کیا جاتا تھا، امرا کے کھانے کے وقت ملازم تولال سے مکھی اڑایا کرتے تھے، مختلف کھانے ایک ساتھ دسترخوان پر چن دیئے جاتے تھے صراحی بردار پیچھے استادہ رہا کرتے، دوست ملاقات کے وقت بغل گیر ہوا کرتے، بادشاہ موسیقی سے بہرہ اندوز ہوتے، تخت کے ساتھ کرسی کا رواج تھا، نجوم پر اعتقاد تھا، بلا نجوم کوئی کام نہین کرتے تھے، ماتم کرنے کا دستور تھا، اور بوقت ماتم سر کے بال کھول دیا کرتے تھے، عورتین بعض دفعہ سینہ کے اوپر کا حصہ کھلا رکھتی تھین، سوتے وقت اکثر لباس تبدیل نہین ہوتا تھا، بادشاہ کے سوتے وقت لونڈیان پہرہ دیا کرتی تھین، ان سے کسی قسم کا حجاب یا پردہ نہین ہوتا تھا، ان کی موجودگی مین ملکہ پہلو مین سویا کرتی، غرض کہ اس طرح اس زمانہ کے تمدن کی ہر شے ان مین نظر آتی ہے، گو کئی ایک چیزین اب بھی ہمارے تمدن مین داخل ہین، اس لئے وہ ہمارے لئے نئی نہین، مگر اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی ان کا رواج اور دستور تھا،

(ب) جہان ان تصاویر سے اس وقت کے بزم کے حالات معلوم ہوتے ہین، اسی طرح رزم

کے حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے، جنگ کے سازو سامان آلات حرب طریقۂ جنگ، بری و بحری جنگ جنگی جہاز وغیرہ کی صراحت ہوتی ہے، آلاتِ حرب مین تلوار، نیزہ، تیر، گرز، ڈھال وغیرہ استعمال ہوتے تھے، مختلف رنگ کے "علم" (پھریرے) ہوا کرتے،

(ج) فرشتون، دیو اور پریون کی تصاویر سے معلوم ہوتا ہے، اس زمانہ مین فرشتون کو عورتون کی شکل دیجاتی تھی، دیو سیاہ بدشکل مہیب صورت مین بنائے گئے ہین، ان کے سر پر سینگ بھی ہوتے تھے،

اس صراحت کے بعد اب مین نفس مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہون، اس کے متعلق مصنف کیٹلاگ بلوم ہارٹ نے جو وضاحت کی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"ایک فارسی نظم کا دکھنی ترجمہ جس مین حضرت علیؓ اور ان کے رفقا مالک اور ابو المحجن کے لڑائیون کا ذکر ہے، مصنف کمال خان رستمی"

مؤلف اردوے قدیم لکھتے ہین :۔

"خاور نامہ نظم ہے، اور شاہ نامہ فردوسی کے جواب مین لکھا گیا ہے، اس مین امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور ہین"

رسالہ تجلی مین دکھنیات کے متعلق ایک مضمون شایع ہوا ہے، جس مین مضمون نگار صاحب نے اس کے متعلق جو صراحت کی ہے، وہ یہ ہے :۔

"یہ ایک رزمیہ مثنوی ہے، اور اس مین حضرت علیؓ اور آپ کے صحابی حضرت مالک اور حضرت ابو المحجان کے جنگی کارنامون اور محاربات کو بیان کیا گیا ہے"

ان تصریحات سے نفس کتاب کے متعلق کوئی صحیح اور واضح روشنی نہین پڑتی چونکہ اصل کتاب کا کوئی نسخہ غالبًا ہندوستان مین نہین ہے، اس لئے اس کے متعلق تفصیلی معلومات کا حاصل ہونا ناممکن تھا،

بیشک اس مین حضرت علیؓ اور آپکے رفقا کے محاربات کا ذکر ہے، مگر کیا اصلی محاربات خلافت؟ نہین بلکہ ایک فرضی داستان ہے، یہ فرضی داستان قصہ امیر حمزہ کے بالکل مشابہ ہے، ممکن ہے مصنف خاورنامہ نے اس فارسی قصہ امیر حمزہ کو جو سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ مین تصنیف ہوا تھا دیکھا ہو،

اس مین بتایا گیا ہے، ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کی مجلس مین صحابہؓ کی بہادری کا ذکر ہو رہا تھا، کوئی کسی کا نام لیتا تھا، کوئی کسی کا، کسی نے سعد وقاصؓ کو ترجیح دی، جس پر ابو المعجن کو ناگوار ہوا، اور بعد برخاست مجلس دونون مین رنجش کی صورت اختیار کر لی، ابو المعجن بالکل نوجوان تھا، اور حضرت علیؓ سے فنون جنگ کی تعلیم حاصل کی تھی، سعد وقاص نے ابو المعجن سے لڑنے کے لئے جنگل کی راہ لی جہان ابو المعجن آیا اور سعد سے بیان کیا، کہ وہ اس امر کا ارادہ رکھتا ہے، کہ ملک مغرب کو لڑائی کے لئے جائے اگر وہان مارا جائے تو خیر ورنہ کامیابی کا سہرا رہے گا، سعد نے بھی اس کو پسند کیا، دونون ملکر روانہ ہوئے، کچھ مدت سفر کے بعد ایک ملک مین پہونچے، جہان کے بادشاہ کا نام ہلال بن علقمہ تھا، یہ اور اسکے تمام اہل شہر مسلمان تھے، اس نے تین دن تک دونون کی مہمانی کی اور جاتے وقت ایک لشکر ساتھ کرنے کا ارادہ کیا، مگر انھون نے انکار کیا اسی طرح تنہا روانہ ہوئے، نو روز کی مسافت کے بعد دسوین دن ایک دوسرے ملک مین جس کا نام کوہٹہ نور تھا، پہونچے، یہان کا بادشاہ نوادر نام تھا، اول تو اس نے خاطر تواضع کی اور ان کے ارادے سے واقف ہو گیا، بعد ازین مخالفت ہو گئی، اور ان سے جنگ ہوئی، جب نوادر مجبور ہو گیا تو ایک دوسرے بادشاہ قنطار شاہ سے مدد کا طالب ہوا، اس عرصہ مین آنحضرت صلعم کو سعد اور ابو المعجن کے ملک مغرب کو جانے کا حال معلوم ہوا، اور حضرت علیؓ ان دونون کی مدد کے لئے روانہ ہوئے، اثنائے راہ مین حضرت علیؓ کا بادشاہ زنگیان سے مقابلہ ہوا، اور وہ مسلمان ہوا، اس کے بعد حضرت علیؓ قنطار شاہ کے مقابلہ کو روانہ ہوئے، یہان آپ کی سعد سے ملاقات ہوئی، مگر ابو المعجن شرم سے دوسری جانب چل دیا، قنطار شاہ سے مقابلہ ہوا اور وہ گرفتار ہو کر حضرت علیؓ کے پاس پیش ہوا،

ابوالمحجن یہان سے روانہ ہوکر، پولاد کوٹہ، گیا، جہان رعد اور عمار سے مقابلہ ہوا، قمطار شاہ کے مقابلہ کے بعد حضرت علیؓ ملک خاور کی جانب روانہ ہوئے، اثنائے راہ مین کئی بادشاہون سے مقابلے ہوئے اور کئی جنگین ہوئین، پولاد کوٹہ مین حضرت علیؓ اور ابوالمحجن مین نادانستہ مقابلہ ہوا، مگر کوئی کامیاب نہین ہوا، اسی عرصہ مین حضرت علیؓ پر غنودگی طاری ہوئی، اور خواب مین معلوم ہوا وہ ابوالمحجن تھا، اس کے بعد دونون کی ملاقات ہوئی، اب سعد اور ابوالمحجن آپ کی رفاقت مین رہے، اسی عرصہ مین آنحضرت صلعم نے عمر بن اُمیہ کو حضرت علیؓ کی مدد کے لئے روانہ فرمایا، جنھون نے اپنی عیاری سے ہر جگہ بڑی مدد دی اور ان کی عیاری سے بڑا کام نکلا، ان ہی جنگون مین کئی دفعہ طلسم کشائی اور دیوون وغیرہ سے لڑائی ہوئی، جسمین حضرت علیؓ کامیاب ہوتے رہے، اکثر مقامون پر خضر راہ نمائی، اور مدد کے لئے آتے ہین، اس طرح مختلف جنگون جو بری اور بحری دونون ہین، بیسون طلسم کشائی کے بعد کئی بادشاہون کو مسلمان کرکے حضرت علیؓ معہ رفقایہ فتح و فیروزی مدینہ منورہ کو تشریف لاتے ہین، اور آنحضرت صلعم اور امام حسنؓ اور حسینؓ سے ملاقات ہوتی ہے،

یہ ہے مختصر سا خلاصہ اس مضمون کا جو بڑی تقطیع کے (۱۰۸۶) صفحون مین آیا ہے، کتاب کے پورے صفحہ پر (۲۸) شعر آتے ہین، جیسا کہ خاتمہ کی عبارت سے واضح ہے، چوبیس ہزار شعر ہین،

اس کے بعض اندراجات کی صراحت ذیل مین کیجاتی ہے، جس سے نفس مضمون کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،

اس مین حسب ذیل بزرگون کا ذکر اور ان کی تصاویر موجود ہین:-

حضرت آدم علیہ السلام، ابراہیم، موسیٰ، سلیمان، یونس، خضر، آنحضرت صلعم، حضرت علیؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ، جبرئیلؑ،

جن جن بادشاہون کا ذکر آیا ہے، اور ان سے مقابلہ ہوا وہ یہ ہین:-

ہلال شاہ، ہمود شاہ، قمطار شاہ، بادشاہ زنگیان، قباد شاہ خاوران، سلیمان شاہ، جمشید شاہ خاوران، بادشاہ فیل گوشان،

ثمار شاہ، فیروز شاہ، ناہید شاہ، طہماس شاہ، قبط شاہ، شاہ سمک، صلصال شاہ، ہرمز شاہ، پرویز شاہ، رائیض،
ان کے منجملہ نوادر اور رائیض کو ابوالمحجن نے قتل کیا ہے، قبط شاہ اور صلصال شاہ حضرت علیؓ کے
ہاتھ سے مارے گئے، جمشید شاہ، شاہ سمک، طہماس شاہ معہ اپنے بہمن کے مسلمان ہوتے ہین،
ان بادشاہون کی جانب سے جو سپہ سالار مقرر ہوکر میدان جنگ مین آئے اور مقابلہ کیا ان کے
نام حسب ذیل ہین:-

ہلال، جو قنطار شاہ کی طرف سے آیا تھا، رعد، میرتیاف، قباد، ایلاق ترک اس کو سعد نے قتل کیا،
میرز نہار خوار یہ مسلمان ہو گیا، شاہ پور، اس کو مالک نے قتل کیا، فرہاد، عمار، شاہ خاوران کی جانب سے
آیا تھا، کشیب، ہوتا، نوشاد جمشید کی جانب سے حضرت علیؓ کے مقابلہ کو آیا تھا، اردشیر یہ بھی جمشیدی تھا،
آدم کوتوال شہر ربیع، اسفندار بہمن اس کا مالک سے مقابلہ ہوا، اور قتل ہوا، شداد، کاموس، شیبان،
شہبال، جاددگر، کلباد، ابوالمحجن سے مقابلہ ہوا، خنجان، قرطاس، اس کو بھی ابوالمحجن نے قتل کیا، ارغوان
کوہی، سمراق، ایل زور، ابوالمحجن کے ہاتھ سے قتل ہوا، سربال، صلصال شاہ کا سپہ سالار تھا، گوراب، گودرز
توزاد، کیو، عاد، نورادین، سام، یہ سب صلصال شاہ کے جنرل تھے، اور اکثر قتل ہوئے،

داستان مین عورت کا ذکر آنا ناگزیر ہے، چنانچہ اس مثنوی مین جن عورتون نے حصہ لیا ہے ان مین
چند کا یہان ذکر کیا جاتا ہے،

دل افروز، دختر نوادر جس سے سعد نے بیاہ کیا، گل چہرہ، دختر جمشید شاہ، پریرخ، زن جمشید، خواہر
جمشید، گلنار، گل اندام، شمامہ صلصال شاہ کی ملکہ اس کے قتل ہونے پر مسلمان ہوتی ہے، قرطاس شاہ کے
حرم، طہماس شاہ کی بہن، ناہید شاہ کی دختر، پری کوہ بلور،

حضرت علیؓ کے جن جن رفقا، اور ان کے کارنامون کا ذکر آیا ہے، اور جن کا داستان مین بڑا
حصہ ہے، وہ یہ ہین:-

ابو المحجن، سعد، مالک، عمر امیہ، قبز، خالد، فتاح، عمرو معدیکرب سلیم حضرت علیؓ کی طرف سے عیاری مین عمر ہین، اور طرف ثانی کی جانب سے بختیار اور طرب قابلِ ذکر ہین، مگر عیاری مین بلکہ داستان مین سب سے بڑا حصہ عمر امیہ کا ہے، جیساکہ داستان امیر حمزہ مین ہے،

مثنوی مین جن جن شہرون اور مقامون کا ذکر ہے، اور جہان جہان لڑائیان ہوئی ہین وہ حسب ذیل ہین :۔

کوہ نور، ریاض کوہ، ضناک کوہ، صباح کوہ، پولاد کوہ، بندرگاہ سلیمان، شہر جم، شہر خاوران، قلعہ حول، قلعہ صور، حصن ربیع، بت خانہ، رہن باغ حماد کوہ، بت خانہ دیوازمید، قلعہ آہن، شہر سمت، کوہ بلور، قلعہ آدمی خور، شہر عرض، کوہ طلسمات، حصار برنج، حصار ظلمات، طلسم بلور، شہر مرصع، ویران حصار، شہر فام، شہر زر، سہیل گوہر نگار، شہر زرین، رباط اول، دوم، سوم، باغ زرین، حصن شیطان،

ان بادشاہون کے لشکرون کے سوا بعض اور لشکرون کا ذکر اور ان سے مقابلہ ہوا ہے، چند کے نام بیان کئے جاتے ہین، لشکر آدمی خوار، لشکر دیوان، لشکر پریان، لشکر جادوگران، لشکر کلاہان، لشکر فیل کوشان،

جیساکہ قبل ازین بیان کیا گیا ہے، یہ فرضی داستان ہے، جس مین صدہا امور غلط اور ناممکنات سے ہین، مثلاً دیودن پریون، بھوتون سے جنگ کرنا، خلاف قیاس اژدہون، شیرون، ہاتھیون سے مقابلہ طلسم کشائی، اسی قسم کے صدہا واقعات ہین،

یہ سب کچھ تو غلط ہے، اور قصہ کی حقیقت صرف افسانہ ہی ہے، مگر جو امر قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ زمانہ سلف مین تبلیغِ اسلام اور اشاعت دین محمدیؐ کی ہر وقت دھن رہا کرتی تھی، اور وہ قصہ کہانیون مین بھی اس کو نظر انداز نہین کرتے تھے، خاور نامہ کے مطالعہ سے یہ صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے، کہ مصنف کو تبلیغ اسلام کا کیسا شوق ہے،

نفس کتاب مین جن جن عنوانات پر بیان ہوا ہے جن کی سرخیان قایم کی گئی ہین اس کا اندراج طوالت سے خالی نہین، بریں ہم بطور نمونہ چند درج ہین، دکھنی خاور نامہ کی سرخیان فارسی مین ہین،

(۱) گفتار جمیع آسمان،

(۲) گفتار در صفتِ آدم زاد و قدر و منزلتِ ایشان،

(۳) فی المناجات.

(۴) صفتِ مدینہ،

(۵) صفتِ شب است (اسی مین فردوسی کی تعریف ہے)

(۶) آغاز داستان خاور نامہ،

(۷) صفتِ شب و خشم گرفتن ابوالمحجن و سعد وقاص رض،

(۸) داستان با نوادر،

(۹) فرستادن نوادر سیاہ را بکاروان زدن،

(۱۰) داستان نوادر،

(۱۱) جنگ کردن ابوالمحجن با سپاہ نوادر،

(۱۲) رزم نوادر با ابوالمحجن،

(۱۳) خبر یافتن قنطار از مرگ نوادر و آمدن کین خواستن،

(۱۴) رزم ہلال با ابوالمحجن و کشتہ شدن او،

(۱۵) رزم ابوالمحجن با قنطار،

(باقی)

عمر خیام کا ایک نادر نسخہ

از مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی رامپوری

(۲)

۲۶ چون عہد نمی شود کسے فردا را حالے خوش کن این دلِ پر سودا را
می نوش بنورِ ماہ اے ماہ کہ ماہ بسیار بگردد و نیابد ما را

مطبوعہ نسخہ مین عہدہ نمی شود لکھا ہے، دلِ پر سودا کی جگہ دلِ شیدا، اور بگردد کے عوض بتابد ہے،

۲۷ از آتش بادہ دود کجا بود آن جا از مایہ و از سود کجا بود آن جا
آنکس کہ مرا نام خراباتی کرد در اصل خرابات کجا بود آن جا

مطبوعہ نسخہ مین آن جا کی جگہ این جا اور "از مایہ و از سود" کے بجائے "از مایہ یا سود" تحریر ہے،

۲۸ برخیز و بیا دوست ز بہرِ دلِ ما حل کن بجمالِ خویشتن مشکلِ ما
یک کوزہ می بیار تا نوش کنیم زان پیش کہ کوزہ بر کنند از گلِ ما

مطبوعہ مجموعہ مین "بیا دوست" کے بجائے "بیا بتا" ہے، اور چوتھا مصرع اس طرح لکھا ہے،

زان پیش کہ کوزہ کنند از گلِ ما،

۲۹ روزے کہ بود اذا السماء انشقت الخ

قلمی نسخہ مین "اذا السماء انفطرت" ہے،

۳۰ گر کارِ تو نیک است بہ تدبیرِ تونیست ور نیز بد است ہم بہ تقصیرِ تونیست
تسلیم رضا پیشہ کن (و) شاد بزی چون نیک و بد جہان بہ تدبیرِ تونیست

الہ آبادی نسخہ مین دوسرا مصرع یون تحریر ہے، ؎ در سر بود و نیز بتقصیرِ تونیست،

لیکن یا لکل بے محل اور ناکارہ ہے، "کار تو نیک ست او" چون نیک و بدجہان بہ تدبیر تو نیست"
کا اقتضا یہ ہے، کہ "ور نہ" زبردست ہونا چاہئے، سرجانے سے کیا واسطہ، اگر یہ فقرہ صحیح مانا جائے تو رباعی
زخ ہو جاتی ہے،

۳۱ ہر سبزہ کہ برکنار جوے رستہ است گوئی زلب فرشتہ خوے رستہ ست
تا بر سر سبزہ پا بخواری نہ نہی کان سبزہ زخاکِ ماہ روئی رستہ ست

الہ آبادی نسخہ مین گوئی کی جگہ گویا، اور ماہ روی کے عوض لالہ روی تحریر ہے، یہ اختلاف معطی
ہے، لیکن تیسرے مصرع مین سنجیدہ تغیر ہے، تا کی جگہ یا اور پا کی جگہ پا لکھا ہے،

۳۲ خاکے کہ بزیر پائی ہر حیوانیست زلف صنمے و عارضِ جانانیست،
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے ست انگشتِ وزیرے و سرِ سلطانیست،

مطبوعہ رباعی مین خاکے کی جگہ خارے اور عارض کے عوض ابروے لکھا ہے، گو معنوی حیثیت
سے بالکل غلط نہین، لیکن خاکے کہین بہتر ہے، خار کے ساتھ تعمیم نامناسب ہے، ہر جاندار کے پیر کے
نیچے کانٹا کب ہوتا ہے، ہزارہا جاندار ایسے ہون گے، جن کے پیر کے نیچے کبھی کوئی کانٹا نہ آیا ہوگا،
اس کے برخلاف مٹی ایسی شے ہے کہ اس پر پیر رکھے بغیر چلنا ناممکن ہے،

۳۳ زان بر تو دو روز نوبتِ عمر گذشت بگذشت چنانکہ بگذرد باد بدشت
تا من باشم غم دو روزہ نخورم روزے کہ نیامدہ ست (و) روزے کہ گذشت

مطبوعہ نسخون مین پہلا شعر اس طرح لکھا ہے،

چون آب بہ جوئبار وچون باد بدشت روز دگر از عمرِ من وتو بگذشت

اس مین پہلا نقص تو یہ ہے، کہ "روز دگر" کو ناحق تاویل برداشت کرنا پڑتا ہے، ورنہ مطلب
خبط، دوسرے یہ کہ دوسرا شعر بے ربط رہجاتا ہے، سامع کا ذہن فوراً منتقل نہین ہوتا، اس لئے وہ نہین

سمجھ سکتا، کہ یہ معلول ہے، قلمی نسخہ مین زان سے علت ومعلول کا تعلق واضح ہو جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ تیری عمر گذشتہ کے دونون دن گذشتہ اور آئندہ، اس طرح غیر محسوس سرعت سے گذر گئے، جیسے جنگل مین ہوا سن سے نکل جاتی ہے، لہذا مین ان دونون کا غم نہ کرونگا (اس طرح میرا عیش فانی منغص نہ ہوگا، اور کچھ راحت نصیب ہو جائیگی) گذشت گذشتہ کا قایم مقام ہے،

۳۴ دل سر حیات اگر کما ہی دانست — در موت ہم اسرار الٰہی دانست
اکنون کہ تو با خودی ندانستی ہیچ — فردا کہ ز خود روی چہ خواہی دانست

مطبوعہ رباعی مین، پہلے مصرع مین اگر کی جگہ را ہے، چونکہ دونون مصرعے شرط و جزا واقع ہوئے ہین، اس لئے اگر حرف شرط ضروری ہے، را کے ساتھ عبارت یون ہونا چاہئے تھی، "دلے کہ سر حیات را کماہی دانست" "اکنون کہ تو باخودی" کے بجائے "امروز کہ باخودی" ہے یہ اکنون سے بہتر ہے، اس لئے کہ دوسرے مصرع مین لفظ فردا استعمال ہوا ہے، امروز اس سے زائد مناسبت رکھتا ہے،

۳۵ ساقی چو زمانہ در شکست من وتست — دنیا نہ سرا چہ نشست من وتست
گر زانکہ بدست من وتو جام مے ست — میدان بیقین کہ حق بدست من وتست

مطبوعہ رباعی مین "دنیا نہ سرا چہ" کے بجائے "دنیا کہ سرا چہ" لکھا ہے، اس تغیر سے گذشتہ رباعی کی طرح شعر کی معنویت غارت ہو گئی، وہ کہتا یہ ہے کہ جب زمانہ درپے آزار ہے، تو دنیا رہنے کی جگہ نہین لیکن نہ کی جگہ کہ آجانے سے کوئی مطلب ہی نہ رہا،

تیسرا مصرع مطبوعہ رباعی مین یون ہے ع بنگر کہ میان من وتو جام مے ست، لیکن معاملہ حد فہم سے قطعاً باہر ہو جاتا ہے، چارون مصرع ملا کر پڑھئے، دیوانہ کی بڑ کے سوا کچھ نہین رہتا، عمر خیام جیسا فصیح رباعی گو، کس قدر بدنما شکل مین نمودار ہوتا ہے، مگر قلمی رباعی ان عیوب سے پاک ہے، اس کے

مطابق تیسرا مصرع استفہامیہ ہے، پہلا شعر ایک واقعہ تھا حقیقت یہ ہے کہ زمانہ کسی کو چین سے بیٹھا نہین دیکھ سکتا، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب یہ حالت ہے تو دنیا ہرگز رہنے کے لائق نہین ہو سکتی، شاعر سوال کرتا ہے، کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ زمانہ ہمارے در پے کیون ہے،؟ کیا یہ سبب ہے کہ ہم، جام بدست، ہین؟ کیا یہ باعث ہے، کہ ہم اس کی پرواہ نہین کرتے، اور شراب سے دادِ عیش و نشاط دیتے رہتے ہین،؟ چوتھا مصرع اس کا جواب ہے، یعنی:-

"اگر صرف یہی وجہ ہے کہ ہم میخوار ہین، تو کچھ فکر نہین اسے دشمنی کرنے دو، حق تو ہمارے ہی ساتھ ہے اور جب انسان حق اور راستی پر ہو، تو پھر اسے تکالیف کی ذرہ برابر پروا نہین چاہئے" اس مضمون کو خیام نے متعدد جگہ نظم کیا ہے، دیکھو صرف معمولی الفاظ کے تغیر سے رباعی کس قدر بے معنی ہو گئی تھی،

۳۶ جرمِ خردم درخورِ اثباتِ تو نیست　　واندیشہ من بجز مناجاتِ تو نیست
من ذاتِ ترا بواجبی کے دانم　　داندہٗ ذاتِ تو بجز ذاتِ تو نیست

الہ آبادی نسخہ مین جرم خردم کی جگہ گنہ خردم، اور چوتھے مصرع مین بجز ذات کے عوض جدا ذات لکھا ہے، جرم سے گنہ بہتر ہے، لیکن "بجز ذات" کے بجائے، جدا ذات اچھا نہین،

۳۷ روزے کہ درو آمدن و رفتنِ ماست　　اورا نہ نہایت و بدایت پیداست
کس پے نبرد ہیچ درین معنی راست　　کین آمدن از کجا و رفتن ز کجاست

مطبوعہ نسخون مین روزے کی جگہ دورے لکھا ہے، یہی بہتر ہے، چوتھے مصرع مین ز کجاست کی جگہ بہ کجاست ہے، ز کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے، تیسرا مصرع الہ آبادی نسخہ مین یون لکھا ہے، ؎ "کس می نزند دمے درین معنی راست" قلمی مصرع اس سے اچھا ہے، گو معنی یہ بھی درست ہے،

بسیار دویدیم بگرد در و دشت　　اندر ہمہ آفاق بگشتیم بہ گشت
از کس نہ شنیدیم کہ آمد زین راہ　　راہے کہ بر فت رہروی باز نہ گشت

مطبوعہ رباعی مین دو دیدیم کی جگہ بگشتیم اور " برفت رہروے" کی جگہ " برفت راہرو" لکھا ہے،

۳۸۔ چون لالہ بنو روز قدح گیر بدست | با لالہ رخے، اگر ترا فرصت ہست
مے نوش بخرمی، کہ این چرخ کہن | ناگاہ ترا چو خاک گرداند پست

مطبوعہ رباعی مین بخرمی کی بجائے بخو ر غصہ ہے، مآل دونون کا ایک ہے، لیکن بخرمی زیادہ اچھا ہے،

۳۹ دیر لیست کہ صد ہزار عیسیٰ دیدہ ست | طور لیست کہ صد ہزار موسیٰ دیدہ ست
قصرے ست کہ صد ہزار کسریٰ دیدہ ست | طاقیست کہ صد ہزار بگذشت درو

مطبوعہ رباعی مین طور لیست الخ مقدم ہے، دیر لیست موخر ہے، چونکہ موسیٰ علیہ السلام عیسیٰؑ سے پہلے تھے، اس لئے انسب یہی ہے کہ ان کا ذکر بھی پہلے ہو، تیسرا مصرع مطبوعہ نسخہ مین یون ہے، ؎
قصر یست کہ صد ہزار قیصر بگذشت،، قصر کی مناسبت سے قیصر ہی بہتر معلوم ہوتا ہے،

۴۰ مائیم می و مطرب و این کنج خراب | جان و دل و جام وجامہ بردرد شراب
فارغ ز امید رحمت و بیم عذاب | آباد ز خاک و باد و ز آتش و آب

الہ آبادی نسخہ مین اس وزن اور قافیہ مین دو رباعیان ہین۔ یہ رباعی پہلی رباعی کے تین آخری مصرعون اور دوسری کے پہلے ایک مصرع سے مرکب ہے، پہلی رباعی کا پہلا مصرع یہ ہے، ؎

"ما و می و معشوق درین کنج خراب" دوسرا مصرعہ بعض قلمی نسخون مین یون ہے ؎

" جان و دل وجسم نیز دررہن شراب "، یہی مصرع امرتسری نسخہ مین زیر بحث قلمی نسخہ کے مطابق ہے، صرف یہ فرق ہے کہ اس مین " بردرد شراب" ہے" اور اس مین اس کے بجائے" در رہن شراب" چوتھے مصرع مین آباد کی جگہ آزاد ہے، یہ دونون تغیر دوسرے نسخون کے انسب ہین،" آباد"، اور" بردرد شراب" کسی طرح درست نہین،

۴۱ اے چرخ فلک خرابی از کینۂ تست | بیدادگری پیشۂ دیرینۂ تست

اے چرخ اگر سینۂ تو بشگافند   بس گوہر قیمتی کہ در سینۂ تست

مطبوعہ رباعی مین "پیشۂ دیرینہ" کی جگہ "عادتِ دیرینہ" اور تیسرے مصرع مین اے چرخ کے عوض "اے خاک" ہے، پہلا اختلاف مساوی ہے، لیکن اے چرخ کی بجائے "اے خاک" درست ہے، زیر بحث قلمی نسخہ غلط ہے،

۴۲ چون آمدنم بمن نبُد روزِ نخست   این رفتن بے مراد عرفیست درست

برخیز و میان بہ بندائے ساقی چست   کاندوہِ جہان بمی فرو خواہم شست

مطبوعہ مجموعون مین دوسرے مصرع مین بجائے "عرفیست درست" کے "عزمیست درست" لکھا ہے، لیکن درحقیقت عزم صحیح نہین، عزم کہتے ہین، پختہ ارادہ کو، اور جہان تک انسان کے اختیار مین رہتا ہے، وہ کبھی مرجانے کا پختہ ارادہ نہین کرتا، عرف کہتے ہین، جانی پہچانی رسم یا عادت یا طرز و طریق وغیرہ کو، موت بھی ایک معروف انسانی حالت ہے، اس لئے موت کو عرف سے تعبیر کرکے اس کو "درست" بھی کہتا ہے، کیونکہ دنیا مین ساری گذشتہ نسلین زندہ رہتین، تو آنیوالون کو زندگی دشوار ہوجاتی، بہت ممکن تھا کہ موجودہ "تنازع للبقا" حد سے تجاوز کرکے دنیا کو یکسر تباہ کردیتا،

۴۳ دریاے قرابہ غلغل می چہ خوشست   وان زاریِ رازِ نالۂ نے چہ خوشست

در بربتِ دلفریب، در سرمی ناب   فارغ ز غمِ زمانہ ہے ہے چہ خوشست

الہ آبادی نسخہ مین پائے قرابہ کے عوض نائے قرابہ اور "وان زاری راز" کے بجائے "آواز نماع" لکھا ہے، تیسرے مصرع مین "دربربتِ دلفریب" نے "در ہر بت دلفریب" کی شکل اختیار کرلی ہے، پائے قرابہ اور نائے قرابہ مساوی ہین، لیکن در ہر بہار ہوز غلط ہے، در بربار موجود ہونا چاہئے، مگر زیر بحث قلمی نسخہ کا دوسرا مصرع محرف معلوم ہوتا ہے، غالبًا لفظ راز "ساز" تھا، کاتب کی غلطی سے سین کا سر الف سے جدا ہوگیا، اور اس نے ر کی شکل اختیار کرلی،

۴۴ چون ابر بجویبار و چون باد بدشت روزے دگر از عمر تو خواہد بگذشت
ہرگز غم دو روزہ نخواہم خوردن روزے کہ نیامدست و روزے کہ گذشت

اس مضمون کی ایک قلمی رباعی پہلے گذر چکی ہے، مطبوعہ نسخون مین صرف ایک رباعی درج ہے جو کسی قدر پہلی سے اور کسی قدر اس دوسری سے مشابہ ہے، وہ یہ ہے:-

چون آب بجویبار و چون باد بدشت روز دگر از عمر من و تو بگذشت
تا من باشم غم دو روزہ نخورم روزے کہ نیامدست و روزے کہ گذشت

دراصل موجودہ قلمی رباعی اس رباعی کی دوسری شکل ہے، وہان ہم نے مقابلہ درست نہین کیا، ابر کی جگہ آب اور بگذشت کی جگہ خواہد بگذشت بہتر ہے، تیسرا مصرع دونون کا برابر ہے،

۴۵ در پردۂ اسرار کسے را رہ نیست زین تعبیہ جان ہیچ کس آگہ نیست
جز در دل خاک ہیچ منزل گہ نیست می خور کہ زمانہ ہا چنین کوتہ نیست

الہ آبادی نسخہ مین چوتھا مصرع اس طرح درج ہے، ؎

افسوس کہ این فسانہ ہم کوتہ نیست، اور امرتسری نسخہ کا حوالہ دیا ہے، بعض نسخون مین افسوس کے بجائے بشنو لکھا ہے، ہمارے نسخہ کا چوتھا مصرع بہتر ہے، مقصود یہ ہے، کہ جب حقیقت سے کوئی باخبر نہین، اور مرنا لابد ہے، تو پھر شراب کیون نہ پئین، کافی مہلت ہے اتنے عرصہ مین تو بہت کچھ لذت حاصل کیجا سکتی ہے،،

۴۶ یک جرعۂ مے ز ملک کاؤس بہ است وز تخت قباد، ملکت طوس بہ است
ہر نغمہ کہ عاشقے تراز د بہ سحر از نعرۂ زاہدان سالوس بہ ست،

مطبوعہ نسخون مین دوسرا شعر اس طرح درج ہے،

ہر نالہ کہ رندے بسحرگاہ زند از طاعت زاہدان سالوس بہ ست

مگر قلمی شعر مرجح ہے، یہ حقیقت ہے، کہ ریاکارانہ نعرہاے اللہ ہو سے وہ راگ کہین بہتر ہین، جو سچے عاشق کے دردمند دل سے نکلتے ہین، اور دلون کو برماتے ہوئے فضا مین ناپید ہوجاتے ہین، رند سے یہ مفہوم ادا نہین ہوتا، گو ریاکاری کی نفی ضرور ہوجاتی ہے، رہا نعرہ تو وہ طاعت سے بہرحال انسب ہے، نالہ اور نغمہ دونون کے مقابل نعرہ ہی ہونا چاہئے،

۴۷ گویند مخور بادہ کہ شعبان نہ رواست | نے نیز رجب کہ آن مہ خاص خداست
شعبان و رجب ماہ خدایست و رسول | ماہ رمضان خوریم کان خاصۂ ماست

مطبوعہ نسخون مین یہ رُباعی اس طرح درج ہے ؎

گویند کہ مے بماہ شعبان نہ رواست | نے نیز رجب کہ آن مہ خاص خداست
شعبان و رجب ماہ خداوند و رسول | مے در رمضان خوریم کان خاصۂ ماست

۴۸ زان بادہ کہ روح را حیاتے دگرست | پر کن قدحے گرچہ ترا درد سرست
بر نہ بہ کفم کار کہ عالم گذرست | بشتاب کہ عمرت اے پسر در گذرست

الہ آبادی نسخہ مین روح کے بجائے عمر درج ہے، تیسرا مصرع اس طرح لکھا ہے، ؎ برنہ بکفم کہ کارِ عالم سمرست ،، یہی صحیح بھی ہے، چوتھا مصرع بھی مختلف ہے، ،، کہ عمرت اے پسر،، کے عوض ور کنون کہ عمر من،، لکھا ہے، دہلی والے نسخہ مین چوتھا مصرع اس طرح درج ہے،

بشتاب کہ عمرِ اے پسر در گذرست،

۴۹ در فصل بہار اے بت حور سرشت | یک کوزۂ مے بدہ مرا برلب کشت
ہر چند بہ نزد عالم این باشد زشت | از سگ بترم اگر کنم یاد بہشت

مطبوعہ نسخون مین اے کی جگہ اگر اور بدہ کی بجائے دہد ہے، تیسرا مصرع اس طرح درج ہے؛ گرچہ بر ہر کس این سخن باشد زشت قلمی رباعی مین روانی زائد ہے، گو غلط مطبوعہ کو بھی

نہین کہا جا سکتا،

۵۰ بیہودہ بہر دلے نمی باید تاخت　　با نیک و بد زمانہ می باید ساخت
از طاسکِ چرخ و کعبتین تقدیر　　ہر نقش کہ پیدا شود آن باید تاخت

الہ آبادی نسخہ مین بیہودہ کی جگہ "از ہرزہ" درج ہے، "از نیک و بدے" "نیک و بد" کے عوض لکھا ہے، یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے،

۵۱ امروز کہ آدینہ مرا درانام ست　　مے نوش سبو سبو چہ جائے جام ست
ہر روز اگر یک قدح می خوردی،　　امروز دو خور کہ سید الایام ست

مطبوعہ رباعیات مین دوسرا مصرع اس طرح درج ہے ؎

مے نوش کن از قدح، چہ جائے جامست، لیکن قلمی نسخہ مرجح ہے، مقصد یہ ہے، کہ پیالہ سے تو روزانہ پیا ہی کرتا ہے، آج جمعہ ہے شراب کی ٹھلیا منہ کو لگا، اور دنیا و مافیہا کو خیرباد کہدے، کیون اس لئے کہ جمعہ ہے سید الایام، اس روز تو ایک قدح شراب پینے والے کو بھی دو پینا چاہئے ورنہ سردار اور عام دونون مین فرق کیا رہے گا؟

مطبوعہ مصرع سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ خیّام روزانہ قدح سے پیتا ہے، اسی لئے جمعہ کی تعظیم مین آج دو قدح پئے گا، اور وہ بھی جام سے نہین خود قدح ہی سے، بس یہ جمعہ کی خصوصیت ہے لیکن پہلی صورت مین امتیاز بہت کھلا، اور اہم ہے، وہ روزانہ ایک قدح شراب جام سے پیا کرتا تھا جمعہ کے دن زائد پئے گا، اور نہ صرف یہی کہ زائد ہی پئے گا، بلکہ دونون کے سردار کی تعظیم مین پئے گا بھی ٹھلیا سے، اسے کہتے ہین خم بہ خم لنڈھانا، اور یہ ہے جمعہ کی خصوصیت،

(باقی)

تلخیص وتبصرہ

خودکشی اور مذہب

لوگون کو خودکشی سے باز رکھنے مین، مذہب کو جو دخل رہا ہے، وہ محتاج بیان نہین، سطور ذیل مین اسی موضوع سے متعلق ایک مضمون کا خلاصہ ہے، جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ کی ایک قریبی اشاعت مین شایع ہوا ہے،

جو لوگ مذہب کی پیروی کرتے ہین، ان مین خودکشی کی نوبت بہت کم آتی ہے، برخلاف اس کے جن لوگون پر مذہب کا قابو کم ہے، ان مین خودکشی کے واقعات نسبۃً بہت زیادہ پائے جاتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کے لئے مذہب ہی ایک قوی مانع ہوسکتا ہے، اس لئے کہ باوجود اُن تمام بندشون کے جو انسان کی فطرت اور سوسائٹی کے قوانین نے عاید کر رکھی ہین، ڈاکٹر لوئی ڈبلن (امریکہ) کے بیان کے مطابق ہر سال سولہ ہزار آدمیون سے زیادہ کشمکش حیات کو عبث اور لاحاصل سمجھ کر اپنے ہاتھون اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہین،

خودکشی ایک قسم کی دماغی بیماری سے پیدا ہوتی ہے، اور ایسے ڈاکٹر موجود ہین جو اس کا علاج کامیابی کے ساتھ کر رہے ہین، ڈاکٹر ڈبلن کا خیال ہے کہ اگر ایسے مریضون کا علاج شروع ہی سے ہو اور نہایت احتیاط سے ان کے حالات کی دیکھ بھال ہوتی رہے تو بہتیرے اشخاص ان مشکلات کو حل کرنے مین کامیاب ہوسکین گے، جن سے مایوس ہوکر وہ آخر مین اپنی جانین کھو دیتے ہین، لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے کے مطابق ایسے ماہر اطبا سے رجوع کرنا ہر حال مین ضروری نہین، اکثر

صورتون مین صرف اسی قدر کافی ہے کہ ایسے مریض سے دوستانہ تعلقات قائم کئے جائین، اسے اس بات کا یقین دلایا جائے کہ کوئی اس سے محبت کرتا ہے، اور اس کے ذاتی اعتماد کو تقویت پہونچائی جائے خودکشی کو روکنے مین کلیساؤن نے بہت مدد دی ہے، انھون نے اس فعل کو نہ صرف گناہ اور انقلابات زندگی سے ایک بزدلانہ گریز قرار دیا بلکہ ایک ایسی دماغی فضا پیدا کردی، جس سے خودکشی محال ہوگئی "انسان کی ذاتی اہمیت پر زور دیکر اور خدا کی ربوبیت پر یقین اور بھروسہ پیدا کرکے مذہب نے عوام کی روحانی زندگی کو منظم کر دیا ہے، اور ان مین زندگی کی خواہش کو مضبوط کر دیا ہے" لیکن ہر شخص مذہب کا پابند نہین ہو سکتا، اور نہ اُن تسلیون سے فائدہ اٹھا سکتا جو مذہب سے حاصل ہوتی ہین، ایسون کی مشکلات کے حل کے لئے دوسرے طریقون کی ضرورت ہے، "اصول صحت دماغی کی تحریک" اس ضرورت کو پورا کرتی ہے، اس تحریک کا مقصد محض یہ نہین ہے کہ دماغی بیماریون کا علاج کیا جائے، اور ایسے عوارض کو روکنے کی تدابیر اختیار کیجائین، بلکہ یہ بھی کہ دماغ کی تربیت اس طریق پر کیجائے، کہ وہ زندگی کی شیرینی و تلخی، مسرت وغم، فتح و شکست کو تجربات انسانی کے عناصر ترکیبی سمجھ کر بخوشی قبول کرے،

"ٹرکی کا مغرب رخ"

مصطفیٰ کمال پاشا اور ان کے رفقا نے ٹرکی کی تجدید کے راستہ مین جس طرح ہر مشرقی چیز کو ٹھکرا کر ہر وہ شے، جو اُس کے مقابلہ مین مغربی تھی بلا امتیاز اختیار کرلی، اور اس طرح ضروری تغیرات کے ساتھ ساتھ بیسیون غیر ضروری تغیرات بھی کر ڈالے، اس پر بھی خود اُس کے دوستون کو بجا طور سے رنج و افسوس ہے، ابھی حال مین مشہور ترک خاتون خالدہ ادیب خانم کی ایک کتاب لندن سے شایع ہوئی ہے، مصنفہ محتاجِ تعارف نہین، ٹرکی کی جدید تحریک مین انھون نے شروع سے جو حصہ

لیا ہے، اس سے وہ لوگ باخبر ہین، جو ترکون کی جد وجہد سے دلچسپی لیتے رہے ہین لیکن اختلاف رائے کی بنا پر موصوفہ نے جلد ہی حکومت پر اعتراض کرنا بھی شروع کر دیا جس کی وجہ سے انھین کچھ دنون سے ترکی سے باہر سکونت پذیر ہونا پڑا ہے، خالدہ ادیب سے بڑھکر کسی کو اس امر کی خوشی نہین ہوسکتی کہ موجودہ ترکی نے سابق بندشون سے آزادی حاصل کر لی ہے، لیکن ان کے نزدیک یہ بات خطرہ سے خالی نہین کہ مصطفیٰ کمال کا نظامِ حکومت استبداد کے لحاظ سے عبد الحمید خان ثانی کے طرزِ سلطنت سے مختلف نہین، یہ امر اس نوخیز جمہوریہ کے لئے سخت مضر ہے، مصنفہ کا سب سے بڑا اعتراض اس بے صبری پر ہے جو اصلاح کے مسئلہ مین عمل مین آئی، مثلاً ترکی ٹوپی کو ایک دم سے اٹھا دینا اور عربی رسم خط کو مسترد کر دینا، جس عجلت کیساتھ یہ اصلاحین کی گئین اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، ترکی ٹوپی سے موصوفہ کو کوئی خاص الفت نہین مگر ان کا سوال یہ ہے کہ جب ملک مین اس قسم کی ٹوپی کے بجائے کوئی دوسری ٹوپی بر وقت موجود نہ تھی تو کیا ضرورت تھی کہ دوسرے ممالک سے مختلف قسم کی ٹوپیان منگا کر خواہ مخواہ انگشت نمائی کا موقعہ دیا جائے، خالدہ ادیب کے نزدیک بعض اصلاحین خصوصاً عورتون کا مسئلہ یورپ کی نقل نہین، وہ بتاتی ہین کہ زمانہ قدیم مین ترکی عورتون کو مردون کے برابر حقوق حاصل تھے، یہ تو اٹھارہوین صدی مین ہوا کہ غیر ترکی ممالک کی دیکھا دیکھی، سلطان نے ایک فرمان جاری کیا جس کی تعمیل مین عورتون نے نقاب اختیار کیا،

مصنفہ کا خیال ہے کہ جدید قومیت کا احساس ترکون مین عرصہ کے بعد پیدا ہوا، مصر، فارس، حجاز، شام، عراق، ہر جگہ قومیت کا جذبہ پیدا ہو رہا تھا، مگر پھر بھی ترکی کو ہوش نہ آیا جب تک اسے جنگِ عظیم کے بعد اپنے وجود کے معرضِ خطر مین ہونے کا یقین نہ آگیا، لیکن اس احساس کے پیدا ہوتے ہی اس نے اپنے قومی وجود کو بزورِ شمشیر مستقل طور پر قایم کر دیا،

زندگی کی دل آویزی

مدت سے دنیا مین دو فریق پیدا ہین، ایک وہ جو دنیا کے روشن رخ کو دیکھتے ہین، دوسرے وہ جن کی نظر دنیا کے صرف تاریک پہلو پر پڑتی ہے، اور یہ دونون پر امید اور ناامید گروہون مین منقسم ہین، ان مین سے ایک کو دنیا سرتاپا غم واندوہ کی تصویر نظر آتی ہے، اور دوسرے کو وہ لذت و مسرت سے معمور معلوم ہوتی ہے، ان دونون فرقون کے ان دو مختلف فیصلون مین افلاس اور تونگری کو کوئی دخل نہین، بہت سے دولت مند اپنی زندگی سے عاجز ملین گے، اور بہت سے غریب خوش و خرم اور راضی ہر حالت مین مسرور پائے جائینگے، ایک غریب شاعر کہتا ہے، ؎

پھٹے کپڑون مین خندان مثل گل ہین شرافت کیا بہار بے خزان ہے،

یونان و ہند کے فلسفیون نے اس کا فیصلہ فلسفۂ حیات کے پر پیچ اسرار کے حل سے کرنا چاہا ہے، شعرائے عجم نے اپنے شاعرانہ جذبات مین اپنے اپنے خیالات کی ترجمانی کی ہے، ابن یمین کا قطعہ مشہور ہے،

دو تاے نان اگر از گندم است یا از جو دو تاے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بہ چار گوشۂ دیوار خود، بخاطر جمع کہ کس نگوید از ینجا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو،

خیام نے اس حقیقت کو صرف چار مصرعون مین کہدیا،

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

شیخ سعدیؒ نے اس سے بھی زیادہ کمال کیا کہ دو مصرعون مین سب کچھ سما دیا،

نہ بر اشترے سوارم نہ چو اشتر زیر بارم نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

لیکن آپ نے غور کیا کہ یہ تمام شعراء کس چیز کو مسرت سمجھ رہے ہین دنیا کے جدوجہد سے کنارہ گیری ترک عمل اور سکون کو، بلکہ ایک نے تو یہان تک کہدیا،

بقدر یہ سکون راحت بود بنگر تفاوت را دویدن، رفتن، استادن نشستن خفتن و مردن

ہمارے صاحب دل شاعر خواجہ میر دردؔ نے تو دنیا کی کشمکش اور باہمی جدوجہد کو طوفان زندگی ہی بتا دیا،

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھون مر چلے

لیکن عرب کا تخیل اس کے بالکل برخلاف ہے، اس کے نزدیک فی الحرکۃ برکۃ کا کلیہ ہے، تفصیل کا یہ موقع نہین لیکن یہ کہدینا ہے کہ اسلام مین بھی اگلی اور پچھلی دونون زندگیون کا لطف "ترک عمل" مین نہین بلکہ عمل یعنی "عمل صالح" مین ہے، یورپ و امریکہ کی جمہوری طبیعتون مین ہر چیز کا فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے، یہان تک کہ دنیا کے اس پرانے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی جمہوری طریقہ سے ہوا،

مسز کلی نے جو امریکہ کی ایک فسانہ نگار خاتون ہین اپنے دوستون اور ملاقاتیون کو خطوط لکھکر دریافت کیا کہ موجودہ دور زندگی کی اصل دل آویزی کیا ہے، تقریباً وہ تمام جوابات جو ان کے پاس پہونچے اس امر پر متفق ہین کہ اس زمانہ مین زندگی کی کشش "کام" مین پوشیدہ ہے، نامہ نگارون نے اپنے خیالات کا اظہار اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر کیا ہے، ان جوابات مین سے بعض حسب ذیل ہین،

ایک متوسط العمر شخص لکھتا ہے" زندگی یقیناً میرے لئے بے لطف ہو جاتی اگر میرے کام سے متعلق ہزارون مشاغل روز مجھے اپنی جانب متوجہ نہ رکھتے، اسی لئے میرا یہ خیال ہے کہ جس چیز سے مجھے نہایت قوی اور قابل اعتماد حظ حاصل ہوتا ہے، وہ میرا کام ہے"، ایک دوسرا شخص جواب مین لکھتا ہے،

"ایک عمدہ مشغلہ جس سے تمھین دلچسپی ہو، جو تمھاری بہترین قوت کو ظاہر کرے اور جس سے تمھین کافی معاوضہ حاصل ہو"

جن عورتون نے بجاے تاہل کی زندگی کے کاروباری زندگی اختیار کرلی ہے، وہ ہمیشہ کام کی مدح سرائی کرتی ہین، چنانچہ ایک عورت جو اپنے پیشہ مین بہت کامیاب ہے لکھتی ہے "میری زندگی کی سبسے بڑی دلآویزی اس بات مین ہے کہ کوئی ایسا کام ہو جو مجھے اپنی تمام دماغی قوتون کے ساتھ مشغول رکھے" ایک باحوصلہ نوجوان فوجی افسر نے بھی تقریبًا اسی خیال کو دوسرے نقطۂ نظر سے ظاہر کیا ہے، وہ لکھتا ہے "تمھارے سامنے کوئی مطمح ہونا چاہیئے، کوئی ایسی چیز جسے تم حاصل کرنا چاہتے ہو، اور جس کے حصول کے لئے تم کوشش کرو، لیکن وہ چیز ایسی ہو کہ جب تم اس کے پاس پہونچ جاؤ، تو وہ پہلے سے زیادہ پسندیدہ شکل اختیار کرکے تم سے دور ہو جائے، اگر ایسا نہین ہے تو زندگی بے کیف اور بے مزہ ہے، اور اس قابل نہین کہ اسے اختیار کیا جائے" اُن سیکڑون آدمیون مین سے جن کے نام سر کلی نے خطوط لکھے تھے، صرف دو ایسے ہین جھون نے صاف طور پر لکھا ہو کہ زندگی جینے کے لائق نہین، ان مین سے ایک معمر عورت ہے، جو دنیا کی نعمتون سے ناآشنا ہے، وہ لکھتی ہے، "زندگی نے جو چیزین مجھے دے رکھی ہین، وہ ہرگز اس رنج و غمگینی، اور مضرتون کا معاوضہ نہین ہوسکتین، جو اپنی محرومیون کے باعث مجھے حاصل ہوئین" دوسرا شخص جس نے زندگی سے بیزاری کا اظہار کیا ہے، ایک تندرست نوجوان شاعر اور کامیاب مصنف ہے، اُسے یقین کامل ہے کہ دنیا مین اس قدر کافی حظ حاصل نہین ہو سکتا کہ انسان اس کے لئے زندہ رہنے کی زحمت گوارا کرے، اس سے پوچھا گیا کہ پھر آخر وہ کیون اس زندگی کو برداشت کر رہا ہے، جواب دیا کہ "زندہ رہنے، اور اپنی قوتون کو استعمال کرنے کی عادت انسانون مین اس حد تک جڑ پکڑ چکی ہے کہ مین اپنی زندگی کو موجودہ حالت سے زیادہ خراب کئے بغیر اس کے خلاف کر ہی نہین سکتا"

"ع ز"

"کیمبرج ہسٹری آف انڈیا"

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے نام سے ہندوستان کی جو تاریخ انگریز اہل قلم کیمبرج سے شایع کر رہے ہین اب دس کی پانچوین جلد برٹش انڈیا کے نام سے شائع ہوئی ہے، اس مین ۱۴۹۷ء سے ۱۸۵۸ء تک کی تاریخ ہے، حالانکہ اس عہد کی پہلی صدی مین انگریزون نے ہندوستان مین کوئی نمایان حیثیت نہین حاصل کی تھی، اس جلد کو پروفیسر ڈاڈ ول (Prof. Dodwell) نے اڈیٹ کیا ہے اور اُنھون نے اس کتاب کے متعدد ابواب بھی لکھے ہین، کیمبرج ہسٹری کی اور جلدون کی طرح یہ کتاب بھی مختلف مصنفین کے مقالات کا مجموعہ ہے، پہلی جلد کے مولفین کی راہ مین ہند قدیم کے حالات کے متعلق اصلی مواد کی قلت حائل تھی، اور تیسری جلد کی ترتیب دینے والون کے سامنے مسلمان مورخین کا پیش کردہ مواد تھا جو (معارف، انگریز مصنفین کے خیال مین) غلطی اور جانب داری سے پاک نہ تھا، اس پانچوین جلد کی تدوین مین اس قسم کی کوئی دقت نہ تھی، ہندوستان کے تعلقات یورپ اور خصوصاً انگلستان کے ساتھ معلوم کرنے کیلئے کافی اور مستند ماخذ موجود ہین، یہان دقت اس بات کی تھی کہ تمام مواد مین سے کیونکر انتخاب کیا جائے اور اس انتخاب کو کتاب کے محدود صفحات مین کیونکر داخل کیا جائے، اس مشکل کو حل کرنے مین پروفیسر ڈاڈ ول نے شاندار کامیابی حاصل کی ہے،

پہلے باب مین سر ڈنیسن راس (Sir Denison R-oss) نے سولھوین صدی کے ہندوستان اور پورتگال کے تعلقات کو بیان کیا ہے، پروفیسر جیل (Prof Geyl) نے ڈچ (Dutch) لوگون کے حالات لکھے ہین جو سترھوین اور اٹھارھوین صدی مین ہندوستان مین آباد تھے، ایم ہنری فرودیوا، (M. Heri Froidevaux) نے ہندوستان مین ابتدائی فرانسیسی آبادیات کا ذکر لکھا ہے اور ڈپلے اور بسی (Dupleix & Bussy) کے عہد کی تاریخ پروفیسر الیفرڈ مارٹینو (Prof. A. Martiniau) نے لکھی ہے، تاریخ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مولف سر ولیم فارسٹر (Sir. W. Fors-TER) ہین، پروفیسر ڈاڈ ول

نے اٹھارہوین صدی کے دوسرے نصف کے متعلق آٹھ ابواب لکھے ہین اور ان میں سے وہ ابواب بہت خوبی کے ساتھ لکھے گئے ہین، جن مین بنگال، کرناٹک، اور میسور کے حالات سے بحث ہے، مسٹر پی، ای، رابرٹس (P. E. Roberts) نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخری دور کی تاریخ لکھی ہے، کرنل لوارڈ اور مسٹر اڈورڈس نے مرہٹون کے حالات سے بحث کی ہے، ان مین مرہٹون کے دستور ملکی و نظام حکومت خاص قابلیت سے بیان کئے گئے ہین، ڈاکٹر ہٹن (Dr. W. H. Hutton) نے ٹیپو سلطان، ویلزلی، اور کارنوالس کے حالات لکھے ہین مسٹر آرچبالڈ (Archibald) نے نہایت قابلیت کے ساتھ فتح سندھ و پنجاب اور پہلی افغان جنگ کی تاریخ لکھی ہے، پروفیسر پینن (Prof. Penson) نے اٹھارہوین صدی کے بنگال کے نظام حکومت سے بحث کی ہے، اور مسٹر گوئن (T. T. Gwynn) نے نہایت خوبی کے ساتھ مدراس کے قانون لگان پر ایک مقالہ لکھا ہے، آخر مین برما اور ہندوستان کے ابتدائی تعلقات پر مسٹر ہاروے (Mr. Harvey) کا مفید بیان ہے، دیسی ریاستون کے حالات کرنل لوارڈ (Luard) نے لکھے ہین، اور برطانوی ہند مین حکومت برطانیہ کے ارتقاء کی تاریخ جنرل اڈیٹر نے ایک باب مین پیش کی ہے،

معارف:۔ یہ بات اہل انصاف مورخین کے لئے سخت تعجب انگیز رہے گی کہ مسلمان مورخین کا بیان اپنی تاریخ کے متعلق تو "جانب داری" سمجھی جائے، لیکن انگریز مورخین کے بیان کو اپنی تاریخ کے متعلق "جانب داری" سے سرتاسر بری قرار دیا جائے، کیا انگریزون کے پروپگنڈے کی قوت اس جنگ مین جرمنی کی توپون کی طاقت سے زیادہ مہیب نہین ثابت ہو چکی ہے،

اخبار علمیہ

انشا پر آلۂ تحریر کا اثر

فورتونل استروسکی (Fortunal Strowski) ممبر فرنچ انسٹیٹیوٹ کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی تحریر کے متعلق بتا سکتے ہیں کہ یہ آہنی قلم، فاونٹن پن، یا ٹائپ رائٹر کی لکھی ہوئی ہے، اس دعویٰ کی دلیل میں وہ حسب ذیل مثالیں پیش کرتے ہیں، سولھوین اور سترہوین صدی کی تمام اہم تصنیفات پر کے قلم سے لکھی ہوئی ہین، یہ قلم بہت نرم ہوتا تھا اور اس سے ہلکے ہی ہاتھون سے لکھا جاسکتا تھا، اس کے لئے جس قدر احتیاط کی ضرورت تھی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اُن مصنفین مین خیالات کی پاکیزگی، فصاحت، اور سلاست پائی جاتی ہے، آہنی قلم مین وہ احتیاط ضروری نہین تھی جو پر کے قلم مین برتنا پڑتی تھی، اسی لئے ایسے قلم کی تحریر مین تیزی اور روانی زیادہ پائی جاتی ہے، فاونٹن پن سے یہ تیزی بہت زیادہ ترقی کرگئی، اس سے لکھنے مین ہاتھ اس وقت تک نہین رکتا جب تک تحریر ختم نہ ہوجائے، لکھنے والا اس روانی کو روکنا نہین چاہتا، اور جو کچھ بھی اس کے قلم سے نکلتا ہے، لکھتا جاتا ہے، تحریر کی فصاحت اور بلاغت کا خیال نہین کرتا، آخر مین ٹائپ رائٹر کی نوبت آتی ہے، اس کا ہر حرف اور ہر جملہ صاف اور شستہ ہوتا ہے، اس مین فضول انشا کی گنجایش نہین ہوتی، خیالات مین بھی ابہام اور پیچیدگی نہین ہوتی،

انگوٹھے کا نشان،

فرانس کے ڈاکٹر اڈمنڈ لوکارڈ کا بیان ہے کہ انگلیون کے سرے کا نشان چین والون کو سنہ قبل مسیح مین معلوم تھا، اس کا ذکر یورپ کے ماہرین علم الابدان نے سترہوین صدی مین کیا ہے، اس کے بعد اکثر سائنس دانون نے اس کے استعمال کو شناخت کی غرض سے ترقی دی ۱۸۶۲ء مین مارسلو مالپیگی

نے جو ٹلی کا رہنے والا تھا، ان نشانات کا بیان نہایت تفصیل سے لکھا، چند اور ماہرین علم الابدان نے بھی اس کے متعلق لکھا ہے، مگر در اصل اس فن کو دریافت کرنے والا بوہیمیا کا پروفیسر پرکنجے ہے، ۱۸۲۳ء میں اس نے ایک کتاب لکھی جس میں انگلیوں کے نشانات کا مفصل بیان اور اُن کی تقسیمین دکھائی ہیں، سر ولیم ہرشل نے جو ضلع ہوگلی (بنگال) میں چیف ایڈمنسٹریٹر تھے، ۱۸۵۸ء میں بنگالی زبان میں لکھے ہوئے شرطون پر انگوٹھے کے نشان کو استعمال کرنا شروع کیا، دستخط کے عوض یا دستخط کے بعد بھی اہل ہنود اپنی انگلی کو روشنائی مین ڈبو کر کاغذ پر نشان بنا دیا کرتے تھے، غالباً ہرشل کو ابتدا میں یہ نہیں معلوم تھا کہ اس نشان سے شناخت بھی ہوسکتی ہے، وہ شروع مین ہندؤن کے اس عقیدہ سے کام لیتے تھے کہ جسم کے کسی حصہ کا نشان دستخط سے زیادہ مستحکم ہے، لیکن عرصہ کے تجربہ کے بعد ان پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یہ نشانات شناخت کا بہترین ذریعہ ہین،

شور کا اثر،

نیویارک (امریکہ) مین ایک کمیشن اس غرض سے متعین کیا گیا ہے کہ جہان تک ممکن ہو شور و غل مین تخفیف کرے، اس کمیشن نے اپنی رپورٹ مین ظاہر کیا ہے، کہ قوی انسانی سڑکون اور پڑوس کے شور سے روز بروز کمزور ہوتے جاتے ہین، قوتِ سماعت گھٹتی جاتی ہے، اعضاے رئیسہ ضعیف ہوتے جاتے ہین اور آخر مین نتیجہ اکثر دیوانگی ہوتا ہے، سالانہ اعداد و شمار سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ امریکہ مین دیوانگی نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے، علاوہ برین کمیشن کا خیال ہے کہ شور کی وجہ سے خیالات مجتمع نہین ہوسکتے تعلیم مین ہرج واقع ہوتا ہے، اور بچون کے معمولی نشو و نما مین رکاوٹ پیدا ہوتی ہے،

ایک راز کی عقدہ کشائی

تینتیس ۳۳ سال ہوئے تین آدمی قطب شمالی تک پہونچنے کے لئے ایک غبارہ مین روانہ ہوئے تھے مگر وہان پہونچنے سے قبل ایسا غائب ہوئے کہ باوجود تلاش کے انکا پتہ نہین چلا، ان مین سے ایک سوئڈن کا

رہنے والا اگسٹ اینڈری، اور دو اس کے ساتھی تھے، حال مین ان کی لاشین برآمد ہوئی ہین جو تینتیس سال سے برف مین چھپی ہوئی تھین، انکا پتہ کھانا پکانے کے ایک برتن سے چلا جو برف پر پڑا پایا گیا، حسن اتفاق سے برف کئی فٹ بہ گئی تھی، ورنہ اب بھی سراغ نہ ملتا، اس لئے کہ دریافت سے دو ہی ہفتہ قبل ایک اور وفد اسی غرض سے گیا تھا جو ناکام واپس آیا، لاشون کے ساتھ مختلف آلات اور کتابین بھی پائی گئین،

عیسائیت اور مسئلہ ارتقا

عیسائیت اب تک مسئلہ ارتقا کی قائل نہ تھی، لیکن حال مین لندن مین لیمبتھ کانفرنس جو آرچ بشپ آف کنٹربری کے زیر صدارت منعقد ہوئی تھی اس مین جہان اور بہت سی نمایان تجویزین پاس ہوئین وہان اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا گیا، آرچ بشپ موصوف کی طرف سے اس کے متعلق جو بیان شایع ہوا ہے، اس مین حسب ذیل اعتراف ہے، ،،ہمین معلوم ہے کہ عیسائی قومون مین بھی خدا کا خیال کس حد تک لوگون کے دماغون اور دلون سے غایب ہوتا جاتا ہے،، سائنس کی روز افزون ترقی نے عیسائیت کی بنیاد کو ہلا دیا ہے، لہذا اب کوشش اس امر کی کیجارہی ہے کہ سائنس کے اصولون کو مذہب کے قوانین سے مطابقت دیجائے، چنانچہ بیان مذکورۂ بالا مسئلۂ ارتقا کو یون حل کرتا ہے،، مختلف سائنسون کی مدد سے ہمین ہر شے مین ایک ارتقائی تسلسل معلوم ہوتا ہے جس کے ہر درجہ پر خدا کا وجود اور اس کی طاقت دکھائی دیتی ہے،،

جنگ پر مذہبی بندش

لیمبتھ کانفرنس کی ستر تجویزون مین سے ایک بین اقوامی امن سے بھی متعلق ہے، وہ یہ ہے، جب کہ قومون نے آپس کے مناقشات کو باہمی مصالحت سے طے کرنے کا ایک سنجیدہ معاہدہ کرلیا ہے، تو ایسی صورت مین اس معاہدہ کے خلاف اگر کسی ملک کی حکومت مصالحت سے ان مناقشات کو طے کرنا نہین چاہتی اور جنگ کرنا چاہتی ہے، تو وہان کے چرچ کو لازم ہے کہ ایسی جنگ مین مدد دینے سے انکار کر دے،، عیسائی چرچ نے گذشتہ جنگون مین جو نمایان حصہ لیا، اس سے تاریخ کے صفحات پُر ہین، آج اپنی روش کے خلاف

اس نے ایک نئے راستہ پر قدم رکھنے کی ہمت کی ہے، دیکھنا یہ ہے کہ صدیون کی عادت سنگِ راہ تو نہین ثابت ہوئی،

فلسطین کا زراعتی کالج

آجکل فلسطین کو سب سے زیادہ مدد جدید طریقۂ زراعت سے مل رہی ہے، گو اسوقت اسکا اثر صرف یروشلم کے گرد و نواح مین نمایان ہے، لیکن کچھ دنون مین ملک کے ہر حصہ مین محسوس ہونے لگے گا، اس مفید تحریک کی بنیاد اب سے پچاس سال قبل پیرس کے ایک دولتمند یہودی ایم. نٹانے ڈالی تھی جسنے مکوہ اسرائیل (ایک مقام کا نام) کا زراعتی کالج قائم کرکے تمام فلسطین کو فائدہ پہنچایا، یہ کالج ایسی زمین پر بنایا گیا ہے جو اپنی زرخیزی کیلئے مشہور رہی، ابتداءً ایم. نٹانے روس اور مشرقی یورپ کے ستم زدہ یہودیون کیلئے ایک گوشۂ عافیت بنانا چاہا تھا، اس غرض سے اُسنے سلطان ٹرکی سے ۷۰۰ ایکڑ زمین حاصل کی تھی، اُس نے اس کالج کیلئے اسقدر کثیر مستقل سرمایہ چھوڑا ہے کہ اسوقت ۲۰ اساتذہ اور ۲۰۰ طلبہ کام کر رہے ہین، طلبہ تین سال تک کالج مین رہتے ہین، اُسکے بعد یا تو خود زراعت کرنے لگتے ہین یا اسی کالج مین تعلیم کی خدمت انجام دیتے ہین، کالج کی طرف سے گشتی لکچرون کا بھی انتظام ہے، اور یہان کے اساتذہ ملک کے مختلف حصون مین جاکر جدید طریقۂ زراعت کو اپنی تقریرون اور عملی نمایش سے سمجھاتے ہین، کالج کا نصاب تعلیم وسیع اور جامع ہے، اس مین زراعت کی وہ تمام شاخین شامل ہین جو ملک اور آب و ہوا کے موافق ہین، مثلاً سنترے پیدا کرنا، شراب بنانا، گائے، بیل، بھیڑ، بکری، مرغی، اور شہد کی کھیان پالنا، اس کالج کے ہر چہار طرف یوکلپٹس کے درخت لگے ہوئے ہین، جس سے آب و ہوا پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے،

مکوہ اسرائیل کا کالج صرف لڑکون کے لئے ہے، لیکن فلسطین کے محکۂ تعلیمات نے اُسکی اہمیت کو محسوس کرکے ۱۹۲۳ء مین لڑکیون کے لئے بھی ایک زراعتی مدرسہ نہالال مین کھول دیا ہے، یہ مفید ثابت ہو رہا ہے، یہان کا نصاب تعلیم بھی بہت جامع ہے، اس مدرسہ مین خاص توجہ مکھن وغیرہ بنانے اور مرغیان اور شہد کی کھیان پالنے پر دی جاتی ہے، فلسطین مین واقف کار کاشتکار عورتون کی مانگ روز بروز بڑھ رہی ہے، اسلئے خیال ہے کہ اس مدرسہ کو عنقریب اور زیادہ وسیع کیا جائے گا، "ع ز"

ادبیات

کلماتِ طاہر

از

جناب صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء نواب سید محمد علی حسن خان طاہر،

"جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان جو ایک پرانے علمی خاندان کی یادگار ہونے کے علاوہ استاذ مرحوم کے مخلص احباب مین ہین اور ہمارے مخدوم ہین، اور دار المصنفین کے رکن اساسی ہین گو وہ اعظم گڈھ ایک بار مولانا کی زندگی مین، اور دوسری دفعہ اُن کے حادثۂ وفات کے بعد تشریف لا چکے تھے، مگر دار المصنفین کے قیام کے بعد وہ کبھی نہین آئے، مدت سے اصرار اور وعدہ چلا آرہا تھا، اور پورے بارہ برس یعنی ایک جگ سے یہ نہا بجارت جاری تھی، بالآخر پچھلے ماہ یعنی اوائل اکتوبر ۱۹۳۰ء مین وہ صلح سے بدل گئی، موصوف تشریف لائے اور تین روز قیام فرمایا، شعر و سخن کی مجلس گرم رہی، اس منتِ قدوم کے علاوہ موصوف نے یہ کرم بھی فرمایا کہ اثنائے راہ مین طبع گرامی کی طرف سے ایک ہدیۂ سامی بھی تیار کر کے ساتھ لائے جس کو الھدایا مشترکۃ کے اصول کے مطابق ہم اپنے احباب مین بھی تقسیم کرتے ہین"

"سلیمان"

ہر دل مین نیا اُن کا اثر دیکھ رہے ہین
ہم جدتِ شوخیٔ نظر دیکھ رہے ہین،

ہم اُن کی یہ تاثیرِ نظر دیکھ رہے ہین
ہر بزم مین اک فتنہ و شر دیکھ رہے ہین،

شہرت سے میرے عشق کے بدظن ہین وہ ایسے — اخبار کی ایک ایک خبر دیکھ رہے ہین،
کس منہ سے کہین اُن سے یہ ہی عہدِ وفا تھا — دنیا ہی کو جب زیروزبر دیکھ رہے ہین
ہنستے ہین وہ بلبل کی پریشان نظری پر — عارض سے ملا کر گلِ تر دیکھ رہے ہین
اک صورتِ تصویر ہے ہر جلوہ کسی کا — ہر ایک سمجھتا ہے، اِدھر دیکھ رہے ہین

کس[1] جلوۂ دیدار کی طاہر یہ کشش ہے،
یون تجکو جو سرگرمِ سفر[2] دیکھ رہے ہین،

قطعۂ ارتحال اب بن سلطان جہان بیگم مرحومہ سابق والیۂ ریاست بھوپال

نتیجۂ فکر جناب مولانا محمد عبد اللہ صاحب صفا پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کالج

اے صفا این دارِ فانی مجمعِ اضداد ہست — شادی و غم توام است و رنج و راحت ہمعنان
ہست نیرنگِ حوادث کارگاہِ کائنات — ہیچ چیزے جاودانی نیست در کون و مکان
عالمِ امکان بیک حالت نمی گیرد قرار — ہست احوالِ جہان گاہے چنین گاہے چنان
رشکِ گلزار است دل گاز وفورِ انبساط — گاہ از فرطِ الم چون مجمرِ شعلہ فشان
عید قربان آمد و آورد دورِ خرمی — ہر مسلمان بہرہ ور شد از سرورِ بیکران
لیکن آن عیشِ دو روزہ گشت برماتم تمام — روزِ سوم کوہِ غم افتاد بر بھوپالیان
گشت از دستِ اجل ماہِ محرم ماہِ عید — جانبِ فردوس رحلت کرد سلطانِ جہان
آنکہ ذاتش بود بہر مومنان ظلِّ خدا — آنکہ بر جملہ رعایا مثلِ مادر مہربان
آنکہ قلبش پاک بود از حبِّ جاہ و ملک و مال — کرد از خلعِ حکومت شانِ استغنا عیان

[1] جناب محترم علامہ سید سلیمان ندوی کی طرف اشارہ ہے منہ [2] یعنی سفر اعظم گڈھ منہ

نیک طینت، پاک باطن، صاف دل، عالی خیال ذی وقار و با مروت، کامگار و کامران

حق پژوہ و حق شناس و حق پسند و حق پرست خوش خصال و خوش سیر، خوش خلق و خوشخو، خوش بیان

چارہ ساز و غمگسار و دادگر فریادرس یاورِ بیچارگان و دستگیرِ بیکسان

از وفاتش قصر سلطانی شدہ ماتمکدہ در غمِ او جملہ اعیانِ ریاست نوحہ خوان

از فنایش شد فنا تاب و توان صبر و شکیب وز رحیلش تیرہ و تاریک شد این خاکدان

ہر کہ و مہ آہِ سوزان میکشد در فرقتش زار می نالند در ہجرش ہمہ پیر و جوان

گوہرِ تاریخ شد بے آب از گردِ الم

رفت زین دارِ فنا نواب سلطانِ جہان

۱۳۵۱

۳ -

۱۳۴۸ھ

دیگر

صد حیف کہ سلطانِ جہان بیگم بھوپال از ہستیِ خود بزمِ جہان ساختہ خالی

ہاتف بہ صفا گفت کہ تاریخِ وفاتش گو یافت بہ فردوس برین منزلِ عالی

۱۳۴۸ھ

ٹوٹا ہوا دل

از مولوی کریم الرضا خان صاحب بی اے، ال، ال، بی، شاہجہانپور

اے مرے ٹوٹے ہوئے دل صبر کرنا چاہئے راہِ الفت مین قدم ہمت سے دھرنا چاہئے

تجھکو طوفانِ حوادث سے نہ ڈرنا چاہئے ہان یہی شرطِ محبت ہے کہ مرنا چاہئے

دیکھ دامانِ وفا چھوٹا تو پھر پچھتائیگا

عشق کی عظمت پہ تجھ سے حرف دھبہ آئیگا

رہ نوردِ دشتِ الفت راہ کی پروا نہ کر ہمین بنجاتے ہین اگر راہزن خود راہبر

استقامت شرط ہے راہ محبت مین مگر یہ سفر وہ ہے جہان ہوتے نہین شام وسحر
اس مین جولٹ جائیگا میدان اُسکے ہاتھ ہے
فکر منزل کی نہ کر منزل تو تیرے ساتھ ہے
شمع سان سوزِ محبت مین بھی خاموشی رہے پانون کو لغزش نہ ہو اور شغل مینوشی رہے
ننگ ہے گر عاشقی مین مصلحت کوشی رہے غم فراموشی نہ ہو گو خود فراموشی رہے
مسلکِ الفت مین عزت نام رسوائی کا ہے
طور وش خاموش جلنا کام شیدائی کا ہے

باب التقریظ والانتقاد

"عرب و ہند کے تعلقات"

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی

جناب نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمان خان شروانی جو حضرت استاذ مرحوم کے حلقۂ احباب مین میرے واجب التعظیم مخدوم ہین، اُنھون نے میری حقیر تازہ تالیف "عرب و ہند" پر تبصرہ لکھکر ذرہ نوازی فرمائی ہے، حضرت استاذ مرحوم کے ساتھ موصوف کی یہ سنت قدیم رہی ہے کہ اُن کی تصانیف پر وہ اکثر اور سب سے پیشتر تبصرے لکھا کرتے تھے، جو بجائے خود ادب و انشاء کے جواہر ہوتے تھے، موصوف نے عرب و ہند پر تبصرہ لکھکر غالباً اسی نسبت کو قایم رکھا ہے، اور اپنی بزرگانہ پاس وضع کا یہ ایک نیا ثبوت پیش کیا ہے۔

بلبل ہمین کہ قافیۂ گل شود بس است

"سلیمان"

قدرت نے عرب و ہند کا رشتۂ تعلق سمندر کے ذریعہ سے قایم فرمایا ہے، رہروان شوق ساحلِ ہند کو چھوڑ کر بے واسطہ سرزمینِ عرب مین داخل ہوجاتے ہین، یہ ایما اور اشارہ تھا کہ ہند و عرب کے تعلقات مین بھی وہی صفائی اور دل کشائی رہی ہوگی جو سمندر کا خاصہ ہے،

اغراض نے اور نظر کی کوتاہیون نے سرچشمۂ صفا و وفا کو خس و خاشاک سے پاٹ دیا، وسعتِ مشرب کے سمندر کو چھوڑ کر تنگ اور تاریک خلیجین پسند کر لی گئین، جن کا پانی رکاوٹ اور بندش سے متعفن ہو کر دل و دماغ کے لئے سم قاتل بن چکا تھا، جب عرب و ہند کے تعلقات کا تصور کیا جاتا خنجر کے سرِ فلک

پہاڑ سنگ افشان نظر آتے جن سے کبھی سر ٹکیا چور ہوتے کبھی ہاتھ پاؤن پاش پاش، ضرورت تھی کہ گہری نگاہین گوہر مقصود کا پتہ لگائین خس و خاشاک کو دُور کرکے اصلیت کی تہ تک پہونچین، اور آج جب کہ دل ملانے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، دکھائین کہ کبھی اس سرزمین پر محبت و ہمدردی کا ابرِ رحمت بھی برسا تھا، اس کے لئے تصنع کی حاجت نہ تھی، واقعات کو بگاڑنے اور بنانے کی ضرورت نہ تھی، صرف چہرۂ حقیقت کو بے نقاب کر دینا کافی تھا، مگر شاہدِ مقصود تک باریابی ہر ایک کی قسمت مین نہین آئی ہے، کارکنانِ قضا و قدر نے یہ فتحیابی "سلیمانِ وقت" کے لئے محفوظ و مخصوص فرما دی تھی،

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہان

ہندوستانی اکاڈیمی مبارکباد کے قابل ہے کہ اس نے انتخاب بجا اور بہت بجا کیا مجلس مذکور نے مولوی سید سلیمان صاحب ندوی کو مدعو کیا، کہ عرب و ہند کے تعلقات پر الہ آباد آکر لکچر دین[1]، شاید الہ آباد گنگا جمنا کا سنگم ہونے کی وجہ سے اس کے لئے سب سے زیادہ موزون مقام تھا، ان خطبات کی کامیابی کا اصلی رازِ بنیاد ہے، جس پر اُن کی عمارت تیار ہوئی ہے،

اگر ایرانی اور ہندوستانی مورخون کی طرف ہمارا فاضل دوست منہ کرتا تو یقیناً قبلۂ مقصود کج ہو جاتا، دقیقہ سنجی اور بلند نظری اُس میدان دل کشا مین ان کو لے پہونچی جہان عرب کی پاک و صاف ہوائین روح پرور تھین، تعصبات کی گندگی نے جہان رسائی حاصل نہ کی تھی،

سلیمانِ زمان نے دیو و پری کی داستانون کا سننا باعثِ عار سمجھا، اور ان نکتہ سنج حقیقت نگار مصنفین اور سیاحون کو اپنا رفیقِ طریق بنایا جن کی فکر اور نظر مین اسلامی وسعت اور صدق پسندی تھی، سلیمان تاجر، ابن خردازبہ، ابودلف مسعودی، ابن حوقل، بشاری، ابن بطوطہ اور اور ایسے بہت سے محقق سیاح جغرافیہ نویس، تاریخ نگار ہین جنکی کتابون مین اسلامی تعلیم کے اثر سے مذکورۂ بالا

[1] یہ لکچر مجموعہ کی شکل مین اکاڈیمی کی طرف سے ٹائپ مین چھپے ہین، اور دفتر اکاڈیمی الہ آباد سے ملین گے ضخامت ۔۔ صفحے قیمت مجلد للعہ

صفات پوری طرح جلوہ فرما ہین، فاضل خطیب نے انھین کتابون سے کام لیا ہے، نہ خیال کرنا کہ یہ
کتابین کہین خس وخاشاک کے انبار مین اُنکو ہاتھ آگئی ہین، نہین قریباً سب کی سب یورپ کی شائع کردہ
اور پسندیدہ ہین، لیکن افسوس ہے کہ اُن سے یہ کام اب تک نہ لیا گیا ورنہ تعلقات کی یہ بربادکن صورت
نہ ہوتی، ان لکچرون کی وسعت چارسوٹائپ کے چھپے ہوئے صفحات سے زیادہ ہے، تاہم یہ بیان مبالغہ سے
خالی ہے اگر وہ خیالی مضامین یا عبارت آرائی سے بالکل پاک صاف ہین، واقعات پر مورخانہ اور فلسفیانہ
بحث کی ہے، اور بحث کے صحیح نتائج سامعین وناظرین کو دکھائے اور سنائے ہین، جو اہم اور نتیجہ خیز مطالب
اس کتاب مین ہین، اُن کی فہرست ۵۲ صفحون سے زیادہ پر ہے، اور خود اُن کی تعداد کم وبیش ۶،۵ ہزار سے
آپ اندازہ کرسکین گے کہ کس قدر غور وفکر اور وسیع اور عمیق مطالعہ کے بعد یہ لکچر تیار ہوئے ہون گے،
اس کتاب مین پانچ باب ہین، پہلے باب کا عنوان "تعلقات کا آغاز اور ہندوستان کے عرب سیاح" ہے
اس باب مین جن مطالب سے بحث ہے، اُن کا نمونہ ان عنوانون سے معلوم ہوسکے گا، "ہندوستان مسلمانون
کا پدری وطن"، "ہندوستان کا بہشتی دریا"، نور محمدی کا ظہور ہندوستان مین، "سادات نیم ہندوستانی ہین"
"لفظ ہند"، "ٹھاکر عربی زبان مین"، "جاٹ صحابہ کے زمانہ مین"، علیٰ ہذا القیاس، اسی سلسلہ مین ہندوستان کے
عرب سیاحون کا ذکر آتا ہے، اور ابن خردازبہ، سلیمان تاجر، ابوزید سیرانی، ابودلف، بزرگ بن شہریار
ملاح، مسعودی، ابن حوقل، بشاری، البیرونی، ابن بطوطہ، اور ان کے سوا اور مورخین اور جغرافیہ
نویسون سے اس باب مین تعارف ہوجاتا ہے،

اپنے مشاہدون مین جو حالات اور واقعات ان حقیقت نگار مصنفون نے دیکھے اور لکھے ہین اُن سے
بحث کی ہے، مثلاً یہ اہم سوال کہ سندھ مین مسلمانون کا مقابلہ کس سے ہوا، عام طور پر مد مقابل ہندو مانے
جاتے ہین، مگر دراصل وہ بدھ تھے، سندھ کا نقشہ جو ابن حوقل نے تیار کیا، (جس کی نقل شامل کتاب ہے)
ہندوستان کی بولیان، الیٹ کی تاریخ کی تکمیل کی بابت کارآمد مشورہ، یورپین مورخون کے یونانی بیانات

کو ہندوستان کی قدیم تاریخ کا واحد ماخذ ماننے پر بجا گرفت،

دوسرے باب مین تجارتی تعلقات سے بحث ہے، اس باب مین اُن تعلقات کا دروازہ کھول دیا گیا ہے جو قدرۃً ملنساری اور خوش گوار پرامن راہ ورسم کے متقاضی ہین یعنی تجارتی تعلقات (مگر شاید آج یہ کلیہ ٹوٹ چکا ہے) اس باب کی شانِ تحریر بالکل تاجرانہ نقطۂ نظر سے ہے، بحری راستے، بندرگاہین، منزلین اور مسافتین، ہندوستانی پیداوار (جنمین بادش بخیر آم اور پان بھی ہین) اور بیوپار، مصنوعات، بحرِ ہند کے جہازات، ایک عرب ہندوستانی کا وطنی گیت، غرض وہ سب کچھ اس باب مین موجود ہے جو بحری تجارت کا لوازمہ ہے، اور جس سے بحث تاجرانہ ذوق کے متقاضی ہے، اس باب مین بعض اور دلچسپ واقعات بھی آجاتے ہین، مثلاً قرآن کریم مین تین ہندی نام، بنیا عرب جہازون مین، ہندوستان کے قدیم روسی تاجر،

تیسرا باب دوسرے باب سے بھی زیادہ بلند پایہ ہے، اس لئے کہ اُس مین علمی تعلقات سے بحث ہے، اس باب مین بھی دقیق اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اس کے مطالعہ مین ہم جاحظ بصری، الیعقوبی، ابن ندیم بغدادی، ابوریحان بیرونی، قاضی صاعد اندلسی، وغیرہم عالی مرتبت علما سے فیضیاب ہوتے ہین،

اس باب کی جانِ سخن برامکہ کے لفظ کی بے نظیر تحقیق ہے، جس پر مین اپنے عزیز کو دلی مبارکباد دیتا ہون، اور کہتا ہون کہ تحقیق کا یہ نقش ایک "بہاری قلم" کے انتظار مین پس پردۂ تقدیر تھا،

آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

شروع سے دیکھئے، قدیم مورخون کی نظر تو لفظ تک محدود رہی، برمک کو قدرۃً فارسی لفظ سمجھ کر زہر کا قصہ بیان کر دیا جس نے ساری عمارت ڈھادی، برامکہ کا دورِ حاضر کا محقق مورخ پیرِ مغان کے ساغر سے سرشار ہو کر رہ گیا، محترم خطیب کی بحث کو بغور پڑھئے تو آپ پر واضح ہو گا کہ

کس تحقیق سے یہ ثابت فرمایا گیا ہے، کہ بلخ کا نوبہار جس کے پجاری برامکہ تھے آتشکدہ نہ تھا، بلکہ بدھون کی خانقاہ تھی، عربون نے اُس کا نقشہ اُس کے رسوم اُس کے لوازم سب ہی تو بیان کر دیئے ہین، اس مصالح کی بنیاد پر ثابت کیا گیا ہے کہ نوبہار نو او بہار تھا، فارسی لہجہ مین نوبہار بن گیا جس طرح ہندی و ہیار بھی بہار ہو گیا،

برامکہ بودھ تھے، اور برمک در اصل سنسکرت کا لفظ پرمک تھا جس کے معنی برتر اور بڑے مرتبہ والے کے ہین،

چوتھا باب مذہبی تعلقات کے متعلق ہے، اس باب کی بحث کی بنیاد خصوصًا کتاب البدء والتاریخ، ابو العباس ایرانشہری، عبد الکریم شہرستانی، عبد القاہر بغدادی، اور مرتضیٰ زیدی کی تصانیف ہین، باب ہذا کی بیت الغزل وہ بحث ہے جسمین عرب اور ترک و مغل فاتحون کا فرق بتایا ہے، پوری بحث کتاب مین غور اور کشادہ دماغ سے پڑھو اور تحقیق پر آفرین کہو،

خلاصہ یہ ہے کہ غوری اور غزنوی خلجی وغیرہ قبائل نومسلم تازہ اسلام تھے، اُن کی رگ وپے مین اسلام نے ایسی سرایت نہ کی تھی جو ان کی کایا پلٹ کرکے افغانی وحشت اور ترکانی سفاکی کو یکسر اسلامی اخوت وہمدردی سے بدل دیتا، مین اس بحث کو لکھتا تو خلاصۃً یہ کہدیتا کہ ان کو قرون خیر کا فیض نہ پہونچا تھا، اور وہ استاد نہ ملے تھے جن کا تصرف انسانی دل و دماغ کو توحید کے نشہ سے سرشار کرکے مخلوق سے مساوات اخوت اور ہمدردی کا سبق یاد کرا دیتا تھا،

ہمارا ملک قیامت تک ماتم مین رہے گا کہ یہان صحابۂ کرام کا فیض تعلیم و تربیت نہ پھیلا ورنہ آج ہندوستان کی ترقی مین کثرت و قلت چھوت اور اچھوت کے روڑے نہ اٹکائے جا سکتے،

واقعات بابری دیکھو، خود بابر کہتا ہے کہ تورۂ چنگیز خانی اس کے زمانہ تک سلاطین مغل کا دستور العمل تھا جس کے مقابلہ مین اسلامی احکام موثر نہ تھے، حالانکہ مغلون کو مسلمان ہوئے صدیان گذر چکی تھین

شکر ہے کہ خود بابر اس تورے سے بیزار تھا، اور مذہبی احکام کے مقابلہ مین ان کو توڑ دیتا تھا، خلاصہ افغانون اور ترکون کے ادخلوا فی السلم کافۃ کا مصداق نہ ہونے کی وجہ سے ان کی باہمی اور زندگی مین اسلامی تعلیم کی وہ وسعت اور رواداری پیدا نہین ہوئی جو عربون مین تھی، ایک حال کا واقعہ سن لیجئے، سرحدی حصہ مین ایک پٹھان نے اپنے دشمن کو پکڑ پایا، مہینہ رمضان کا تھا فیصلہ کیا کہ روزے مین مسلمان کا قتل درست نہین، روزہ کھول کر گولی کا نشانہ بنانا چاہئے، چنانچہ ہاتھ پاؤن باندھکر ایک طرف ڈال دیا، شام کو کھانے پینے کی فکر ہوئی، لکڑی لینے جنگل مین نکل گیا، اسیر جفا نے کوشش کرکے ہاتھ کی رسی ڈھیلی کی، ہاتھ نکل آیا تو سب رسیان کھول ڈالین، رفل جو دہین رکھا تھا ہاتھ مین لے لیا، جون ہی اس کا مہربان نمایان ہوا ایک فیر مین کام تمام تھا، رفل اور کپڑے لیکر قیدی نے گھر کا راستہ لیا،

آمدم برسر مطلب، نومسلم ترک و افغان کے مقابلے مین عرب قدیم الاسلام تھے، سرچشمۂ اسلام سے ایسے سیراب کہ خود چشمۂ توحید ان کے دلون سے بہ رہا تھا،

ان دونون بیانون کے بعد دکھایا ہے کہ عرب فاتحون کا عمل کیا تھا، اور اس عمل کا اثر ملک کی ترقی پر کیا ہوا، خواہ وہ ترقی اخلاقی تھی، یا معاشرتی، تمدنی تھی یا ملکی، سندھ کی سرزمین کی وہ تاریخ جو عربی دور حکومت مین بنی اُس تاریخ سے بدرجہا اعلیٰ و اشرف ہے، جس کو افغان اور ترک و مغل بنا سکے،

اسی سلسلہ مین یہ بیان آجاتا ہے کہ عرب ہندؤن کو کیا سمجھتے تھے، ثابت کیا ہے، کہ اہل کتاب تو نہ سمجھتے تھے، البتہ مشابہ اہل کتاب مانتے تھے، اور یہی فیصلہ بنیاد اُس تمام برتاؤ کا تھا، جو اُن کا ہندؤن کے ساتھ تھا، یہ بیان فاضل مولف کی قوت اجتہاد کا شاہد عدل ہے، اس بحث کو پڑھکر میرے دماغ نے یہ محسوس کیا کہ تاریخِ ہند کے منطقہ حارہ سے (جس کو ہمارے مہربانون نے دل سوز بھٹی بنا دیا ہے) نکل کر جان بخش اور روح پرور آب و ہوا مین نکل آیا، اس باب کو پڑھو اور واقعات کی شہادت

پر مان لو کہ مسلمانون کی حقیقی خالص سلطنت ہندوستان مین اس سے بہت بہتر تھی جس کا بیان غزنوی دور کے آغاز سے مغلون کے خاتمہ تک تاریخ مین ملتا ہے،

پانچوان باب "ہندوستان مین مسلمان فتوحات سے پہلے" پر بحث کرتا ہے، اس باب مین بہت دلچسپ اور ضروری حالات اور مسائل پر روشنی پڑتی ہے، غور کے قابل یہ مسئلہ ہے کہ علاوہ فاتح و مفتوح کے تعلقات کے دوسری قسم کے تعلقات ہندو مسلمانون کے کیسے اور کیا تھے، واقعات شہادت دیتے ہین کہ یہ تعلقات ہر لحاظ سے ہمدردی اور کشادہ دلی کا نمونہ تھے، ہندوؤن کی حکومت مین مسلمان ہر حیثیت سے خواہ وہ جنگی ہو یا ملکی، مذہبی ہو یا علمی، تاجرانہ ہو یا حاکمانہ عزت اور اثر کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، اسلامی فتوحات سے بہت پہلے ملتان منصورہ دیبل مسلمان علما کے برکات سے مشرف ہو چکے تھے، منجملہ اُن کے ایک ابو المعشر نجیح سندھی اس پایہ کے امام تھے کہ خود اولو العزم عباسی خلیفہ مہدی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، اسی عہد مین ابو عطا شاعر بھی تھا،

اس باب مین دلچسپ بیان اُن اسلامی فرقون کا بھی ہے، جو اس زمانے مین سندھ مین تھے، اس سے اُن فرقون کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، جو آج بھی صوبہ بمبئی مین موجود ہین،

آج تبلیغ کی گرمی ہنگامہ کے سلسلہ مین باب ہذا کا وہ بیان پڑھنے کے قابل ہے جسمین شیخ الاسلام حضرت زکریا ملتانی، حضرت سید جلال بخاری قدس سرہما کے فیوض تبلیغی کا ذکر ہے، کاش آج کوئی شیخ الاسلام پیدا ہو جائے، تو رنگ ہی دوسرا ہو جاتا ہے، سومریون کے متعلق بحث بھی پڑھنے کے لایق ہے،

عالم خطیب نے ایک دوسرے میدان قلم مین بھی اپنی محققانہ راے کا ثبوت دیا ہے، ایک سے زاید مقام پر یورپین علمار کی غلطیون پر گرفت کی ہے، اور ان کو صحیح راستہ دکھایا ہے،

اس سلسلے مین یہ کہنا ہم ضروری خیال کرتے ہین، کہ جہان ایک حق شناس مؤلف یا خطیب کا

فرض ہے کہ غلطیون کی اصلاح کرے، بے راہی پر ٹوکے، وہان یہ بھی اخلاقی فرض ہے کہ پیرایہ اعتراض ایسا ہو جسمین سختی یا خود شناسی کا واہمہ پیدا نہ ہو، مثلاً دکسی کی راے کی نسبت کہنا کہ "قطعاً غلط ہی" افسوس ہے ایسا پیرایہ علامہ شبلی مرحوم کی تحریرون مین بھی ہے جس خیال یا راے کو غلط سمجھتے ہین اُس پر شاہین کی طرح گرتے ہین، میرا گمان ہے، کہ یہ سرسید مرحوم کی صحبت کا اثر تھا، تفسیر احمدی مین مفسرین اور دیگر اکابر کو جن الفاظ سے یاد کیا ہے، وہ بین ثبوت ہے، آخر مین ہم مکرر ہندوستانی اکیڈمی خصوصاً اپنے مہربان سر تیج بہادر سپرو کو مبارک باد دیتے ہین کہ ان کی سعی سے ملکی ادب مین ایسی نادر کتاب کا اضافہ ہوا، جیسی کہ "عرب و ہند کے تعلقات" ہے،

ارض القرآن

حصہ اول:۔ عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے، جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت عہ

ایضاً حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے، ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان، اور مذہب پر تفصیلی بحث،

ضخامت ۲۴۰ صفحے، قیمت ۱۲؁

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

شوپنہار، مولفہ جناب احمد صدیق صاحب مجنوں بی اے، شایع کردہ ایوانِ اشاعت گورکھپور تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی عمدہ، مجلد، صفحات ۱۲۰، قیمت مجلد عمر،

اردو میں جدید فلسفہ کے متعدد ارکان کی تصنیفات کے ترجمے مع سوانح شائع ہو چکے ہیں، دارالمصنفین نے برکلے اور رسکن کو شایع کیا ہے، اور ہیوم کا ترجمہ کرایا ہے، اب جناب مجنوں گورکھپوری نے جرمن فلاسفر شوپنہار کو اردو داں طبقہ سے روشناس کیا ہے، سب سے پہلے ایک مقدمہ ہے جسمیں مترجم نے یورپ کے تمام فلسفیانہ مذاہب کو نہایت اختصار اور تدریجی رفتار سے بیان کیا ہے تاکہ ناظرین شوپنہار کے فلسفہ کی تدریجی منزل سمجھ سکیں، ہمکو یہ ظاہر کرنے میں نہایت خوشی ہے کہ مولف مقدمہ نے فلسفۂ جدیدہ کے تمام مذاہب کا نہایت ہی سنجیدہ مطالعہ کیا ہے، اور ہر چیز نہایت سوچ سمجھ کر پڑھی ہے، اور لکھی ہے شوپنہار گو ایک یورپین فلاسفر ہے، مگر اس کا فلسفہ تمام تر پرانے ہندوستان کے یاس پسند جوگیوں کے سے خیالات میں بسا ہے، اور اسی لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس پر اپنشد اور یوگ کا بہت کچھ اثر پڑا ہے، اس واقعاتی دنیا کی یاس و ناامیدی میں اسکی روح کی مسرت اور اس کے دل کی تسکین، شاعری اور دوسرے فنون لطیفہ کے تخیلاتی عالم سے ہوئی ہے، لائق مولف نے ان چند صفحات میں شوپنہار کے ہر پہلو کو اس کے سوانح، اس کے خیالات اور اس کے فلسفہ کو نہایت خوبی سے سلجھا کر لکھا ہے،

علاء الدین خلجی مولفہ جناب سلطان حمید صاحب وارثی ایم اے، ال ال بی، اٹاوہ شایع کردہ رائے صاحب رام دیال اگروال پبلشر الہ آباد، چھوٹی تقطیع ۵۰۰ صفحات، مجلد قیمت عہ زبان انگریزی،

خلجی ہندوستان کے وہ حکمران ہین جنھون نے ترک غلام بادشاہون کی سلطنت کا ہندوستان مین خاتمہ کرکے افغانی حکومت کی بنیاد ڈالی، خلجی قبیلہ ترک و افغان کے بیچ مین ہے، اور صحیح یہ ہے کہ اس کا نسبی تعلق ترکون سے ہے، لیکن وطنی تعلق افغانستان سے ہے، سلطان محمود غزنوی کے زمانہ تک یہ مسلمان تھے مگر غزنویون کی فوج کے بہترین سپاہی تھے، اور اسی فوجی خدمت کے سلسلہ سے انکا تعلق ہندوستان کے ترک سلاطین سے تھا، اور آخر انکی کمزوری پر ساتوین صدی ہجری کے وسط مین خلجیون نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ مین لی، علاؤ الدین خلجی ان کے سلسلہ کا دوسرا فرمان روا تھا، فتوحات اور وضع قوانین کے لحاظ سے یہ ایک ممتاز بادشاہ تھا، اور اسی لئے قابل قدر ہے، مؤلف نے ان صفحات مین اُس کے عہدِ حکومت پر انگریزی مین مختصراً نہایت عمدہ تبصرہ کیا ہے، اور گو ہر واقعہ پر حوالہ نہین دیا ہے تاہم اکثر اپنے حوالون کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کے ماخذ عام طور سے فارسی کی اصل مطبوعہ کتابین ہین، انگریزی مورخین کی نقالی نہین، علاؤ الدین کے ایک ایک اصلاحات کو مؤلف نے خوبی کے ساتھ لکھا ہے، اور اس کے عہد کے بزرگون کے مختصر حالات بھی دیئے ہین،

ملیبار، ملیبار (علاقہ مدراس) سے مسلمانون کا تعلق جتنا پرانا ہے، اتنا ہی اس کی پرانی تاریخ سے اُن کو کم آگاہی ہے، اُس کی تاریخ کے مواد اور معلومات بہت کم ملتے ہین، اور کتابون مین جستہ جستہ نظر آتے ہین، ہمارے دوست حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ماہر آثار قدیمہ نے مختلف مقامات سے اس کے جغرافی اور تاریخی معلومات یکجا کرکے اس رسالہ مین پیش کئے ہین، اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ نے اس کو شایع کیا ہے، گو یہ متفرق معلومات **معارف** مین اڈیٹر کے قلم سے کبھی کبھی شایع ہوچکے ہین، تاہم حکیم صاحب کے یہ یکجا کردہ معلومات و واقعات قدر کے قابل ہین، کہ اس ملک کی تاریخ کے متعلق یہ سب سے پہلا محققانہ مجموعہ ہے، قیمت ۱۰ر پتہ :- صدر دفتر کانفرنس سلطان جہان منزل علی گڈھ

انتخاب سودا، ہمارے نوجوان شاعر مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری نے چھوٹی

تقطیع کے سو صفحون مین سودا کی غزلون کا انتخاب کیا ہے، اور شروع مین نواب جعفر علی خان صاحب اثر نے سودا کے سوانح اور کلام پر پچاس صفحون مین تبصرہ کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ بڑے بڑے دیوانون کے خرمن سے چند گران قیمت دانون کو چنکر اٹھانا بڑا مشکل کام ہے، حالانکہ پرگو شاعرون کے اصلی فضل و کمال کا جوہر جو اس انبار مین چھپ کر گم ہو جاتا ہے، اُس کا اندازہ انھین منتخب دانون سے لگایا جا سکتا ہے، ورنہ رطب و یابس مین ہر نظر اصلیت کا پتہ نہین لگا سکتی، اس لحاظ سے ناقب صاحب کا یہ کام ہماری شکرگذاری کا مستحق ہے، نواب اثر کا مقدمہ بھی اپنے اختصار کے باوجود دلچسپ اور مفید ہے، قیمت شاید عہ رہو، پتہ مکتبۂ جامعۂ ملیہ قرول باغ دہلی،

فہرست کتبخانہ مشرقی پٹنہ، مولفہ مولوی عبد المقتدر صاحب، شایع کردہ گورنمنٹ پریس پٹنہ، پتہ:- سپرنٹنڈنٹ صاحب گورنمنٹ پریس پٹنہ،

یہ جلد ابھی چھپ کر شایع ہوئی ہے، یہ سلسلہ کی سترہوین جلد ہے، اسمین متفرق مضامین کے مختلف فارسی قلمی رسائل کا حال درج ہے، مولوی عبد المقتدر صاحب کتبخانہ مذکور کے فارسی فہرست نویس کی تحقیقات کا نتیجہ ہے، مولوی صاحب نے اس سلسلہ فہرست کی ترتیب و تدوین و تحقیق مین جو محنت اور کاوش کی ہے، اُس کی داد اکثر مشرقی اور مغربی فاضلون نے وقتاً فوقتاً دی ہے، یہ مجموعہ گو چھوٹے چھوٹے رسالون کی فہرست پر مشتمل ہے، تاہم ایسے بے نام کے مختصر رسالون کی کیفیت، اور ان کے مصنفون کا پتہ لگانا بہت ہی مشکل کام تھا مولوی صاحب نے جہان تک ممکن تھا اس کام کو خوبی اور محنت سے انجام دیا ہے،

"س"

جلد سی ام	ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۲ء	عدد ۶

مضامین

شذرات

اسپین کی نئی جمہوریت اسلام اور مسلمانون کے ساتھ اپنے جابر بادشاہون کی تاریخی غلطیون کی تلافی پر آمادہ نظر آتی ہے، ایک اسلامی علمی مجلس اور ایک اسلامی علوم و فنون کی درسگاہ کی تحریک و تجویز آگے بڑھ رہی ہے، اسی طرح مشہور جامع مسجد کو جو مدت سے کلیسا کی شکل مین ہے مسلمانون کو واپس کرنے کا خیال بھی آیا کرتا ہے، مگر ابھی فرانس اور کیتھولک پادریون کی مخالفت کامیابی کی راہ مین حائل ہے، تاہم امید یہی ہے کہ مخالفتون کا بادل آہستہ آہستہ چھٹتا جائے، اور قرطبہ اور غرناطہ مین مسلمانون کی نوآبادیان قائم ہو سکین،

یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ دوسرے اسلامی ملکون مین بھی مذہبی اصلاح و خدمت کا جذبہ ترقی کر رہا ہے اور اسلام کی عالمگیر برادری کا ٹوٹا ہوا رشتۂ تخیل پھر جوڑا جا رہا ہے، مصر مین المنار کے بعد الفتح اس تحریک کا علمبردار ہے، شام مین الرشد اور عراق مین الصراط المستقیم ان خیالات کے پھیلانے مین کوشش کر رہے ہین، ساتھ ہی نوجوان مسلمانون کی انجمن کا جال بھی ہر جگہ پھیل رہا ہے، اور یہ مسلمان نوجوانون کی اخلاقی و دینی اصلاح کا بڑا ذریعہ ثابت ہو رہی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کی اسلامی سیاست تیزی سے اصلاح پذیر ہوتی جاتی ہے، اور عام طور سے ہندو و مسلمان ان مشکلات کے حل کرنے مین کوشان ہین، گو ابھی دونون فرقون مین کچھ ایسے لوگ موجود

ہین جو ہنوز ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا نہین چاہتے، لیکن امید یہی ہے کہ جیسے جیسے، خلاص اور نیک نیتی کا اظہار طرفین سے ہوتا جائیگا بدگمانیان دور ہوتی جائینگی، اور اختلافات مٹتے جائین گے، اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر صوبہ کی اکثریت اپنے ذاتی حرص و طمع اور اپنے ہی لئے تمام فوائد و منافع کی ٹھیکہ داری کے تخیل سے ہاتھ اٹھائے، اور دوسرے فریق کے نا جائز توقعات کے ساتھ ہمدردی کا ثبوت پیش کرے، اگر اس کی چند مثالین بھی عملاً پیش ہوتی رہین، تو ساری بدگمانیان کائی کی طرح چھٹ جائین،

ہم نے پچھلے پرچہ مین "بزم تاریخ ہند" کی جو تجویز پیش کی تھی، اس کے سلسلہ مین سیادت علی خان صاحب (گورنمنٹ کالج جھنگ) نے دو اور نام پیش کئے ہین، علامہ عبد اللہ یوسف علی، اور ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ایم اے عبد اللہ یوسف علی یقیناً اس قابل ہین کہ وہ اس معاملہ مین ہماری رہبری کرین، اور شیخ عنایت اللہ صاحب تو ہماری مجلس کے پہلے ہی سے رفیق اعزازی ہین، اور اب بھی ان کو اس خدمت سے عذر نہ ہوگا،

مگر ہم کو رہ رہ کر جو بات کھٹکتی ہے، وہ یہ ہے کہ انجمنون اور جمہوری ادارون کے ذریعہ کام انجام دینے کا سلیقہ ہم کو اب تک نہین آیا ہے، اس راستہ پر چلنے مین ہمیشہ نہیدون اور طریقون کے خارزارون مین پھنسکر ہم رہ جاتے ہین، اور منزل مقصود تک نہین پہنچتے، خدا کرے کہ اس علمی سفر مین ہم کو اس مشکل سے سامنا نہ پڑے،

افسوس ہے کہ ہمارے بعض ہندو دوستون کو ہماری گذشتہ تحریر "بزم تاریخ ہند" کے بعض اشارون سے یا فقرون سے بدگمانی پیدا ہوئی ہے، ہمارا منشا یہ نہین ہے کہ ہم ہندوستان کی ایسی تاریخ لکھین جسمین یہان کے مسلمان بادشاہون کو سراپا معصوم اور بےگناہ ثابت کرین، بلکہ یہ مقصود ہے کہ ایسی تاریخ لکھین اور ایسے

طرز میں لکھیں جس سے ہندو مسلمان دونون قومون مین منافرت پیدا ہونے کے بجائے تجہتی اور اتحاد پیدا ہو، تاریخ کچا مواد ہے، اس سے بنانے والا جو چاہے بنا سکتا ہے، چنانچہ انگریزون کے بعد جب سے ہندو مورخون نے کتابین لکھنی شروع کی ہین انھون نے ہندو دور کو جس آب ورنگ سے لکھنا شروع کیا ہے، اُس کو پڑھ کر ہر ہندو طالب علم مین اپنے بزرگون کی اچھی تقلید کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ساتھ ہی چھوت چھات اور بودھ جینی ویدک اور آریہ دھرم کے درمیان اتحاد کا خیال بڑھتا ہے، اور اس مین متحدہ ہندو قومی اسپرٹ پیدا کیجاتی ہے، کیا اتنی اصلاحون کے بعد ہمارے ہندو مورخ اتنی اصلاح اور نہین کرسکتے کہ واقعات کو اس رنگ مین لکھین جس سے ہندو مسلم خلیج کا پاٹ بڑھنے کے بجائے گھٹتا جائے،

مثال کے طور پر ہم یہان ایک واقعہ لکھتے ہین، ڈاکٹر ایشوری پرشاد محمود غزنوی کے حملۂ ہند کے سلسلہ مین جہاد کا لفظ بولکر اس پر یہ حاشیہ لکھتے ہین:-

"اہل اسلام کا خیال تھا کہ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کافرون یعنی اسلام نہ ماننے والون سے لڑائی کرکے یا تو اُن کو دائرۂ اسلام مین شامل کرلے یا تلوار کے گھاٹ اتار دے، اسی لڑائی کو جہاد کہتے ہین،، (صفحہ ۱۲۵ اسٹوڈنٹس ہسٹری)

ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق بجائے خود کہان تک درست ہے، اس کو الگ رکھئے، جس وقت یہ کتاب اسکول کے کسی درجہ مین پڑھائی جاتی ہوگی، دونون فرقون کے جذبات پر اس تشریح جہاد کا کیا اثر پڑتا ہوگا؟ اور مسلمان لڑکے یا تو شرم سے عرق عرق ہوجاتے ہونگے یا غصہ مین آکر کتاب اور مدرس کتاب سے لڑنے پر آمادہ ہوجاتے ہون گے، کیا اگر ہم اپنے ہندو مصنفون کو اس طریقۂ تالیف کی اصلاح کا مشورہ دیتے ہین، تو انکے ساتھ بدگمانی کرتے ہین،

مقالات

ہندوستان کی تاریخ

از

جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی، لکھنؤ

ہم نے معارف کے گذشتہ پرچہ مین "بزم تاریخ ہند" کے عنوان سے جو کچھ لکھا تھا، اس کو پڑھکر سب سے پہلے ہمارے دوست پنڈت منوہر لال زتشی (سابق پرنسپل ٹریننگ کالج لکھنؤ) نے ہم کو حسب ذیل مراسلہ بھیجا ہے۔ پنڈت صاحب موصوف اردو زبان کے لائق ادیب، اور تاریخ اسلام سے واقف، اور مرنجان مرنجان بزرگ ہین، امید ہے کہ موصوف کی یہ پہل ہمارے کام کے لئے فال نیک ثابت ہوگی"

"معارف"

جناب عالی۔ نومبر ۱۹۳۲ء کے معارف کے پرچے مین آپ نے مقالۂ بزم تاریخ ہند کے سلسلہ مین ایک نوٹ تحریر فرمایا ہے، اس مین آپ نے پہلے پروفیسر رمن کے خلاف ناراضی کا اظہار کیا ہے کہ انھون نے "یورپ کے الزام کی ایک پارینہ کہانی" کو حضرت عمر کے خلاف کیون دہرایا، اسکے بعد دی لائف آف اے پرنسس کے اس بیان کی تردید ہے کہ جہان آرا ایک راجپوت پر عاشق تھی گو اس تردید کی تائید مین آپ نے کوئی دلیل سوائے اس کے نہین پیش کی کہ جہان آرا صوفی تھی اور حضرت خواجہ چشت خواجۂ اجمیر کی معتقد جن وعشق کی منزل ملت و مذہب سے بالاتر ہے، ممکن ہے کہ دی لائف آف اے پرنسس کا یہ بیان غلط ہو اور ممکن ہے کہ صحیح ہو، بہر حال صوفی ہونے سے نہ اسکی تردید ہوتی ہے نہ تائید، اس کے بعد تیسرے پیراگراف مین آپ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"پونہ کی تاریخ آفرین" مرہٹہ سوسائیٹیون مین جو کچھ ہو رہا ہے اس کا راز دان ہمارے دوست سے بڑھکر پورے ہندوستان مین کوئی نہین، پونہ، بمبئی، بنگال اور الہ آباد کے مصنف پروفیسر رمن کی تاریخی تصنیفات مین جو کچھ لکھا جاتا ہے

"مگر اس سے بیشتر ہمارے یہاں آجکل الہ آباد کے پروفیسر ڈاکٹر ایشوری پرشاد کی تاریخ ہند ہمارے صوبہ میں پڑھائی جاتی

ہے مگر ہم صرف وہ باب پڑھانا کافی ہے جس میں عالمگیر اور سیواجی کی داستان لکھی گئی ہے۔"

جہاں تک میں نے اس پیراگراف کو سمجھا ہے اس کا روئے سخن ہندو مصنفین کی طرف ہے اور آپکی رائے یہ ہے کہ جو ہندو آجکل پونہ بمبئی بنگال اور الہ آباد میں تاریخ ہند پر کتابیں لکھ رہے ہیں وہ جان بوجھ کر غلط بیانیاں کر کے مسلمانوں کو قابل اتہام ثابت کرتے ہیں میں اس کے متعلق چند باتیں عرض کرنی چاہتا ہوں، کیا یہ ممکن نہیں کہ ان لوگوں کی نیت خراب نہ ہو اور جس اختلاف کی بنا پر آپ ان سے ناراض ہیں وہ واقعی اختلاف رائے ہو، کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ آگے چل کر تاریخ ہند کی تصنیف کے واسطے جن بارہ اشخاص کی فہرست آپ نے پیش کی ہے ان میں واقعات تاریخی کے متعلق یا واقعات تاریخی سے گذر کر ان واقعات کے اسباب و نتائج پر رائے زنی کرتے وقت کبھی اختلاف نہیں ہوگا، میں مانتا ہوں کہ عالمگیر مسلمان تھا اور سیواجی ہندو، مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ اس زمانہ کی تاریخ ڈاکٹر ایشوری پرشاد اور جناب سید سلیمان ندوی دونوں ٹھنڈے دل سے صداقت اور قابلیت کیساتھ پڑھیں مگر آخر میں مختلف نتائج پر پہنچیں اور یہ اختلاف بے ایمانی اور بدنیتی سے بری ہو اور ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کیا یہ بالکل ناممکن ہے کہ ڈاکٹر ایشوری پرشاد ہی کی رائے صحیح ہو اور جناب سید سلیمان ندوی کی رائے غلط ہو، آپ پروفیسر من سے ناراض ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر کے خلاف ایک ایسے اتہام کو دہرایا جسکو آپ غلط سمجھتے ہیں، آپکو تو معلوم ہی ہوگا کہ حضرات شیعہ اسی فاتح قیصر و کسریٰ کے بارہ میں کیا رائے رکھتے ہیں دنیائے اسلام بارہ تیرہ سو برس سے سنی شیعہ کے اختلافات کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے اور اس ہزار ڈیڑھ ہزار برس کی لڑائی کی بنا کیا ہے، اُن واقعات کے متعلق اختلاف جو مدینہ کے شہر میں پچیس تیس برس کے اندر پیش آئے، میں جانتا ہوں کہ آپ سنی ہیں مگر کیا آپ یہ کہنے کو تیار ہیں کہ جتنے شیعہ مورخین و مصنفین نے اس زمانے کے واقعات کو آپ کے خیال اور آپ کی رائے کے خلاف بیان کیا ہے وہ سب بے ایمان تھے اور انھوں نے ہر موقع پر جان بوجھکر غلط بیانی کی ہے، مولانا شرر لکھنوی مورخ اور محقق سمجھے جاتے تھے، انکی ایک تصنیف سکینہ بنت حسین پر جو شورش بعض اسلامی حلقوں میں ہوئی تھی اس سے تو آپ واقف ہونگے، شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی کی ایک تصنیف ہے امہات الامۃ اس کے متعلق حیات النذیر مطبوعہ ۱۹۱۲ء کے صفحہ ۳۸۴ پر یہ عبارت درج ہے،

" بہر حال مصنف امہات الامہ کیساتھ جو سلوک کیا گیا وہ یہ تھا اب امہات الامہ کا حشر سنئے کہ اسکی کل جلدیں دہلی کے بعض ممتاز مخصوص

کے کہنے سے ایک تاجر کو دیدی گئین اور ایک وقت معتد کے بعد جلا کر خاک سیاہ کر دی گئین . . . شمس العلما علامہ شبلی فرماتے تھے . . . . علامہ موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ کتاب قابل سوختنی تھی . . . . "

اگر نذیر احمد اور شبلی مین ایسے اہم معاملہ مین اختلاف رائے ہو سکتا ہے تو ڈاکٹر الشوری پرشاد اور جناب سید سلیمان ندوی مین کیون نہین ہو سکتا، ہان ایک ہی بات ہے اور وہ یہ کہ اول دونون حضرات مسلمان تھے اور آخری دونون حضرات [illegible] ہندو ہین، اور تو اور علامہ شبلی کی مشہور تصنیف الفاروق کی نسبت شیعہ حضرات کی رائے آپ سے پوشیدہ نہ ہوگی اور آپکو یہ بھی معلوم ہوگا شعر العجم کی تنقید [illegible] سے کس بری طرح کی گئی ہے،

اس ساری تحریر سے میرا مطلب صرف اسقدر ہے کہ جو کوشش ہندوؤن کیطرف سے ہندوستان کی تاریخ لکھنے کی ہو رہی ہے اسکو آپ نے جسطرح یاد کیا ہے وہ آپ کے شایان شان نہین، اور جسطرح سب مرہٹہ سوسائٹیون اور پونہ، بمبئی، بنگال اور الہ آباد کے کل مصنف پروفیسرون کو آپنے ایک ہی لاٹھی سے ہانکا ہے وہ بے تعصبی اور رواداری کے معیار سے فروتر ہے ممکن ہے کہ پونہ کی مرہٹہ سوسائٹیون مین سے کسی نے کہین غلطی کی ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مصنف پروفیسر نے کہین غلط بیانی کی ہو مگر یہ کہان نہین ہوا اور کہان نہین ہوتا، انسان پھر انسان ہے فرشتہ یا دیوتا نہین ہے، کیا یورپ کی تواریخ مین ایسے اختلافات نہین، کیا خالص اسلامی تاریخ ان سے قطعی بری ہے اگر ایسا نہین ہے تو ہندوؤن کے خلاف اس طنز و تشنیع کے کیا معنی؟ مین جانتا ہون کہ ہندوؤن کو برا بھلا کہہ کے واہ واہ حاصل کر لینا آسان ہے، مگر مین اب تک معارف کے معیار کو اور جناب سید سلیمان ندوی کی ذات کو اس سے ارفع سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہون

مین ہندو ہون اور ہندو ہونے پر فخر کرتا ہون مگر مین نے جو کچھ لکھا ہے اس مین تعصب یا جانبداری کو دخل نہین ہندو ہو کر بھی مین نے اپنے خیال اور اپنے اصول کے مطابق ہندوؤن کے سوشل رسم و رواج اور مذہبی عقائد کی کمزوریون کو ظاہر کرنے سے کبھی دریغ نہین کیا، مین ان ہندوؤن مین نہین جو اپنے گروہ اور اپنے بزرگون کے ہر قول و فعل کو صحیح اور درست سمجھتے ہین، اور کھوٹے اور کھرے مین تمیز کرنے کو گناہ جانتے ہین ،

معارف:- ہم نے پنڈت صاحب کے اس خط کو جو اپنے لب و لہجہ اور طعن و طنز کے لحاظ سے قابل شکایت ہے، بجنسہ چھاپ دیا ہے، پنڈت صاحب نے اس مراسلہ مین تین باتین لکھی ہین، ایک نیک نیتی اور بدنیتی کا سوال، دوسرے رائے اور

نظریہ کا اختلاف، تیسرے اسباب و نتائج کے بیان کا اختلاف، ہمین یہ تینون باتین تسلیم ہین،

سب سے پہلی بات یہ عرض ہے کہ تاریخ کی تعلیم و تصنیف کی دو غرضین ہین، ایک تو حقائق کا اثبات، دوسرے عوام اور طالب علمون کو اپنے ملک و وطن اور اسمین بسنے والی قومون کے آپس کے تعلقات سے باخبر کرنا جس سے مستقبل مین قومون کے درمیان خوشگوار روابط اور تعلقات پیدا ہوسکین، اسکولون مین ہندوستان کی جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے، اسکا منشأ "احقاق حق" کا اثبات نہین، جن کی نفی و اثبات اور اسباب و نتائج مین اہل تحقیق کے مختلف خیالات ہین، کہ طرفین کے دلائل کو رد و قدح کے بعد نقل کرنا اور فیصلہ دینا اسکول کی مختصر کتابون مین ممکن نہین، پھر ایسے واقعات کو لکھنا جن کے اسباب و نتائج مین مختلف قومون کے مختلف خیالات ہین، یا واقعات کو ایسے رنگ مین لکھنا جو کسی قوم کے نزدیک قابل اعتراض ہے اور پھر ایسی کتابون مین لکھنا جو ہر قوم کے بچون کے لیے لکھی گئی ہین کہانتک قابل پسند ہے،

اسکولون مین ڈاکٹر ایشوری پرشاد کی تاریخ اس غرض سے نہین پڑھائی جاتی ہے کہ اس سے ایک مصنف یا مصنف کی قوم کے خیالات اور نظریئے معلوم ہون، اگر یہ کتاب اس غرض سے ایسے عام اسکولون مین پڑھائی جاتی ہی تو کیون نہ اسی کے ساتھ "جناب سید سلیمان صاحب" کی بھی کوئی تاریخ پڑھائی جائے، تاکہ اس سے اس مصنف یا اس مصنف کی قوم کے خیالات اور نظریئے معلوم ہون، مسلمان بادشاہون اور حکمرانون اور فاتحون کو برا بھلا کہکر واہ واہ حاصل کرلینا آسان ہے، مگر مین اب تک ڈاکٹر ایشوری پرشاد اور دوسرے نیک نیت ہندو مصنفون اور پبلشرون کی ذات کو اس سے ارفع سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہون"

اس قسم کی کتابون کو محض اس بھروسہ پر لکھنا اور اسکولون کے نصاب مین داخل کرنا کہ لکھنے والے مصنف پڑھنے والے طالب العلم، اور چھاپنے والے اصحاب مطابع، اور پبلشر اور کتابون کے چھپنے والے ممبر زیادہ تر ہندو ہین، اور انکی واہ واہ اسی طرح حاصل ہوسکتی ہے، کچھ زیادہ منصفانہ اور دانشمندانہ کام نہین ہے،

اب رہ گیا حقائق کے اثبات کا مسئلہ تو اس کے لئے کالجون کا میدان کافی ہے، اور ضرورت ہے کہ ہر صاحب نظر اپنی اپنی تحقیق دلائل کے ساتھ پیش کرے، لیکن ضرور ہے کہ اس مین نامستند تحریرون جعلی دستاویزون، اور مصنوعی

واقعات پر بنیادین کھڑی نہ کیجائین، اس قسم کا کام بعض غرضمند انگریز مصنفون نے شروع کیا، اور بعض ہندو مصنف بلاتحقیق اسکی تقلید کر رہے ہین، جیساکہ ٹاڈ نے راجستھان مین اور ڈف نے تاریخ مرہٹہ مین کیا ہے، اوراسی طرح کاؤ طویل خط ہے جس کو کہا جاتا ہے کہ ایک راجہ نے عالمگیر کو بھیجا تھا،

علیٰ ہذا، ان یورپین سیاحون کے بیانات ہین، جو اکبر کے زمانہ سے ہندوستان مین آنے لگے تھے، اور جنمین سے بعض نے شاہی بیگمات کی نسبت نہایت لغو باتین لکھی ہین، ان باتون کو مشرقی آداب و رسوم سے ناواقف کا تو قبول کرسکتا ہے، مگر مشرقی طرز و آداب کو جاننے والے بے سند قبول نہین کر سکتے، مسٹر میو نے ہند یا ہندوستانی معصوم دیویون کی نسبت چند ماہ کے سفر ہند مین جو کچھ لکھ ڈالا اسکی نسبت صرف یہ کہدینا کہ انکی تردید مین کوئی دلیل نہین پیش کی گئی، فضول بات ہے،

ظاہر ہے کہ دعوی کو سند اور دلیل سے مضبوط کر کے پیش کرنا مدعی کا کام ہے، اسکی تردید مین اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ واقعہ ثابت نہین، ورنہ ہر شریف سے شریف ہندو مسلمان تاریخی خواتین پر کوئی اخلاقی الزام آج ہر مصنف قائم کر سکتا ہے، اور جواب مین کہہ سکتا ہے کہ مجیب اسکی بدلائل تردید کرے،

"فاتح قیصر و کسریٰ" کی نسبت بے شبہہ حضرات شیعہ دوسری رائے رکھ سکتے ہین، لیکن ہر رائے کی تائید مین واقعات کا موجود ہونا ضروری نہیں، چنانچہ الفاروق پر تنقیدین بہت لکھی گئین، مگر دوسری رائے کے مطابق کوئی الفاروق لکھی نہ جاسکی،

کتبخانۂ اسکندریہ کے الزام کی کیفیت یہ ہے کہ مسلمانون کو چھوڑکر اب خود یورپ کے محققون نے اس کی تردید کر دی ہے، اور کم از کم آٹھ دس مضمون اس الزام کی تردید مین خود اردو مین نکل چکے ہین، اور پھر اب تک وہی سنی سنائی بات اغیر نہین، ہمارے بعض ہندو بھائی دہراتے ہین، تو کیا یہ تعجب انگیز نہین،

کسی مصنف کی کتاب مین اتفاقی غلطیون کا پایا جانا فطرت انسانی ہے، شعر العجم مین جو مشرقی تذکرون پر مبنی ہے، سنین اور نام و نسب کی غلطیان مغربی تحقیقات کے مطابق دکھائی گئی ہین، ان مین سے بعض صحیح بھی مین اور

بعض غلط بھی، لیکن اگر شعر العجم کی تنقید پنجاب کے بزرگون کی طرف سے "بُری طرح" کی گئی، تو اس "بری طرح" کو تو کسی نے اچھا نہین سمجھا،

مولانا عبد الحلیم صاحب شرر، اور مولانا نذیر احمد صاحب نے جو کچھ لکھا، اس مین واقعات کا اتنا عیب نہ تھا، بلکہ طرز ادا اور طریقۂ تعبیر کی افسوسناک غلطیان تھین، بات یہ ہے، کہ یہ زیادہ تر افسانہ نویس تھے، افسانہ نویسی کا منجھا ہوا قلم، قابل ادب بزرگون کے حالات لکھنے مین بھی شوخ نگاری سے باز نہ آیا، اس کا نتیجہ مسلمانون کی عام برہمی کی صورت مین ظاہر ہوا، امہات الامہ کے بعض فقرے مجھکو اب تک یاد ہین، مثلاً عرض ہے، "فاطمہؓ اور عائشہؓ مین تو جوتیون مین دال بٹتی تھی"۔ اس مفہوم کو اگر یون ادا کیا جاتا کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ مین باہم ملال خاطر تھا، یا ان دونون کے دل باہم صاف نہ تھے، یا ان دونون کے درمیان اختلاف تھا، تو چندان قابل اعتراض نہ تھا، لیکن مولوی صاحب مرحوم کی زبان پر یہ محاورہ ایسا چڑھ گیا تھا کہ ایک دفعہ مجھے اُن سے دلّی مین ملنے کا اتفاق ہوا تو شاید ایک نشست مین تین چار دفعہ وہ اس محاورہ کو بولے،

مین نے تمام ہندو مصنفون اور مورخون کی نسبت ہرگز یکسان راے ظاہر نہین کی ہے، سرجدو ناتھ سرکار سے غلطیان ہوئی ہین، مگر ان کو بدنیت نہین کہا گیا ہے، اسی طرح ڈاکٹر بینی پرشاد مصنف جہانگیر کی نسبت سب نے اچھے خیال کا اظہار کیا، ڈاکٹر تاراچند مصنف مقالۂ "عرب و ہند" کی سب نے تعریف کی ہے، جسٹس راناڈے کے مضامین سب نے پسند کئے ہین،

سوء نیت اور حسن نیت کا اندرونی حال کون جانتا ہے، انسان تو ظاہر بین ہے، قرائن سے اندر کا حال دریافت کرتا ہے، وہ قلم جو قبل از اسلام ہند کی تاریخ مین سراپا امن اور شانتی اور اپنے لیے صرف حسن عمل کا انتخاب کرتا ہے، اور دوسرے قسم کے واقعات کو نظر انداز کر جاتا ہے، وہی دفعۃً اسلام کے عہد مین آکر اس درجہ انصاف پسند ہو جاتا ہے، کہ اچھے بُرے ہر قسم کے واقعہ کے ذکر کئے بغیر اس کی دیانت داری کا احساس مجروح ہو جاتا ہے، اور ہر معاملہ مین اس کو مسلمان حکمرانون کی صرف برائیان نظر آتی ہین، اور انھین کے پھیلانے مین اس کو لطف آتا ہے،

اور بھلائیون کو اتنا لپیٹ کر بیان کرے، کہ وہ واقعہ کا غیر ضروری پہلو ہو جائے، یہ کہان کا انصاف ہے؟

ابھی پٹنہ یونیورسٹی کی اردو تاریخ کے اقتباسات جریدۂ امارت پھلواری مین شایع ہو چکے ہین، اغلاط تاریخی کو چھوڑ کر ایک ہی کتاب کی ایک ہی سطر مین اس درجہ غیریت برتی گئی ہے کہ ہندو راجاؤن کے لیے جمع کا صیغۂ تعظیم، اور مسلمان بادشاہون کے لیے تحقیر کا صیغۂ واحد شروع سے آخر تک استعمال کیا گیا ہے، کیا اس کو رائے اور نظریہ کا اختلاف کہا جائے،

معارف نے آج جس طرح ڈاکٹر ایشوری پرشاد کی کتاب پر اعتراض کیا ہے، کل اُس نے اسی طرح مرحوم صلاح الدین خدابخش، اور ڈاکٹر شفاعت احمد خان کی تاریخون پر اعتراضات کئے تھے، مگر کیا آج کا کام ہمارے دوست کے نزدیک اس لیے قابل اعتراض ہے کہ وہ مسلمان تھے، اور یہ ہندو ہین،

پنڈت صاحب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا قلم ہمیشہ ہندو مسلمانون کے مقابلہ مین بے تعصب رہا ہے، اور ہندوؤن کے علوم و فنون کی مدح مین کمی نہین کی ہے، با این ہمہ اگر مجھ جیسے مسلمان سے، پنڈت منوہر لال زتشی جیسے بے تعصب ہندو کو یہ بے اعتباری اور بدگمانی ہو تو

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

دیباچہ مثنوی تغلق نامہ

بقلم مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی رکن دار الترجمہ حیدرآباد دکن،

تغلق نامہ جو امیر خسرو کی نایاب مثنوی ہے، وہ مولوی سید ہاشمی صاحب کے دیباچہ کیساتھ مجلس مخطوطات فارسیہ کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے، چونکہ جناب سید صاحب کا یہ دیباچہ بجائے خود تاریخی اہمیت رکھتا ہے، اس لئے وہ الگ بھی معارف میں شائع کیا جا رہا ہے۔ سید صاحب کے ممنون ہین کہ وہ ناظرین معارف کو "مشاعرہ" سے پہلے اپنی "غزل" پڑھنے کی اجازت دیرہے ہین،

"معارف"

تغلق نامہ کی تاریخی نوعیت جیسا کہ امیر خسرو کی سوانح تذکرون اور فارسی تاریخون سے ثابت ہے، اُن کی سب سے آخری تصنیف مثنوی تغلق نامہ ہے، جو انھون نے صاحب منتخب التواریخ کے بقول سلطان غیاث الدین تغلق اول کی فرمایش سے تحریر کی تھی، قران السعدین، دول رانی خضر خان، خزاین الفتوح اور نہ سپہر کی طرح یہ بھی اپنے عہد کی نہایت دلچسپ اور مفید تاریخی نظم ہے جس مین سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے قتل، خسرو خان کی چند روزہ بادشاہی اور پھر غیاث الدین تغلق کی فتحمندی اور تخت نشینی کے حالات درج ہین، یہ تمام واقعات شاعر کی زندگی اور بعض اوقات اس کی موجودگی مین ہوئے تھے، اگر کشف الظنون اور مُلّا عبد القادر کا قول صحیح مانا جائے کہ یہ مثنوی ۷۲۵ھ ہجری مین نظم ہوئی تو ایک احتمال ہوتا ہے کہ شاید اس مین تغلق اوّل کے عہد بادشاہی کے حالات بھی ہونگے جو کتاب کے آخری اوراق ضائع ہونے کی وجہ سے اب مفقود ہوگئے، لیکن کشف الظنون اور بعض تذکرون مین یہ بھی لکھا ہے کہ

تعداد اشعار اس مثنوی کے کل اشعار کی تعداد تین ہزار تھی، اور جو نسخہ اب ہمیں دستیاب ہوا، اس مین حیاتی کاشی کے (۱۶۹)

اشعار وضع کر دینے کے بعد بھی جو اشعار محفوظ ہیں (مع منظوم عنوانات) اُن کی تعداد (۲۴۰۲) بچتی ہے، ٹھیک اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ ابتدائی اشعار جو تلف ہوئے اُن کی تعداد کتنی تھی، تاہم یہ قیاس کرنا بیجا نہو گا کہ آخر کے جو اشعار اب نہیں ملتے وہ کم و بیش دو سَو ہونگے اور اس کے معنی یہ ہیں، کہ شاعر نے اپنے ممدوح کی تخت نشینی کے بعد اس عہد کے دوسرے واقعات قلم بند نہیں کئے، اور کئے بھی تو بہت سرسری طور پر ان کا ذکر کیا ہوگا،

سنہ تصنیف اس میں شک نہیں کہ امیر خسرو بنگالہ کی فوج کشی تک تغلق اوّل کے ہمراہ اور بادشاہ کے ندیم تھے، لیکن ان کی تاریخ وفات ۱۸ شوال ۷۲۵ھ ہجری ہے اور زندگی کے آخری چند مہینے بھی اپنے محبوب و محترم پیر کے ماتم میں گذرے، پس یہ قول کسی قدر مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ پوری مثنوی زندگی کے اسی آخری سال میں نظم کی ہو[1]،

ادبی حیثیت بہرحال چونکہ یہ مثنوی امیر خسرو کے آخری زمانے اور پیرانہ سالی کی تصنیف ہے، دوسرے ایک ایسے بادشاہ کے ایماء سے لکھی گئی جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اُن کے محترم مرشد سے چنداں حسن عقیدت نہیں رکھتا تھا، بظاہر اسی لیے اس مثنوی میں وہ جوش و ولولہ نہیں پایا جاتا جو حضرت طوطیٔ ہند کی سب سے پہلی تاریخی مثنوی قِران السعدین کا امتیاز ہے، تاہم کلام کی استادانہ پختگی اور بیان کی حیرت انگیز قوت و قدرت ہر ورق سے نمایاں ہے، تاریخی جزئیات کی صحت کا پاس ہر داستان سے آشکارا ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے جس کی بدولت یہ فخر آمیز دعویٰ کرنا بالکل بجا ہوگا کہ غالبًا دنیا کی کسی قوم نے آج تک ایسا شاعر نہیں پیدا کیا، جس نے طویل اور اہم تاریخی واقعات کو

---

[1] مولوی رشید احمد صاحب مرحوم نے اپنے ناتمام مقدمہ میں کشف الظنون کا یہ قول لکھا ہے کہ یہ نظم تمام ہونے نہیں پائی تھی کہ حضرت امیر کی وفات ہوگئی، مگر کشف الظنون (مطبوعۂ لائپزگ ۱۸۳۵ء) کی جلد دوم صفحہ ۴۰۲ میں تغلق نامہ کے متعلق صرف یہ عبارت درج ہے،

"تعلق[2] نامہ خسرو الدہلوی المتوفی ۷۲۵ھ ہجری، و ہو نظمٌ فارسیٌ فی ثلاثۃ آلاف بیت"

اس عبارت سے مولوی رشید احمد صاحب کا قیاس ثابت نہیں ہو سکتا، لیکن ممکن ہے کسی دوسری جگہ کشف الظنون میں ضمنًا کوئی ایسی عبارت آگئی ہو جس سے ان مرحوم نے یہ نتیجہ اخذ کیا،

[2] تغلق کے بجائے "تعلق" صریحًا کشف الظنون کے کاتب کی غلطی ہے۔ ۱۲

شاعرانہ حسن گفتار کیسا تھا اتنی صحت سے نظم کا جامہ پہنانے میں کامیابی پائی ہو جیسی کہ پرانی دہلی کے اس درباری شاعر کے حصے میں آئی[1]،

مگر جیسا کہ ہم کہہ رہے تھے، تغلق نامے میں شاعرانہ رنگینیاں کم ہیں، صنائع بدائع جنہیں امیر خسرو کو بڑی مہارت حاصل ہے، ان کی مثالیں اتفاقی طور پر کہیں کہیں نظر آجاتی ہیں، اور مجموعی طور پر یہ مثنوی ہندوستان کے اس ہمثیل ادب کے بہترین ادبی یا شاعرانہ کارناموں میں شمار نہیں ہو سکتی بلکہ یہ محض ایک بیش بہا بلند پایہ تاریخی نظم ہے، دوسری تاریخی مثنویوں کے خلاف اس میں بہت تھوڑے زمانے کے حالات نظم کئے گئے ہیں، اور سب سے بڑھکر جو بات اس موقع پر ہم جتانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس مثنوی کا بڑا حصہ سلطان قطب الدین کے قتل، سلاطین خلجی کے خاندان کی تباہی اور ایک ادنیٰ درجہ کے نومسلم نو دولت کے غصب سلطنت اور پائے تخت دہلی کے مسلمانوں پر مصائب و شدائد کے دردانگیز حالات پر مشتمل ہے،

نایابی کے اسباب | مسلمانوں کے اعلیٰ طبقات میں آج سے سو برس پہلے تک ہفت اقلیم کی بادشاہی کا جو غرور و ناز تھا اور اسی نسبت سے ان کی حمیت اور خودداری جس مرتبہ کی تھی، اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو یہ قیاس محض لایعنی نہو گا کہ تغلق نامہ کی سادہ بیانی سے بڑھکر اس کا تاریخی موضوع ایسا تھا کہ آج سے چند صدی پہلے کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں درجۂ قبول حاصل نہ کرسکا، ادھر پہلے تو سلطان محمد تغلق نے پائے تخت دہلی کی آبادی دکن میں منتقل کی اور اس شہر کو بالکل ویران و بے چراغ کر دیا، پھر کچھ مدت کے بعد تیمور کے خوفناک حملے اور بعد کی طوائف الملوکی کے ہنگاموں میں جان اور علم و فن کے خزانے غارت ہوئے، وہاں بظاہر یہ کتاب بھی قریب قریب مفقود ہو گئی، امیر خسرو کی بعض اور تصانیف زمانے کی اس دست برد سے محفوظ نہیں رہیں، اور جیسا کہ بعض مبصرین کا اندازہ ہے، ان کا آدھے سے زیادہ کلام بے نشان ہو گیا، اس میں مثنوی تغلق نامہ کو بھی شامل سمجھنا چاہئے، چنانچہ اکبر کے عہد میں جب دوبارہ ہندوستان میں امن و امان اور علم و فن کا چرچا ہوا تو

---

[1] سر ہنری ایسٹ نے بھی اپنی مشہور تاریخ ہند میں ایک انگریزی مستشرق کی قریب قریب یہی رائے نقل کی ہے (جلد سوم ضمیمہ)

اس وقت یہ مثنوی بہت ہی کمیاب ہو گئی تھی،

فیضی کا رقعہ اس بارے مین سب سے دلچسپ اور قیمتی شہادت ملک الشعرا فیضی کے اس رقعہ سے بہم پہنچی ہے جو اس نے راجہ علیخان فاروقی والی خاندیس کو تحریر کیا تھا، یہ رقعہ سر ہنری ایلیٹ کے کاغذات کے ساتھ متحف برطانیہ مین محفوظ ہے اور اس تک میری رہنمائی لندن یونیورسٹی کے ایک طالب علم محمد اشرف صاحب نے کی جو خود بھی غالباً امیر خسرو کی شاعری کے متعلق علمی تحقیقات کر رہے تھے، اس معاونت پر مین ان کا دل سے ممنون ہون، رقعہ کی عبارت یہ ہے:-

"بہ سلطنت و ابہت پناہ سید الاقران راجہ علیخان فاروقی والی خاندیس"

امید کہ نواب معلّی القاب مزکّی اوصاف مؤید ومنصور باشید، این ذرۂ بے نام ونشان خاک نشین را چہ یارا کہ دم از اشتیاق . . . . . . بموجب ضرورا ستدعا مینماید کہ از کتاب تغلق نامہ کہ از انفاس مقدسۂ امیر خسرو ہست، چند ورق از اول وچندے از آخر رفتہ، التفات فرمودہ دو جزاز اول وہمین قدر از آخر بہ یکے از خدمتگاران امر فرمایند کہ بہر خطے مسودہ نمودہ بجہت بندہ مصحوب حاملان عریضہ فرستند، امید کہ مکارم عالیہ راعذر پذیر این جرأت وتصدیع خواہند داشت، ادام اللہ افضالکم،

العبد الاقل فیضی"

اس رقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی اکبر بادشاہ کے زمانے مین کم سے کم شمالی ہندوستان مین بہت نادر الوجود تھی، دوسرے یہ کہ بظاہر شاہی کتب خانہ مین اس کا جو نسخہ موجود تھا اسکے ابتدائی اور آخری اوراق ضائع ہو گئے تھے

صاحب فرہنگ جہانگیری اور تغلق نامہ تغلق نامہ کا جو نسخہ مؤلف فرہنگ جہانگیری، جمال الدین انجو کے سامنے تھا، ممکن ہے وہ کوئی دوسرا اور مکمل نسخہ ہو، لیکن اول تو اس نے اپنے نسخے کا جس سے کام لیا، کوئی ذکر نہین کیا، دوسرے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ فیضی کو اس نسخہ کا علم نہ ہوا ہو کیونکہ انجو اکبر بادشاہ ہی کے حکم سے اس کے آخری زمانے مین فرہنگ جہانگیری کی تالیف مین مصروف تھا، خود اس مؤلف لغت کا تغلق نامے سے کام لینا ان اشعار سے ثابت ہے جو اس نے سند

مین نقل کئے ہین۔ اور انھین ہم آگے اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرین گے،

فرشتہ کا قول | اس موقع پر محمد قاسم فرشتہ کا قول بھی نقل کر دینا چاہئے، اس نے اپنی مشہور تاریخ ذکم سے کم اس کے ابتدائی مقالے، ۱۰۱۵ہجری یعنی عہد جہانگیری ؒ بالکل ابتدا مین تحریر کئے ہین اور وہ بھی بیان کرتا ہے کہ تغلق نامہ جسے امیر خسرو نے غیاث الدین تغلق کے نام لکھا تھا کیاب ہو گیا ہے، اس مورخ نے تغلق نامہ کے چار شعر نقل کئے ہین جن کا مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے مقدمہ مین حوالہ دیا ہے[۱]، لیکن یہ شعر معز الدین کیقباد کے حالات کے ضمن مین درج ہین، قطب الدین مبارک، خسرو خان یا خود غیاث الدین تغلق کے حالات مین اس مثنوی کا کوئی شعر نقل نہین کیا حالانکہ جا بجا دوسرے اشعار اور قطعات موجود ہین، پس یہ گمان ہوتا ہے کہ خود فرشتہ نے اصل مثنوی کا مطالعہ نہین کیا یا اس کے سامنے جو نسخہ تھا وہ بھی ناقص اور ابتر حالت مین تھا،

حیاتی کا بیان | مذکورۂ بالا اسباب کو پڑھنے کے بعد حیاتی کاشی کا وہ بیان سمجھنا آسان ہو جائے گا جو اس کے سب سے پہلے نثر یہ عنوان مین مذکور ہے، عنوان کی عبارت یہ ہے:-

"آغاز سخن در شرح چگونگی بنظم آوردن این چند داستان و باتمام رسانیدن کتاب تغلق نامۂ سخن

---

[۱] جلد اول۔ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۳۲، اشعار یہ ہین،

نشاید بپادشہ راست بودن	نہ در عشق و ہوس پیوست بودن
بود شہ پاسبان خلق پیوست	خطا باشد کہ باشد پاسبان مست
شبان چون شد خراب از بادۂ ناب	رمہ در معدۂ گرگان کند خواب
در آئینے کہ رسم ملک داری است	ثبات کار ہا در ہوشیاری است

(فرشتہ طبع نولکشور جلد اول ص ۸۶)

تغلق نامہ مین ان اشعار کا نمبر ۲۷۹ تا ۲۸۲ ہے،

پیرائے گلزار ہر تازگی و نوی، گنجور خزانۂ معنوی امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کہ نہ از نقوش دیباچہ اش اثرے بود و نہ از نگارش خاتمہ اش خبرے، نہ حدیقۂ حمدش را در با باز و نہ گلشن مدحت را دستان سرائے بآواز"

نسخہ میں "خاتمہ اش" کی بجائے "خامہ اش" درج ہے مگر یہ صریحاً کتابت کی غلطی ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حیاتی نے صرف "این چند داستان" نظم کرنے کا دعوے کیا ہے، اور کتاب تغلق نامہ کو جس میں دیباچہ، حمد، مدح اور خاتمہ موجود نہ تھا، اتمام کو پہنچایا ہے، نہ یہ کہ پوری کتاب خود لکھنے کا دعا کیا ہو، اپنی منظوم تمہید میں بھی حمد اور بادشاہِ وقت جہانگیر کی صفت و ثنا کے بعد حیاتی لکھتا ہے کہ ۱۰۱۹ ہجری میں ایک رات بادشاہ نے امیر خسرو کے تغلق نامے کا ذکر کیا، ع

"کہ[1] در تاریخ سال ششصد و اند"

من جملہ اور منظوم تصانیف کے یہ کتاب بھی خسرو نے لکھی مگر اس کے آغاز و آخر کے اشعار غائب ہو گئے ہیں

ازاں دفتر ولے ز آغاز و انجام [illegible]

اور اسی کمی کو پورا کرنے کا حیاتی کو حکم دیا۔ حیاتی کے اشعار کی تعداد اور ان کا لب لباب ہم نے اپنے خلاصۂ مثنوی میں لکھ دیا ہے، اور مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کے ناتمام مقدمہ [illegible] حاشی تفصیل [illegible] موجود

حیاتی کے اشعار کی تعداد اور ان کا مسئلہ

حیاتی کے ان کل ابتدائی اشعار کی تعداد ۱۷۵ ہے، ممکن ہے کہ اس سے [illegible] کچھ شعر جن کا وعدہ کیا ہے (دیکھو بیت ۱۶۹ تا ۱۷۵) [illegible] ہوا، لیکن وہ اب مفقود ہیں، ان محفوظ تمہیدی اشعار کی تاریخی اہمیت اور معنوی خوبی تقریباً صفر ہے مگر اس میں شک نہیں کہ ادبی اعتبار سے یہ شعر نہایت صاف و شگفتہ ہیں، کم از کم اس کے مدوح جہانگیر کو تو وہ اتنے پسند [illegible] نے

---

[1] یہ جہانگیر یا خود حیاتی کی غلطی ہے، امیر خسرو کی عمر کا بڑا زمانہ "ششصد و اند" یعنی ساتویں صدی میں گزرا [illegible] جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور خود مثنوی کے واقعات سے (جو ۷۲۰ھ میں ہوئے) ظاہر ہے تغلق نامہ آٹھویں صدی کی تصنیف ہے

حیاتی کو زرِ سرخ و سفید سے تُلوا کر اس کے ہموزن روپیہ انعام دیا، مجمع النفائس وغیرہ تذکروں میں سعیدائے گیلانی کا یہ قطعۂ تاریخ بھی اس واقعہ کی یادگار میں نقل کیا ہے :-

چون حیاتی را بزر سنجیده شاهنشاهِ عصر — بادشاهِ عدل گستر شاهِ گردون اقتدار
شاه نورالدین جهانگیر ابن اکبر بادشاه — آفتابِ هفت کشور سایهٔ پروردگار
بهرِ تاریخش برون کفهٔ میزان چرخ — شاعرِ سنجیدهٔ شاهی، رقم زد روزگار
۱۰۱۹ھ

حیاتی کی نظم کا صحیح زمانہ حیاتی کاشی کی نظم کا صحیح سال معلوم ہو جانے سے یہ بات بالواسطہ طور پر قطعی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ تغلق نامہ جس سے فرشتہ نے ۱۰۱۵ھ میں چار شعر نقل کئے، حیاتی کا لکھا ہوا کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ حیاتی نے تغلق نامہ میں جو کچھ لکھا وہ فرشتہ سے چار سال بعد ۱۰۱۹ھ کی تحریر ہے،

۲- علیٰ ہذا فرہنگ جہانگیری کی تالیف اکبر کے عہد ۱۰۰۵ھ میں شروع ہوئی اور ۱۰۱۷ھ میں تکمیل کو پہنچی جیسا کہ اس کے تاریخی نام

"فرہنگ نورالدین جہانگیر"

سے سالِ تکمیل کی تاریخ ہے، اگر تغلق نامے کا یہ نسخہ جو ہمارے سامنے ہے حیاتی کاشی کی ۱۰۱۹ھ کی تصنیف ہوتا جیسا کہ مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی قیاس کرتے رہے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے چند سال پہلے کی تالیف فرہنگ جہانگیری میں اس کے اشعار نقل نہیں کئے جا سکتے تھے، دوسرے فرشتہ اور عضدالدولہ انجو دونوں تغلق نامہ کے اشعار کو صراحۃً امیر خسرو کے نام سے نقل کرتے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ انھوں نے اپنے ہمعصر حیاتی کے کلام کو امیر خسرو سے منسوب کر دیا ہو[1]،

تغلق نامے کے اشعار فرہنگ جہانگیری میں فرشتہ کے اشعار ہم اوپر نقل کر چکے ہیں، ذیل میں وہ اشعار نقل کرتے ہیں جو ایک سرسری تلاش سے فرہنگ جہانگیری میں صراحۃً امیر خسرو کے نام سے ہمیں دستیاب ہوئے اور جو ہمارے نسخۂ تغلق نامہ میں موجود ہیں،

[1] خزانۂ عامرہ کے تذکرے میں جہان حیاتی کاشی کو انعام دینے کا ذکر لکھا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ حیاتی کاشی نے تغلق نامہ کی صرف ایک گم شدہ داستان نظم کی تھی،

اشعار تغلق نامہ جو فرہنگ جہانگیری (مطبوعہ [illegible]ء مطبع ثمر ہند لکھنو) مین سنداً نقل کئے گئے ہین،

صفحۂ فرہنگ جہانگیری	لفظ جسکے تحت شعر لکھا گیا ہے	حوالہ بیت تغلق نامہ	شعر
۲۳۲	خراب	۲۸۱	شبان چون شد خراب از بادۂ ناب — رمہ در معدۂ گرگان کند خواب
۴۰۵	مردم	۲۸۶	نشاید ہیچ مردم خفتہ در کار — کہ در پایان پشیمانی دہد بار
۳۲۸	چرخ	۶۱۱	کسے کش چشم زخم از چرخ روزی است — رسد گر چش جہان چرخ دوزی است
۳۲۸	〃	۶۱۲	چو زخم از تیر بے تدبیر چرخ است — نہ کمتر تیر چرخ از تیر چرخ است
۴۲۰	یزانہ	۱۱۷۶	ولایت دارم و گنج و خزانہ — سپاہے تیز چون باد یزانہ
۴۰۴	لُر	۱۲۱۱	ملک کز لشکر آفت سگالش — چو سوئے سر پریشان دید حالش
〃	〃	۱۲۱۲	ترش رو بود چون افغان جنگی — وے ہم چون کلاہ لُر بہ تنگی
۱۷۴	شارک	۱۶۱۴	اگر شاہین زبون گردد ز شارک — کلاہ گل مرغ را زیبد تبارک
۹۱	باخہ	۱۸۷۱	لبا بر دل نہنگ از تیغ کینہ — کہ بردز دیدہ چون باخہ سینہ
			(نوٹ) شمس اللغات چھاپہ بمبئی صفحہ ۲۱ مین بھی یہ شعر امیر خسرو کے نام سے دی ہے
۱۴۴	دار	۲۱۳۸	خودش در دہلی و جان را بہ در داد — تنش در شہر و جان در دار سمدد
۴۰۴	لر	۲۱۵۴	لرے کردند ناہموار در پیش — کہ باد از سر برآید در تنگ خویش
۱۲۷	تار = تال	۲۱۹۶	ز سیری بس کہ ہندو سیر خور شد — ہمہ تال برنجش تال زر شد
۱۲۰	پایگاہ	۲۸۴۹	رمہ گرگان ربانید از سیاہش — فرس دزدان بردند از پایگاہش
			ذیل کے دو شعرون کے متعلق جو تغلق نامہ کے بیت نمبر ۲۶۴ و [illegible] ہین
			فرہنگ جہانگیری جلد اول صفحہ ۱۰۴ مین [illegible] ہے،

"حکم (امیر) خسرو این معنی را در کور کردن پسران سلطان السلاطین رقاب الامم ملوک الشرق و العجم علاء الدین والدنیا گفتہ:

"کسے کو برکشید این دیدہ سر | بسا لخستہ شفا و بود تر
دو چشم او چو دو عناب خستہ | ہمیشہ خستہ و درخون نشستہ"

تغلق نامہ کی دوبارہ نایابی لیکن حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ جہانگیر کی اس قدر دانی اور کاوش کے باوجود تغلق نامہ کا یہ نسخہ بھی جس کی حیاتی نے تمہید لکھی تھی ملک میں رواج نہ پا سکا، اور بعد کی تاریخون اور تذکرون مین اس کا بہت ہی مجمل ذکر یا صرف نام باقی رہ گیا ہے، اسی سلسلے مین مجھے متحف برطانیہ مین نواب ضیاء الدین خان نیر دہلوی کی ایک تحریر ملی جو انھون نے امیر خسرو کے حالات اور تصانیف کے متعلق بطور یادداشت قلم بند فرمائی تھی، یہ غالباً ۱۸۴۳ء کی تحریر ہے،

نواب ضیاء الدین خان کا بیان اور سرہنری ایلیٹ کے ذخیرے کے ساتھ متحف مذکور مین داخل ہو گئی ہے، نواب صاحب موصوف نے منجملہ اور تاریخی مخطوطات کے امیر خسرو کی تاریخی مثنوی خزائن الفتوح کا ایک نسخہ سرہنری ایلیٹ کو دیا تھا اور ان ہی انگریز کی فرمائش سے خود اپنے قلم سے امیر خسرو کے حالات بھی لکھ کر بھیجے تھے، اس مین نواب صاحب موصوف لکھتے ہین :-

"مثنوی ہمین تغلق نامہ است کہ در حال تغلق شاہ تصنیف نمودہ کہ بس عدیم الوجود است و آخرین تصنیفات اوست"۔

پھر حاشیہ پر یہ سطر تحریر کی ہے :-

"ہمگی کتب مذکورہ مصنفہ امیر خسرو بجز تغلق نامہ کہ خبر اسمی مسمی ندارد نزد اینجا اتفاقیہ موجود"

تغلق نامہ کی دریافت اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی گذشتہ دو صدی مین بھی نایاب رہی اور ۱۹۱۲ء مین جب نواب اسحاق خان مرحوم نے کلیات خسرو کی تلاش اور طبع کا وسیع پیمانے پر اہتمام کیا، تو اس وقت بھی ہندوستان

یا بیرونی ممالک کے کسی مشہور کتب خانے مین اس کتاب کا پتہ نہین چلا، اور یہ محض ایک نادر اتفاق تھا کہ یہ مثنوی مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی رئیس حبیب گنج کے ذاتی کتب خانے سے اور جہانگیر نامہ کے نام سے برآمد ہوئی، مولانا شروانی صاحب کو ایک مدت تک یہ شبہہ رہا (اور شاید اب بھی ہو) کہ یہ کتاب حقیقت مین امیر خسرو کا تغلق نامہ ہے یا حیاتی کاشی کی بعد کی نظم، لیکن دنیائے ادب کو مولوی رشید احمد صاحب انصاری مرحوم کا احسان مند ہونا چاہئے جنھون نے بہت جلد معلوم کر لیا کہ حیاتی کاشی کی تمہید کے ساتھ اصلی تغلق نامہ بھی ہے، اس عظیم الشان "دریافت" کا فخر انھی مرحوم کو حاصل ہے. پھر انھون نے شروانی صاحب کے نسخے کی اپنے قلم سے نقل کی اور اس پر ایک مقدمہ بھی تحریر کیا جو پورا نہ ہونے پایا تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا،

نواب اسحاق خان کے انتقال سے کلیات خسرو کی طبع و اشاعت کا کام بھی معرض التوا مین پڑگیا، اور تغلق نامہ کو شاید اس واسطے اور بھی نظر انداز کر دیا گیا کہ اس کی اصلیت ہی مشکوک و مشتبہ تھی،

تین سال ہوتے ہین کہ مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کا نسخہ ان کے داماد کی وساطت سے میری نظر سے گذرا اور محض کتاب کی چند داستانین پڑھ کر ہی مجھے یقین ہوگیا کہ یہ امیر خسرو کی گم شدہ مثنوی ہے، یورپ کے سفر مین بھی یہ نسخہ میرے ساتھ تھا اور مین نے کوشش کی کہ وہان کے کسی کتب خانے مین اس کا دوسرا نسخہ ناقص یا کامل ملسکے تو بہم پہنچایا جائے لیکن اس تلاش مین کامیابی نہ ہوئی، اور آخر مین یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ مجلس مخطوطات فارسیہ کی طرف سے مولوی رشید احمد صاحب کا نسخہ خرید لیا جائے اور مولنا شروانی صاحب کے اصلی نسخے سے اس کا مقابلہ کرکے یہ کتاب بجنسہ چھاپ دی جائے،

مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کا ناتمام مقدمہ بھی کتاب کے ساتھ چھاپا جا رہا ہے، اور مثنوی کے تاریخی واقعات کا ایک خلاصہ مین نے لکھ کر مقدمہ کے بعد شامل کتاب کر دیا ہے،

کتاب کی تاریخی اہمیت تغلق نامہ کی تاریخی اہمیت اصل مثنوی بلکہ محض اس کے اردو خلاصہ کے مطالعہ سے واضح ہو گی، لیکن یہان مین خاص طور پر اس کی ایک خصوصیت بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہون اور وہ یہ ہے کہ اس

مثنوی مین سلطان قطب الدین کے قتل خاندان علائی کی تباہی، خسرو خان کی چند روزہ بادشاہی، تغلق کی سربراہی بعض امرا سے خط وکتابت، دہلی پر چڑھائی اور دو بڑی لڑائیون کے بعد فتح یابی، خسرو خان اور اس کے بھائی کی گرفتاری اور قتل کیے جانے کے متعلق ایسے صحیح اور تفصیلی حالات ملتے ہین جو کسی دوسری تاریخ مین موجود نہین ہین، افریقی سیاح ابن بطوطہ کا بیان بے ربط اور مجمل ہے اور ہمین اس سے زیادہ توقع رکھنے کا حق بھی نہین ہے،

برنی کی تاریخ اور غلطیان | لیکن ضیاء الدین برنی جسکی تاریخ محفوظ ہے اور جو ان تمام واقعات کے وقت خود دہلی یا اس کی نواح مین موجود ہوگا، افسوس ہے کہ اس نے بھی ان واقعات کو کچھ اچھی طرح اور پوری صحت و وضاحت کے ساتھ قلمبند نہین کیا، اور اس کی تاریخ مین ان واقعات کا کوئی صحیح مہینہ بلکہ سنہ تک درج نہین ہے، خسرو کی بادشاہی کا زمانہ اس نے ایک جگہ "چار ماہ" اور دوسری جگہ "سہ چار ماہ" لکھدیا ہے[1]، معلوم ہوتا ہے اس کی اسی بے احتیاطی سے بعد کے اکثر تاریخ نگارون کو طرح طرح کے مغالطے ہوئے اور قطب الدین کے قتل سے محمد تغلق کی تخت نشینی تک جملہ واقعات کی تاریخین گڈمڈ ہو گئی ہین،

اہم واقعات کی صحیح تاریخین | پس تغلق نامے کے مل جانے سے ہماری تاریخ کا یہی فائدہ کچھ کم نہین کہ اس مثنوی کی بدولت سب تاریخون کی تصحیح ہو جاتی ہے کیونکہ امیر خسرو نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ قطب الدین کا قتل جمادی الثانی سنہ ۷۲۰ھ کی عین چاندرات کو واقع ہوا[2]۔

"چون تاریخ عرب شد ہفصد و بست | نبات قطب کم شد جانب زیست
جماد دومین را شد پدیدار | ہلال تیرہ و تاریک دیدار
شد آن مہ برہمہ گیہان مبارک | مگر بر طالع سلطان مبارک"

(نمبر ۵۴۳ و نمبر ۵۴۶ و نمبر ۵۴۸)

---

[1] برنی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۴۱۱ و ۴۲۱، [2] سیر الاولیا اور حضرت سلطان المشائخ کے بعض دوسرے تذکرون مین بھی یہ بات ضمناً تحریر ہے کہ سلطان قطب الدین چاندرات کو مارا گیا، لیکن ان تذکرون میں صحیح مہینہ درج نہین ہے،

اور ٹھیک دو مہینے بعد غازی ملک تغلق غاصب خسرو خان کو شکست دے کر پہلی شعبان ۷۲۰ھ ہجری کو تختِ دہلی پر متمکن ہو گیا،

چو صبح غرۂ شعبان فرخ   نمود از تخت گاہ آسمان رخ

(۲۵۹۹ تا آخر داستان)

یہ ہفتے کا دن تھا اور خسرو خاں سے آخری لڑائی اس سے ایک دن پہلے یعنی جمعہ کو ہوئی تھی،

"ہمہ شب بود خسرو لشکر آرائے   سران و سرکشانش نیز بر پائے

چو صبح جمعہ تیغ تیز برداشت   زمانہ غافل خوں ریز برداشت"

(۲۲۴۵ و ۲۲۴۶)

ان کا ذکر برنی اور بعد کے مورخوں نے بھی کیا ہے کہ لڑائی جمعہ کو ہوئی، اور دوسرے دن تغلق تخت نشین ہوا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی صحیح تاریخ نہیں لکھتا،

اس عہد کے رسل و رسائل اس اہم تاریخی اطلاع کے بہم پہنچ جانے کے بعد ہمیں یہ اندازہ کرنے کا بھی موقع ملتا ہے کہ اس زمانے میں رسل و رسائل کا کس قدر عمدہ انتظام تھا کہ صرف دو مہینے کے اندر تغلق بعض اور ہم خیال امیروں کی فوج لے کر دیپالپور سے لڑتا بھڑتا پائے تخت دہلی تک پہنچ گیا، حتیٰ کہ شروع میں راقم الحروف کو اس دو مہینے کی مدت کو تسلیم کرنے میں اسی لیے تامل تھا کہ اتنے قلیل زمانے میں غازی ملک تغلق کو دور دور کے صوبہ داروں سے خط و کتابت کرنے کی مہلت کیونکر ملی، امیر خسرو نے ان صوبہ داروں کے نام اور مقام اور ان کی مکاتبت کا حال خاصی تفصیل سے تحریر فرمایا ہے، (۱۰۴۲ تا ۱۳۱۵)

پائے تخت دہلی سے خود تغلق کا مستقر (دیپالپور) دو سو میل سے زیادہ فاصلہ پر تھا اگرچہ اس کے صوبہ کی حدود سرستی ندی یعنی موجودہ شہر حصار کے قریب تک پھیلی ہوئی تھیں جس کا فاصلہ دہلی سے سو میل سے بھی کم ہے، جن صوبہ داروں کو تغلق نے خط لکھ کر خسرو خان کی مخالفت پر ابھارا ان میں سب سے زیادہ دور سہوان (موجودہ

ضلع ریاست ناصوبہ سندھ، اور جالور (ریاست جودھپور) کے مقطعے یا والی تھے، نقشے میں دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ریاست پور سے سیوان کا فاصلہ تقریبًا (۲۵۰) میل اور جالور کا (۴۰۰) میل کے قریب ہے، ڈاک چوکی کے عمدہ انتظام کی بدولت اتنے دور کے مقامات تک سرکاری ڈاک کا ہفتہ عشرہ مین پہنچ جانا خلاف قیاس نہین، اور ابن بطوطہ کے سفر نامے، نیز برنی وغیرہ مورخون کی تحریرون مین ایسی نظیرین بھی ملتی ہین کہ سرکاری ہرکارون نے اس سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام تک اطلاعات پہنچا دین، جیسا کہ مثنوی یا اس کے خلاصے سے معلوم ہوگا، تغلق نے جن صوبہ دارون کو خط لکھے تھے ان مین سے صرف ایک شخص بہرام ایبہ نے اپنی فوج کے ساتھ دہلی پر لشکر کشی مین کارگر حصہ لیا، اسی بہرام کو بعد مین کشلے خان کا خطاب اور پورے سندھ اور ملتان کی صوبہ داری عطا ہوئی تھی،

کتاب کے ادبی محاسن یا صنائع بدائع پر مین نے کچھ نہین لکھا، تغلق نامہ مین ایسے صنائع بہت کم ہین اور مصنف علیہ الرحمۃ کے ان کمالات پر زیادہ واقف اہل ذوق کلیات خسرو کے بعض دیباچون مین بہت کچھ لکھ چکے ہین، البتہ مختصر طور پر یہ لکھنا باقی ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کا نسخہ مجلس مخطوطات کے لیے خریدنے کے بعد اس کی اصل کتب خانہ حبیب گنج سے منگائی گئی اور مخدومی مولانا شروانی رئیس حبیب گنج کی عنایت سے تغلق نامہ کا یہ "دنیا مین واحد" نسخہ کئی ہفتہ میرے پاس رہا، اس عنایت پر مین مجلس کی طرف سے جناب ممدوح کا شکریہ عرض کرتا ہون،

نسخہ حبیب گنج حبیب گنج کے اس نسخہ مین بھی کاتب کا نام یا کتابت کا سنہ درج نہین ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا آخری اوراق مفقود ہین، آخری صفحہ پر ترک موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگے ضرور کم سے کم ایک یا زیادہ اوراق موجود تھے، اسی خاتمہ کتاب سے چند ورق پہلے حاشیہ پر ایک عنوان کا شعر تحریر ہے، یہ اسی بحر و قافیہ مین ہے جسمین تغلق نامہ کی داستانون کے دوسرے عنوانات لکھے گئے ہین،

"حدیث چتر و کشور دادن شہزادگان را که   بشغل آراستن کار ملوک و بندۂ [1] چاکر"

---

[1] ک : بندہ و چاکر ۱۲

اس عنوان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم ایک داستان امیر خسرو کی لکھی ہوئی اور موجود تھی جس مین تغلق کی تخت نشینی کے بعد ملوک و امرا کے جدید مراتب و مناصب پانے کا حال تحریر تھا،

نسخے کے اوراق بھی بعض جگہ گڈمڈ ہوگئے ہین، مگر ان کا سلسلہ تھوڑے سے تردد و تجسس کے بعد مل جاتا ہے کتابت کی بیشمار غلطیان پائی جاتی ہین جنہین بہت سی مولوی رشید احمد صاحب مرحوم نے اپنی نقل مین درست کر دی تھین اور ہم نے اس اصلاح سے کافی استفادہ کیا، کتاب کو بار بار محنت اور غور کے ساتھ پڑھنے سے بہت سی دوسری غلطیان بھی صاف ہوگئین، مگر سوائے بالکل صریحی اور یقینی اغلاط کے ہم نے متن مین ہر جگہ نسخہ حبیب گنج کی کتابت کی بجنسہ نقل کر دی ہے، اور مولوی رشید احمد صاحب یا اپنی قیاسی تصحیح کو حاشیے مین لکھا ہے، کتاب کی آخری خواندگی اور تصحیح مین مولانا احتشام الدین صاحب حقی دہلوی سے نہایت مفید مدد اور مشورے ملے جس کے لیے مین ان کا منت گزار ہون، ہر بار کی خواندگی اور تصحیح مین مولوی رشید احمد صاحب حیدرآبادی جو مجلس مخطوطات کے دفتر مین کام کرتے ہین، برابر میرے معین و شریک کار رہے اور بعض عمدہ مشورون سے مجھے ممنون کیا،

نسخہ حبیب گنج کے ایک صفحے کا عکس لے کر شامل کتاب کر دیا گیا ہے، جس سے اس کی تقطیع اور خط کا اندازہ ہوگا، یہان اتنا اور لکھ دینا چاہئے کہ اس نسخے کے سرورق پر یہ الفاظ تحریر ہین،

"جہانگیر نامہ عطائے حیاتی کاشی"

"اللہ اکبر"

دہلی خانقاہ قطب صاحب،

"مرزا اسکندر بخت"

پہلے جملے سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید یہ نسخہ خود حیاتی کاشی نے لکھوا کر اپنے کسی دوست کو عطا کیا تھا، مگر افسوس ہے اس کی بعد کی سرگذشت نامعلوم ہے اور خود "مرزا اسکندر بخت" کے متعلق بجز اس صریحی قیاس کے کہ تیموری خاندان کے شہزادے ہونگے، اور کچھ حالات معلوم نہین ہوئے، نسخہ مجلد ہے، اگرچہ جلد کچھ بہت پرانی نہین ہے

البتہ کاغذ یقیناً کم و بیش دو سو سال کا پرانا معلوم ہوتا ہے، جگہ جگہ سے کرم خوردہ اور کہین کہین پانی کی سیل کا نشان بھی موجود ہے، کل صفحات (۱۹۰) ہین، نثر کا پہلا عنوان اور بعد کے منظوم عنوانات، نیز کہین کہین بعض نام سرخی سے لکھے ہوئے ہین،

آخر مین دولت آصفیہ دام اقبالہا کا شکریہ ادا کرنا فرض ہے جس کی امداد سے مجلس مخطوطات فارسیہ اس قابل ہوئی کہ اس نادر و نایاب تاریخی مثنوی کو دنیاے علم کے سامنے چھاپ کر پیش کرتی ہے۔

شیخ سعدی کا تخلص "سعد" کے نام پر ہے؟

از

جناب مولوی محمد اعجاز حسن خان صاحب رئیس پٹنہ،

شیخ سعدی کے معاصر شمس بن قیس رازی کی تصنیف المعجم فی معائیر اشعار العجم، میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے ترتیب وتحشیہ سے شائع ہوئی ہے، اس پر میرزا صاحب کا ایک بسیط عالمانہ مقدمہ بھی ثبت ہے،

اس مقدمہ مین میرزا صاحب موصوف نے شیخ سعدی کے تخلص پر اس تقریب سے نظر ڈالی ہے کہ اس معاصر کتاب مین سعدی کے شعر کیون نہین ہین، اور اس سے یہ نتیجہ پیدا کیا ہے کہ شیخ سعدی کا تخلص ابوبکر بن سعد بن زنگی بادشاہِ فارس کے بیٹے شاہزادہ سعد بن ابوبکر کے نام سے ماخوذ ہے، اس کے دادا سعد بن زنگی کے نام سے نہین، چنانچہ وہ لکھتے ہین:-

"ودریں جا لازم ست کہ اشارہ بغلطی مشہور در باب تخلص سعدی شیرازی بنمائیم، وآں این است کہ بسیارے از تذکرہ نویساں کہ اولیں شاں دولت شاہ سمرقندی ست، گفتہ اند کہ شیخ از مداحان اتابک سعد بن زنگی بودہ، ووجہ تخلص او بسعدی نیز از نام ہمیں بادشاہ ماخوذ ست، وایں امر خطاے محض ست، چہ اولاً در تمام کلیات شیخ مدحے یا ذکرے از سعد بن زنگی اصلاً ومطلقاً نیست، ثانیاً مصنف ایں کتاب چنانکہ گفتیم در پنج سال آخر سلطنت سعد بن زنگی واوائل سلطنت ابوبکر بن سعد بن زنگی در شیراز ودر ملازمت دو بادشاہ مذکور بسری بردہ است، ودریں کتاب (یعنی المعجم فی معائیر اشعار العجم) از اشعار غالب شعراے متقدمین ومتاخرین خود مانند کمال الدین اسمٰعیل متوفی در سنہ ۶۳۵ھ استشہاد آوردہ است

دمع ہذا ہیچ اشارہ و ذکرے از سعدی نمی کند، وگر شیخ معاصر سعد بن زنگی بودہ یعنی در عہد او بشیراز اقامت داشتہ این سکوت مصنف ازو با آن کہ ہر دو بنا براین تقدیر در یک عصر و یک شہر و در خدمت یک بادشاہ بسری بردہ اند، ہیچ وجہ و محلے نخواہد داشت، وصواب قول صاحب تاریخ گزیدہ است کہ شیخ از ملازمان سعد بن ابوبکر بن سعد بن زنگی (کہ در ۶۵۸ھ دوازدہ روز بعد از مقابلہ پدرش وفات یافت) بودہ است و تخلص سعدیؒ نیز از نام ہمیں شاہ زادہ ماخوذ است وکتاب گلستان را نیز بنام ہمو تالیف کردہ است چنانکہ گوید،

علی الخصوص کہ دیباچۂ ہمایونش
بنام سعد ابوبکر سعد بن زنگی است

وظاہر آنست کہ مراجعت شیخ از سفرہاے دور و دراز بوطن خود و استقرار وے در شیراز در اواخر سلطنت ابوبکر بن سعد بن زنگی بودہ است، و در ہماں اوقات کتاب بوستان را بنام آں بادشاہ در ۶۵۵ھ تالیف کردہ است چنانکہ گوید،

ز ششصد فزون بود پنجاہ و پنج
کہ پُر دُر شد ایں نامبردار گنج

وگلستان را در سال بعد یعنی ۶۵۶ھ چنانکہ گوید،

دراں مدت کہ ما را وقت خوش بود
ز ہجرت ششصد و پنجاہ و شش بود

وچوں سلطنت ابوبکر بن سعد بن زنگی مدت سی سال یعنی از ۶۲۳ھ الی ۶۵۸ھ طول کشید منافاتے ندارد کہ شمس قیس و شیخ سعدی با وجودیکہ ہر دو معاصران بادشاہ بودہ اند زمان یکدگر را درک نکردہ باشند چہ شمس قیس اوائل عہد او ادرک کردہ باشد و شیخ سعدی اواخر آنرا واللہ الہادی الی الصواب

ہماری تحقیق مین اگر شیخ کا تخلص "سعد" کے نام سے ماخوذ سمجھا جائے تو وہ سعد سعد بن زنگی ہے جیسا کہ دولتشاہ نے لکھا ہے نہ کہ سعد بن ابوبکر،

صاحبِ مقدمہ نے دولتشاہ کے قول کو خطاے محض لکھا ہے، لیکن ہمارے خیال مین خود صاحبِ مقدمہ کا بیان خطائے محض ہے، چونکہ یہ دعویٰ چند دلائل پر مبنی ہے اس لیے ناظرین پہلے چند امور تنقیح طلب کی تصریح و

تشریح کو بغور ملاحظہ فرمائین، پھر اصل حقیقت خود بخود بے نقاب ہو جائے گی،

۱۔ شیخ سعدی کی معاصرت شاہزادہ سعد بن ابوبکر کے ساتھ ہونا مسلم ہے، مگر یہ معاصرت ایک پیرکہن سال کی ایک شاہزادۂ جوان سال کے ساتھ تھی، یا دونون معاصر ہمعمر بھی تھے،

۲۔ شیخ سعدی کی عمر کتنی ہوئی، اگر صحیح عمر کا پتہ نہ لگ سکے تو شیخ کے حالات و واقعات سے اندازہ کرنا چاہئے جو انھون نے اپنے تصنیفات مین بیان کئے ہین،

۳۔ شیخ نے اتابکان فارس مین سے کس کس بادشاہ کا زمانہ پایا،

۴۔ شاعر کب تخلص اختیار کرتا ہے،

۱۔ کتب تاریخ اور شیخ کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ کی معاصرت شاہزادہ سعد کے ساتھ ایک پیرکہن سال اور ایک نوجوان سال کی معاصرت تھی، شاہزادہ سعد اپنے باپ ابوبکر بن سعد کی وفات کے بارہ[۱۲] دن بعد ۶۵۸ھ مین انتقال کر گیا، باوجود کوشش مجھکو شاہزادہ کی پیدائش کا سنہ معلوم نہ ہوسکا جس سے اسکی عمر کا اندازہ ہوتا لیکن یہ معلوم ہے کہ بادشاہ ابوبکر بن سعد زنگی ساٹھ اور ستر برس کے درمیان عمر پاکر ۶۵۸ھ مین مرا، اس کا بیٹا سعد حالت نوجوانی مین ایک بچہ چھوڑ کر مرا، شیخ سعدی نے نہایت دردناک مرثیہ اس کی وفات کی خبر پاکر لکھا ہے، جو اُن کے کلیات مین موجود ہے، اس مرثیہ کے ان اشعار اور تاریخ کے بعض دوسرے حوالون سے یہ آشکارا ہوتا ہے کہ شیخ اپنا تخلص اس شاہزادہ کے نام پر نہین رکھ سکتے تھے، بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک پیرکہن سال شاعر ایک نوعمر شاہزادہ کے نام پر اپنے تخلص کی بنیاد قائم کرے، شیخ کا کمال اور اُن کی شاعری اور اس کی شہرت شاہزادہ کی پیدائش کے پہلے اور بہت پہلے تمام دنیا مین پھیل چکی تھی،

۲۔ شیخ کی ولادت کا سال کسی کتاب مین نظر سے نہین گذرا، حیات سعدی مین ایک یورپین مصنف کا قول ۵۷۱ھ نقل کیا ہے، مگر یہ محض غلط ہے، مولانا حالی مرحوم نے بھی اس کی تردید کی ہے، مگر شیخ کی ولادت کا سال

---

[۱] تاریخ روضۃ الصفا ص ۹۰۷، مطبوعہ نولکشور پریس،

میری طرح مولنا حالی کو بھی معلوم نہ ہو سکا، وفات کا سال ۶۹۱ھ ہے اکثر مورخین کا اتفاق ہے، مگر صاحب تاریخ گزیدہ ۶۹۰ھ لکھتے ہیں، جب ولادت کا سال معلوم نہیں تو عمر کی تحدید کی تحقیق نہیں ہو سکتی، لیکن بعض محققین کے نزدیک شیخ کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی، مولانا حالی اسی کو صحیح جانتے تھے، حیات سعدی میں تحریر فرماتے ہیں:-

"جہانتک ہماری تحقیق سے ثابت ہوتا ہو اُنھوں نے (شیخ نے) ایک سو بیس برس اس قفس عنصری میں بسر کئے ہیں"

علامہ شبلی مرحوم نے شعر العجم میں ایک سو بیس برس کی عمر کو خلاف قیاس تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

"بعض تذکروں میں شیخ کی عمر ۱۲۰ لکھی ہے اگر یہ خارج از قیاس عمر تسلیم کر لیجائے تو اور واقعات کی کڑیاں مل جائیں گی لیکن ایک سخت دقت پھر بھی باقی رہتی ہے، وہ یہ کہ شیخ نے گلستان میں لکھا ہو کہ جس زمانہ میں سلطان محمود خوارزم شاہ نے خطا سے صلح کی میں کاشغر میں آیا" سلطان محمود ۵۹۵ھ میں مرا ہے، اس لیے اس زمانہ میں اُن کی عمر ۱۸ برس کی ہوگی، لیکن واقعات اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی شاعری اور کمالات نے کم از کم ۳۰-۴۰ برس کی عمر میں شہرت پائی ہے، اسلئے یا تو شیخ نے غلطی سے علاؤ الدین تکش خوارزم شاہ کے بجاے محمود خوارزم شاہ کا نام لکھدیا ہے، یا ان کی شاعری کی شہرت ان کے شباب ہی میں ہو چکی تھی"

علامہ موصوف جیسے وسیع النظر وقیقہ رس محقق کا اس طرح لکھنا سواے سہو فکر کے اور کیا ہو سکتا ہے، قدماء کی تاریخ اور اُن کی تصنیفات میں جو بعض اکابر سلف کی عمریں ایک سو بیس برس کی لکھی ہوئی ہیں، یا اس سے زیادہ لکھی گئی ہیں اُن سے قطع نظر کرکے میں اپنے زمانہ میں بھی ایسے بزرگون کے نام بتا سکتا ہوں جن کی عمریں ایک سو بیس برس یا اس سے زیادہ ہوئیں، حضرۃ الاستاذ مولنا الحافظ السید فرزند علی نقشبندی مجددی دہلوی ثم المدنی علیہ الرحمہ کے شیخ طریقت حضرت اقدس سید محمد حبیب اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی عمر ایک سو تیئس برس کی ہوئی، آپ اپنے پیر کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں جو کتاب خزینۃ البرکات میں مرقوم ہے:

"از فضائل و کرامات و برکات ایشان ہمین قدر نوشتہ میشود کہ باوجود ضعف قوتے و کبر سن

کہ یک صد و پانزدہ تا ایں تاریخ کہ سنہ ہزار و سہ صد و نہ ہجری ست رسیدہ قیام بکثرت نوافل و طاعات و اختیارِ عزیمت بر رخصت و استقامت بر شریعت و اتباع سنت میدارند"

اس کتاب خزینۃ البرکات کی تصنیف و اشاعت کے برسوں بعد حضرت کا انتقال تاریخ ۷، ۲۱ محرم ۱۳۱۵ھ مین ہوا اس حساب سے حضرت کی عمر ۱۳۱۵ھ مین ایک سو تیئس برس کی یا اس کے لگ بھگ مگر ایکسو بائیس برس سے یقیناً زیادہ ہوئی، حضرت مولنا فضل رحمٰن علیہ الرحمہ کی درازی عمر پوشیدہ نہین، اگر تلاش و تجسس سے کام لیا جائے تو اسوقت بھی ایسے معمرین ملین گے جن کی عمرین سو برس اور سو برس سے زیادہ ہونگی، ہوش و حواس کیساتھ قوتِ گفتار و رفتار بھی ہوگی، زارو آغا ترک کا حال انگریزی[1] اور ہندوستانی اخبارون مین چھپا تھا، اس کی عمر ۱۹۳۰ء مین ایک سو ساون سال کی تھی، راقم الحروف نے بھی ایک سو بیس برس سے زیادہ عمر کے آدمی کو دیکھا ہے،[2] اور سو برس کے لگ بھگ یا اس سے زیادہ عمر کے چند اشخاص کو دیکھنے کی نوبت آئی ہے، میرے مخدوم اور حضرت الاستاذ کے ہمنام مولنا شیخ فرزند علی ساکن سریا ضلع دربھنگہ علیہ الرحمۃ جو ان کے پیر بھائی بھی تھے ستانوے برس کی عمر مین باوجود اس کے کہ ایک بار فالج کا مرض ہو گیا تھا اس سے بالکل صحت پاکر اکثر سیر و سیاحت مین مصروف رہتے تھے، میرے غریب خانہ پر بھی بارہا تشریف لاتے تھے، ان کو دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ اکابر سلف کی درازیِ عمر و صحتِ قوتیٰ جو ذکر کتابون مین لکھا ہے وہ بالکل سچ ہے، اگر خالقِ کائنات نے اُن کی عمر ایک سو بیس برس کی معین کی ہوتی تو اس عمر کو پہنچکر بھی وہ ایسے ہی توی

[1] اخبار اسٹیٹسمین مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۳۰ء میں زارو آغا کا حال شائع ہوا ہو کہ یہ ترک قسطنطنیہ شہر کے سیٹی ہال کا دربان تھا

[2] میں نے ایک گاؤں میں ۱۲۰ برس کے بڈھے کو دیکھا جس کو دوبارہ دانت سو برس کے بعد نکلے تھے، میرے سامنے چنے چبا تا تھا لگلا وقتوں کے حالات بیان کرتا تھا، مگر چلنے کی قوت نہیں تھی، اس کی اولاد نے گاڑی بنادی تھی، اسی پر چڑھکر میرے پاس آیا تھا خوشحال کثیر الاولاد تھا، کئی برس بعد مرا، تھوڑا زمانہ گذرا کہ اس شہر عظیم آباد میں ایک رفوگر ۱۱۶ برس کی عمر پا کر مرے، اس شہر میں کئی آدمی ایسے دیکھے اور سنے جن کی عمریں سو برس سے زیادہ تھیں، گھر کا کام کاج سب اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے، بعض کپڑے بھی سی لیتے تھے، ایسے لوگوں کے نام اور حالات لکھے جائیں تو ایک کتاب بنجائے،

اور سمجھتے، مگر افسوس کہ سو برس تک نہ پہنچ سکے کلکتہ کے سفر سے واپس آنے پر مرض فالج دوبارہ ہونے پر انتقال کر گئے رحمۃ اللہ علیہ، خود شیخ نے ایک عجمی کے متعلق گلستان میں ایک حکایت بیان کی ہے کہ وہ جامع دمشق مین بیٹھے چند علماء کے ساتھ بحث مین مشغول تھے کہ ایک جوان آیا اس نے کہا۔

"درمیانِ شما کسے ہست کہ زبان فارسی داند اشارہ بمن کردند، گفتم خیر است، گفت پیرے صد و پنجاہ ساله در حالت نزع ست و چیزے میگوید کہ مفہوم ما نمی گردد، اگر بکرم قدم رنجہ فرمائی مزد یابی" الخ...

شیخ نے اپنے خاندان کے ایک پیر کہن سال کا ذکر ایک قطعہ مین کیا ہے جو ان کے دیوان مین موجود ہے، دو شعر اس قطعہ کے یہاں پر لکھے جاتے ہین،

پیرے اندر قبیلۂ ما بود کہ جہاں دیدہ تر ز عنقا بود

صد و پنجہ بزیست با صد و شصت بعد ازاں پشتِ طاقتش بشکست

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے قبیلہ کے علاوہ اور لوگون کی عمرین بھی عراق عجم مین زیادہ ہوئی ہین، شہر شیراز جو شیخ کا جنم بھوم تھا اس مین ایک پیر کہن سال کا ذکر ضمناً بوستان کی ایک حکایت مین آگیا ہے، فرماتے ہین[1]،

شنیدم ز پیرانِ شیرین سخن کہ بود اندرین شہر پیرے کہن

بسے دیدہ شاہان و دوران و امر سر آوردہ عمرے ز تاریخ عمرو

عمرو سے عمرو بن لیث مراد ہے، جو صفاریون مین نامی بادشاہ گذرا ہے، اس کی جامع عتیق شیراز مین مشہور عمارت تھی، اس کی وفات تیسری صدی ہجری کے اخیر مین ہوئی، اب غور کرنا چاہئے کہ شیخ کے زمانہ سے عمرو لیث کے زمانہ کے درمیان تین صدیان ہین، ان تین صدیون کے درمیان صرف دو پیرانِ کہن سال کا واسطہ پڑتا ہے، یعنی ایک پیر کہن سال وہ ہے جس نے اُس پیر کہن سال کا حال بیان کیا جس نے بہت سے بادشاہون اور ان کی حکومتون کو دیکھا تھا، خاص کر عمرو بن لیث کی تاریخ پر ایک عمر صرف کی تھی، اگرچہ صاف طور پر نہین لکھا ہے، مگر شعر پڑھنے سے

[1] بوستان باب ششم،

متبادر یہی ہوتا ہے کہ عمرو بن لیث کا زمانہ اُس نے دیکھا تھا، اس کے حالات اس کو بہت یاد تھے' اب ان دونون بڈھون کی عمرین قیاس کرو کیا ہونگی، پھر شیخ کی عمر پر غور کرو کہ جس وقت یہ روایت شیخ نے سنی ہوگی شیخ کی کیا عمر ہوگی، اگرچہ شیخ کی عمر کا پتہ تو نہین چلسکتا کس عمر مین انھون نے سنا مگر ان دونون بڈھون کی عمرین یقیناً ایک سو بیس برس سے بہت زیادہ ہوئی ہونگی،

ان حوالون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ کا ایک سو بیس کی عمر پانا محال و ناقابل یقین نہین،

شیخ کے حالات مین دولتشاہ سمرقندی نے لکھا ہے کہ وہ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے، مولانا حالی اس کو غلط سمجھتے ہین، مین مانتا ہون کہ دولتشاہ نے غور و تحقیق کرکے یہ تذکرہ نہیں لکھا ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی گمان نہین کرسکتا کہ دولتشاہ نے قصداً جھوٹ[1] تصنیف کرکے حالات لکھے ہین، اس نے کسی سے سنکر یا کسی تذکرہ مین دیکھکر لکھا ہوگا وہ لکھتا ہے، "در صحبت شیخ عبدالقادر عزیمت حج نمود و بعد ازان گویند چہار نوبت حج کردہ بیشتر پیادہ و بغزا و جہاد بطرف روم و ہندرفتہ" مولنٰنا حالی کے غلط سمجھنے کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ حضرت کی رحلت ۵۶۱ھ مین ہوئی تھی، اگر حضرت کی ملاقات شیخ کے ساتھ مان لیجائے تو پھر شیخ کی عمر کو ایک سو بیس برس سے بہت زیادہ مان لینا پڑے گا، اس لیے اس بات کا یقین کرکے کہ شیخ کی عمر ایک سو بیس برس سے زیادہ نہین ہوئی تھی، اس واقعہ کا انکار کیا ہے، فی الحقیقۃ اگر شیخ کی عمر ایک سو بیس برس سے زیادہ نہ ثابت ہوسکے تو بیشک اس واقعہ کا انکار درست ہوگا، اور دولتشاہ کی روایت غلط ہوگی مگر تحقیق کرنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گی کہ شیخ کی عمر ایک سو بیس برس سے زیادہ تھی، اس کے علاوہ یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ خالق کائنات نے انسان کی عمر کی حد مقرر نہین کی ہے جس طرح اس کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اسی طرح بعض خصائص خاص عطا فرمائے ہین جو دوسرے

---

[1] معارف:- جھوٹ نہین مگر یہ تو ممکن ہے کہ اس نے قلت تحقیق کی بنا پر کسی اور بزرگ کے بجاے شیخ عبدالقادر کا نام سہواً لکھ دیا ہو، اور اس قسم کی غلطیان دولتشاہ مین بکثرت ہیں، شیخ عبدالقادر گیلانی کا مرید ہونا بھی دولتشاہ نے لکھا ہے جو ممکن ہے کہ گلستان کے غلط قرأت "دیدم" کے قیاس پر اس نے لکھا ہو،

جاندار دن کو نہین دیئے جملہ ان خصائص کے یہ بھی ہے کہ اس کی عمر کی کوئی حد مقرر نہین کی ہے کوئی کم عمری مین مرتا ہے کوئی بڑی عمر پاتا ہے کوئی اتنی بڑی عمر پاتا ہے کہ دور دور اس کا جواب نہین ملتا،[1]

مین نے گلستان کے جتنے قلمی نسخے دیکھے سوا ایک دو کے سب نسخون مین اس طرح لکھا ہے "عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ دیدم" ایک نسخہ ۱۰۲۰ھ کا لکھا ہوا ہے اس مین بھی دیدم ہے اس سے قدیم تر نسخون مین بھی یہی لکھا دیکھا، اور مطبوعات مختلفہ مین بھی یہی چھپا دیکھا ہے، مگر ایک نسخہ قدیم تر زمانہ کا ہے جو اصل شیخ کے دست خاص کے قلمی نسخہ کی نقل ہے اسمین "دیدند" لکھا ہے، مین بچپن مین گلستان اپنے استاد مولوی حکیم سید میر لکھنوی مرحوم سے پڑھتا تھا مجھے خوب یاد ہے کہ اس مین بھی "دیدند" لکھا تھا، مین نے یہی پڑھا تھا، اس کے علاوہ نسخہ مطبوعہ مطبع نظامی مین بھی "دیدند" لکھا ہے، قدیم مطبوعات مین بھی غالباً "دیدند" چھپا ہے، مگر جتنے قلمی اور مطبوعہ ایرانی خط یا بمبئی کے مطبوعہ نسخے دیکھنے مین آئے سب مین

---

[1] اگر غور کیا جائے تو بعض باتین کسی شخص خاص یا اس کے خاندان مین ایسی پائی جاتی ہین جو عموماً کسی مین نہین پائی جاتین مثلاً اپنی چار پشتین دیکھنے والا شخص ڈھونڈنے سے بھی نہین ملتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ دیکھنے مین آیا ہے کہ کسی نے اپنے پردادا کو دیکھ لیا یا کسی نے اپنے پروتے کو دیکھ لیا، اس کی نظیر بھی مشکل سے ملتی ہے لیکن حال مین ایک شخص لالہ دولت رام کا حال ہندوستانی ٹائمز مین چھپا ہے، اس نے اپنے سگر پوتے کو دیکھ لیا ہے، اس اخبار کا ترجمہ مختصر یہ ہے:-

"لالہ دولت رام جن کی عمر ایک سو برس سے بہت زیادہ ہے ان کو حال مین سگر پوتا پیدا ہوا ہے، دولت رام کے بیٹے شیو سرن داس کی عمر ستر برس ہے، ان کے بیٹے نونہال چند کی عمر چھیالیس برس کی ہے، ان کے بیٹے ہرتپ چند کی عمر تیئیس برس کی ہے، اور ہرتپ چند کے بیٹے کی عمر آٹھ مہینے کی جس کا نام رومیش چندر ہے، دولت رام بادام حلوا، پراٹھے دو سیر دودھ روز کھاتے ہین، عینک نہین لگاتے، سماعت کی قوت بدستور ہے، دانت ابھی نہین ٹوٹے، دو تین میل تک روزانہ ٹہلتے ہین" (منقول از روزنامہ ہندوستانی ٹائمز مورخہ تاریخ ۷ / جنوری ۱۹۳۲ء)

اسی پر قیاس اگلے زمانے والون کا کرنا چاہئے،

دیدم ہے، میں اس دیدم کی قرأت کو صحیح نہین جانتا مگر یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ مین حضرت سے شیخ کی ملاقات کی روایت کو غلط سمجھتا ہون، ہان گلستان مین جو حکایت لکھی ہے اس مین "دیدند" کو صحیح اور "دیدم" کو غلط خیال کرتا ہون، اس موقع پر شیخ کی ملاقات حضرت سے ثابت نہین ہوتی،

علامہ شبلی مرحوم کو ایک سو بیس برس کی عمر خلاف قیاس معلوم ہوئی، اس وجہ سے شیخ کی طرف اس غلطی کو منسوب کیا کہ شیخ نے بجائے علاؤالدین تکش خوارزم شاہ، محمود خوارزم شاہ کا نام لکھا ہے، حالانکہ محمود شاہ خوارزم کا نام ہی لکھنا شیخ کا (بشرطیکہ اس نام کا بادشاہ خوارزم شاہیہ بادشاہون مین گذرا ہو) اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ کی عمر زیادہ ہوئی تھی کیونکہ کوئی صادق القول شخص اقرار کرے کہ مین نے فلان بادشاہ کا زمانہ پایا، اس کو دیکھا اور کوئی محال عقلی درمیان نہ ہو تو اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہین، اس کو ماننا ہی پڑے گا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نام کا کوئی بادشاہ خوارزم شاہیون مین نہین معلوم ہوتا ہے تاریخ گزیدہ مین کسی خوارزم شاہی بادشاہ کا نام محمود شاہ خوارزم نہین لکھا ہے، اس تاریخ کا مصنف خوارزم شاہیون کے قریب العہد زمانہ مین گذرا ہے، اگر کوئی بادشاہ اس نام کا ہوتا تو ضرور لکھتا[1]،

میری تحقیق مین یہ بادشاہ محمد بن تکش خوارزم شاہ ہے، شیخ نے بھی گلستان مین محمد خوارزم شاہ لکھا ہے[2] یہ وہی بادشاہ ہے جس نے ۶۱۴ھ مین ناصر خلیفہ بغداد پر چڑھائی کی تھی، اس کا ارادہ تھا کہ عباسی خاندان کے عوض

---

[1] نوتن ملک شاہ از سنہ احدے وتسعین واربع مائۃ ۴۹۱ تا شوال سنہ ثمان عشرین وست مائۃ ۶۲۸ صد وسی وہشت سال، اولین نوشتگین غرجہ است در زمان برکیارق (نام بادشاہ سلجوقی) وفات کرد پسرش محمد بن نوشتگین باشارت سنجر بن ملک شاہ حاکم دوالی خوارزم گشت بخوارزم شاہ منسوب شد و قطب الدین لقب یافت در سنہ احدے وعشرین وخمس مائۃ درگذشت سلطان اتسز بن محمد نوشتگین در تاسع جمادی الاخری سنہ احدے وخمسین وخمس مائۃ درگذشت، خوارزم شاہ الپ ارسلان بن اتسز در تاسع رجب سنہ ثمان وخمسین وخمس مائۃ نماند، خوارزم شاہ سلطان شاہ بن الپ ارسلان در تاسع عشر رمضان سنہ تسعین خمس مائۃ نماند، سلطان قطب الدین محمد تکش خان بن الپ ارسلان بن اتسز در سبع عشر وست مائۃ درگذشت، رکن الدین غورسانجی در تسع عشر وست مائۃ شہید گردید، غیاث الدین پیرشاہ وفات او در سبع عشرین وست مائۃ بود، سلطان جلال الدین منکبرني بن محمد بن تکش خان در ثمان وعشرین وست مائۃ کشتہ شد، ملک بمغول انتقال (ملخصًا از تاریخ گزیدہ مطبوعہ یورپ چاپ عکس)

[2] روضۃ الصفا مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۷۰۲، ذکر ناصر خلیفہ،

ایک سید عالی خاندان علاء الملک ترمذی کو خلیفہ بنائے، مگر رستہ میں اس قدر برف پڑی کہ لشکر کو سخت نقصان پہنچا، اس کو واپس ہونا پڑا، اس کے تھوڑے زمانہ کے بعد فتنۂ تاتار کا آغاز ہوا، شیخ گلستان میں یون فرماتے ہین:

"درسالے کہ سلطان محمد خوارزم شاہ با خطا برائے مصلحتے صلح اختیار کرد بجامع کاشغر درآمدم پسرے دیدم" الخ

اب دیکھنا چاہئے کہ یہ صلح کس سنہ مین ہوئی، اس صلح کا ذکر تاریخ جہانکشاے جوینی مین اس طرح لکھا ہے:-

"در اثناے آن خبر رسید کہ لشکر ختاے بدر سمرقند آمدست، و سمرقند را حصار دادہ اند، سلطان (محمد خوارزم شاہ) ہم از جند بدان طرف متوجہ شد، و بجوانب ملک رسولان فرستاد و تمامت لشکرہا را کہ در اطراف داشت باز خواند و از ممالک حشر خواست و متوجہ سمرقند شد و لشکر ختاے مدتہا بر در سمرقند بر آب رود خانہ لشکرگاہ ساختہ بودند، و ہفتاد نوبت جنگ کردہ بیرون یک نوبت کہ غالب گشتہ بودند و لشکر سمرقند را در شہر راندہ مقہور بودہ اند و لشکر اسلام منصور چون لشکر خطاے دیدہ اند کہ از محاربت ایشان جز باد بدست ندارند و بر خاک سیاہ خواہند نشست و آبے کہ افتاد دست باز بآن بر نخواہد آمد و از جانب سلطان آوازہ توجہ و از جانب دیگر استیلاے کوچلک خان رسید، بر اسم ہادنہ مراجعت کردند (تاریخ جہانکشاے جوینی مطبوعہ بریل لیڈن صفحہ ۸۲ جلد ثانی)

جہانکشا کے مصنف علاؤ الدین عطا ملک جوینی نے جو شیخ سعدی کے ممدوح بھی ہین، اپنی کتاب مین اکثر مواقع پر سنہ نہین لکھا ہے، نہین معلوم ہو سکتا کہ کس سنہ مین صلح وقوع مین آئی مگر قیاس یہ ہے کہ یہ مصالحت ۶۰۶ھ اور ۶۱۴ھ کے درمیان کسی سال واقع ہوئی ہو گی، کیونکہ ۶۰۶ھ کے پہلے خوارزم شاہ نے گورخان کے ایلچی کو اس کی گستاخی پر قتل کر دیا تھا، بناے مخاصمت خان خطا گورخان سے یہی ہوئی تھی، اس واقعہ کے بعد لڑائی اور صلح ہوئی ہو گی، غالباً یہ صلح ۶۰۷ھ یا ۶۰۸ھ مین ہوئی[1] تو شیخ کا ورود کاشغر مین اسی سال مین ہوا ہوگا، اگر شیخ کی

[1] کیونکہ ایلچی کے قتل سے پہلے گورخان سے دوستی تھی، خوارزم شاہ خراج بھی گورخان کو دیتا تھا، اس لیے یہ جنگ ۶۰۷ھ مین یا ۶۰۸ھ مین ہوئی ہو گی، علامہ مرزا محمد قزوینی نے یہی سنہ لکھا ہے، دیکھو (حاشیہ تاریخ جہانکشاے جوینی جلد ثانی صفحہ ۵، مطبوعہ یورپ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳۷ پر)

عمر ایک سو بیس برس یقین کر لیجائے تو اس وقت شیخ کی عمر چھبیس ستائیس سال ہو گی، مگر میرا قیاس ہے کہ اس سے زیادہ عمر ہو گی،

کسی صاحبِ کمال کا عہدِ شباب مین شہرت پذیر ہونا چندان حیرت کی بات نہین، اس کی نظیر کتب تاریخ مین ملے گی، مگر شیخ کی عظمت اور شاعری کی شہرت ان کے زمانہ مین ایسی عالمگیر ہوئی کہ ایشیا کا وہ حصہ جہان کی زبان فارسی نہین تھی وہان بھی شیخ کی ذات آفتاب کی طرح مشہور تھی کہ مدرسہ کے لڑکے بچے ان سے واقف تھے، البتہ سخت تعجب کی بات ہے کہان شیراز کہان کاشغر، اس حکایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ کا مذاق علمی کتنا بلند تھا کہ علم ادب و شاعری کا ذوق ہر طالب العلم کے رگ و پے مین سرایت کر گیا تھا، درحقیقت اس وقت کے مسلمانون کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ ملک پر قبضہ کافرون بت پرستون کا تھا طرح طرح کی مصیبتون کے ساتھ آئے دن تبدیل حکومت ہوتی رہتی تھی جس سے امن و امان جو ذریعۂ اطمینان و ترقی کا ہے وہ مفقود تھا، پھر بھی مسلمان اپنی مذہبی زبان کی حفاظت اپنی جان و مال سے بڑھکر کرتے رہتے تھے، اسی وجہ سے ان کا تمدن و مذہب قائم رہا، اور نہ صرف قائم رہا بلکہ کافرون بت پرستون نے اُن کا مذہب و تمدن اختیار کیا، اور اسلام اور مسلمانون کی ترقی کے خواہان رہے،

صلح خطا سے و خوارزم شاہ کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ شیخ کا اس زمانہ مین کاشغر مین پہنچنا مسلم ہے میرے نزدیک یہ واقعہ ۶۰۶ھ یا ۶۰۷ھ مین تسلیم کیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ شیخ کی شاعری کی شہرت اور عظمت اس زمانہ مین ہو چکی تھی، جس زمانہ مین سعد بن ابوبکر پیدا بھی نہین ہوا تھا، بلکہ اتابک ابوبکر عالم طفلی و شاہزادگی مین تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ قبل) معارف ۔ شاہ خطا اور سلطان محمد خوارزم شاہ مین کئی لڑائیان ہوئین جنمین ایک لڑائی ۶۰۶ھ مین ہوئی (جہانکشا جوینی جلد دوم ص ۸۰) اس مین سلطان کی فتح ہوئی، دوبارہ کچھ دنون کے بعد سمرقند کے باہر پھر طرفین کا مقابلہ ہوا، جو صلح مذکور پر ختم ہوئی (جوینی ج ۲ ص ۸۲) اور ۶۱۲ھ مین خوارزمشاہ کو خطا پر کلی فتح حاصل ہوئی (ابن اثیر ۶۱۲ھ) اسلیے یہ صلح ۶۰۶ھ کے بعد اور ۶۱۲ھ سے پہلے ہوئی، یہ واقعات طبقات ناصری منہاج سراج ص ۳۲۹ مین بھی مذکور ہین، مگر سنہ کا ذکر نہین،

ایسی حالت مین شیخ کا تخلص شاہزادہ سعد بن ابوبکر کے نام پر رکھنا بالکل محال ہے، غالباً شیخ نے اسی صلح کے متعلق اس شعر مین اشارہ کیا ہے،

صلح ست میان کفر و اسلام ۔۔۔ با ما تو ہنوز در نبردی

دوسرا واقعہ جس سے شیخ کی عمر کا اندازہ ہوگا وہ علامہ ابوالفرج ابن جوزی کا تلمذ ہے، علامہ ابن جوزی نے ۵۹۷ھ مین انتقال کیا تھا ظاہر ہے کہ اُن کی وفات سے بہت پہلے ان سے شرفِ تلمذ شیخ کو حاصل ہوا، شیخ نے اپنا واقعہ گلستان مین اس طرح پر تحریر فرمایا ہے:-

"چندانکہ مرا شیخ اجل ابوالفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ بترک سماع فرمودے و بخلوت و عزلت اشارت کردے، عنفوان شبابم غالب آمدے و ہوا و ہوس طالب، ناچار بخلاف رائے مربی قدمے چند برفتمے و از سماع و مخالطت حظے برگرفتمے، و چون نصیحت شیخم یاد آمدے گفتمے،

قاضی گر با ما نشیند برفشاند دست را ۔۔۔ محتسب گر مے خورد معذور دارد مست را

تا شبے بمجمع قومے برسیدم و در آن میان مطربے دیدم . . . . "

پھر آگے چل کر قوال کی بد آوازی کی مذمت کی ہے، پھر فرماتے ہین:-

بامدادان بحکم تبرک دستار از سر و دینار از کمر بکشادم و پیش مغنی بنہادم و در کنار گرفتم و بسے شکر گفتم، یاران ارادت من در حق وے بخلافِ عادت دیدند و بر خفتِ عقلم نہفتہ بخندیدند، یکے از آن میان زبانِ تعرض دراز کرد و ملامت کردن آغاز کہ این حرکت مناسب رائے خردمندان نکردی کہ خرقۂ مشائخ بچنین مطربے دادن کہ ہمہ عمرش درمے در کف نبودہ است و قراضہ در دف . . . . گفتم زبانِ تعرض مصلحت آن است کہ کوتاہ کنی بحکم آنکہ مرا کرامت این شخص ظاہر شد، گفت بر کیفیت آن واقف گردان تا ہمچنین تقرب نمایم و بر خطائیست کہ کردم استغفار کنم، گفتم بعلت آن کہ شیخ اجلم بارہا بترک سماع فرمودہ است و موعظہائے بلیغ گفتہ و در سمع قبول من

نیامدہ تا امشب کہ مرا طالع میمون و بخت ہمایون بدین بقعہ رہبری کرد و بدست این منی توبہ کردم کہ بقیت زندگانی گرد سماع و مخالطت نگردم۔"

یہ حکایت شیخ نے اپنے ایام جوانی کی بیان کی ہے جس پر ساٹھ ستر برس کا زمانہ گذر چکا تھا [1] اس حکایت کے ہر جملہ پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ شیخ پر علامہ ابن جوزی کی خاص نظر شفقت و مہربانی تھی جس طرح شفیق اور مدبر استاد طلبہ کی جماعت میں سے جن طالب العلموں کو لائق و صاحب مذاق سلیم جانتا ہے ان پر توجہ زیادہ کرتا ہے، روک ٹوک سے اُن کے اخلاق کو درست کرتا رہتا ہے یہی معاملہ علامہ ابن جوزی کا شیخ کے ساتھ تھا، یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ اس واقعہ سماع کے وقت شیخ کا زمانہ طالب العلمی کی حد سے گذر چکا تھا، ان کا شمار طبقہ مشائخ میں ہو چکا تھا جبھی ان کے دوستوں نے خرقہ دینے پر اعتراض کیا، یہ دستور مشائخ کا ہے کہ جب قوال کی قوالی سے محظوظ ہوتے ہیں اور وہ وقت سماع کا خوش گذرتا ہے تو صاحب وجد و حال اپنا جامہ قوال کے نذر کرتا ہے کہ اس کی بدولت وقت خوش گذرا اور فیض روحانی بوسیلۂ قوال حاصل ہوا،

شیخ نے اپنی دستار دوسرے خیال سے قوال کو عنایت فرمائی کہ ایسے مربی استاد کی نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا، مگر قوال کی بدآوازی کی بدولت سماع سے توبہ کرنی پڑی، اور اُس کا شکریہ ادا کرنا پڑا، اس حکایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ اور علامہ کے درمیان زمانۂ دراز تک رابطۂ صحبت و نصیحت کا قائم رہا ہوگا، ممکن ہے کہ یہ واقعہ علامۂ موصوف کی زندگی میں شیخ کے ساتھ گذرا ہو، جملہ "بارہا فرمودہ است" ہمارے اس خیال کی تائید کرتا ہے۔

شیخ کی عمر ایک سو بیس برس اسی وجہ سے بعض محققین نے قبول کرلی ہے کہ علامہ ابن جوزی کی شاگردی بغیر اس حد تک ان کی عمر قبول کئے درست نہیں مانی جاسکتی، مگر ایک دقت یہ ہے کہ شیخ کی عمر علامہ ابن جوزی کے سال وفات تک جو ۵۹۷ھ ہے ۲۶ برس کی ٹھہرتی ہے، اور یہ عمر تعلیم و تربیت و اخذ فیض صحبت کے لئے کافی سمجھی جاسکتی ہے، لیکن یہ ماننا ذرا مشکل ہے کہ علامۂ ابن جوزی کی وفات کے دس برس بعد وہ کاشغر میں جاتے ہیں

[1] گلستان ۶۵۶ھ میں تمام ہوئی۔

اور وہان اپنی شہرت و عظمت بچہ بچہ کے دل مین پاتے ہین، اتنی قلیل مدت مین اتنی شہرت وور وور ملکون مین کیونکر ہو سکتی ہے، لامحالہ اُن کی عمر علامہ ابن جوزی کی وفات کے وقت ۵۹۷ھ مین ۲۶ برس سے زیادہ ہوگی،

اب شیخ کا ایک اور واقعہ جو نہایت اہم ہے خود شیخ کی زبان سے لکھتا ہون جس سے ظاہر ہوگا کہ شیخ صلیبی لڑائیون کے زمانہ مین عیسائیون کی قید مین پڑگئے تھے، حلب کے ایک رئیس نے ان کو پہچانا، کچھ فدیہ دیکران کو قید فرنگ سے نجات دلائی، گلستان مین تحریر فرماتے ہین :-

"از صحبت یاران دمشقم ملالتے پدید آمدہ بود سر در بیابان قدس نہادم، و باحیوانات انس گرفتم، تا وقتیکہ اسیر قید فرنگ شدم، و در خندق طرابلس مرا با جہودان بکار گل داشتند یکے از رؤسائے حلب مرا کہ با او سابقہ معرفتے بود گذر کرد و بشناخت گفت ایں چہ حالت است کہ موجب ملامت ست گفتم چہ گویم

ہمی گریختم از مردماں بکوہ و بدشت | کہ از خدائے نبودم بدیگرے پرداخت
قیاس کن کہ چہ حالم بود دریں ساعت | کہ در طویلۂ نامردمم بباید ساخت

برحالت من رحمت آورد و بدہ دینار از قید فرنگم باز خرید و باخویشتن بحلب برد"

شیخ نے جس زمانہ مین شہر دمشق چھوڑ کر بیابان مین رہنا شروع کیا تھا غالبًا یہ وہی زمانہ ہوگا جب کہ مسلمانون اور عیسائیون مین جنگ جاری تھی، طرفین کے آدمی اگر مخالف فریق کے نظر پڑ جاتے ہون گے تو وہ ان کو قید کر لیتا ہوگا، اسی وجہ سے شیخ آبادی چھوڑ کر بیابان مین رہنا پسند کیا، مگر اس سے بدتر حالت ہو گئی کہ دشمن کی قید مین پڑگئے، شیخ کو جو روحانی تکلیف اس قید فرنگ سے پہنچی تھی وہ قطعۂ مذکور سے ظاہر ہے، صلیبی عیسائیون کے ظلم و ستم سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہین، خود عیسائی مورخین ان عیسائی جنگجویون کی سخت مذمت کرتے ہین، ڈاکٹر لیبان مشہور مستشرق فرانسیسی نے اپنی بے نظیر کتاب تاریخ تمدن عرب[1] مین جہان صلیبی عیسائیون کی شقاوت اور بدافعالی کا حال لکھا ہے وہان پر لکھتے ہین کہ شیخ سعدی نے انھین کی نسبت کہا ہے، اکہ انھین آدمی

[1] تمدن عرب ص ۲۹۸،

کتنا انسانیت کے لیے عار ہے،" الغرض جنگ صلیبی کے مشہور فاتح سلطان صلاح الدین جب بیت المقدس کو بتاریخ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ فتح کرنے کے بعد دوسرے شہرون کو فتح کرتا رہا اور عیسائیون کے پاس صرف سواحل اور شام کا کچھ حصہ رہ گیا تھا، تو عیسائیون نے صلح کر لی، صلح کے بعد فریقین کے لوگ ایک دوسرے فریق کے ملک مین آمد و رفت کرنے لگے، اور دونون فریق (یعنی عیسائیون اور مسلمانون کے) شہر امن و سلامتی مین آیک سمجھے جانے لگے تو پھر یہ مصیبت جاتی رہی، یہ صلح بدھ کے دن ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ مین ہوئی، قاضی ابن خلکان جو شیخ سعدی کے معاصر لیکن عمر مین شیخ سے بہت چھوٹے ہین، اپنی مشہور تاریخ مین لکھتے ہین[1]:-

"حاصل یہ کہ دونون کے درمیان صلح ہوگئی، اور اس صلح کا اتمام ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ کو ہوا، اور منادی نے اس کا اعلان کیا کہ اب اسلامی اور عیسائی ملک امن اور صلح مین برابر ہین تو جس فریق کا جو آدمی چاہے، دوسرے فریق کے ملک مین بے خوف و خطر جا سکتا ہے، یہ دن خاص حیثیت کا تھا، جس مین فریقین کو وہ خوشی ہوئی جس کا اندازہ اللہ تعالیٰ فرما سکتا ہے۔"

اس عبارت کو پڑھنے کے بعد یقین ہوتا ہے کہ شیخ کو یہ مصیبت ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ سے پہلے جنگ کے زمانہ مین پیش آئی ہوگی،

اس واقعہ کو جس طرح مین نے لکھا ہے اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ شیخ کی ولادت ۵۷۱ھ اور ان کی عمر بقول اکثر محققین ایک سو بیس برس باور کرنے پر شیخ کی عمر صلح کے زمانہ مین (۵۸۸ھ) سولہ سترہ برس کی ٹھہرتی ہے جو مستبعد و خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے، میرا خیال ہے کہ اسی وجہ سے مولانا حالی مرحوم نے اس[2] واقعہ کو ساتوین صدی ہجری اور بارہوین صدی عیسوی کے وسط مین قبول کیا ہے، مین کہتا ہون کہ اس وقت سات سو برس پہلے کے واقعات کو اس طرح پر فیصل کرنا جس طرح آجکل کے واقعات یا آج سے سو پچاس برس پہلے کے واقعات کو فیصل کرتے ہین، محال ہے، اس لیے بہ یقین نہین کہہ سکتے کہ یہ واقعہ چھٹی صدی کے اخیر زمانہ کا ہے یا ساتوین صدی کے آغاز کا

[1] تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰۔ [2] حیات سعدی مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۵،

لیکن میرے قیاس کے قرائن یہ ہین کہ شیخ نے دمشق کے دوستون سے رنجیدہ ہو کر بیابان مین رہنا شروع کیا اگر دوسری جگہ امن کی ہوتی تو وہان چلے جاتے، مگر جنگ کی وجہ سے کوئی امن کی صورت کسی شہر و قریہ مین نظر نہین آتی ہوگی، ناچار بیابان مین رہنا شروع کیا، مگر وہان بھی امن نہ ملا، پکڑ لے گئے، اگر ساتوین صدی مین یہ واقعہ سمجھا جائے تو اس زمانہ مین بیت المقدس پر مسلمانون کا قبضہ برسون سے ہو چکا تھا، مسلمانون کی دھاک بیٹھ چکی تھی، اکثر شہرون پر قابض ہو چکے تھے صرف بلادِ ساحلیہ[1] پر عیسائیون کا قبضہ رہگیا تھا، صلح و امن و امان ہونے کی وجہ سے آمد و رفت دونون قومون مین رہتی تھی، ایسے زمانہ مین شیخ پر قید کی مصیبت کا واقعہ بغایت مستبعد معلوم ہوتا ہے، کیونکہ بیت المقدس اور اس کے اردگرد بلاد و قریات سب مسلمانون کے قبضہ مین آچکے تھے، قدس سے طرابلس بہت دور واقع ہے، ان سب حالات پر غور کرکے یہ یقین ہوتا ہے کہ قیدِ فرنگ کا واقعہ چھٹی صدی کے اخیر مین ہوا جیسا کہ اوپر لکھا گیا، اسی ایک واقعہ سے یقین کرنا پڑے گا کہ شیخ کی عمر ایک سو بیس برس سے زیادہ ہوگی،

اتابکان[2] فارس کی سلطنت ٥٤٣ھ سے ٦٨٦ھ تک رہی، اس مدت مین اخیر بیس سال یعنی ٦٦٤ھ کے

---

[1] سلطان صلاح الدین نے طرابلس کا محاصرہ کیا، لیکن بیت المقدس کیطرح اسکو فتح نہ کر سکا صلح کر لی، پھر ایک صدی کے قریب عیسائی قابض رہے، ملک قلاؤن نے پھر بزور و قوت قبضہ کر لیا، (دیکھو دائرۃ المعارف علامہ بطرس بستانی مطبوعۂ مصر)

[2] اتابکان اوّل پادشاہ اتابک[1] سنقر بن مودود در سنہ ست و خمسین و خمس مائۃ درگذشت اتابک[2] زنگی بن مودود در سنہ ستین درگذشت، اتابک[3] تکلہ بن زنگی بن مودود در سنہ تسعین و خمسین مائۃ درگذشت اتابک[4] طغرل بن سنقر بن مودود در تسع و تسعین و خمس مائۃ بر دست سعد بن زنگی گرفتار شد، اتابک[5] سعد بن زنگی بن مودود در ثمان و عشرین و ست مائۃ درگذشت، اتابک[6] ابو بکر بن سعد بن زنگی در ثمان و خمسین و ست مائۃ درگذشت، اتابک[7] سعد بن ابو بکر بعد از پدر بدو زوہ درگذشت، اتابک[8] محمد بن سعد در سنہ ستین و ست مائۃ درگذشت، اتابک[9] محمد شاہ بن سلغر شاہ در احدے و ستین و ست مائۃ درگذشت، اتابک[10] سلجوق شاہ بعد از سنہ ثلث و ستین و ست مائۃ در دست مغول گرفتار شدہ کشتہ گشت، اتابک[11] ابش خاتون بنت سعد بن ابو بکر بن سعد بن زنگی بن مودود یک سال حکم کرد بعد ازان فارس در تصرف مغول در آمد و حکومت بنام او (ابش خاتون) بود پس ازان نام سلغریان از جہان برفتاد، فقط

(ماخوذ از تاریخ گزیدہ مطبوعۂ یورپ)

بعد دیوان مغول کا تصرف رہا، مگر نام ابش خاتون بنت سعد بن ابوبکر بن سعد زنگی کا تھا، ان بادشاہون مین تین بادشاہون کی مدت سلطنت دراز ہوئی، وہ تین بادشاہ یہ تھے، تکلہ[1]، سعد[2] زنگی اور ابوبکر[3] بن سعد سب سے کم سلطنت شاہزادہ سعد بن ابوبکر کی رہی، صرف بارہ[12] دن، بعض نے شیخ کی ولادت تکلہ کے زمانہ مین لکھی ہے، مگر یہ غلط ہے، تکلہ سنہ ۵۶۱ھ مین تخت پر بیٹھا، اور سنہ ۵۹۰ھ مین مرا ہے، اس کے زمانہ مین اگر ولادت شیخ کی ہوتی تو ہرگز وہ جنگ صلیبی کے زمانہ مین دمشق مین موجود نہین ہو سکتے تھے، ہان اگر تکلہ کے آغاز سلطنت کے زمانہ سنہ ۵۶۱ھ مین شیخ کی ولادت مان لیجائے تو ۵۸۳ھ صلح کے سال مین ۲۷ برس کی ٹھہرتی ہے، اور عمر ایک سو تیس برس کی یقین کیجائے گی، اور ابن جوزی کے سال وفات ۵۹۷ھ مین اُن کی عمر چھتیس برس کی تسلیم کیجائے گی، اس طرح پر ایک سو تیس برس شیخ کی عمر مان لینے مین سب دقتین جاتی رہتی ہین، اور سب واقعات کی کڑیان مل جاتی ہین، مگر یہ عمر مان لینے پر حضرت غوث الاعظم کی ملاقات جس کے راوی صرف دولتشاہ سمرقندی ہین ثابت نہین ہو سکتی، مجھکو تو ان کی عمر ایک سو چالیس بلکہ پچاس ساٹھ برس تک تسلیم کر لینے مین بھی کچھ تامل نہین ہے جب کہ اس عمر کے آدمی ہر زمانہ مین ڈھونڈنے سے مل سکتے ہین، اور کتب تاریخ مین متعدد مثالین مل سکتی ہین، مگر مجھکو شک ہے کہ ناظرین معارف شیخ کی درازی عمر کی نسبت اس قدر حسن ظن ظاہر کر سکتے ہین، بہرحال اتنا تو ضرور قبول اور یقین کرین گے کہ شیخ اپنا تخلص ہرگز شاہزادہ سعد بن ابوبکر کے نام پر نہین رکھ سکتے تھے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک طویل العمر شخص اپنے تخلص کی بنیاد ایک ایسے شاہزادہ کے نام پر قائم کرے جو اس کے پوتے پر دتے سے بھی چھوٹی عمر کا ہو، اس کی شاعری اس زمانہ مین شہرۂ آفاق ہو جب کہ شاہزادہ کتم عدم سے عالم وجود مین بھی نہ آیا ہو، بلکہ شاہزادہ کا باپ ابوبکر بھی عالم طفلی مین ہو، یا وہ بھی پردۂ عدم مین ہو، ہان ابوبکر کے باپ سعد زنگی کے نام سے (جو شاہزادہ سعد کا دادا تھا) تخلص ماخوذ کہا جائے تو ممکن ہے، اسی بنا پر دولت شاہ سمرقندی کا بیان تمامتر صحیح ہے، علامہ عبدالوہاب قزوینی کا تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے یہ لکھنا کہ "تخلص سعدی نیز از نام ہمین شاہزادہ ماخوذ است" بالکل قیاسی بات ہے، صاحب تاریخ گزیدہ نے کہین اپنی تاریخ مین یہ نہین لکھا ہے کہ تخلص سعدی نیز از نام ہمین شاہزادہ ماخوذ است

تاریخ گزیدہ مطبوعۂ یورپ چھاپ عکس اس وقت میرے پیش نظر ہے اس مین اسی قدر لکھا ہے،

"وهو مشرف الدین مصلح الشیرازی وباتابک سعد بن ابی بکر سعد بن زنگی منسوب است، بشیراز

در سابع عشر ذی حجہ سنہ تسعین وست مائۃ درگذشت، مرے صاحب وقت بود نظم و نثر خوب دارد، و

شہرتے تمام شیوۂ غزل براو تمام شد"،

"منسوب" سے مراد یہ ہے کہ شاہزادہ سعد کی سرکار سے ان کو تعلق ہوگا یا کچھ وظیفہ[1] ملتا ہو، اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ ان کا تخلص شاہزادہ کے نام سے ہو، کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک شاعر تو عمر بھر شعر کہتا رہا ہو، اس کی شہرت دنیا مین اچھی طرح پھیل چکی ہو، مگر اس نے کوئی تخلص اپنا نہین رکھا ہو، اخیر عمر مین اگر ایک نوجوان شہزادہ کے نام سے اپنا تخلص بنائے یہ ناممکن ہے، شاعر جب شعر کہنے لگتا ہے اسی وقت اپنا کوئی تخلص بھی رکھ لیتا ہے، ہان ایسا ہوا ہے کہ بعض شعرا نے تخلص پیچھے بدل دیا ہے تو جو تخلص پہلا تھا، اس کو سابق غزلون بھی اسی طرح رہنے دیا ہے، اساتذہ کے کلام مین دونون تخلص والے اشعار موجود ہین،

عبدالوہاب قزوینی صاحب مقدمہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ شمس قیس نے کوئی شعر شیخ کا اپنی کتاب المعجم مین نہیں لکھا، دوسرے معاصرین کا شعر لکھا ہے، اوّل تو کمال الدین اسمٰعیل اصفہانی (جو خلاق المعانی کے لقب سے مشہور ہے) کے صرف ایک دو شعر لکھے ہین، البتہ اُن کے والد کا ایک مسمط جو نعت مین بے مثل ہے پورا نقل کیا ہے، شیخ کے کلام کو استشہاداً نہین لکھنے کی یہ وجہ ہوگی کہ شیخ اس زمانہ مین شیراز سے باہر ہے، اس کو صاحب مقدمہ نے بھی قبول کیا ہے، لیکن دوسری وجہ یہ ہے کہ بوجہ معاصرت کے بھی ایک دوسرے کی قدر نہین کرتے، رشک کی یہ کیفیت بڑے بڑے اکابر مین نمایان ہوتی تھی، اور اب بھی ہے، شاعرون کو کون پوچھتا ہے، صاحب کتاب المعجم نے بھی بہت ہی کم معاصرین کا کوئی شعر لکھا ہے، جمال الدین عبدالرزاق اصفہانی کا مسمط اس وجہ سے نقل کیا ہوگا کہ وہ کتاب کی تحریر

---

[1] معارف:۔ منسوب ہونے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہین کہ شیخ کی دونون کتابین گلستان اور بوستان اسی سعد بن ابی بکر بن سعد کے نام سے لکھی گئی ہین، اور بحالت شہزادگی اسکے نام سے موسوم کی گئی ہین، جیسا کہ گلستان کے دیباچہ مین مذکور ہے،

کے وقت عالم حیات مین نہ ہونگے، شاعرون کے رشک کا تو یہ حال ہے کہ شیخ کی شاعری اور اس کی قبولیت بمثل ہونے پر بھی اس وقت کے بعض شاعرون نے مجد ہمگر سے پوچھا کہ سعدی و امامی مین کون بڑا شاعر ہے، مجد ہمگر نے کہا،

اگرچہ بہ نطق طوطی خوش نفسیم　　بر شکر گفتہ ہائے سعدی مگسیم
لیکن در شاعری باجماع امم　　ہرگز من و سعدی با امامی نرسیم

شیخ نے اس فیصلہ کو سنکر فرمایا،

ہمگر کہ بعمر خود نہ کردست نماز　　شک نیست کہ ہرگز با امامی نرسد

پست مذاقی کی حد ہو گئی کہ شیخ کے کلام کا مقابلہ امامی سے کیا جائے جن کو آج کوئی جانتا بھی نہین، وہ تو اپنے وقت مین بھی غیر مشہور تھے، شیخ سے ان کو کیا نسبت، مگر اس پست مذاقی اور تعصب کا باعث وہی معاصرت و ہمزمانی تھی کہ ایک دوسرے کی لیاقت کا اندازہ نہین کر سکتے تھے، یا کرتے تھے تو زبان سے اس کا اعتراف نہین کرتے تھے، ہمگر کے سوا ہمام تبریزی[1] جو ہمگر کی طرح شیخ کے معاصر تھے اور بڑے شاعر تھے ان کو بھی اسکا رشک تھا، کہتے ہین،

ہمام را سخنے دلفریب و شیرین است　　ولے چہ سود کہ بیچارہ نیست شیرازی

ان کو بعض اساتذہ نے شیخ کا ہم پلہ قرار دیا ہے، مگر آخر کار شیخ کو ترجیح دینا پڑی، الغرض معاصرت کی وجہ سے بھی شیخ کا کلام ممکن ہے کہ کتاب المعجم مین نہ لکھا گیا ہو، ورنہ عقل اس کو باور نہین کرتی کہ شیخ کا شہرہ تمام دنیا مین ہو اور شیراز مین ان کو کم لوگ جانتے ہون جس کی وجہ سے صاحب المعجم کو اُن کی شاعری و کمال کا علم نہین ہوا،

---

[1] ہمام تبریزی شیخ کے معاصر تھے، تذکرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات دونون میں ہوتی تھی، یہ بڑے شاعر اور دولتمند بھی تھے، رؤسائے تبریز سے تھے، ان کے اشعار دلآویز و شور انگیز ہوتے ہیں مگر انصاف یہ ہے کہ شیخ کو نہیں پہنچتے، اوپر کا اخیر شعر لکھ چکا ہون، پوری غزل ناظرین کی دلچسپی کے لیے یہان پر لکھی جاتی ہے،

بیک کرشمہ توانی کہ کار ما سازی　　ولے بچارۂ بیچارگان نپردازی
در آرزوئے خیالت غلام خوابم من　　خنک کسے کہ تو اش ہمنشین و ہمرازی
چو ما بدیدن رویت زدور خرسندیم　　نسیم با سر زلفت چرا کند بازی
مکن تفرج سرو سہی ہمان بہتر　　کہ عشق با قد و بالای خویشتن بازی
بگل بگو کہ ز رویم خجل نمیگردی　　کہ در میان ریاحین بحسن می نازی
پیام دہ سوئے بلبل کہ با وجود ہمام　　روا بود کہ نوا ہائے عشق پردازی
ہمام را سخنے دلفریب شیرین ست　　ولے چہ سود کہ بیچارہ نیست شیرازی

شعلۂ طور

(۲)

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین،

گداز عشق سوز وگداز تغزل کی روح ہے، اسی سے تغزل کے جسم میں جان پڑتی ہے، گداز عشق سے خالی تغزل ایک شراب بے کیف ہے اسلئے کہ تغزل نام ہے حسن وعشق کی واردات کی مصوری کا، اور سوز وگداز ہی عشق میں جلا دیتا ہے اور اسی برق خرمن سوز سے خرمن عاشقی سرسبز ہوتا ہے، گداز عشق کا بیان فانی کا خاص حصہ ہے، لیکن جگر نے بھی ایک درد آشنا دل پایا ہے اسلئے انکے اشعار بھی اس حرف زمین سوز کی شرر باریوں سے خالی نہیں ہیں، اور کبھی کبھی انکے ٹوٹے ہوئے دل سے بھی آہ سوزاں نکل آتی ہے، ہوس پیشہ عشاق کیلئے درد عشق ایک مصیبت ہے لیکن جگر کا درد پسند دل اس سے لذت یاب ہوتا ہے اور کمال لذت کے لیے سراپا درد بنجانا چاہتا ہے۔

ایک کیف ناتمام درد کی لذت ہی کیا — درد کی لذت سراپا درد بنجانے میں ہے

اس کی محرومیوں کی یہ انتہا ہے کہ سکون کیا اضطراب بھی میسر نہ ہوا،

جہانِ شوق کی محرومیاں نہ پوچھ جگر — سکون تو کیا کہ میسر نہ اضطراب ہوا

دل کی بربادی،

اس ایک دل کی حقیقت کا آہ کیا کہنا — جو لاکھ بار بنا اور پھر خراب ہوا

درد وغم کی وسعت اور پہنائی،

اللہ اللہ ترے غم کی وسعتیں — کوئی عالم درد سے خالی نہیں

بھری ہوئی ہیں فضائیں جمال غم تمام — گناہگار نظر لذتِ عذاب اٹھا

اس کا درد آشنا دل عیش وصال کو بھی شباہتِ غم کی وجہ سے قبول کرتا ہے،

کر لیا دل نے عیشِ وصل قبول
پا گیا کچھ شباہتِ غم کیا

غم حسن کی ایک امانت ہے اور حق امانت اسکی غمخواری ہے، اس لیے وہ عام عشاق کے برعکس شبِ ہجر کی درازی کی دعا مانگتا ہے،

تری امانتِ غم کا تو حق ادا کر لون
خدا کرے شبِ فرقت ابھی دراز رہے

شبِ فرقت مین عشاق کم سے کم یار کے تصور ہی سے دل بہلاتے ہین، لیکن جگر کو یہ بھی گوارا نہین،

چاہیئے ترے تصور سے بھی ایسے مین گریز
کیون کرے مجھکو شریکِ غمِ ہجران کوئی

عام شعرا کے یہان غمِ عاشقی جانگسل ہے لیکن جگر کا غمِ عشق جان نواز ہے،

ترے بغیر تو جینا روا نہین لیکن
مین کیا کرون جو ترا غم ہی جان نواز رہے

غالب نے کہا ہے،

آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالب
کس کے سر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

جگر کہتا ہے،

جب حسن و عشق دونون رو یا کرینگے مجھکو
وہ بھی جگر زمانہ نزدیک آرہا ہے

میرے نزدیک اس شعر مین جگر کا تخیل غالب سے بہت آگے بڑھ گیا، غالب کو خود اپنے بعد اور تنہا عشق کی بیکسی پر رونا آتا ہے، لیکن جگر کے بعد حسن اور عشق دونون بے یار و مددگار ہو جائینگے،

عاشق کی جستجو کی آخری حد ناکامی ہے،

یہ حدِ آخری ہے عاشق کی جستجو کی
بن بن کے مٹ رہی ہے ہر شکل آرزو کی

یہ نیا تخیل ملاحظہ ہو گو جگر خود رہینِ درد ہے لیکن اسکی تسلی کے لیے غمِ یار کی شیفتگی کافی ہے،

مین رہینِ درد سہی جگر مجھے اور چاہیئے کیا جگر
غم یار ہے مرا شیفتہ مین فریفتہ غمِ یار پر

غم کی ملاومت اس سے زیادہ بلیغ پیرایہ مین کیا دکھائی جا سکتی ہے،

فانی نے کہا ہے،

مآلِ سوزِ غمہاے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

جگر کہتا ہے،

مری سمت سے اسے اے صبا یہ پیامِ آخرِ غم سنا
ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا کہ خزاں ہے اپنی بہار پر

عشق کا خوش آیند آغاز اور اس کا حسرتناک انجام،

عجب انقلابِ زمانہ ہے مرا مختصر سا فسانہ ہے
یہی اب جو بار ہے دوش پر یہی سر پہ بارِ غرور تھا

موجودہ دورِ تجدید و اصلاح کی بہت سی بد مذاقیوں مین سے ایک بد مذاقی یہ بھی ہے کہ رنگین نوائی کو مذاق سلیم کے منافی سمجھا جاتا ہے، میرے نزدیک رنگینیٔ خیال اور رنگینیٔ ادا بھی شاعری کا ایک نہایت ضروری عنصر بلکہ رخسارِ شاعری کا گلگونہ ہے، کہ شاعری مین روح کی بیداری اور دل کی تڑپ کے ساتھ لبون کے تبسم اور چہرہ کی شگفتگی کا سامان بھی ضروری ہے ورنہ شاعری محض محفلِ وجد و حال کے لیے رہجائیگی، ہان اس مین اعتدال اور سلامت مذاق البتہ ضروری شرط ہے تاکہ وہ محض پر لطف شوخی تک محدود رہے، بازاری پھکڑ نہ بننے پائے، اس لحاظ سے جگر کی شاعری ان نغمہاے لاہوتی اور وادی ایمن کی شرر باریون کیساتھ جو روح کو بیدار اور جذبات ماسوا کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہین، اس رنگین عنصر کی لطیف آمیزش سے خالی نہین ہے اور انھون نے اپنی خوش مذاقی سے اس عنصر کو ایسا کھپایا ہے کہ کہین سے رنگ پھوٹنے نہین پاتا، امثال ذیل ملاحظہ ہون،

جوانی کا کتنا صحیح اور پرکیف مرقع ہے،

قدم ڈگمگائے نظر بہکی بہکی
جوانی کا عالم ہے سرشاریان ہین

کس قدر بلیغ اور شاعرانہ تشبیہ ہے،

ان لبون کی جان نوازی دیکھنا
منہ سے بول اٹھنے کو ہے جامِ شراب

کس قدر پر کیف التجا ہے،

میں اپنی جان تو قربان کر چکوں تجھ پر
یہ چشمِ مست ابھی نیم باز رہنے دے

حسنِ یار کی بہار آفرینی دیکھئے،

دوڑا کے حسنِ یار کی ہلکی سی اک لہر
کانٹوں کو میں نے رشکِ گلستان بنا دیا

حسنِ تصور کا فریب رنگ و بو ملاحظہ ہو:

ہائے یہ حسنِ تصور کا فریبِ رنگ و بو
میں یہ سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آہی گیا

نگاہِ مست کے دور کا کیف،

کیفِ شباب در سرخوشیِ بادۂ حیات
کیا دور تھا تری نگہ مست ناز کا

خیالات کی رعنائی کا پرتو،

حسن کے ہر جمال میں پنہاں
میری رعنائیِ خیال بھی ہے

دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حسن کو عشق کی رنگین نظروں نے حسن بنایا:

نگاہِ گستاخ کا اثر،

ہائے وہ چہرہ اور آہ میں وہ تڑپتی بجلیاں
کاش اک دن پھر انھیں گستاخ بنکر دیکھئے

نگاہِ مست کی بے باری،

چھلک گیا ایک ایک میکش اس نگاہِ مست سے
تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا میخانہ آج

حسن کا جواب،

فروغِ بادہ ترے حسن کا جواب ہوا
سنبھالنا مجھے ساقی میں بے نقاب ہوا

بعض بعض غزلیں پوری کی پوری خیالات اور بیان کی رنگینی میں ڈوبی ہوئی ہیں لیکن لطافتِ ادا کی وجہ سے ان کی رنگینی بالکل گراں نہیں گذرتی،

خیال رنگین، نظام رنگین، کلام رنگین، پیام رنگین — قدم قدم پر زدوش روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہین
شراب آنکھون سے ڈھل رہی ہے نظر سے مستی ابل رہی ہے — چھلک رہی ہے اچھل رہی ہے پئے ہوئے ہین پلا رہے ہین
وہ روئے رنگین وہ موجۂ نسیم کہ جیسے دامان گل پہ شبنم — یہ گرمی حسن کا ہے عالم عرق عرق مین نہا رہے ہین
خود اپنے نشے مین جھومتے ہین وہ اپنا منہ آپ چومتے ہین — خراب مستی بنے ہوئے ہین ہلاک مستی بنا رہے ہین
یہ موج دریا یہ ریگ صحرا یہ غنچہ و گل یہ ماہ و انجم — ذرا جو وہ مسکرا دیئے ہین یہ سب کے سب مسکرا رہے ہین
اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر رہیگا لیکن یہ نقش دل پر — ہم ان کا دامن پکڑ رہے ہین وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہین

خمریات موجودہ دور مین خمریات حضرت ریاض کا مخصوص حصہ سمجھا جاتا ہے اور ایک حد تک یہ صحیح بھی ہے جو شاعر یہ شعر

اتنی پی ہے کہ بعد توبہ بھی — بے پئے بیخودی سی رہتی ہے

کہہ سکتا ہے، اس کی خمریات کے نشہ مین کسی کو شبہہ نہین ہو سکتا، لیکن ریاض جگ بیتی کہتے ہین اور جگر آپ بیتی کہتا ہے، وہ قال ہے اور یہ حال، اس لیے قدرۃً دونون کے کیف اور اثر مین نمایان فرق نظر آتا ہے، خمخانۂ ریاض کی مے بھی پر کیف ہے لیکن جگر کی "خانہ ساز" جیسی نشہ آور اور ہوش ربا نہین ہے، جگر جو کچھ کہتا ہے عالم مستی مین کہتا ہے، اس لیے اس کے رندانہ اشعار بادۂ ناب کے لبریز جام کا اثر رکھتے ہین جنکا ایک ہی جرعہ دوسرون کو بھی مست بنا دیتا ہے، میرے نزدیک اگر جگر کے خمریات کے مقابلہ مین کسی کو پیش کیا جا سکتا ہے تو وہ شاد عظیم آبادی ہین جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا، جگر کے خمخانہ مین ہر رنگ، بو، ہر مزہ اور ہر درجہ کی شراب ہے اور اس کے اثرات بھی مختلف ہین کسی مین خوشی کی حد تک نشہ، کسی مین مستی اور کسی مین بدمستی تک لیکن اس عالم بدمستی مین بھی جہان بڑے بڑے پاکبازون کے قدم ڈگمگا جاتے ہین جگر اپنے حواس قائم رکھتا ہے اور بڑ بڑانے نہین لگتا، جس خمخانہ کا جگر مے نوش ہے اس کی مے نوشی کیلئے کچھ خاص قواعد و شرائط ہین چنانچہ سب سے مقدم شرط یہ ہے،

اسی کے واسطے بھی ہے کشتی بھی جگر — جسے خبر نہین مے کیا ہے مے کشی کیا ہے

شاؔد نے کہا ہے،

مین نثار اپنے خیال پر کہ بغیر جرعۂ مئے ہین مستیان ... تو خم ہے پیش نظر کوئی نہ سبو بیا س جام ہے

اور

درد و صافی کا لحاظ آفت جان تھا ساقی ... دل سے ان بادہ کشون پر جنھین یہ ہوش رہا

اس کی مے پرستی بلا وجہ نہین بلکہ اس کا سبب یہ ہے،

نگاہ خاص سے چھلکا رہا ہے مے کوئی ... وہ پاکباز نہین اب جو پاکباز رہے

اس سے بھی زیادہ صاف کہتا ہے،

پیتا بغیر اذن یہ کب تھی مری مجال ... در پردہ چشم یار کی شہ پا کے پی گیا

شاؔد نے کہا ہے،

مین فدائے ساقی مہ لقا یہی مے کشی کا ہے مسئلہ ... وہی حکم دے تو حلال ہو وہی روک دے تو حرام ہے

جگؔر کی مے پرستی اس فلسفۂ اخلاق کے ماتحت ہے،

دل بدست آور کہ حج اکبر است ... از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

آزردگی خاطر ساقی کو دیکھ کر ... مجھکو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

شاؔد نے کہا ہے،

ناصاف بھی دی ہو تمھین ساقی نے تو رند ... لے لو بہ ادب کچھ نہ کہو پیر مغان سے

ترک شراب کی بے کیفی رند قدح نوش کے لیے موت سے کم نہین، اس لیے جگؔر اپنی مے نوشی کے جواز کے لیے یہ عذر شرعی پیش کرتا ہے،

بے کیفیتون کے کیف سے گھبرا کے پی گیا ... توبہ کے ہر خیال کو ٹھکرا کے پی گیا

شرب بالاضطرار شریعت مین معاف ہے، اس لئے جگؔر کہتا ہے،

اے رحمت تمام میری ہر خطا معاف — مین انتہاے شوق مین گھبرا کے پی گیا

مے پرستی کا انتہاے کمال یہ ہے،

اس جانِ میکدہ کی قسم بارہا جگر — کل عالمِ بسیط پہ مین چھا کے پی گیا

خمریات کی بعض بعض کیفیتین ناقابل تشریح ہین،

جھک گیا ایک ایک میکش اس نگاہ مست سے — تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا میخانہ آج

یہی تخیل کسیقدر ترمیم کے ساتھ شاد کے یہان بھی موجود ہے،

دیکھا کئے وہ مست نگاہون سے بار بار — جب تک شراب آئی کئی دور چل گئے

مختلف نمونے:

کھینچ کر اک آہ کس نے رکھدیا جامِ شراب — دیدنی ہے اضطراب ساقی و پیمانہ آج

بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی لیکن — اور ہی کچھ ترے ہاتھون سے مزا آتا ہے

پی کے اک جامِ شرابِ شوق آنکھین کھل گئین — دیکھتا ہون جسطرف میخانہ ہی میخانہ ہے

شوخی رندانہ رندون اور واعظون مین بہت پرانی نوک جھونک چلی آتی ہے اور جب تک ان دونون کا وجود دنیا مین باقی رہیگا دونون کی چشمک چلی جائیگی، اس لیے کہ نہ اس کے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی چھوٹیگی اور نہ حضرت واعظ اپنے مذہبی فریضہ سے چوکینگے، اور حشر تک یہ زور آزمائی قائم رہے گی، واعظ کے پند اور رندون کی چوٹون مین بڑا فرق ہے، حضرت واعظ اپنا فرض ادا کر کے خاموش ہو جاتے ہین اور کسی کو خبر بھی نہین ہوتی، لیکن رندون کی شوخ پھبتیان گلی گلی، اور کوچہ کوچہ مین پھیلکر شوخ طبع بے فکرون مین واعظ کو سامان تفریح بنا دیتی ہین، بعض بے باک رندون نے تو عالمِ مستی مین واعظ کی پگڑی تک اچھال دی ہے اور ان کی قباے زہد پر مے گلگون کے چھینٹون کی گلکاری سے بھی باک نہین کیا، اور بعضون کی شوخیان محض رندانہ چوٹون تک محدود رہتی ہین، جگر بھی انھین مہذب رندون مین ہے، اس نے بھی

واعظون پر نہایت لطیف اور ظریفانہ پھبتیان کہی ہین لیکن تہذیب کا دامن کہین ہاتھ سے نہین چھوٹا ہے

واعظ جو کچھ کہتا ہے وہ اپنی کتابی پوٹ کے بل پر کہتا ہے، لیکن جگر اپنے سامانِ رندی کے مقابلہ مین واعظ کے "بارِ علم" کی یہ حیثیت سمجھتا ہے،

کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھون اے واعظ　　مین اپنا ساغر اٹھاتا ہون تو کتاب اٹھا

واعظ بدست جگر کو اٹھانے کے لیے بڑھتا ہے جگر یہ شوخ و رندانہ جواب دیتا ہے،

مجھے اٹھانے کو آیا ہے واعظِ نادان　　جو اٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اٹھا

"اٹھ سکے" کے لفظ سے واعظ کی کتنی تحقیر ہوتی ہے یعنی ساغر کا بارِ علم کے بار سے بڑھ کر ہے تجاد نے اسی مضمون کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ اس سے زیادہ شوخ کہا ہے،

بارِ سبو وہی اٹھائے جسے ہو فضلِ مے فروش　　زاہدِ خشک یہ بھی کیا بوجھ ہے جانماز کا

زاہد بادۂ کوثر کی لو لگائے ہوے ہے جگر اس کے لئے مے نوشی کے جواز کا یہ پہلو نکالتا ہے اور در پردہ اس کے انتظار بادۂ کوثر پر چوٹ بھی کرتا ہے،

پی بھی جا زاہد خدا کا نام لیکر پی بھی جا　　بادۂ کوثر کی بھی اک موج پیمانہ مین ہے

زاہد کے چہرہ کے نور کا کیسا رندانہ اور دلچسپ سبب بیان کرتا ہے،

ہو گیا کیا مرید مے زاہد　　اب تو چہرہ پہ نور رہتا ہے،

جگر نے عالمِ بدمستی مین زیادہ سے زیادہ بارگاہِ زہد مین جو بے ادبی کی ہے اسکا نمونہ یہ ہے،

غرق کر دے تجھکو زاہد تیری دنیا کو خراب　　کم سے کم اتنی تو ہر میکش کے میخانہ مین ہو

اخلاق | جگر غزل گو شاعر ہیں جس کا کام صرف جذبات کی مصوری ہے وہ کوئی معلمِ اخلاق، حکیم اور واعظ نہین کہ اخلاقی درس دینا اس کا فرض ہو، اس لیے اس کی شاعری مین اخلاق کا حصہ بہت کم ہے، لیکن اس حیثیت سے کہ اخلاق بھی ایک حد تک شاعری کے حدود مین داخل ہے اس لیے جگر کا کلام درسِ اخلاق سے بالکل

خالی نہین ہے،

رہِ طلب مین نہ کر خوف لغزشِ پا سے | یہان جو گر کے اٹھا بس وہ کامیاب اٹھا
مجھے آغوشِ طوفان ہی جگر آغوش ساحل ہے | وہ کوئی اور ہونگے مین ساحل دیکھنے والے
ہر طرف بے فائدہ کیون سعیِ پیہم کیجئے | تشنگی سے اپنی پیدا بحرِ اعظم کیجئے
فضائے عالمِ ہستی پہ جب کرینگے نظر | ہر ایک موج کو موجِ سراب دیکھینگے
پر درد طوفان کو کشتی کی نہین حاجت | موجون کے تلاطم مین ساحل نظر آتا ہے

مختلف نمونے اوپر مختلف سرخیون کے ماتحت کافی منتخب اشعار لکھے جاچکے ہین پھر بھی ابھی بہت سا حصہ رہا جاتا ہے، اس لیے آخر مین ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لیے چند منتخب اشعار بلا کسی ریویو کے نقل کیے جاتے ہین

ہر تڑپ کے ساتھ اک جلوہ نمایان ہوگیا | آج ثابت یار کا قربِ رگِ جان ہوگیا
کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا | دل مرا ڈوبا کیا اچھلا کیا
آہ یہ عالمِ کثرت تری رعنائی کا | ایک مرکز نہ رہا چشمِ تماشائی کا
نگاہِ شوق کی جذب و کشش ارے توبہ | حسِ آئینہ پہ نظر کی ترا جواب ہوا
عین قربت بھی عین فرقت تھی | ہائے وہ قطرہ جو حباب ہوا
جز ترے کچھ نظر نہین آتا | آرزو بن گئی مجسم کیا
کمالِ عشق مین احساس اتنا تیز ہوجاتا | جو چھو جاتی ہوا دل درد سے لبریز ہوجاتا
آلودہ خاک ہی مین رہنے دی اسکو ناصح | دامن اگر جھٹک دون جلوے کہان سمائین
جو دل سی اٹھتے ہین شعلے وہ رنگ بن بنکر | تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہین
مین اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ مین بھی | تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہین
بھڑکا رہا ہون آتشِ عصیان ہر ایک سمت | پھیلا رہا ہون رحمتِ پروردگار کو

خمستان فارس "خمخانۂ ہندی" کی شراب ناب کے بعد ناظرین "بادۂ شیراز" کا بھی تھوڑا سا مزہ چکھ لیں، جگر نے فارسی کلام میں حافظ شیراز کے تتبع کی کوشش کی ہے اور جہانتک بیان کی رنگینی اور خیالات کی باریکیوں کا تعلق ہے نہایت کامیاب تجربہ اڑایا ہے لیکن ابھی "بادۂ شیراز" سے کہین کہین "شراب ہندی" کی آنچ آجاتی ہے، اور زبان مین خالص فارسیت نہین پیدا ہوئی ہے۔ اور اسمین کافی مشق و ممارست اور فارسی اساتذہ کے کلام کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے تاہم جگر کا فارسی کلام بھی لطف سے خالی نہین ہے، یہ حصہ نہایت مختصر ہے یعنی صرف چند غزلین اور بعض مسلسل نظمین ہین اس لیے اسپر مستقل تبصرہ کی گنجایش نہین، صرف نمونۃً کچھ اشعار نقل کر دیئے جاتے ہین "خطاب بہ مسلم" کی مسلسل اور سبق آموز نظم خوب ہے غزل کا نمونہ یہ ہے

شراب و ساغر و سبو گل و بہار و آب جو ‌ ‌ ‌ دو صد جہان رنگ و بو نمود یک جہان ما
بیا بنوش جام مے چہ جام مے تمام مے ‌ ‌ ‌ کہ ما داذن عام مے خوش است ارمغان ما

آوارہ ہر نگاہ ز جرم نگاہ کیست ‌ ‌ ‌ دیدن گناہ ماست نہ دیدن گناہ کیست
دیوانہ وار جان بہ فشاندن گناہ ماست ‌ ‌ ‌ بیگانہ وار رخ نہ نمودن گناہ کیست
صد نقش سجدہ تا در بتخانہ دیدہ ایم ‌ ‌ ‌ این ہم جگر اشارۂ طرف کلاہ کیست

بے کیفیت عاشق صد کیف و اثر دارد ‌ ‌ ‌ زین سر نہان لیکن ہر کس نہ خبر دارد
در عین وصال او یا بم اثر دوری ‌ ‌ ‌ اے پیر رہ عشقم این پردہ کہ بردارد
مفتی بحق منصور بنوشت عجب فتوی ‌ ‌ ‌ کافی است پئے قتلش این جرم کہ سر دارد
من عاشق آن شوخم کو از سر محبوبی ‌ ‌ ‌ مانوس دلے دارد بیگانہ نظر دارد

غافل زدلم منشین جانان ز سر مستی ‌ ‌ ‌ صد نغمہ برانگیزد سازے کہ تو بشکستی

بلبل ہمہ تن خون شد گلہا ہمہ تن چاک ‌ ‌ ‌ اے واے بہارے اگر این ست بہارے
اغیار بدل خندہ زن دل بتو مشغول ‌ ‌ ‌ خلقے بس دیوانہ و دیوانہ بکارے

تلخیص و تبصرہ

اسلام مڈگاسکر مین

"مدغاسکر، بحر ہند مین سواحل افریقہ کے قریب اسلام کا بہت پرانا مرکز ہے، یہان پہلے عمانی عربون اور بعد کو خلیج فارس کے ایرانی تاجرون کی آبادی ہی، یہان اسلامی سلطنتین بھی قائم ہو چکی تھین آج کل جو اسکی کیفیت ہے، اوسکا حال امریکہ کے عیسائی مشنری رسالہ "اسلامی ورلڈ" سے معلوم ہوگا، امید ہے کہ ہمارے ناظرین اوسکو نگاہ عبرت سے پڑھین گے"

عرب جہازرانون مین اس جزیرہ کا نام قنبلو مشہور تھا، ایک خیال یہ ہے کہ مدغاسکر اصل مین مدعسکر تھا یعنی لشکر کی آخری مسافت کیونکہ عرب جہازران اپنے سواحل سے چلکر اس جزیرہ سے آگے نہین بڑھتے تھے یعنی اس سمندر مین اس سمت مین یہی اون کی آخری حد تھی،

مڈگاسکر کی آبادی جو اپنی وسعت کے لحاظ سے دنیا کا تیسرا جزیرہ ہے تخمیناً تیس لاکھ سے زیادہ ہے، مسینان (Massignon) ۱۹۱۸ء کی مردم شماری کے مطابق وہان کی آبادی کی تعداد (۲۵۴۵۵۷۵) بتاتا ہے لیکن ہمین جزائر کوموروکے باشندے بھی شامل ہین مسلمانون کی تعداد (۶۶۹۲۰۰) ہے یعنی کل آبادی مین اٹھارہ فی صدی اگرچہ باعمل مسلمانون کا شمار دراصل اس سے بہت کم ہے، کثرت تعداد اون لوگون کی ہے جو کائنات کی ہر شے مین حیات کے وجود کے قائل ہین، حالانکہ تبلیغی کوششون کی ترقی کے ساتھ دین مسیحی کی نشر و اشاعت بھی وہان یقینی ہے،

اس جزیرہ کے جو حالات عرب جغرافیہ دانون نے لکھے ہین ان مین سب سے زیادہ قدیم[1] اور مفصل بیان ادریسی کی

---

[1] معارف:- یہ غلط ہے ادریسی سے دوسو برس پہلے اسکا حال مسعودی نے مروج الذہب کی پہلی جلد مین لکھا ہے،

کی کتاب نزہتہ المشتاق (۱۱۵۴ء) مین ملتا ہے، اہل یورپ مین سب سے پہلے ایک پرتگالی جہازران ڈیگو ڈایس

(Deigo Dias) نے سینٹ لارنس کے دن (۱۰ اگست ۱۵۰۰ء) مڈگاسکر کو دیکھا، اسی وجہ سے

کچھ دنون تک اس جزیرہ کو سینٹ لارنس کہتے تھے، دین مسیحی کی ابتدا وہان اول اول پرتگالی پادریون نے کی،

ماہرین علم انواع البشر نے مڈگاسکر کے باشندون کی دو قسمین کی ہین، (۱) ملائی اور افریقی، پہلی شاخ مین ہلکے

رنگ کے نسل ہووا (Hova) کے لوگ ہین جو صاحب اثر و اقتدار ہین، اور جو دسوین صدی عیسوی

کے قریب اس جزیرہ مین پہنچے تھے، نیز دوسری قومین بھی شامل ہین مثلاً بٹسیلیو (Betsileo) اور بٹسیمارکا

(Betsimaraka) دوسری شاخ مین سیاہ فام افریقی النسل سکالوا (Sakalava)

ہین، متعدد دوسری قومین مثلاً تیمورو (Taimoro) تیفاسی (Taifasi) اور تانوسی

(Tanosi) انھی دونسلون سے مخلوط ہین، اور ساحلون پر کثرت سے سواحلی عرب اور ہندوستانی

آباد ہین، اگرچہ فرانس نے ۱۶۴۲ء ہی مین اس جزیرہ پر قبضہ کا دعوی کیا تھا، لیکن اوسکے حقوق ۱۸۸۵ء مین ایک

صلح نامہ کی رو سے متعین کئے گئے، آج بھی اس کا اثر دار السلطنت انتانا ناریوو (Antananarevo)

سے جو گورنر جنرل کی جائے قیام ہے، زیادہ دور تک نہین پہنچا ہے،

فرانسیسی فاضل سینان، مڈگاسکر اور اوسکے اثر زیر فرمان جزائر کومورو کی فرانسیسی نوآبادی کے اصلی باشندون

کو تین گروہون مین تقسیم کیا ہے،

۱- کومورو کے اصلی باشندے (۱۰۹۶۰۵) جو سب کے سب پرجوش مسلمان ہین، مع اون لوگون کے جو ساحل پر

رہتے ہین اور تقریباً مسلمان ہو چکے ہین،

۲- شمال مشرق اور مغرب کے سکالوا، جنمین مسلمانون کی تعداد (۲۰۹۰۰۰) ہے،

۳- جنوبی مشرقی اقوام صوبہ جات فارافنگانا، متانجارا، فورٹ ڈافین، اور بڑو کا مین

(۷۵۳۰۰۰ مسلمان)

۱- جزائر کومورو کی پوری آبادی مسلمانون کی ہے، یہ مذہب شافعی کے پیرو ہین، اور اونکی علم زبان سواحلی ہی، اوھنون نے اوّل اوّل خلیج فارس کے تاجرون کی وساطت سے نوین صدی عیسوی مین اسلام لانا شروع کیا، کومورو کے نام سے مڈگاسکر کے قدیم عربی نام جزیرۃ القُمر کا پتہ لگتا ہی، جسے غلطی سے جزیرۃ القمر سمجھ لیا گیا، یہی نام پندرہوین صدی کے عرب جغرافیہ دان ابن ماجد نے اپنی کتاب الفوائد مین لکھا ہے، مڈگاسکر مشتق ہے مارکو پولو کے میڈ ی گاسکر سے جس کے متعلق فران (Ferrand) کا خیال ہے کہ یہ دراصل میڈی گاس بار بمعنی "ملاگاسیون کا ملک تھا، ٹھیک اوسی طرح جس طرح زیزی بار کے معنی مین "زنگیون کا ملک"،

جزائر کومورو مین جنہین چار آتشفشانی جزیرے انگازجا (Angazija) انزوان (Nzwan) مایوتا (Mayola) اور موہیلی (Moheli) شامل ہین، سولھوین صدی سے جدا جدا سلاطین کی حکومت ہے،

الف - سلطان انگازجا (غازجا) مورونی مین رہتا ہے، جہان مسینک کے بیان کے مطابق فرقہ شاذلیہ کے درویشون کی ایک بڑی خانقاہ ہی،

(ب) سلاطین انزوان شیرازی خاندان سے ہین، جسے ۱۵۰۰ھ مین محمد بن عیسیٰ نے قایم کیا تھا، اوھنون نے دوموٹی کی قدیم مسجد جس کی محراب سفید مونگے کی ہے، اور سلطان عبداللہ ثالث کا محل مباؤ مین بنوایا،

(ج) سلاطین مایوتا عیسیٰ بن محمد کی اولاد سے ہین، جو انزوان کے پہلے سلطان کا بیٹا تھا، دار السلطنت مین ۱۵۶۶ھ کی بنی ہوئی ایک مسجد اور آمنہ متوفیہ ۱۵۹۶ھ کا ایک مقبرہ ہے، جو نیلے زنگ کی چینی کا بنا ہوا ہے، عرب خاندان کے ایک مختصر دور حکومت کے بعد آخری سلطان کے وارث نے اس جزیرہ کو فرانس کے حوالہ کر دیا،

(۵) سلاطین موہیلی کا جو شیرازی الاصل تھے، جانشین ۱۸۳۰ء مین ایک جلا وطن ہوا، جس نے اسلام قبول کرلیا تھا، اور جس کا نام رامانلاکا (Ramanelaka) تھا،

۲- سکالوا شمال اور جنوب دونون کے اثرات سے اسلام سے آشنا ہوئے، شمال مین اونھون نے موجنگا سے ملی ہوئی نوسی لنگانی (Nossi Langany) کی مختصر عرب سلطنت کا اثر قبول کیا، لیکن یہ اثر کچھ زیادہ نہ تھا، موجنگا کی دونون مسجدین سکالوا کے لئے نہین ہین، بلکہ ایک سُنّی زنجباریون اور کومورو کے اصلی باشندون کے لئے، اور دوسری ہندوستانی اہل تشیع کے لئے ہے، مسینان اس حصۂ ملک کے بہت سے قدیم مسلمانون کے مقبرون کا بھی ذکر کرتا ہے، سکالوا کے ہان عربی تقویم رائج ہے، اور ان کا علم رمل اُن عربی کتابون سے جو بظاہر علم جفر کی ہین نیز شیخ محمد زناتی کی کتاب الفصل فی اصول علم الرمل سے ماخوذ ہے، یہ لوگ رمضان مین روزے نہین رکھتے اور اون کے ہان شراب نوشی بھی جائز ہے،

۳- ۱۵۰۰ء مین ملایا کے بعض مسلمان خاندان حج بیت اللہ سے لوٹتے ہوئے مناثجارہ مین مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے، اون کی آمد کا اثر بھی مڈگاسکر کے جنوبی مشرقی حصہ پر پڑا، اون کی اولاد کے پاس عربی رسم خط مین لکھی ہوئی اسلامی کتابون کے اکثر ترجمے ملاگاسی زبان مین موجود ہین، یہ قلمی مسودات آیات قرآنی اسمائے باری تعالیٰ، ملائکہ، احادیث نبوی، طب، سحر کاری، اور علم نجوم سے متعلق ہین،

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ان مین آیات قرآنی کی ترتیب حضرت عثمانؓ کی ترتیب کے مطابق نہین ہے،[۱]

مذکورۂ بالا مسودات کو غور سے دیکھنے کے بعد مڈگاسکر مین مسلمان نوواردون کی متعدد آمد کے متعلق قرائن حسب ذیل نتائج پر پہنچا ہے،

(۱) عربون کی آمد چھٹی صدی سے نوین صدی تک جب کہ بہتیرے اصلی باشندون نے اسلام

---

[۱] معارف:- یہ اس لئے ہے کہ وہ مکمل قرآن نہین، بلکہ منتخبات سور ہین، جیسے پنج سورہ وغیرہ کا رواج ہندوستان مین ہے،

(غالباً سنی مذہب قبول کیا،

(۲) فرقۂ اثنا عشریہ کے ایرانی شیعہ جو علی الرضا کے دورِ حکومت (نشئہ تا ۸۱۸ئہ) کے بعد پہنچے،

(۳) دوسرے عرب نوادرد جو آخری عباسی خلیفہ مستعصم کے عہدِ حکومت مین تیرہوین صدی کے وسط مین آئے،

اور جو باتین اہل مڈگاسکر نے عربی ماخذون سے لین، وہ یہ ہین :-

(۱) ہفتہ کے دنون کے نام،

(۲) بارہ مہینون کے نام جو منطقۃ البروج کے عربی نامون کی نقل ہین،

(۳) قمری مہینہ کے اٹھائیس دنون کے نام،

(۴) جفر و رمل کے مشکل قواعد،

(۵) غسل کی عظیم الشان سالانہ تقریب جو مسلمانون کی عید الفطر سے مشابہ ہے،

فران یہ بھی لکھتا ہے کہ مڈگاسکر کے قدیم پرتگالی سیاحون کا بیان ہے، کہ وہان کے جنوبی مشرقی حصہ کے رہنے والے مسلمان رمضان مین روزے رکھتے تھے، نمازین پڑھتے تھے، اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے لیکن شراب پیتے تھے، اور سور کا گوشت کھاتے تھے، مڈگاسکر کے مسلمانون کے ضعفِ ایمان کی مزید شہادت اس امر سے بھی ملتی ہے، کہ جب وہان فرانس کا قبضہ ہوگیا، تو یہ لوگ اپنے حکام کو خوش کرنے کے خیال سے کثیر تعداد مین عیسائی ہونے کے لئے تیار ہوگئے، حکومتِ فرانس کو اونھین یہ بتانا پڑا، کہ ہر شخص اپنے ذاتی مذہب کی پیروی کے لئے آزاد ہے، بشرطیکہ وہ قوانینِ ملک کی پابندی کرے، یہ تمام باتین وہان کے لوگون کی ذہنیت کے عین مطابق ہین، چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ اگر حکومت کی طرف سے متعین طور پر اونھین مذہبی تعلیم نہ دی جائے تو مذہب کی جانب سے اون کی لاپروائی سرعت کے ساتھ پھیلتی جائے گی، یہان تبلیغی کوششون کے لئے بہت وسیع میدان ہے، اور یہ صورتِ حال خود

مسلمانون کی نظرون سے بھی پوشیدہ نہین ہے،

زمانۂ حال مین احمدیہ اور اسمٰعیلی فرقہ کے لوگون نے اس جزیرہ مین تبلیغ اسلام کی کوششین کی ہین لیکن صرف مغربی ساحل ہی ایک ایسا مقام ہے جہان اسلام قریب المرگ نہین ہے، تمدّنی حیثیت سے وہان کی غیر مسلم قومین اپنے مسلمان بھائیون سے زیادہ ترقی کر رہی ہین، اور جہان تک خود مڈگاسکر کا تعلق ہے، وہان کی مسلم اقلیت نسبتہً ناقابلِ لحاظ ہے، "مسلم ورلڈ" "ع ز"

سلطان التمش کا صحیح نام

سلطان شمس الدین التمش جو ہندوستان کا تیسرا غلام بادشاہ تھا، اور جس نے ۶۰۷ھ سے ۶۳۳ھ تک دہلی کے تخت پر حکمرانی کی اس کا صحیح نام کیا تھا؟ ہندوستان کے اکثر ابتدائی بادشاہ ترکی النسل تھے، اسلئے اون کے نام بھی ترکی ہوتے تھے جنکی اصلیت سے ہندوستانی مورخین کم واقف ہوتے تھے،

سلطان شمس الدین کا نام عام طور سے التمش مشہور ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ ترکی ہے لیکن ترکی مین یہ لفظ اپنی موجودہ صورت مین بے معنی ہے، ابھی حال مین اسکول اوف اورینٹل اسٹڈیز لندن کے بلیٹن (جلد ۶ حصہ ۴ ص ۱۰۱۱) مین ایک مختصر نوٹ چھپا ہے جسمین صاحب قلم نے یہ بتایا ہے، کہ التمش کا صحیح ترکی تلفظ ایلتتمش ہے، اور اوسکے معنی کشور کشا، یا عالمگیر اور جہانگیر کے ہین،

ہندوستان کی فارسی تاریخون مین یہ نام "التمش" کی صورت مین ملتا ہے، صحیح نام کی دریافت کے لئے سلطان کے سکون کی طرف توجہ کی گئی، برٹش میوزیم ۱۸۸۴ء کے سلاطین دہلی کے سکون مین اس سلطان کا ایک سکہ ہے جس پر ناگری خط مین اوس کا نام "لی تیمی" پڑھا جاتا ہے، میوزیم کے کیٹلاگ مین پورا نام ناگری خط کے سکون پر سری سلطان لیتیمی سنہ ۶۲۳ھ سمت پڑھا جاتا ہے،

مضمون نگار نے برٹش میوزیم کے محقق آثار مسٹر الان (ALLAN) سے دریافت کرنے

پر یہ جواب پایا،

"میں سمجھتا ہوں کہ التمش نام برٹش میوزیم کیٹلاگ سلاطین دہلی نقش ۲، نمبر ۳۲ کے بے احتیاطانہ پڑھنے کے سبب سے ہوا ہے، اس سکہ میں نقاش سے جگہ کی کمی کے باعث کچھ حرف کٹ کر رہ گئے ہیں سکوں پر ۶۲ بی خط میں یہ نام دو طرح سے واقع ہوتے ہیں "التتمش" اور "ایلتتمش" دو "ت" ہونے میں کوئی شک نہیں .... ناگری خط کے کئی سکوں کے ملانے سے نام اس طرح پڑھا جاتا ہے، سری سلطانا ایلتتمشی

۱۲۸۳ سمت (ہندی سنہ) ....."

مضمون نگار کہتا ہے کہ طبقات ناصری میں (جو سلطان کی معاصر تاریخ ہے،) اوسکے کلکتہ اڈیشن میں یہ نام دو جگہ شعراء کے دو قصیدوں میں آیا ہے ان دونوں مقاموں پر اس اڈیشن میں التمش چھپا ہے، مگر شعروں کے وزن کا اقتضا یہ ہے کہ اوسکو التمش کے بجائے التتمش پڑھا جائے،

صفحہ ۱۹۱ میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی سراج نے سلطان معز الدین بہرام شاہ بن شمس الدین ایلتتمش کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا تیسرا شعر یہ ہے :-

اگر سلطانی ہند است ارث دودہ شمسی

بحمد اللہ ز فرزندان تو ئی التمش ثانی

پھر طبقات کے صفحہ ۲۰۲ پر قاضی منہاج نے اپنا دوسرا قصیدہ لکھا ہے، جس کا مطلع یہ ہے،

آن شہنشاہی کہ حاتم بذل و رستم کوشش است

ناصر دنیا و دین محمود بن التمش است

ان دونوں شعروں میں وزن کا اقتضا ہے کہ التمش کے بجائے التتمش پڑھا جائے،

معارف:- اس دوسرے شعر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ التتمش کی میم کو زیر کے بجائے جو مشہور ہے، زیر کے ساتھ پڑھنا چاہئے، تاکہ "کوشش" کا ہم قافیہ ہوسکے، پورے قصیدہ میں تمام قافیے اسی طرح ہیں جن میں

ش سے پہلے کا حرف زیر کے ساتھ ہے،

التمش کے بجائے التتمش کے صحیح ہونے کی ایک مزید شہادت یہ ہے کہ مورخ ابن اثیر نے جو سلطان کا معاصر تھا اپنی تاریخ کامل مین اوس کا نام شمس الدین التر مش لکھا ہے، (کامل ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۰۳ مطبوعہ بریل یورپ و جلد ۱۲ ص ۱۲۰ مطبوعہ ۱۳۰۳ھ مصر) ایک اور دوسرے ترکی کا نام اوس نے "الدتمش الترک" لکھا ہے، (کامل ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۷ بریل) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی تے کے بعد ایک اور حرف ہے، جو عربی تلفظ مین کہین "ر" اور کہین "د" ہو گیا ہے،

"س"

رسالہ معراج النبیؐ

مولفہ حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین لاہور،

مسلمانون کا فرض ہے کہ اسلامی رسوم اور دینی تہوارون کو اللہ تعالےٰ اور اوسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق ادا کرین، ورنہ خطرہ ہے کہ مال بھی لٹائین اور خدا تعالیٰ کو بھی ناراض کر بیٹھین لہذا اگر آپ چاہتے ہین، کہ معراج نبوی کی اصلی حقیقت قرآن اور حدیث کی روشنی مین دیکھین، اور اوس کے اصلی اور نقلی دلائل سے آگاہ ہون اور آسمانی تحفہ معراج کا پتہ لگائین، تو مندرجہ ذیل پتہ پر ایک آنہ کا ٹکٹ محصول ڈاک و پیکنگ بھیجکر رسالہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم مفت منگوا کر ملاحظ فرمائین، بلکہ ہوسکے تو زیادہ ٹکٹ بھیج کر زیادہ تعداد مین منگوائین اور دوست احباب مین تقسیم فرما کر اشاعت و تبلیغ کا ثواب پائین،

المعلن

ناظم شعبہ تالیف اشاعت انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور،

اخبار علمیہ

حالت خواب مین دماغ کی مصروفیت

مفکرین، ارباب علم و فضل، ماہرین فنون و صنائع اور موجدین و مخترعین نے بار بار اسکو بیان کیا ہے، کہ انھین کسی مسئلہ کا حل، کسی صنعت لطیف کا محرک کسی مشکل خیال کا سلجھاؤ جسے باوجود ہفتون کی سعی و کاوش کے وہ حالت بیداری مین حاصل نہ کرسکے تھے، دفعتہً اور بالکل غیر متوقع طور پر حالت خواب مین ہاتھ آگیا، لیکن دوسری طرف وہ ممتاز اہل علم مین جنکو اس کے امکان سے انکار رہے، اور وہ اسے دھوکا یا قوت حافظہ کی غلطی کہتے ہین، اس مسئلہ کے متعلق پروفیسر بیج (PROF. BAEGE) جنا یونیورسٹی کی رائے ہے کہ جو شخص خواب مین قوائے طبعی کا کوئی خاص مظہر دیکھتا ہے وہ اول الذکر خیال کو تسلیم کرنے کی طرف مائل ہوگا، لیکن جو حالت خواب مین کامل دماغی سکون پاتا ہے جبکہ تمام دماغ گویا بالکل معطل ہوجاتا ہے، وہ ضرور اس خیال کی تردید کرے گا کہ سونے کی حالت مین کسی قسم کا دماغی کام ممکن ہے، نیند کے متعلق جدید تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ان دو متضاد نقطہائے نظر مین سے کوئی بھی اصلی واقعات کے مطابق نہین ہے، حالت خواب مین خاص قوائے طبعی کام نہین کرتے اور نہ دماغ کی تمام مصروفیت نیند کی حالت مین موقوف ہوجاتی ہے، بلکہ گہری نیند کی حالت کے علاوہ جو صرف گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ رہتی ہے، ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ دماغ کا کوئی ایک ہی حصہ حالت سکون مین ہوتا ہے اور اس کے دوسرے حصے آرام نہین کرتے بلکہ خصوصًا ایسی صورت مین کہ حالت بیداری مین دماغ حد سے زیادہ زور اور محنت برداشت کرچکا ہے، اپنی مصروفیت کو جاری رکھتے ہین، پروفیسر ہوش (HOCHE)

فرائی برگ یونیورسٹی نے ایک سوویونیورسٹی پروفیسرون کی رائین اس مسئلہ سے متعلق حاصل کی ہین ۔ وہ لکھتے ہین :۔

"ایک پروفیسر کا بیان ہے کہ ڈاکٹر کی ڈگری کے لیے جو مقالہ اس نے پیش کیا تھا اسمین اُسے ریاضی کی دقتون کا سامنا ہوا، ایک روز رات کو وہ بہت مغموم ہو کر سونے کے لیے بستر پر گیا، کیونکہ وہ اس دقت کو حل کرنے مین کامیاب نہ ہو سکا تھا، اُسے اچھی نیند نہ آئی، دوران خواب مین بھی وہ اس مسئلہ پر غور و خوض کرتا رہا جب دوسرے روز صبح کو وہ بیدار ہوا تو اس نے وہ مسئلہ حل کر لیا تھا، دوسرا فاضل لکھتا ہے کہ دن مین وہ ایک قلمی تحریر کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا جس کا ایک لفظ خاص طور پر مشکل تھا، جب وہ سونے گیا تو خواب مین بھی اُسنے وہی تحریر پڑھنی شروع کی اور پھر اُسی مشکل لفظ پر آکر رکا، دفعتًہ اس کے ذہن مین یہ بات آئی کہ ممکن ہے یہ لفظ لغت مین فلان مقام پر مل جائے، وہ جاگا، فورًا اُٹھ کر لغت دیکھا اور اسی وقت اُس دقت کو رفع کر لیا" آرٹ یا سائنس کے بعض مسائل جو بظاہر حالت خواب مین حل ہوتے ہین اُنکی صورت یہ ہوتی ہے کہ مقدمات اور ان کے نتیجہ کا آخری درمیانی تعلق جو بیداری کی حالت مین نہ مل سکا تھا، نیم بیداری کی حالت مین قائم ہو جاتا ہے،

جھوٹون کی گرفت

جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو ساتھ ساتھ اس سے اور بہت سی باتین بھی عمل مین آتی ہین جنکی گرفت اگر ہم کر سکین تو اس کے جھوٹ کو بھی پکڑ سکتے ہین، علم کی یہ جدید شاخ صرف دس بارہ سال قبل دریافت کی گئی اور سرعت کے ساتھ ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرتی جاتی ہے، تفتیش کے اس جدید طریقہ کو عمل مین لانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بے گناہ بری ہو جاتے ہین، جس وقت کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے اس کے خون کا دباؤ بہت بڑھ جاتا ہے، اسکی نبض کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور اسکی سانس بدل جاتی ہے، یہ کیفیت ایک آلہ کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتی ہے جسے مشتبہ شخص کے جسم پر لگاتے ہین، اس آلہ کو "پولی گراف" (POLYGRAPH) کہتے ہین

امریکہ مین ہزارون مشتبہ اشخاص کی جانچ اس آلہ کے ذریعہ سے کی گئی اور اسطرح بہتیرے خفیہ جرائم کا پتہ لگایا گیا، سیکڑون جرائم از قسم سرقہ، ڈاکہ، تغلب وغبن، جرائم جنسی، قتل وخونریزی وغیرہ وغیرہ کا اقرار اسی آلہ کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا، تفتیشِ جرائم کا یہ طریقہ اگرچہ گذشتہ دس سالون سے ہزارون مجرمون اور مشکوک لوگون پر کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا رہا ہی تاہم ابھی اس مین ترقی کی بہت کچھ گنجایش باقی ہے، اور برابر اس مین اصلاحین کیجا رہی ہین، روز بروز یہ طریقہ زیادہ قابلِ اعتماد ہوتا جاتا ہے اور امید کیجاتی ہو کہ ایک روز یہ بھی عدالتون اور پولیس کے محکمون مین اسی وثوق کے ساتھ استعمال کیا جا سکے گا، جسطرح انگوٹھے کے نشانات آج استعمال کئے جا رہے ہین،

عقدہ کی عقدہ کشائی،

اُس رسی یا ڈور کی گرہین جو کسی جرم کے سلسلہ مین پائی جاتی ہین، اب امریکہ مین جرائم کی تفتیش کرنیوالے اسی احتیاط سے رکھتے ہین جس احتیاط کے ساتھ انگوٹھے کے نشانات رکھے جاتے ہین، ان لوگون کا تجربہ ہے کہ اکثر اوقات گرہون کی نوعیت سے مجرم کی شناخت ہو جاتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ مختلف قسم کے لوگ عادۃً مختلف قسم کی گرہین دیتے ہین، چنانچہ کپڑا بننے والے، مویشی اور گھوڑے رکھنے والے، لکڑہی اور گاڑی والے اطبا، کاشتکار اور جہازران، یہ سب جدا جدا قسم کی گرہین دیتے ہین، یہ اور بہت سی دوسری قسم کی گرہون کے نمونے تفتیش کرنے والے اپنے پاس رکھتے ہین، یہ لوگ گرہون کو ایک دوسرے سے ملا کر مجرم کا پتہ لگاتے ہین، اور اکثر کامیاب ہوتے ہین، چنانچہ ایک معاملہ مین تقریبًا تمام شہادتین اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتی تھین کہ مقتول کو کسی جہازران نے کشتی پر سے دریا مین پھینک دیا، لیکن ایک ہوشیار جاسوس نے یہ ثابت کر دکھایا کہ جو گرہین اس کے پیرون مین دی گئی تھین وہ ایسے شخص کے ہاتھ کی تھین جو جہازران نہ تھا، اسی طرح ایک دوسرے معاملہ مین مسکرات کے خردہ فروشون کا ایک گروہ گرفتار کیا گیا، جو گرہین ان لوگون نے بنڈلون مین دی تھین وہ ان گرہون سے مشابہ تھین جو اس واقعہ سے قبل اسی قسم کے جرم کی تفتیش

مین معلوم ہوچکی تھین، اس فن کا ماہر یہ بھی معلوم کرلیتا ہے کہ گرہ داہنے ہاتھ سے دی گئی ہے، یا بائین ہاتھ سے

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض آدمی عادۃً گرہ مین دو ایک پھندا اور دیدیتے ہین، ایسی صورت مین تفتیش

کرنے والے ملزم سے اپنے سامنے کسی رسی مین گرہ دینے کو کہتے ہین اور گرہ دیکھ کر اس کے مجرم ہونے یا نہ ہونے

کا پتہ لگا لیتے ہین،

جرمنی کا ادارۂ صحت

جرمنی کے شہر ڈرسڈن مین ایک مشہور و معروف ادارۂ صحت (HYGIENE MUSEUM) قائم ہے،

اول اول اسکا خیال ۱۹۰۳ء مین وہان کے ایک بڑے کارخانہ دار ڈاکٹر لنگنر (DR LINGNER) کے ذہن

مین آیا، انھون نے ایک ایسے ادارہ کی تعمیر جس سے ہر عامی بھی فائدہ اٹھا سکے ضروری خیال کی، ۱۹۱۱ء

مین ڈاکٹر موصوف نے ایک نمایش صحت ترتیب دی جو کامیاب ہوئی اور اس معاملہ مین انھون نے اطبا، حکومت

اور عوام کا اعتماد حاصل کرلیا، جو سامان ۱۹۱۱ء مین نمایش صحت کے لیے فراہم کیا گیا تھا، وہی ادارۂ صحت کی

بنیاد قرار پایا، ۱۹۱۶ء مین ڈاکٹر لنگنر کا انتقال ہوگیا، خیال یہ تھا کہ انھین کے ساتھ اس ادارہ کا خیال بھی

فنا ہوجائے گا، لیکن خوش قسمتی سے ڈاکٹر موصوف نے اپنے ساتھ کام کرنے والون مین اس کے متعلق اتنا اعتماد

پیدا کردیا تھا، کہ ان لوگون نے ہر طرح کی دقتون کے باوجود اس کام کو جاری رکھنے کا عزم کرلیا، غرض اسکا

سنگ بنیاد ۱۹۲۷ء مین رکھا گیا، اور اس کا افتتاح مئی ۱۹۳۰ء مین ہوا، ڈاکٹر لنگنر نے اپنی بیاض مین لکھ چھوڑا

تھا کہ یہ ادارہ تمام لوگون کے لیے بطور ایک تعلیم گاہ کے ہوگا، چنانچہ اس منشا کے مطابق یہ نہ صرف اہل جرمنی

کے لیے بلکہ دوسرے ممالک کے باشندون کے لئے بھی کھلا ہوا ہے، اس کے بعد موجودہ ڈاکٹر سائرنگ (DR

SEIRING) ہین جنھون نے سالون ڈاکٹر لنگنر کے ساتھ کام کیا ہے،

"ع ز"

ادبیات

یوم الوصال

از حکیم الشعراء جناب سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی،

ہر سانس میں پیغام حبیب آتا ہے جو دن جاتا ہے، تو قریب آتا ہے،
کب تک سہے کوئی ہجر کا غم آخر کھنچ کر آنکھوں میں آگیا دم آخر
دل بے سبب آج میرا بیکل کیوں ہے شدت سے مرے سینے میں ہلچل کیوں ہے
کیا بات ہے کیوں ماہیِ بے آب ہے دل کس کیلئے آج اتنا بے تاب ہے دل
اس سینۂ بریان میں تپش کسکی ہے اعضاء کی کشاکش میں کشش کسکی ہے،
کیوں چبھتی ہیں آج برچھیاں سینے میں کیوں بال پڑے ہیں دل کے آئینے میں
جان، جسم میں آج اجنبی سی کیوں ہے سارے اعضا میں آج کپکپی سی کیوں ہے
ہے منتظر، اے دل شکستہ! کس کا اے آنکھ! تو دیکھتی ہے رستہ کس کا
کیوں جاتا ہے سانس بالا بالا میرا کیا آنے کو ہے رفیق اعلےٰ میرا
آخر مرا وقت آگیا، خوب ہوا، وہ آکے مجھے بلا گیا، خوب ہوا،
اس موت نما حیات سے ڈرتا ہوں زندہ ہونیکے واسطے مرتا ہوں،
صد شکر، کہ مجھ سے میرا پیچھا چھوٹا تھی جس میں خودی کی مے وہ ساغر ٹوٹا

اب طائر بر بستہ کے پر کھلتے ہین ۔ مایوسی مین امید کے در کھلتے ہین ،
اب تیرگیِ دیدہ و دل جاتی ہے، وہ موت کی روشنی نظر آتی ہے،
اب آگئی آخری گھڑی راحت کی صورت نظر آرہی ہے "بے صورت" کی

جادو نظرے، عشوہ گرے می بینم بے پردہ جمال دلبرے می بینم
اکنون کہ بجلوہ گاہ نازش ہستم بر ہر سر موے نیشترے می بینم
ہان پیش نظر جلوۂ قدوس ہے آج ناقابل احساس بھی محسوس ہے آج
یہ آتا ہے آج کون تقدیس پناہ ہر جزو بدن کہتا ہے سبحان اللہ
دامن مین گل گلشن ہو، بھرتا ہون ناقابل لمس کو بھی مس کرتا ہون ،

خوشبوے مسیحا نفسے می آید،
اے روح ز تن برو کسے می آید،

معرکۂ سکون وعمل

یا

فریب سکون۔

از مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی لکھنوی لکچرار مدراس یونیورسٹی۔

جہاد زندگی مین کیون تلاش ہی سکون کی ارے تغافل آشنا یہان عمل کا کام ہے
خراب آرزو نہ ہو، یہ باتین ہین جنون کی یہ کارگاہ سعی ہے جہان جس کا نام ہے

فروغ خاطر و سکون قلب جس کا نام ہے یہ سامعہ فریب ہے، وہ باصرہ نواز ہے
ہر ایک ان کی جستجو مین آج تیز گام ہے کسے خبر کہ مرحلہ یہ سخت جان گداز ہے

یہ لفظ ہین نہین مگر وجود ان کا دہر مین ہزاران کو ڈھونڈیے نہ آئین گے کہین نظر

نہ بحر میں، نہ لہر میں، نہ دشت میں نہ شہر میں — عبث نہ کھو عزیز جان اِن کی دھن میں بے خبر!

امیر ہو، غریب ہو، فقیر ہو کہ شاہ ہو، — ہر ایک اِن کا شیفتہ ہے بزمِ کائنات میں

ذرا بھی عقل و ہوش ہو تو کیوں کوئی تباہ ہو — میسّر آئی ہے کسے یہ نعمت اِس حیات میں

ملے گی بعد مرگ ہی اگر یہ چیز مل سکی — پھر اس دو روزہ زندگی میں اس کی جستجو ہی کیوں

کہ گوشۂ قبور میں ملی ہے یہ جسے ملی ہے — ہزار حیف کھوئی تو نے اپنی زندگی جو یوں

سکون کہتے ہیں جسے ہے ایک نام موت کا — یہاں سکون کی آرزو بھی ہم نفس گناہ ہے

وہی رہا، وہی جیا کہ جس نے کام کچھ کیا — کیا نہ جس نے کچھ یہاں وہ خوار ہے تباہ ہے

یہ شورشیں یہ ولولے ہی زندگی کی جان ہیں — سکوت اور سکون میں کہاں مزہ حیات کا

اُٹھ اور کر کے کچھ دکھا جو ہمتیں جوان ہیں — نہیں تو چھوڑ معرکہ یہ بزمِ کائنات کا

نہ بد رقے کی فکر کر، نہ خوف مشکلات کا — جو سعی و محنت و عمل ترے رفیقِ راہ ہیں

ترا ثباتِ عزم خود کفیل ہے نجات کا — یہ نارسائیوں کے وہم دل میں خواہ مخواہ ہیں

فریبِ راحت و سکون نہ کھا جو کامگار ہے — شرابِ زہر دار ہے یہ آدمی کے واسطے

نہ دامِ یاس و بے دلی میں آ جو ہوشیار ہے — عذابِ خوش گوار ہے یہ زندگی کے واسطے

بہادروں سے چھین لی ہیں اس نے دل کی قوتیں — جمالِ راحت و سکون عدوئے عقل و ہوش ہے

مبارزوں کی توڑ دی ہیں معرکوں میں ہمتیں — یہ دل پہ چھا گیا تو پھر نہ ہوش ہے نہ جوش ہے

کیا ضعیف اس نے عزمِ رستمِ نبرد کو — اسی نے کھوئیں عظمتیں کلاہِ تاجدار کی،

اسی نے دل میں دی جگہ خیالِ گرم و سرد کو — اسی نے ڈھائیں طاقتیں سپاہِ بے شمار کی،

یہ رہزنِ حیات ہے، یہ دشمنِ نشاط ہے — سنبھل! اٹھ! اپنی طاقتِ نہاں کو آشکار کر

قوی ہے تیرا عزمِ دل تو غم کی کیا بساط ہے — بہا کے اپنا خون اس زمین کو لالہ زار کر

باب التقریظ والانتقاد

انتخاب دیوان شمس تبریز

مؤلفہ مولوی عبدالمالک صاحب آروی، شایع کردہ ایوانِ اشاعت گورکھپور، ضخامت ۲۳۵ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- عه

ڈاکٹر نکلسن جنکو ہمارے صوفیانہ ادبیات سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے، انھون نے اپنی طالب علمانہ محنت کے ثمرۂ اولین کے طور پر ۱۸۹۸ء مین دیوان شمس تبریز کی چند غزلون کا انتخاب پیش کیا تھا، اور اس پر طالب علمانہ حیثیت سے کچھ خیالات مقدمہ کے طور پر لکھے تھے، ایک نوجوان مستعد صاحب قلم مولوی عبدالمالک صاحب آروی نے بھی اپنے طالب علمانہ ثمرۂ اولین کے طور پر اسی کو پسند کیا ہے، اور اس مقدمہ کو اپنے الفاظ مین ترجمہ کرکے اپنے خیال مین تنقید فرمائی ہے، اور اس کا نام انتخاب دیوان شمس تبریز رکھا ہے،

اس کتاب کا نام انتخاب دیوان شمس تبریز رکھنا بالکل ہی غیر موزون ہے، یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۲۳۵ صفحون پر مشتمل ہے جنمین سے دیوان کا انتخاب صرف ۲۵ صفحون مین ہے، ایسی حالت مین اس کتاب کا صحیح نام "نقد بر دیوان شمس تبریز" رکھنا صحیح ہوگا، نہ کہ انتخاب دیوان شمس تبریز، پھر ضروری تھا کہ ان غزلون کے اصول انتخاب پر بحث ہوتی جن لوگون نے اصل دیوان شمس تبریز پڑھا ہے، اُن کو معلوم ہے کہ یہ دیوان (کم از کم نولکشور ہندوستان مین) ۴۲۵ طویل صفحون اور خفی سطرون مین چھپا ہے، اور اس مین ہزارون غزلین ہین، پھر

وہ کون سا معیار ہے جس کی بنا پر ڈاکٹر نکلسن نے یا ہمارے مترجم دمصر نے ۵۰۳۴ مین سے ۵۰ مضمون کو، اور ہزار دل غزلون مین سے صرف ستائیس غزلون کو انتخاب کے لائق سمجھا ہے،

ڈاکٹر نکلسن کی یہ کتاب صرف اسی قدر اہمیت رکھتی ہے کہ یہ انکی آیندہ علمی کوششون کا دیباچہ ہے، ورنہ تحقیق و تفتیش کے لحاظ سے کسی خاص قدر دانی کی مستحق نہین، ہمارا خیال ہے کہ ہمارا نوجوان صاحب قلم اگر ڈاکٹر نکلسن کے افکار سے بے نیاز ہو کر خود محنت کرتا تو شاید مغربی صاحب قلم سے یہ مشرقی صاحب قلم زیادہ کامیاب ہو سکتا،

کتاب مین تصنیف، تحقیق، زبان اور طریقہ ادا کی خامیان بکثرت ہین، مثلاً ملا مین واٹا کو ملی مین بتایا گیا ہے، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ آسٹریا کے پایۂ تخت کا نام ہے، مولانا ے روم کے والد تما سے سفر مین آرمینیہ کے ایک شہر ارزنجان نامی مین کئی برس ٹھہرے تھے، ڈاکٹر نکلسن نے اس شہر کا نام ارزنجان، اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مضمون نگار نے ارزنگان لکھا ہے، جو ظاہر ہے کہ پہلے لفظ کی فارسی شکل ہے، مگر مؤلف نے ان دونون کو غلط اس لیے بتایا ہے کہ آرمینیہ مین اس نام کا کوئی شہر نہین ہے، اس لیے اس کے نزدیک صحیح آذربائجان ہے، کیونکہ پرشین آرٹ کے اندر جو انگریز مستشرقین کی جدید الشیوع تصنیف ہے.... صوبۂ آرمینیہ کے حدود مین آذربائجان لکھکر دکھایا گیا ہے؟ حالانکہ آج عام اخبار خوانون کو بھی معلوم ہوگا کہ آرمینیہ اور آذربائجان دو مستقل ملک پہلے بھی تھے اور آج بھی ہین، اور ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہین،

اور یہ کہنا کہ آرمینیہ مین ارزنجان کوئی شہر نہین، قلتِ تلاش کا نتیجہ ہے، خود مولانا ے روم کے معاصر یاقوت کی مشہور کتاب معجم البلدان مین ہے:" ارزنجان جس کو وہان کے باشندے ارزنکان کہتے ہین، آرمینیہ کا ایک عمدہ مشہور سرسبز و شاداب شہر ہے، بلاد روم اور خلاط کے درمیان رومی ارزن کے قریب واقع ہے" (جلد اوّل صفحہ ۱۹۰، مصر)

عہد رومی کے سیاسیات کا جو باب مؤلف نے اضافہ کیا ہے، وہ تمام تر غیر صحیح لکھا ہے (صفحہ ۵۳)

"رومی کا وہ زمانہ تھا جبکہ غزنویہ کا بڑھا ہوا اقتدار کم ہو رہا تھا، عباسیہ کا جاہ و جلال زوال پذیر تھا، اور

دنیاے اسلام مین ایک تیسری قوم ترقی کررہی تھی، جسے آل سلجوق کہتے ہین"

اس کے بعد ہسٹری آف سارا سنس امیر علی اور پرشین آرٹ ایک جدید فنی کتاب سے دو بے جوڑ اقتباسات نقل کئے ہین،

مولنا رومی کی ولادت ۶۰۴ھ مین اور وفات ۶۷۲ھ مین ہوئی، یہ وہ وقت ہے جب کہ غزنویہ کا بڑھنا ہوا نہین، بلکہ ٹھہرا ہوا زور بھی ساحل فنا کو پہنچ چکا تھا، اور مولنا کی پیدایش سے سات برس پیشتر غزنویہ کا چراغ گل ہو چکا تھا، اور غوری خاندان کی نئی حکومت قائم ہو چکی تھی، "ور اس وقت عباسیہ کا جاہ وجلال زوال پذیر ہی نہ تھا، بلکہ بغداد مین بھی وہ موجود نہ تھا، وہ مولنا کی زندگی ہی مین ۶۵۶ھ مین تاتاریون کے ہاتھون تاراج ہو چکا تھا، اور تیسری قوم جس کو آل سلجوق کہتے تھے، ترقی نہین کررہی تھی، بلکہ اسکی جڑ اصل حکومت سلجوقی واقعۂ نیشاپور (اصفہان) کٹ چکی تھی، اور طوائف الملوکی نے اس کا خاتمہ کر دیا تھا، ایک طرف خوارزمشاہ کی حکومت تھی، اور دوسری طرف متفرق اتابکان موصل و دیار بکر و فارس وغیرہ کی، "اور روم یعنی ایشیائے کوچک مین سلجوقیون کی ایک شاخ جس کو سلاجقۂ روم کہتے ہین، اپنی انتہا کو پہنچکر زوال پذیر ہو رہی تھی، اور مولنا کی زندگی ہی مین تاتاریون سے شکست کھا کر وہ اسکی باجگذار بن چکی تھی،

زبان کا انداز ان فقرون سے ہوگا،

رومی کی غزلیات کے اندر کس قدر بے پایان کیفیات، کیسا والہانہ فغانِ درد، کیسی مضطر حیات، کیسے جمیل نوامیس شعری پائے جاتے ہین" ص۲۸

شاعر عہد صبوت ہی سے ایک عجیب وغریب ہستی رکھتا تھا ص۳۲، ابتداے چھٹی صدی ص۱۳۱ جامی مسلّم صوفی شاعر تھے، ص۱۳۵ ۱۴ھ مین وفات کی ص۱۸۱،

طرز گفتار ہر جگہ انانیت اور صیغۂ واحد متکلم کے اظہار و ترفع مین ہے، جو کسی صاحب علم کے آغاز تصنیف کے شایانِ شان نہین،

حضرت سلطان نظام الاولیاء کے مناظرہ کی جو روداد (جسکا یہان کوئی تعلق نہین) تاریخ فرشتہ

سے نقل کیگئی ہے، وہ قطعاً غلط ہے، حالانکہ اسکی تصحیحات معارف مین دو سال ہوے کہ شایع ہو چکی ہین،

"نفس سماع کی حقیقت" کے عنوان سے ایک بے محل باب مین مذکور ہے کہ "سماع کے باب مین امام غزالی کا بحث نیم مولویانہ و نیم فلسفیانہ رنگ رکھتی ہی" کاش امام غزالی کی نیم مولویانہ بحث پر اعتراض کے بجاے اسکو سمجھنے کی کوشش کی جاتی،

صفحات ۱۰۴ و ۱۰۵ انیز صفحات ۱۹۴ و ۱۹۵ مین ایک کے اوّل کو دوسرے کے شروع سے کوئی تعلق نہین،

حضرت غوث اعظم" اور خواجہ معین الدین چشتی کے دواوین اور اُنکی غزلون کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے، کہ گویا یہ واقعی اُن کے دواوین ہین، حالانکہ اس کے ثبوت کے لیے دلائل کی ضرورت ہے، پھر ان پر تنقید کا یہ طریق،

"لیکن حضرت غوث اعظم کے پورے دیوان مین صوفیانہ اشعار اسی مولویانہ غلو کی آمیزش کے ساتھ ہین" (۱۳۹)

نازیبا ہے،

حضرت خواجہ معین الدین کی طرف جس دیوان کی نسبت کیگئی ہی، وہ مولانا معین الدین فراہی صاحب معارج النبوۃ کی تصنیف ہے، نہ کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی،

"پیر کا عقیدہ" کے عنوان سے چند صفحے لکھے ہین، جو تمام تر بے محل ہین، اور جو معلومات ہندوستان اور شیعی شعراء وغیرہ کے متعلق صرف کیے ہین، وہ موضوع سے سراسر خارج ہین، اور جو نتیجہ پیدا کیا ہو وہ گو نکلسن اور انسائیکلو پیڈیا یا نام کسی ہوبکن کتاب کے مضمون نگار کی تائید مین ہے، تاہم وہ حد درجہ گمراہ کن ہے،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوان مؤلف کو چند مختلف کتابین ہاتھ آگئی ہین، وہ اُن کی معلومات کو یکجا کر کے، ایک کتاب بنانے پر تلے ہوئے ہین، وہ کتابین یہ ہین، انگریزی مین ڈاکٹر نکلسن کا مقدمۂ انتخاب دیوان، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس، ہسٹری آف سارا سنس اور پرشین آرٹ

فارسی مین نفحات الانس، تاریخ فرشتہ اور کیمیاے سعادت۔

مؤلف کی اس تحقیق کی نسبت معلوم نہین اہل نظر کیا کہینگے؛

(ابتداے (کذا) چھٹی صدی سے قبل فارسی زبان مین صوفیانہ شاعری کا پتہ نہین" ص ۱۳۶

کم از کم کیا سلطان ابو سعید ابو الخیر المتوفی ۴۴۰ھ اس سے پہلے نہین گذر چکے؟ ہان یہ کہتے کہ صوفیانہ مسائل کی تعبیر سنائی المتوفی ۵۴۵ھ سے پہلے فارسی شاعری مین داخل نہین ہوئی تو یہ ایک حد تک صحیح ہے،

تذکرہ دولت شاہ سمرقندی کے متعلق مؤلف یا نکلسن کی راے ہے "کہ اس کا مصنف مستند اور پابند ضابطہ تسلیم کیا جاتا ہے" بہر حال اُن کی ابتداے طلب علم کا تجربہ ہوگا، ورنہ باتفاق ناقدین فن یہ تذکرہ خرافات اور تاریخی اغلاط سے لبریز اور اسی لیے غیر مستند ہے، چنانچہ خود اسی دولت شاہ کے گب اڈیشن کے انگریزی دیباچہ مین پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ "یہ مصنف نہ تو قدیم العہد ہے اور نہ بالکل مستند ہے" (ص ۲) مولنا شبلی شعر العجم (...) کے متعلق رقم فرماتے ہین۔ "مشہور تذکرہ ہے، اور گو اکثر جگہ غلطیان کی ہین، تاہم دلچسپ اور مفید ہے" (ص ۲)

اس نقل کفر کے لیے مؤلف کے پاس جسکو ہم مسلمان جانتے ہین کیا عذر ہے،

"جس نے اسلام کی بنجر زمین مین ابتداءً جڑ پکڑ رکھا تھا" ص ۲۲

کیا اسلام پر "زمین شور" کا طعنہ بلا تردید یا تصحیح خیال ایک مسلمان صاحب قلم کو ادا کرنا چاہیے؟

فیہ ما فیہ مولاناے روم کی نثر مین ایک تصنیف ہے، ڈاکٹر نکلسن کو اپنی اس طالب علمانہ کتاب لکھتے وقت تک اس کتاب کا یا اُس کے وجود کا علم نہ تھا، اس لیے اُن کی کتاب مین اس کا نا آشنایانہ تذکرہ برا نہ تھا، مگر اس اردو انتخاب دیوان سے چند سال پہلے مولنا کی یہ کتاب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی تصحیح سے معارف پریس سے چھپکر عام ہو چکی ہے، اس لیے ہمارے مؤلف کی اس نا آشنائی تعجب انگیز ہے،

اس کتاب مین اصل بحث جس کے دیکھنے کے ہم متمنی تھے یہ تھی کہ یہ دیوان جو شمس تبریز کے نام سے موسوم ہے در اصل کس کا ہے، اور اس بات پر کہ یہ اصل مین مولاناے روم کی تصنیف ہے، کیا قدیم شہادتین موجود ہین،

مگر اس مسئلہ کیطرف اس کتاب مین کوئی اشارہ تک نہین کیا گیا ہے،

مگر بہرحال اس کتاب کے اوراق مین مؤلف کی ذہانت، تیز طبعی، اور سعی پرواز کی علامتین بہت کچھ نمایان نظر آتی ہین، اس لیے امید ہے کہ اگر وہ غور و فکر، تحقیق و تفتیش، تلاش و جستجو اور وسعتِ مطالعہ سے کام لینگے تو ہماری زبان کی وہ قابل قدر خدمت بھی آیندہ انجام دیسکتے ہین،

"ن"

سیرۃ النبیؐ جلد چہارم

(منصب نبوت)

جس مین اوّلاً

مقدمہ مین منصب نبوت کی حقیقت اور اس کے لوازم و خصائص پر بحث ہے، پھر قبل از اسلام دنیا کے متمدن ممالک اور خصوصاً عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت کی تفصیل ہے،

اور اس کے بعد

نبوت محمدیؐ نے دنیا اور عرب کیلئے جس عظیم الشان اصلاح کا فرض انجام دیا، اسکا اجمالی بیان ہے، اصلاح کی مشکلات، ان کا انسداد، تبلیغ و دعوت، اور اسکی کامیابی، عرب کے عقائد کی اصلاح، شرک کے ہر پہلو کی تردید، توحید کی تکمیل، اسلامی عقائد کی تشریح، خدا اور اس کے صفات کاملہ، ملائکہ، انبیاء، کتب الٰہی، روز جزا، اور تقدیر پر ایمان کے مباحث، اور ان کے ضمن مین متعدد اہم مسائل کی تشریح،

اگر آپ کو

اسلام کی اس حقیقت کو سمجھنا ہے، جو وحی محمدی مین بیان کیگئی ہے، تو سیرۃ کی اس جلد کا مطالعہ فرمائین،

ضخامت ۸۰۰ صفحے تقطیع کلان، قیمت قسم اعلیٰ آٹھ روپیے، قسم دوم چھ روپیے، محصولڈاک ایک روپیہ بارہ آنہ پیکنگ وغیرہ معاف،

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

رموزِ حکمت :۔ مؤلفہ مولانا محمد شریف صاحب صدر مدرس مصباح العلوم الٰہ آباد، انوار المطابع لکھنؤ، ص ۲۷۵ قیمت :۔

یہ اردو مین فلسفۂ قدیم کی ایک صاف اور سلجھی ہوئی ابتدائی کتاب ہے، شروع مین فلسفہ کی، اور مسلمانون مین اوسکے شیوع کی تاریخ ہے، پھر فلسفہ کی تعریف اور تقسیم ہے، قدیم فلسفہ ابتداءً حکمت عملی اور حکمت نظری پر منقسم ہے، حکمتِ نظری پھر متعدد اقسام مین منقسم ہے، جن مین سے دو مشہور قسمین طبعیات اور الٰہیات ہین، زیر نظر کتاب فلسفۂ قدیم کی ان تینون شاخون، حکمت عملی طبعیات و الٰہیات پر مشتمل ہے، اور حکمت عملی مین ایک بڑا حصہ اخلاق کو دیا گیا ہے، اس طرح یہ فلسفہ، اخلاق طبعیات اور الٰہیات کے مباحث پر مشتمل ہے،

مصنف کتاب ہمارے قدیم فلسفہ کے ماہر اور ہماری قوم کے پچھلے اساتذۂ علم و حکمت مولانا ہدایت اللہ خان صاحب اور مولینا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی کے شاگرد رشید ہین، اسلئے فلسفہ کے مسائل کے بیان مین اونکا قلم پوری طرح منجھا ہوا ہے، مصنف کا میلان حضرت محی الدین ابن عربی کے فلسفہ کی طرف پورے اخفاء کے باوجود نمایان ہے،

یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہمارے عربی خوان مدارس کے طلبہ اس کا مطالعہ کرین اور منشی فاضل کے طلبہ اوسکو درس مین رکھین اور ساتھ ہی قدیم فلسفہ کا شوق رکھنے والے اوسکو پڑھین،

تعجب ہے کہ مصنف نے غلط دان انگریزی خوانون کی طرح شہر فاس کو فیض لکھا ہے، ص۱۱

نظام علی خان :۔ مولفہ جناب محمد سراج الدین صاحب طالب شمس الاسلام پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن

ص۱۶۲، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۱۲؍

نظام الملک آصفجاہ ثانی نظام علی خان کی سوانح عمری اگرچہ اس سے پہلے "آصفجاہ ثانی" کے نام سے شایع ہو چکی ہے لیکن "نظام علی خان" کے مؤلف نے اسی موضوع پر مزید تالیف کی اسلئے ضرورت محسوس کی کہ سوانح "آصفجاہ ثانی" میں اُن کے تخت نشین ہونے کے اسباب پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، اور دراصل اس عنوان بحث کے تشنہ رہ جانے سے سیرت آصفجاہ ثانی کی تکمیل نہیں ہوسکتی، مؤلف نے "نظام علی خان" میں یا دراسی قسم کے مباحث کو پھیلا کر لکھا ہے اس وقت اسکا پہلا حصہ پیش نظر ہے، اسمین ولادت سے تخت نشینی تک کے حالات ہیں، اور اس حصہ مین دو مباحث خصوصیت سے زیر بحث رہے ہین، اولاً سلطنت آصفیہ سے فرانسیسی اور انگریزی کمپنی کے تعلقات جس مین فرانسیسی کمپنی کے تعلقات کا آغاز انگریزون کی ریشہ دوانیان، فرانسیسی تعلقات کا انقطاع انگریزون سے معاہدہ کا انعقاد، اور پھر فرانسیسی تعلقات کا احیا، وغیرہ اور اون کے داخلی اور حقیقی اسباب بیان کئے ہین، اور دوسرا مبحث نظام علی خان کے پیشرو فرمانروایا ناظم دکن صلابت جنگ اور نظام علی خان کے تعلقات کو پھیلا کر دکھایا ہے، اور پھر صلابت جنگ کے معزول کرنے کے اسباب بیان کئے ہین، آخر مین نظام علی خان کے اس عہد تک کے حالات پر اجمالی تبصرہ کیا ہے اور دکھایا ہے کہ ادھین حصول سلطنت کا خیال کب اور کیونکر پیدا ہوا، اور صلابت جنگ کے معزول کرنے مین وہ کہان تک حق بجانب ہین،

مؤلف نے فرانسیسی و انگریزی اثر و اقتدار کے عروج و زوال اور صلابت جنگ و نظام علی خان کے باہمی تعلقات کے بیان مین واقعات سے جو قیاسات قائم کئے ہین، متضاد بیانون مین تطبیق دیکر اپنے نظریہ کی جو تائید حاصل کی ہے اون مین اگرچہ کہین کہین تشفی نہین ہوتی، تاہم اکثر مقامات پر لائق مؤلف کامیاب ہوئے ہین، اگرچہ ایسے مواقع بھی ہین جہان محض قیاسات پر حقائق کو منطبق کرنا چاہا ہے، اور تاریخی استناد و استشہاد کو محض قیاسی دلائل سے رد کیا ہے، اور ہمین یہ قیاسات درایت کی حیثیت سے بھی برمحل نظر نہین آتے، لیکن مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہین، کہ نظام الملک آصفجاہ ثانی کی سیرت مین حصول سلطنت کے پہلے تک کی زندگی پر تحقیق و تدقیق اور اختلافات کے حل کرنیکی ایک مستحسن کوشش کیگئی ہے لیکن افسوس ہے کہ زبان مین، طریق ادا، الفاظ کے صحیح استعمال جملون کی ترکیبون اور کہین کہین تذکیر و تانیث کی غلطیان اور خامیان نظر آتی ہین، جو ہمین ایسی صاف ستھری چھپی ہوئی کتابون مین جو خوش

دمسکر اور تحقیق سے لکھی گئی ہون، اور زیادہ بُری معلوم ہوتی ہین،

سکّہ اور شرح مُبادلہ :- مؤلفہ جناب سید محمد احمد صاحب کاظمی بی ایس سی ایل ایل بی علیگ ناشر نظامی پریس بدایون ۲۱۶ قیمت ۱۲؍

سال گذشتہ ماہ ستمبر مین انگلستان کی وزارت کی تبدیلی کے بعد انگلستان اور ہندوستان مین سونے اور مبادلہ کے متعلق جو ہنگامی قوانین نافذ کئے گئے تھے، اون کی تشریح کے لئے اردو کے اخبارات مین سکہ اور شرح مبادلہ پر مضامین نکلے تھے، اسی سلسلہ مین جناب سید محمد احمد صاحب کاظمی نے اخبار ذوالقرنین بدایون مین ایک سلسلۂ مضامین لکھا تھا، لیکن اوسکی تکمیل نہ ہوسکی، اس لئے نظامی پریس کی طرف سے اوسکو رسالہ کی شکل مین شایع کیا گیا ہے، اس رسالہ مین سکہ اور شرح مبادلہ کو اصولاً بیان کرنے کے بعد ہندوستان مین حکومتِ انگلشیہ کے قیام کے بعد سے سکہ پر جو مختلف دور گذرے ہین، اونھین بیان کیا ہے، اسلئے انگریزون کے عہد کے ہندوستانی سکہ کی مفصل تاریخ منضبط ہوگئی ہے، اور اسی ذیل مین ایسٹ انڈیا کمپنی، انگلستان اور حکومتِ ہند کے درمیان سکہ اور شرح مبادلہ پر اب تک جو مراسلتین ہوئین، جو مباحث ہوئے، جو قوانین نافذ کئے گئے، جو کمیشن مقرر ہوئے، اور مختلف عہدون مین سکہ کی قیمتون مین جو اوتار چڑھاؤ رہا، اور اوسکے جو اسباب و علل رہے، اور سوراج پارٹی کے عہد مین اسمبلی مین جو مباحث ہوئے سب کو اجمالاً پیش کیا ہے، اور حکومتِ ہند اور ہندوستانی محب وطنون کے زاویۂ نگاہ مین سکون کے متعلق جو اختلافات رہے ہین اونھین تفصیل سے بیان کیا ہے، اور آخر مین دکھایا ہے، کہ جب تک ہندوستان مین سونے کے سکے رائج نہ کئے جائین، یا چاندی کے سکون کی قیمتین فرضی قرار دئے جانے کے بجائے واقعی نہ قرار پا جائین یعنی مثلاً ایک روپیہ مین واقعی ایک روپیہ کی چاندی داخل نہ کی جائے، اوس وقت تک ہندوستانی سکہ کا صحیح حل نہ ہوسکے گا، اور بازار مین اوسکی واقعی قیمت قائم نہ ہوسکے گی، اور اوس کی وجہ سے ہندوستان کو ہمیشہ نقصانات اوٹھانا پڑین گے، ملک کے تجارت پیشہ اصحاب اور لین دین کرنے والے اشخاص اور نیز سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والون کے لئے یہ ایک کارآمد رسالہ ہے، اس سے پیچیدہ اقتصادی مسائل پر روشنی پڑتی ہے، لیکن جنھین اقتصادیات سے دلچسپی نہین اونھین

رسالہ کسی قدر دقت نظر سے پڑھنا پڑیگا،

مئے دو آتشہ: یعنی ترجمۂ رباعیات عمر خیام، از جناب شوکت بلگرامی، مرتبہ جناب سید محمد علی صاحب ناشر مکتبۂ

ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن، ۲۷ تقطیع چھوٹی قیمت ۱۲

عمر خیام کی رباعیون کے کئی منظوم اور غیر منظوم ترجمے اردو مین شایع ہو چکے ہین لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ شاید اوسکے منظوم ترجمہ کی ابتدا سب سے پہلے جناب شوکت بلگرامی مرحوم (حیدر آباد دکن) نے کی تھی لیکن وہ چند رباعیون کا ترجمہ کرکے رہ گئے، اب انھی منظوم مترجم رباعیونکا مجموعہ دو آتشہ کے نام سے اون کے خلف جناب سید محمد علی صاحب بلگرامی نے مرتب کرکے شایع کیا ہے، مجموعہ کی ابتدا مین مرتب کی جانب سے مترجم کے مختصر حالات ہین، اور پھر اس منظوم ترجمہ اور اوس کے ماسبق ترجمہ مین موازنہ کیا ہے، اور ایک ہی رباعی کے دونون ترجمے یکجا دکھائے ہین اوس کے ترجمہ پر چند اکابر نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی یمین السلطنتہ سرکشن پرشاد بہادر، نواب عماد الملک بلگرامی، نواب صدر یار جنگ بہادر، اور شمس العلما، نواب سید امداد امام صاحب اثر کی تقریظین مندرج ہین جن مین سے بعض مین خیام کے حالات اور بعض مین اوسکے فلسفہ اور بعض مین اس اردو منظوم ترجمہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے، اور آخر مین رباعیان اور اون کے ترجمے اس ترتیب سے درج ہین، کہ ایک صفحہ پر فارسی رباعی اور اوس کا انگریزی ترجمہ اور اوسکے مقابل کے صفحہ پر شوکت کا اردو ترجمہ ہے، مترجم نے اس ترجمہ مین لفظی پابندیون کے بجائے معنوی پابندی رکھی ہے، اور فارسی رباعی کا مفہوم اردو کی رباعی مین ادا کیا ہے، اس مین شبہہ نہین کہ اب تک جو منظوم ترجمے چھپے ہین، مجموعی حیثیت سے یہ ترجمہ اون پر سبقت لے گیا ہے، اگرچہ فی الجملہ یہ بھی صحیح ہے کہ دوسرے ترجمون مین لفظی پابندی کے حدود قائم رکھنے کا خیال رکھا گیا ہے، جس سے جدید منظوم ترجمہ خالی ہے،

"م"

ادبی کتابین

شعر الہند

حصہ اول

جس مین قدماء کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کیگئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۰۴ صفحے،

قیمت :- . . . . للعہ

حصہ دوم

جسمین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی، اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کیگئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ ضخامت ۵۹۴ صفحے، قیمت :- . . . . . . للعہ

گل رعنا

اُردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جسمین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، وَلی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے،

قیمت :- . . . . صہ

علوم القرآن

قرآن پاک کے متعلق حسب ذیل کتابیں اردو میں ہمارے یہاں موجود ہیں،

۱- کشاف الہدیٰ

جس میں نزول قرآن، وحی الہام اور قرآن مجید کے متعلق تمام علمی مباحث پر بحث کیگئی ہے، مصنفہ سیٹھ یعقوب حسن صاحب مدراس، قیمت :- . . . . عہ

۲- حدائق البیان فی معارف القرآن

یہ کتاب سیوطی کی مشہور کتاب الاتقان فی علوم القرآن کا ضروری خلاصہ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت :- . . . . عہ

۳- مقالات شبلی جلد اول

اسمیں مولنا شبلی مرحوم نے قرآن کی تاریخ تدوین، علوم القرآن، اعجاز القرآن، اقسام القرآن وغیرہ عنوانات پر مختلف مضامین لکھے ہیں، قیمت . . . . عہ

۴- ترتیب القرآن،

قرآن پاک کی ترتیب وتدوین کی تاریخ پر ایک مختصر رسالہ، قیمت :- ۲ر

ملنے کا پتہ:- مینجر دار المصنفین شہر اعظمگڈہ
(طابع وناشر محمد اویس دارنی)